بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (القرآن الحکیم)

انشراح الصدور

بتذکرۃ النور

یعنی

سوانح حیات سراج السالکین شمس العارفین حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب قدس سرہ

خلیفہ مجاز عاشق یزدانی مجدد عصر قطب زمانہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری

مؤلفہ

جناب سید منیر حسین شاہ صاحب جوکالوی خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

بحسن سعی

زیب سجادہ عالیہ صاحبزادہ محمد باقر علی شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

۱۳۷۳ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

عرضِ حال

کچھ چھپی بات نہیں ہیچمدانی میری
ہے حقیقت کا یہ اظہار زبانی میری

تو نے بخشا مجھے جو کچھ میرے آقا بخشا
میں ہوں کیا چیز کیا شے ہے کہانی میری

میری تعمیر کا جب نقشہ خدا نے بدلا
تجھ کو سونپی گئی ہر چیز بنانی میری

انقلاب ایسا کیا ایک نظر سے برپا
تو نے ہر چیز بدل ڈالی پرانی میری

اپنی بے مثل فراست کی شمع کی لو سے
تو نے دانست میں گم کر دی ندانی میری

کفر و الحاد کی آندھی سے بچالی تو نے
ٹمٹماتی ہوئی یہ شمع ایمانی میری

لے دیے حق سے مجھے نغمے ترانے تو نے
تیرا صدقہ ہیں یہ اشعار زبانی میری

تجھ سے مانگا جس قدر اس سے سوا ہی پایا
یہ حقیقت ہے نہیں کذب بیانی میری

تیرے الطاف کو بخشش کو کرم کو تک کر
طعنے دیتی ہے مجھے تنگ دامانی میری

جادۂ حق پہ تیرے نقشِ قدم کا صدقہ
سنگِ راہ بنتے ہیں منزل کی نشانی میری

تیرا منگتا ہوں، مجھے خیر یہ حق سے لے دے
دائمی بخت میں ہو فضلِ ربانی میری

سایۂ شبیرِ محمدؐ میں کرم سے تیرے
ہو پناہ تا بہ ابد ظلِ رحمانی میری

تیری اولاد میرے قلب و نظر کا کعبہ
ان کی چوکھٹ پہ رہے جھکتی پیشانی میری

یہ تیرے چاند میرے دل کے اجالے آقا
رکھ عقیدت کی جبیں ان سے نورانی میری

عمر بھر ان کی محبت کے ترانے گاؤں!
ذکرِ خیر ان کا رہے ورد زبانی میری

ذرۂ خاک کفِ پا ہوں تمہارا آقا
ہے اسے خورشید تری ضو سے تابانی میری

تیری اولاد سے ہو شرف غلامی ان کو
ہو میری نسل میں اک یہ بھی نشانی میری

قبل اس کے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات برادرانِ طریقت کی خدمت میں ہدیہ کیے جائیں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عاجز کن حالات میں آپ کی خدمت عالیہ میں شرف یاب ہوا اور آپ کی صحبت مبارک میں حاضری کا کیسے موقع ملا۔

ناظرین کرام! میرے ایّام طفولیت میں میرا ماحول اثنا عشریہ مذہب کا تھا اور انہی حضرات کی صحبت مجھے حاصل تھی۔ چنانچہ ان اثرات کی بنا پر تیرہ چودہ سال کی عمر کو پہنچنے تک میں ایک متعصب شیعہ ذہنیت کا حامل اور مالک بن گیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سخت ترین مخالف۔ سنت کے مطابق شکل و صورت کو دیکھنا تک گوارا نہ کرتا اور نماز روزہ وغیرہ فرائض اور احکام شرعی سے کوسوں دور بھاگتا۔

انہی ایام میں ایک دفعہ ایک عرب صاحب ہمارے گاؤں موضع جوکالیاں میں تشریف لائے۔ عاجز بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ یہ سیّد ہیں۔ نماز کا وقت قریب تھا۔ وہ مسجد میں تشریف لے گئے تو عاجز بھی ان کے ساتھ مسجد تک گیا لیکن نماز ادا نہ کی۔ اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو عرب صاحب نے فرمایا کہ ہم جب واپس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کریں گے کہ آپ کی اولاد سے ایک لڑکا ہندوستان میں تھا جو نماز ادا نہیں کرتا تھا"۔

یہ بات سُن کر دل کو سخت ندامت ہوئی اور عرض کیا کہ ان شاء اللہ العزیز اب میں نماز ادا کیا کروں گا، میری یہ شکایت حضورؐ کی خدمت پاک میں نہ کرنا۔ چنانچہ اس دن سے نماز پڑھنا شروع کر دیا اور حتی الوسع نماز کو ضائع نہ ہونے دیتا۔

ہمارے محلہ کی مسجد میں چونکہ امام مسجد صاحب اہل سنت وجماعت کے مذہب کے تھے اور انہی کے پیچھے نماز ادا کرنا پڑتی لہٰذا میں بھی اسی طریقہ پر نماز ادا کرتا رہا۔ مولوی غلام رسول صاحب (امام مسجد) صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ مزمل تلاوت فرمایا کرتے۔ ان کو دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ گیارہ دفعہ پہلے اور گیارہ دفعہ بعد میں کہہ لیا کرو کہ "یا مولیٰ کریم! مجھے اپنے حبیب پاک کی زیارت کرائیں"۔ چنانچہ حسب ہدایت یہ عمل شروع کر دیا گیا۔ لیکن بایں ہمہ میرے اعتقادات میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

ایک رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور آپ نے مجھے بازو سے پکڑ کر فرمایا کہ چل تجھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب کرائیں"۔ میں آپ کے ہمراہ ہو لیا۔ تھوڑی دور چل کر ایک جگہ پر بہت سے آدمیوں کا ہجوم نظر آیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہی دربار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لیکن جب نزدیک پہنچا تو نیند کھل گئی۔ اُٹھتے ہی میں نے محسوس کیا کہ میرے ضمیر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عداوت دور ہو کر عظمت جاگزیں ہو گئی ہے۔

اس واقعہ کے بعد دل میں یہ ارادہ پیدا ہوا کہ کسی مردِ خدا کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ ہماری مسجد کے کچھ نمازی حضرت اعلیٰ شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق والے تھے۔ انہی دنوں آپ کا وصال شریف ہوا تھا اور وہ آپ کے جہلم سے واپسی پر مختصر حالات حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ لائے تھے۔ عاجز نے انہیں پڑھا، تو دل میں بہت افسوس پیدا ہوا کہ ایسے مردِ خدا کی خدمت میں تو ضرور حاضر ہونا چاہیے تھا لیکن اب کیا کیا جائے؛

میرے اس ارادہ سے جب آپ کے وہ معتقدین مطلع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت کیلیانوالہ شریف میں ایک مردِ خدا ہیں، حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ کا فرمانِ مبارک ہے کہ جو ہمیں دیکھنا چاہتا ہو وہ ان کو دیکھ لے۔ چنانچہ ایک بیلی مسمی خوشی محمد آرائیں کو ہمراہ لے کر میں حضرت کیلیانوالہ شریف میں حاضر ہوا۔ گاؤں سے باہر ہی حضور رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اللہ دتہ حجام سے حجامت بنوا رہے تھے، وہیں شرف ملاقات حاصل ہو گیا۔ آپ نے کمال شفقت اور مہربانی سے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو"؟ عرض کیا کہ "جوکالیاں سے"۔ حکم ہوا کہ مسجد میں چلو"۔ اس دن جمعہ شریف۔ نماز جمعہ ادا کی اور رات یہیں گزاری۔ رات کو حضور خود بہ نفس نفیس ہمارے لیے کھانا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ صبح آپ نے کمال مہربانی سے داخل طریقت فرما کر سورۂ اخلاص اور درود شریف پڑھنے کو فرمایا۔ اس کے بعد اجازت ہوئی اور ہم دونوں ساتھی واپس جوکالیاں چلے گئے۔

اس کے بعد زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا اور آپ کے فرمان مبارک پر عمل کرنے سے ایک نئی زندگی محسوس ہونے لگی۔ آپ کی صحبت مبارک میں وہ کیف و سرور حاصل ہوتا جو بیان سے باہر ہے۔ جوکالیاں جانے کے بعد دو تین دن تک یہی کیفیت رہتی اور رفتہ رفتہ اثرات بد کی وجہ سے اس کیفیت میں کمی محسوس ہونے لگتی اور جی چاہتا کہ آستانہ عالیہ پر پہنچ کر مستفیض ہو کر وہی کیفیت حاصل کروں۔ لیکن شیطانی خیالات حائل ہو جاتے اور یہ خیال آتا کہ آپ فرمائیں گے تیسرے چوتھے آ تا ہے۔ اور اس وجہ سے رُک جاتا۔

کچھ دن گزر گئے اور خیالات فاسدہ نے دل میں جگہ پکڑی کہ تمام مخلوق کو مولیٰ کریم نے پیدا فرمایا تو معاذ اللہ مولیٰ کریم کس طرح بنے؟ رفتہ رفتہ ہستی مولیٰ کریم کا انکار شیطان نے دل میں ڈال دیا۔ طبیعت سخت گھبراتی لیکن یہ خیال متواتر ستا رہا تھا۔ آخر ایک دن حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر ہوا اور جونہی حضور کے چہرۂ منور پر نظر پڑی یہ سب شیطانی وساوس تیر کی طرح نکل گئے اور طبیعت میں اطمینان پیدا ہو گیا۔

تین چار سال تک اسی طرح ہر جمعہ شریف کے دن حاضر ہوتا اور جمعہ شریف ادا کر کے رات کو واپس جوکالیاں میں چلا جاتا۔ اس کے بعد مستقل طور پر حاضری کا موقع ملا اور مولیٰ کریم کے فضل و کرم سے شب و روز آپ کی صحبت پاک میں رہنا نصیب ہو گیا۔ کبھی دو چار ماہ کے بعد دو چار دن کے لیے جوکالیاں میں جانا پڑتا تو اس قلیل وقت میں بھی طبیعت اس قدر بے چین ہوتی کہ الامان۔ اس وقت تک آرام نہ ہوتا جب تک آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاتا۔ اور اس قدر طبیعت خراب ہو جاتی کہ ہوش و حواس باختہ ہو جاتے۔ جونہی حضور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتا طبیعت میں سکون اور اطمینان ہو جاتا۔ اور الحمد للہ کہ سفر و حضر میں آپ کی معیت نصیب رہی۔ چنانچہ آپ کی کتاب الانسان فی القرآن شروع سے لے کر آخیر تک عاجز کو ہی آپ کے ارشادات مبارک جمع کر کے تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ وقت نہایت عجیب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریائے رحمت میں غوطہ زن ہیں اور تمام تفکرات دینی و دنیاوی سے مبرّا۔ اس وقت خیال پیدا ہوا کہ حضور قدس سرہٗ کے سوانح حیات جمع کیے جائیں۔ مڈل تک تعلیم تھی اور روزمرہ کا معمولی اُردو لکھ پڑھ سکتا تھا لیکن اس تحریر کا خیال کیا تو رکاوٹ سی محسوس ہوئی۔ البتہ آپ نے حکم دیا کہ قرآن

پاک کی رُو سے حضرت یعقوب و حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی جُدائی اور ایک دُوسرے کے متعلق علم پر تبصرہ لکھو۔ عاجز نے حسب فرمان چند صفحات تحریر کیے لیکن طبیعت مطمئن نہ ہوئی اور عرض کیا کہ اگر حضور خود تحریر فرمائیں تو اچھا ہے۔" لیکن حکم ہوا کہ "یہ تمہی سے تحریر کرانا ہے۔" چنانچہ کتاب کے مسودے میں آپ نے انبیاء کے علم غیب کے ماتحت اسے ہی منسلک فرمایا اور یہی کتاب پاک میں تحریر ہوا۔ گویا یہ اس سعادت عظمیٰ کی ابتدا تھی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے لے کر حضرت کیلیانوالہ میں تشریف لانے تک کے واقعات یعنی شرق پور شریف میں حاضری، حضرت اعلیٰ کے واقعات وغیرہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بالتفصیل اپنی زبان مبارک سے وقتاً فوقتاً بیان فرمائے جو عاجز کو آپ کی توجہ پاک کی برکت سے یاد تھے۔ اور آپ کا وقت مبارک جو قریباً تمام اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس کے متعلق کسی کے بتانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

آپ کے وصال مبارک کے بعد آپ کے جانشین اور فرزند ارجمند کے فرمان مبارک کے ماتحت اس کام کو عاجز کے سپرد کیا گیا۔ عاجز اپنی ذات میں بہت سی علمی اور عملی کمی محسوس کرتا تھا لیکن اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ کے ماتحت اس کام کو شروع کیا اور اپنی استعداد کے مطابق سادہ الفاظ میں اس نور پیکر کے حالات طیبہ کو ناظرین کے پیش کیا۔ مجھے یہ پوری طرح احساس ہے کہ حضور جس عظمت اور شان کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اس کے مطابق حالات تحریر نہیں ہو سکے۔ اور ہوں بھی کیسے۔ کیونکہ ہر ایک انسان اپنے مافی الضمیر سے بڑھ کر اظہار نہیں کر سکتا، اور

اولیا را ے شناسد اولیاء

کے مطابق ان کے حال پاک اور اقوال مبارک کو کماحقہٗ سمجھنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس لیے اُمید اغلب ہے کہ ناظرین میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائیں گے اور اصل معانی و مفہوم کی طرف خیال فرماتے ہوئے میرے حق میں دُعائے خیر فرمائیں گے۔

دراصل عاجز نے خریدارانِ یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے آقا و مولیٰ کے مداحوں میں نام شمار کرانے کی کوشش کی ہے ورنہ "بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری" کے مطابق ایسے اولیاء اللہ کے سوانح حیات مجھ ایسے کم علم اور کم فہم کا تحریر کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا جن کے حق میں حضرت میاں صاحب قدس سرہٗ قطب زمان نے تحریر فرما دیا کہ "عزیز کی طبع ہر طرح مبارک ہے۔" والسلام

منیر حسین

بخاری النقوی، خادم حضور قدس سرہٗ

حضرت کیلیانوالہ شریف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ حَیًّا قَیُّوْمًا عَالِمًا قَدِیْرًا مُّدَبِّرًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَ اُکَبِّرُہٗ تَکْبِیْرًا ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِیْعَنَا وَسَنَدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ۔

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست ۔۔۔ محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرینِ مصطفٰے بس! ۔۔۔ محمد حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد ۔۔۔ بہ بیتے ہم قناعت مے تواں کرد
محمد! از تو مے خواہم خدا را ۔۔۔ الٰہی! از تو عشقِ مصطفٰے را

دگر لب وا مکن مظہر فضولیست
سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

ظہورِ نورِ اوّلین

حضور امامِ اولیاء، سرورِ انبیاء، باعثِ ایجادِ عالم، فخرِ موجودات، محبوبِ ربّ العالمین، رحمۃٌ للعالمین، شفیع المذنبین، منبعِ فیضِ انبیاء ومرسلین، معدنِ علومِ اوّلین وآخرین، واسطہ ہر فضل و کمال، مظہرِ ہر حُسن وجمال اور خلیفۂ مطلق ونائبِ کُل حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کے نور کو پیدا کیا۔ پھر اسی نور کو واسطۂ خلقتِ عالم ٹھیرایا۔ عالمِ ارواح ہی میں اس نور کو خلعتِ نبوّت سے سرفراز فرمایا۔ اسی عالم میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی رُوحوں سے عہد لیا گیا کہ جب وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، جیسا کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ میں مذکور ہے۔ اسی واسطے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کو حضور کی آمد کی بشارت دیتے رہے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ مبارک ان کی پشت میں بطور ودیعت رکھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے وہ نور حضرت حوا کے رحمِ پاک میں منتقل ہوا۔ پھر حضرت حوا سے حضرت شیث علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ اسی طرح یہ نورِ منور پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا حضور کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پشت مبارک میں اور وہاں سے حضرت آمنہ کے بطنِ مبارک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائک بنے اور اسی نور کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی غرق ہونے سے بچی، اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتشِ نمرود گلزار ہوگئی۔ غرض اسی نور کی برکت سے تمام انبیائے سابقین علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غایت ہوئیں۔

حضور اپنی والدہ ماجدہ کے بطنِ مبارک ہی میں تھے کہ آپ کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔

آپ کا تولد شریف سال فیل ۵۷۱ء میں ہوا۔ اصحاب فیل کا واقعہ بقول جمہور نصف ماہ محرم میں تولد شریف سے ۵۵ روز پہلے وقوع میں آیا۔ تولد شریف کے وقت آپ کے ساتھ ایسا نور ظاہر ہوا جس سے آپ کی والدہ ماجدہ کو ملک شام کے قیصری محل نظر آگئے، اور دیگر خوارق مثلاً ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑنا، آتش فارس کا بجھ جانا، بحیرہ سادہ کا خشک ہو جانا اور وادی سمادہ کا لبالب بہنا وغیرہ وقوع میں آئے۔

سب سے پہلے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دودھ پلایا، پھر آپ نے چند روز ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا، بعد ازاں حلیمہ سعدیہ آپ کو اپنے قبیلہ میں لے گئیں۔ وہیں پہلی بار حضور کا شق صدر ہوا۔ دوسرا شق صدر دس برس کی عمر شریف میں، تیسرا بعثت کے وقت غارِ حرا میں اور چوتھا شب معراج میں ہوا۔ جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ انتقال فرما گئیں اور آپ کے دادا عبد المطلب آپ کی پرورش کے کفیل ہوئے۔ جب آٹھ سال کے ہوئے تو عبد المطلب نے بھی وفات پائی۔ پھر حضور اپنے چچا ابو طالب کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ بارہ سال کی عمر شریف میں آپ ابو طالب کے ساتھ ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ رسول رب العالمین ہیں۔ چودہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ حرب فجار میں شرکت فرمائی۔ پچیس سال کی عمر شریف میں آپ حضرت خدیجہؓ کی طرف سے بغرض تجارت شام کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں نسطورا راہب نے آپ کی نسبت کہا کہ یہ آخر الانبیاء ہیں۔ اس سفر سے واپسی کے قریباً تین ماہ بعد حضور کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا۔ جب آپ کی عمر شریف ۳۵ سال کی ہوئی تو قریش نے عمارت کعبہ کو از سر نو بنایا۔ اس تعمیر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شریک تھے اور اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ کندھے پر پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔

جب عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ خفیہ طور پر بعض لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے لگے۔ اس دعوت پر کئی مرد و زن آپ پر ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابو بکرؓ صدیق، لڑکوں میں سے

حضرت علیؓ، عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ، آزاد کیے ہوئے غلاموں میں سے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور غلاموں میں سے حضرت بلالؓ ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

خفیہ دعوت کے تین سال بعد اعلانِ دعوت کا حکم آیا۔ تبلیغ علی الاعلان پر قریش برافروختہ ہو گئے اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیتے رہے۔ نبوت کے پانچویں سال حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے جو چاہیں ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ چنانچہ پہلے پہل گیارہ مرد، اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ ایمان لائے اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروقؓ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام کی ترقی پر قریش مسلمانوں کو اور ایذا دینے لگے۔ اس لیے ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں نے دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ قریش نے نجاشی کے پاس اپنی سفارت بھیجی کہ مہاجرین کو واپس کر دو مگر وہ سفارت بے نیلِ مرام واپس آئی اس لیے قریش میں اب بالاتفاق یہ قرار پایا کہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو علانیہ قتل کر دیا جائے بنو ہاشم و بنو مطلب حضور کو بغرضِ حفاظت شعب ابی طالب میں لے گئے۔ اس پر قریش نے بنو ہاشم و بنو مطلب سے مقاطعہ کر دیا تاکہ تنگ آکر حضورؐ کو ان کے حوالے کر دیں۔ اور اس بارے میں ایک تحریری معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ قریش نے نہایت سختی سے اس معاہدہ کی پابندی کی۔ تین سال کے بعد حضورؐ نے خبر دی کہ اس معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور سوائے اللہ کے نام کے کچھ نہیں چھوڑا۔ جب معاہدہ کو دیکھا گیا تو حضورؐ کا ارشاد صحیح نکلا۔ مگر مخالفین بجائے رو براہ ہونے کے اور زیادہ درپئے ایذا ہو گئے۔ ماہ رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے بھی انتقال فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پریشانی کی حالت میں طائف کا سفر کیا مگر اشراف ثقیف نے آپ کی دعوت کا بُری طرح سے جواب دیا اور واپسی پر اس قدر پتھر برسائے کہ نعلین شریفین خون آلودہ ہو گئیں۔

آپ کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور نواح مکہ میں موجود ہوتے دعوتِ اسلام دیا کرتے تھے اور میلوں میں بھی اسی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ نبوت کے

گیارھویں سال آپ نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے، قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں اپنے بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی، اس لیے آئندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے اور حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ بقول مشہور اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات حضورؐ کو حالت بیداری میں جسد شریف کے ساتھ معراج ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ نبوت کے تیرھویں سال انصار میں سے ۷۳ مرد اور دو عورتوں نے حضورؐ کی بیعت کی۔

قریش کی ایذا رسانی سے اب مسلمانوں کا قیام مکہ میں دشوار ہو گیا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی اجازت سے صحابہ کرامؓ متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے اور مکہ معظمہ میں حضورؐ کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔

قریش نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار مکہ معظمہ سے باہر مدینہ منورہ میں بھی ہو گئے ہیں تو وہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی وہاں چلے جائیں اور اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر مکہ پر حملہ آور ہوں، اس لیے انہوں نے دار الندوہ میں جمع ہو کر شیخ نجدی کے مشورہ سے یہ قرار دیا کہ رات کو حضورؐ کو قتل کر دیا جائے۔ حضورؐ کو بذریعہ وحی خبر ہو گئی۔ کفار نے حسب قرارداد رات ہوتے ہی حضورؐ کے دولت خانہ کو گھیر لیا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر چھوڑا اور ایک مشت خاک لے کر سورۂ یٰسین شریف کی شروع کی آیات پڑھ کر کفار پر پھینک دی۔ کفار کو کچھ نظر نہ آیا اور آپ وہاں سے نکل کر حضرت صدیقؓ اکبر کو ساتھ لیکر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تین رات غار ثور میں رہے۔ قدید کے قریب سراقہ بن جعشم آپ کے تعاقب میں آیا۔ آپ کی دعا سے اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور وہ معافی مانگ کر واپس چلا آیا۔ قدید ہی میں آپ کا گذر اُمّ معبد کے خیمہ پر ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا میں ۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن پہنچے۔ یہی تاریخ اسلامی کی ابتدا ہے۔ آپ نے قبا میں مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی تشریف آوری سے مسلمانوں کو جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ آپ نے حضرت ابو ایوبؓ

انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔ اس سال مسجد نبوی، ازواج مطہراتؓ کے لیے حجرے اور مہاجرین کے لیے مکانات بن کر تیار ہو گئے، اذان شروع ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کرائی۔

ہجرت کے دوسرے سال قبلۂ نماز بجائے بیت المقدس کے کعبہ شریف ہو گیا اور رمضان شریف کے روزے فرض ہو گئے۔ غزوات وسرایا کا آغاز ہوا۔ غزوات تعداد میں ۲۷ ہیں اور سرایا ۴۷۔ بڑے بڑے غزوات جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، سات ہیں: بدر، اُحد، خندق، خیبر، فتح مکّہ، حنین، اور تبوک۔ جن غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتال فرمایا وہ یہ ہیں: بدر، اُحد، خندق، بنی مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔

غزوات میں سب سے اخیر غزوۂ تبوک ماہ رجب ۹ھ ہجری میں تھا۔

ہجرت کے ساتویں سال کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والیانِ ملک (قیصر وکسریٰ اور نجاشی وغیرہ) کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔ اور ۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار جو منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے بنائی تھی، آپ کے حکم سے جلادی گئی۔ اسی سال وفودِ عرب دربارِ رسالت میں اس کثرت سے حاضر ہوئے کہ اسے سالِ وُفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمتِ ایمان سے مالا مال ہو کر واپس گئے۔ ۱۰ھ ہجری میں بھی وفودِ عرب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔ اہلِ یمن وملوک حمیر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام دنیا بالخصوص عرب پر حد سے زیادہ جہالت وگمراہی چھائی ہوئی تھی۔ ان کی اخلاقی ومذہبی پستی حدِّ غایت کو پہنچی ہوئی تھی۔ موافق ومخالف سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمّی تھے، اُمّیوں میں آپ نے پرورش پائی کسی سے تعلم وتلمّذ نہ کیا اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ مگر آپ نے تعلیم الٰہی اپنے اصحابؓ کرام کو وہ تعلیم رُوحانی دی کہ وہ معارفِ ربانی کے عارف اور اسرارِ فرقانی کے ماہر بن گئے۔ جس کسی نے دولتِ ایمان سے سرفراز ہو کر کچھ وقت

بھی شرفِ ملازمت حاصل کر لیا وہی عالمِ ربانی اور عارفِ یزدانی بن گیا۔ آپ کی صحبت میں صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک کو نسبت خاصہ اور قوتِ قدسیہ مبدأ فیاض سے عطا ہو گئی۔ الحاصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کو اسلام و ایمان اور احسان سے مالامال کر کے اور سچے دین کے ظاہری و باطنی علوم سکھا کر ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن الرفیق الاعلیٰ پکارتے ہوئے اعلیٰ علیین قربِ رب العالمین میں جا سدھارے۔ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ افضل الصلوات واکمل التحیات

مگر حضور سراپا نور رحمۃٌ للعالمین اور بدستور حیات ہیں، قیامت تک حضورؐ کی اُمتِ مرحومہ کو حضورؐ سے وہی فیضان بواسطہ خواص اُمت علمائے کرام و صوفیائے عظام پہنچتا رہے گا جو حضورؐ کی ظاہری زندگی میں پہنچتا تھا۔ حضورؐ کی اُمت میں وقتاً فوقتاً اولیاء و صلحاء پیدا ہوتے رہیں گے جو اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو عُلوم ظاہری و باطنی کے فیضان سے مالامال کرتے رہیں گے۔ چنانچہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الانسان فی القرآن" میں "سراجاً منیرا" کے عنوان کے تحت میں اس مضمون کی بڑی بسط کے ساتھ توضیح و تشریح فرمائی ہے۔ احباب کو چاہیے کہ اس سے استفادہ حاصل کریں۔

5-11-2005

ایک ذرّہ بے مقدار سورج کی وسعت و حقیقت کی کیا وضاحت کر سکتا ہے، اور اگر اپنی بساط کے مطابق لکھا بھی جائے تو اس کے لیے کم از کم اسی قدر ضخیم کتاب چاہیے۔ لہٰذا یہاں پر صرف بطورِ تبرک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے چند بڑے بڑے واقعات کی نہایت ہی مختصر سی فہرست پیش کر دی گئی ہے۔ اِن واقعات کی تفصیل اور حضورِ انورؐ کی سیرت پاک کے متعلق بڑی بڑی مبسوط سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن کا مطالعہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لیے ضروری ہے۔

اسی طرح عام قاعدہ اور دستور تو یہ ہے کہ شروع میں سلسلہ کے تمام بزرگوں کا مختصر ذکر کرنے کے بعد اصل سوانح حیات کو شروع کیا جائے، تاکہ اس راستہ میں قدم رکھنے والوں کے لیے مشعلِ ہدایت اور باعثِ فیض ہوں۔ لیکن طوالت کے خوف سے صرف سلسلہ کا شجرہ طیبہ درج کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ

عوام کم از کم اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے اسمائے مبارک سے ناآشنا نہ رہیں ٭

شجرۂ طیّبہ

سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ

تیری رحمت کا، تیری مولیٰ! رضا کا ساتھ ہو
رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن خیر الوریٰ کا ساتھ ہو

جس نے سب کچھ عشق میں آقا پہ قرباں کر دیا
حاصل اس صِدِّیقِ اَکْبَرْ باسخا کا ساتھ ہو

راہبر ہوں حضرتِ سلمان ہر ہر گام پر
ہر کٹھن منزل میں قاسمؔ پیشوا کا ساتھ ہو

جعفرِ صادق سے پائیں ہم ادب صدق و صفا
شیخ اعظم بایزیدِ باخدا کا ساتھ ہو

بوالحسن کے فیض سے حاصل ہو عزمِ غزنوی
بوعلی کے راہروان نقشِ پا کا ساتھ ہو

ہوں ہمارے سب کے بو یوسفؔ امیر کارواں
پیروانِ عبدِ خالق باصفا کا ساتھ ہو

حضرت عارف کریں ہم کو عطا عرفانِ حق
شیوۂ محمود کا حمد و ثنا کا ساتھ ہو

مشکلیں حل ہوں طفیلِ حضرتِ خواجہ علیؒ
حضرتِ بابا سماسیؒ کی دعا کا ساتھ ہو

ہو بصدقۂ کلال ہم کو عطا رزقِ حلال!
اطمینانِ نفس، انعامِ خدا کا ساتھ ہو

نقش کر دیں عظمتِ دیں دل پہ خواجہ نقشبند
عجز و آداب و خلوصِ بے ریا کا ساتھ ہو

سینے بے کینے ہوں فیضانِ علاؤ الدین سے
مسلکِ یعقوب کی اک اک ادا کا ساتھ ہو

ہوں عبیدُ اللہ کے پیدا ہم میں بھی اوصافِ عبد
زہد میں زاہدِ ولی کے ارتقا کا ساتھ ہو

خوئے درویشی ہو ہم میں حضرتِ درویش کی
خواجہ امکنگی کے فقرِ حق نما کا ساتھ ہو

بخش ہم کو بھی الٰہی باقیؔ باللہ کا دوام!
شیخ احمد کی فنا کا اور بقا کا ساتھ ہو

بخشوائیں تجھ سے ہم کو حضرت معصومؔ یوں
عبدُ الاحد کی دعا کا اور عطا کا ساتھ ہو

ہو مدینہ کی زیارت بھی بہ الطافِ سعید
یہ سعادت ہو ہمیں بختِ رسا کا ساتھ ہو

چشم و دل ہوں پاک اپنے تیرے ذکرِ پاک سے
فکر سے فکرِ حنیفِ پارسا کا ساتھ ہو

حضرتِ شیخ محمد کی فراست دے ہمیں
حضرتِ خواجہ ذکیؔ کی بھی زکا کا ساتھ ہو

شرِ شیطان و نفس سے بھی رہیں محفوظ ہم!
سیرتِ خواجہ زماں حلم و حیا کا ساتھ ہو

جسم و روح کو بخش صحت حاجی احمد کے طفیل
زندگی بھر تندرستی اور شفا کا ساتھ ہو

بخشیں دربارِ رسالت کی حضوری شاہ حسین
تیری رحمت کی معیت، اور لقا کا ساتھ ہو

ہوں امامِ علی ہمارے دین و دنیا کے امام
ان کے تقویٰ کا قناعت کا غنا کا ساتھ ہو

میرِ صادق کی صداقت اور ایمان و یقین
صبر و استقلال و تسلیم و رضا کا ساتھ ہو

ہم سے نہ چھوٹے کبھی یارب صراطِ مستقیم
یوں امیر الدین پیر و رہنما کا ساتھ ہو

حشر کو حاضر ہوں یارب یوں تیرے دربار میں
ہم ہوں اور شیرِ محمد مصطفیٰ کا ساتھ ہو

آفتابِ دین سے دل کی مٹیں تاریکیاں
نسبتِ نور نبی کی بھی ضیا کا ساتھ ہو

چشمۂ نورِ ہدایت سے ہدایت پائیں ہم!
سیدی نور الحسن نورِ ہدیٰ کا ساتھ ہو

ماہتاب نور کی ہم پر رہیں ضو ریزیاں!
زندگی کی رات میں اس کی ضیا کا ساتھ ہو

ساتھ آقا کے رہے محشر میں بھی واصف غریب
دونوں عالم میں یونہی شاہ و گدا کا ساتھ ہو

خادم دربار عالیہ مقدسہ غلام حسین واصف جعفری
کنجاہ۔ ضلع گجرات

آغازِ کتاب

عرضِ مؤلّف

تمام تر تعریف اس ذات پاک ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا مالک، سب مخلوقات کا خالق رازق اور ظاہری و باطنی نعمات کا عطا فرمانے والا ہے۔ اور تمام تر نعت اس کے بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے جن کو اس ذات پاک نے رحمۃ للعالمین بنا کر اور ہم گنہ گاروں کی راہ نمائی کے لیے سِرَاجًا مُّنِيرًا کے اوصاف سے متصف فرما کر مومنین کے لیے نہایت تاکید کے ساتھ فَضْلًا كَبِيرًا کے احسان کا مژدہ سنایا۔ اور حضورؐ کو چونکہ خاتم النبیینؐ بنا کر سلسلۂ نبوت کو ہمیشہ کے لیے بند فرما دیا، اس لیے حضورؐ کے بعد بمصداق حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء اعلیٰ ترین اشخاص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری اور باطنی تعلیم سے فیضیاب ہوئے، ان کو ہم بے کسوں کا سہارا اور ہماری بھنور میں پڑی ہوئی کشتیوں کے ناخدا مقرر فرما کر اس چودھویں صدی میں جب کہ اسلام صرف نام کا رہ گیا ہے، ہماری راہنمائی کے لیے بھیجا۔

یہ ہمارے ہمدرد راہنما اپنی تریسٹھ سالہ زندگی کا وقت خصوصًا ۲۳ سالہ زندگی حضرت کیلیانوالہ شریف میں گزار کر اُسوۂ رسولؐ اور سیرت حضورؐ سے متنبہ فرماتے رہے اور ظاہری و باطنی فیوضات سے ہزارہا بندگان خدا کو مستفیض فرما کر ماہ ربیع الاول میں ہم غریبوں سے بظاہر زندگی سے جدا ہو کر اور داغ مفارقت دے کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کا سبق یاد کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے، اور اس طرح اپنے فنافی الرسول ہونے کا زندہ ثبوت چھوڑا۔

گو بفضلہ تعالیٰ حضور کی باطنی تعلیم میں کسی قسم کا فرق نہیں، تاہم ہم پسماندگان کو بظاہر کچھ تھوڑا سا خلا نظر آتا ہے، جو محض ہماری کمزوری کے سبب سے ہے۔ اس لیے بعض برادران نے اس عاجز کو فرمایا کہ چونکہ برادران طریقت میں سے حضور کی رفاقت کا سب سے زیادہ شرف تمہیں نصیب ہوا ہے،

لہٰذا حضور کے سوانح حیات تحریر فرما کر ہجوریں کے محزون قلبوں کی تسکین کا سامان کریں ؎

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

گو یہ عاجز کم علم و کم عمل اور اصل اوصاف سے جو حضور میں قابلِ ذکر تھے، بے بہرہ ہونے کے سبب سے اس کا اہل نہیں، تاہم حضرت اعلیٰ کے خلف الرشید، فرزند ارجمند اور ظاہری و باطنی فیوضات سے مستفیض سید محمد باقر علی شاہ صاحب سجادہ نشین اور خلیفہ مجاز کے فرمان مبارک پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور اپنی کم علمی اور کم استعدادی کو نظر انداز کرتے ہوئے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَب کے ماتحت اس کام کو اللہ کا نام لے کر شروع کر دیا۔

اس ذات پاک بے چون و بے چگون سے دُعا ہے کہ الٰہی! وہ کام جو میری استعداد سے بالاتر ہے، محض اپنے فضل و کرم اور طفیل رحمۃ للعالمین اور اپنے ان پاکباز بندوں کے جن کا ذکر اس عاجز نے شروع کیا ہے، اس کو احسن طریق سے انجام فرما۔ تاکہ اس گنہ گار کی نجات کا باعث ہو۔ اور میری اس سعی کو جملہ متعلقین و قارئین کے لیے ظاہری و باطنی فیوضات کا وسیلہ بنا کر مشکور فرما — اس عاجز کے نقائص اور کمیوں کو دُور فرما کر اپنے مقبول بندوں کے ذکر کو تحریر کرنے کے قابل بنا کر منظور فرما — آمین۔

آباؤ اجداد کا تعارف

قبل اس کے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مبارک شروع کروں، مناسب ہے کہ آپ کے بزرگان عظام کا تبرکاً تھوڑا سا حال قارئین کے پیش کروں، تاکہ اس خاندان کی عظمت عیاں ہو سکے۔

حضرت عبد السلام حضرت شاہ جی اور آپ کے خلفاء

حضور کی مسجد مبارک سے جانب جنوب ایک عظیم الشان روضہ مبارک ہے۔ اس عمارت اور مسجد شریف کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً دونوں عمارتیں ایک ہی وقت میں بنائی گئی ہیں، اور کہ

یہ کسی بادشاہ نے بنوائی ہیں۔ یا کسی باطنی بادشاہ اللہ کے بندے نے تعمیر کرائی ہیں۔ کیونکہ اس قدر پرشکوہ عمارتوں کی تعمیر عامۃ الناس کی طاقت سے باہر ہے۔ اس روضہ مبارک میں حضرت شاہ جی صاحب اور حضرت عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے مرقد مبارک ہیں۔

حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت کیلیانوالہ میں یہ مشہور ہے کہ یہ دو بھائی تھے، جو شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ سے کسی وجہ سے بھاگ کر حضرت کیلیانوالہ میں حضرت عبدالسلام کے پاس تشریف لائے، جو اُس وقت کے بزرگانِ عظام میں سے تھے۔ اور حاضر خدمت ہو کر ان سے سلسلۂ طریقت بیعت جوڑا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں ہونہار دیکھ کر حضرت عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال گزرا کہ ہم ان سیدزادوں کا اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ نکاح کر دیں۔ جب اس کے متعلق شاہ صاحبان کو علم ہوا تو چونکہ حضرت عبدالسلام صاحب بھٹی قوم میں سے تھے، اس لیے ان کو یہ ناگوار گزرا اور حضرت کیلیانوالہ شریف سے بھاگ نکلے۔ جب تھوڑی دور گئے تو دونوں بھائیوں کے پیٹ میں درد اُٹھا۔ جب آگے جاتے تو تکلیف زیادہ ہو جاتی اور جب حضرت کیلیانوالہ کی طرف لوٹتے تو آرام اور تسکین ہو جاتی۔ آخر مجبور ہو کر حضرت کیلیانوالہ تشریف لے آئے، اور حضرت عبدالسلام صاحب نے جو ان صاحبان کے پیر بھی ہیں، اپنی صاحبزادیوں کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اب حضرت کیلیانوالہ شریف اور بعض دوسرے اضلاع میں یہ خاندانِ سادات آباد ہے۔

میرے حضرت صاحب آقائی و مولائی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ جی صاحب، و حضرت عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے متعلق حضرت داتا گنج بخش سیّد علی ہجویری لاہوری قدس سرہٗ کا (مراقبہ میں) فرمان مبارک ہوا۔ کہ لَا ثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الدَّھْر۔

ایک مرتبہ عاجز حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے اپنے آبائی وطن جوکالیاں سے چل کر دریائے چناب پر پہنچا اور کشتی میں سوار ہوا تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو موضع ساہنپال کے رہنے والے اور حضرت نوشاہ صاحب سکنہ رنمل ضلع گجرات کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرے پاس حضرت نوشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی کتب موجود ہیں، جن میں آپ نے

ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ "میرے وقت میں حضرت شیخ احمد سرہندی اور حضرت شاہ جی صاحب ساکن حضرت کیلیانوالہ اور حضرت لال الدین صاحب و جمال الدین شاہ صاحب منگووال والے قابلِ ذکر ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا وقت ایک تھا۔ آپ قادری چشتی خاندان حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا فیض اور تصرّف تاحال جاری ہے اور تاقیامت جاری و ساری رہے گا۔ چنانچہ مشتے از خروارے عرض کیا جاتا ہے:

(۱) آپ کے چھوٹے چھوٹے تین یا چار بچے تھے، صحیح تعداد کا علم نہیں، جن کے مزارات بڑی مسجد کے عقب میں جنوب مغرب کی سمت میں واقع ہیں، حضرت کیلیانوالہ شریف میں عام مشہور بات ہے کہ یہ صاحبزادگان ایک دفعہ باہر کہیں بھیڑوں کے ریوڑ میں تشریف لے گئے اور بھیڑوں کے ساتھ کھیلنے لگے۔ جب یہ بھیڑوں کو پکڑتے تو وہ بھاگتیں۔ اس پر غصہ میں فرمایا کہ "او بھیڑو! مر جاؤ"۔ یہ کہتے ہی تمام بھیڑیں مر گئیں۔ چنانچہ بھیڑوں کا مالک حضرت شاہ جی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے صاحبزادگان کو فرمایا کہ جا کر بھیڑوں سے کہو کہ زندہ ہو جاؤ۔ چنانچہ بچے تشریف لے گئے اور جا کر بھیڑوں سے کہا کہ "بحکم خدا زندہ ہو جاؤ"۔ اور وہ زندہ ہو گئیں۔

(۲) ایک دن یہی بچے جو چمنے صاحب کے نام سے مشہور ہیں، سانپ پکڑ کر ایک کچی مٹی کی دیوار پر بیٹھ گئے اور سانپ کا چابک بنا کر دیوار کو حکم دیا کہ دوڑو۔ چنانچہ دیوار نے دوڑنا شروع کر دیا یہ خبر سن کر حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "تم دنیا میں رہنے کے قابل نہیں"۔ چنانچہ اسی وقت چمنے صاحب زمین میں سما گئے۔ ان کی برکات و کرامات حضرت کیلیانوالہ میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مشہور ہے کہ جو آدمی تین جمعرات ان مزارات پر جا کر اخلاص سے دُعا مانگے، خدا کے فضل سے ضرور قبول ہوتی ہے۔

(۳) حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک صاحب حضرت اللہ بخش مشہور ہیں۔ آپ نے ان کو موضع منگو کی ورکاں میں بھیجا تھا۔ چنانچہ موضع مذکور میں وہ ایک

زمیندار کے پاس بحیثیت ملازم کام کرتے تھے۔ اس نے انہیں باجرہ کے کھیت پر سے پرندے اُڑانے کے کام پر متعین کیا۔ چنانچہ وہ عریش (جسے پنجابی میں منّھا کہتے ہیں) پر بیٹھ کر اللہ کا نام لیا کرتے تھے نہ تو آپ اُونچی آواز نکالتے اور نہ ہی کوئی جانور اس کھیت میں آ کر بیٹھتا۔ اس زمیندار نے اپنی نوجوان لڑکی سے کہا کہ یہ اللہ کے بندے ہیں، ان سے پوچھو کہ اگر آپ کا خیال ہو تو میرا والد آپ کے ساتھ میرا نکاح کرنے کو تیار ہے۔ جب وہ لڑکی اس ارادہ سے آپ کی روٹی لے کر حاضر ہوئی تو آپ نے عریش پر بیٹھے ہی اپنی چادر نیچے لٹکا دی اور روٹی لے لی۔ دوسرے دن جب وہ روٹی لائی تو چپکے سے عریش کے اُوپر چڑھ گئی۔ آپ نے یہ دیکھ اوپر سے چھلانگ لگا دی اور بھاگا بھاگ حضرت کیلیانوالہ شریف میں پہنچ کر حضرت شاہ جی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال عرض کی۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ اس نیک اختر بی بی سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ اب تک ان کی اولاد منگو کی ورکاں ضلع گوجرانوالہ میں مقیم ہے اور ان کی زمین و مزار گاؤں کے پاس ہی واقعہ ہے۔

سید رحمت شاہ صاحب ساکن موضع بدّو رتہ (جو کہ حضور سید باقر علی شاہ صاحب کے حقیقی ماموں ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں موضع منگو کی ورکاں میں گیا۔ آپ حضرت اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضور کے ہمراہ بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت اللہ بخش صاحب تشریف فرما ہیں، اور تین تھالیاں شیر برنج پُختہ (کھیر) کی سامنے رکھی ہیں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ اس خیال سے باہر نظر کی تو دیکھا کہ ہوا چل رہی ہے اور میں تمام حرکات و سکنات کو اچھی طرح سے دیکھ رہا ہوں۔ دونوں حضرات کھانے میں مصروف ہوئے تو حضرت اللہ بخش صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے حضور سے فرمایا کہ ان کو بھی دو۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ ابھی خدا کی یاد اچھی طرح کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ کر جب میں حضور کے ہمراہ گاؤں کی طرف چلا تو راستہ میں مَیں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ نے بھی کھیر کھائی اور حضرت اللہ بخش صاحب نے بھی، اور مجھے نہیں دی؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ

تم سے کہا تھا وہ کام اچھی طرح کرو۔ جب کھانے کے قابل ہو گئے تو کھا بھی لینا"۔

اس سے ثابت ہوا کہ بندگان خدا فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوۃً طَیِّبَةً کے مطابق بعد از وصال بھی زندہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی قبر کے متعلق فرمایا رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ۔ تو بندگان خدا کو جنت کے کھانوں سے خوراک ملتی ہے اور کھاتے پیتے ہیں۔

(۴) خانقاہ ڈوگراں کے نزدیک ایک موضع "میاں علی" مشہور ہے۔ جن حضرت کے نام پر اس موضع کا نام ہے ان کا تعلق بھی حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ حضرت کیلیانوالہ میں مشہور ہے کہ یہ میاں علی محمد صاحبؒ یہاں ایک ترکھان مسمی نامدار (جس کی اولاد اب تک موجود ہے) کے مویشی چرایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ کے سو جانے پر مویشیوں نے کسی زمیندار کے فصل کو بہت نقصان پہنچایا۔ جس پر اس مالک فصل نے آپ کو مارا پیٹا اور کہا کہ تیرے مال نے میرے کھیت کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ حضرت علی محمد صاحب نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ۔ چنانچہ جب وہ ان کے ہمراہ گیا تو کھیت کو صحیح و سالم پایا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران اور شرمسار ہوا اور آپ کی ولایت کا معترف ہوا۔ اس کے بعد ان ترکھانوں نے آپ کی شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کو مویشی چرانے سے ہٹا دیا اور میاں صاحب گاؤں مذکور میں چلے گئے۔ جہاں اب ان کا مزار مبارک عام لوگوں کیلئے منبع فیض بنا ہوا ہے۔

(۵) ایک صاحب جو پنڈی کالو ضلع گجرات کے رہنے والے تھے حضور کی موجودگی میں بیٹھک شریف میں تشریف لائے۔ وہ میاں ڈوہنگہ صاحب کے مرید تھے (میاں ڈوہنگہ صاحب کا تعلق باطنی میاں علی محمد صاحب مذکورہ بالا سے، اور جیسا کہ بیان ہوا ہے میاں علی محمد صاحب کا حضرت شاہ جی پیر سے ہے) انہوں نے بیان کیا کہ عرصہ بتیس سال کا ہو گیا ہے میں یہاں روضہ اقدس حضرت شاہ جی صاحب پر حاضر ہوا تھا اور مسجد کی خستہ حالی دیکھ کر میں بہت رویا اور شاہ جی صاحب سے عرض کیا، کہ آپ اتنے پایہ کے بزرگ کے ہوتے ہوئے مسجد شریف کی یہ ویرانی اور خستہ حالی ہے؟ تو حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جب پھر آؤ گے تو دیکھنا"۔ چنانچہ میں ویسے چند ایک مرتبہ

نزدیک سے گزرتا رہا ہوں لیکن اتنے عرصہ میں یہاں تک نہیں آسکا۔ اب آکر مسجد شریف کو آباد اور اچھی حالت میں دیکھا تو حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مبارک یاد آگیا اور خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اللہ اکبر! بندگان خدا کی کیا شان ہے، ان کے علم و ادراک کو مولیٰ کریم ہی خوب جانتے ہیں، اور مولیٰ کریم کو یہ۔ حضرت آقائی و مولائی ابھی بچپن ہی میں تھے کہ حضرت شاہ جی کو اس قدر وسیع علم تھا کہ آپ بڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے مقبول ہوں گے، اور مسجد آباد کریں گے۔

(٦) حضرت آقائی و مولائی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب ہم شرق پور شریف سے یہاں حضرت کیلیاں والہ میں آئے تو حضرت عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اپنی تمام سرگزشت فارسی زبان میں سنائی، کہ ہم ایران سے آئے اور فلاں فلاں جگہ ٹھہرے، پھر بحکم خدا حضرت کیلیانوالہ میں مقیم ہو گئے۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ بحالت تندرستی نماز فجر سے فارغ ہو کر تلاوتِ قرآن مجید اور نوافل اشراق ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لاتے اور تھوڑا سا وقت ٹھیر کر دربار شریف حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ میں تشریف لے جایا کرتے۔ عموماً دو گھنٹہ یا کچھ کم و بیش وہاں تشریف رکھتے۔ مرقد مبارک کے جنوب مغرب کی جانب بیٹھتے، بعدہٗ اٹھ کر مغرب کی طرف کھڑے ہو جاتے اور فاتحہ شریف پڑھ کر واپس دولتخانہ پر تشریف لے آتے۔

روضہ اقدس حضرت شاہ جی و حضرت عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہما کی مرمت ۱۲۱۲ھ ہجری میں کرائی گئی۔ آباؤ اجداد سے حضرت کیلیانوالہ شریف میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک صاحب سائیں ثابت شاہ نامی کہیں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے، اور یہاں آکر گھوڑا فروخت کر کے وہ رقم مصلے کے نیچے رکھ دی اور دربار شریف کی مرمت کا کام شروع کروا دیا۔ روضہ اقدس کے نزدیک ہی زمین میں گڑھا کھود کر چونہ کا کام اس سے لیتے۔ بعض آدمیوں نے رات کو وہاں سے چوری چونا چرایا لیکن ان کے پاس اس مٹی نے چونے کا کام نہ دیا۔ کافی عرصہ کے بعد مرمت کا کام ختم کرا کے باقی رقم جو مصلیٰ کے نیچے بچی اس سے گھوڑا خرید لیا اور سوار ہو کر تشریف لے گئے۔

روضہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ پر مندرجہ ذیل اشعار میں تاریخ درج ہے:

روضۂ والائے حضرت شاہ جی عبدالسلام | کز کمالِ فقر شد سر دفترِ فقرائے تام
افسرِ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ بر سرش ہست از نبی | خلعتِ اَلْفَقْرُ مِنِّی در برش آمد تمام
مظہرِ فیضِ الٰہی! مفخرِ آلِ عبا! | محرمِ اسرارِ یزداں! مرجعِ خاص و عوام
ہست مقبولِ کونین از کمالِ قربِ حق! | حاضر اندر محفلِ پیغمبرِ ذوالاحترام

گفت تاریخ از خرد حافظ جمال الدین غریب (۱۲۱۱)

گشت تعمیرش ز ثابت شاہ فقیرِ نیک نام

ہست محمد علی، طالبِ ثابت علی! | اوست زدار اب شاہ، محرمِ رازِ خفی

حضورؒ کے دادا محترم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے دادا حضرت سید حیات علی شاہ صاحب متبحر عالم اور اعلیٰ ترین بزرگ تھے۔ آپ درس و تدریس کا کام کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ آپ کے پاس جن بھی پڑھا کرتے تھے۔ ایک کا نام جمعاں مشہور ہے، بعض اس کا نام اللہ بخش بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو بھائی تھے۔ آپ حقہ پیا کرتے تھے۔ ایک دن عشا کے بعد آپ نے ایک شاگرد کو حکم فرمایا کہ آگ لاؤ۔ وہ دو چار گھروں میں پھر پھرا کر آ گیا مگر آگ نہ ملی۔ جمعاں نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں لے آؤں؟ آپ نے فرمایا اور کس طرح کہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد تازہ تازہ آگ کی انگیٹھی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کون ہو اور آگ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت! ہم دونوں بھائی مسلمان جن ہیں اور اتنے عرصے سے آپ کے پاس تحصیلِ علم کے لیے مقیم ہیں۔ یہ آگ میں دہلی سے ایک نانبائی کی دوکان سے لایا ہوں۔ اس روز سے ان کی شخصیت کا علم ہوا اور اس کے بعد کئی ایک ایسے کام ظہور میں آئے۔

جب وہ دونوں بھائی فارغ التحصیل ہوئے تو وزیر آباد میں جا کر راجہ سکندر لال کی والدہ کو ستانا شروع کیا۔ جب کوئی جن نکالنے والا آتا تو وہ کہتے کہ جب تک سید حیات علی شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ سے تشریف نہیں لائیں گے، ہم نہیں جائیں گے۔ اس راجہ نے شاہ صاحب کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو منگوایا۔ ان کے کہنے پر جن چلے گئے اور پانصد روپیہ، اور ایک دوشالہ شیرینی لوائی۔ یہ واقعہ حضور کی زبان مبارک سے میں نے سنا تھا جو درج کر دیا گیا ہے۔

حضورؒ کے والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ

حضور کے والد ماجد سید غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو بھائی تھے۔ ایک حافظ غلام مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے آپ۔ اندرونی معاملات کی بنا پر چھوٹی عمر میں ہی والد صاحب کی موجودگی میں آپ کو حکم ہو گیا کہ تم چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے مڈل پاس کر کے نارمل کیا اور موضع احمد نگر میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ عمر کا زیادہ حصہ احمد نگر ہی میں گزارا۔

آپ حضرت اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور بڑے دین دار بزرگ تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے ہوئے تھے کہ پیچھے سے انسپکٹر مدارس مدرسہ کے معائنہ کے لیے آگیا جو مذہباً ہندو تھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو اس نے کہا کہ آپ مدرسہ کے وقت میں نماز ادا کرنے کے لیے کیوں گئے؟ آپ نے استعفیٰ لکھ کر پیش کر دیا کہ اگر اس نوکری میں نماز کو رکاوٹ ہو تو میں یہ نوکری نہیں کر سکتا۔ یہ صورت دیکھ کر انسپکٹر نے معافی مانگی اور عرض کیا کہ آپ بیشک سکول کے وقت میں نماز ادا کیا کریں، آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔

آپ ریٹائر ہونے تک موضع احمد نگر چٹھہ ہی میں ہیڈ ماسٹر رہے اور ریٹائر ہونے کے بعد اپنے اصلی وطن حضرت کیلیانوالہ میں تشریف لے آئے۔ علم طب میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے، چنانچہ آپ کے دست مبارک کے تحریر شدہ کئی ایک نسخے آپ کے بیاض شریف میں موجود ہیں جو مجرب اور

تیر بہدف ہیں۔

آپ کی رحلت حضرت کیلیانوالہ ہی میں ہوئی۔ چنانچہ آپ کا مزار مبارک بڑی مسجد سے مغرب کی جانب کچھ فاصلے پر واقعہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کی اولاد میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

حضورؒ کے والدہ محترمہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہَا

آپ کا سید فضل شاہ صاحب سے تعلق طریقت تھا۔ جن کا سلسلۂ طریقت ایک دو واسطوں سے حضرت حاجی حسین شاہ صاحب مکان شریف والوں کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ کا ہر وقت کا سبق اَللّٰہُ الصَّمَدُ تھا، جس میں آپ ہر وقت محو و مستغرق رہتے تھے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے جو بات منہ سے نکلتی تھی وہ پوری ہو کر ہی رہتی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ اپنی زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو آپ بہت دعائیں دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مولیٰ کریم تم کو عرشوں پر رنگ لگائیں گے لیکن میں نہیں دیکھ سکوں گی۔ چنانچہ آپ کا یہ فرمان مبارک بھی بالکل درست ہو کر رہا۔ یعنی جب حضور کا یہ مرتبہ ظہور میں آیا، مائی صاحبہ اس سے پہلے رحلت فرما چکے تھے۔

جب حضور رحمۃ اللہ علیہ کو ضلع شیخوپورہ میں زمین ملی اور آپ وہاں تشریف لے گئے تو والدہ صاحبہ ہمراہ ہی تھے۔ وہیں بیمار ہوئے اور اپنے فرزند اصغر ہمارے آقا و مولیٰ کو فرمایا کہ مجھے یہاں دفن نہ کرنا۔ یہ فرمان سُن کر حضور آپ کو چارپائی پر شرق پور شریف میں لائے، وہاں سے ٹانگہ پر سوار کر کے لاہور پہنچے، اور گاڑی پر سوار ہو کر علی پور سٹیشن پر پہنچکر موضع سید نگر سے ڈولی منگائی اور اس میں بٹھا کر سید نگر میں بڑی ہمشیر صاحبہ کے ہاں لے آئے۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ حضور نے وہاں سے جنازہ اُٹھوایا اور اپنے گاؤں موضع حضرت کیلیانوالہ میں پہنچکر اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کو سپردِ خدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضورؒ کے عمِّ محترم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے عمِّ محترم سید غلام مصطفٰے صاحب رحمۃ اللہ علیہ حافظ قرآن اہل سنت وجماعت اور بڑے متدین بزرگ تھے۔ آپ کا تعلق باطنی بھی حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ آپ زیادہ تر موضع مہر علی شاہ عرف مرہلی میں رہا کرتے تھے۔

حضور فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے پاس اعلیٰ ترین عملیات تھے۔ چنانچہ حضور کو بھی تعویذات بتانے کے لیے دعوت دی۔ آپ گو اس وقت اوائل عمر کے سن وسال میں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضور کی طبیعت شروع ہی سے سوائے مولیٰ کریم کے کسی اور طرف راغب نہ ہوتی تھی۔ اس لیے جناب نے جواب میں فرمایا کہ "میں کوئی تعویذی پیر بننے والا ہوں"؟ حضرت غلام مصطفیٰ صاحب یہ جواب سُن کر کچھ متحیر سے ہوئے اور خاموش ہو گئے۔

آپ کی زندگی میں ہی سادات حضرت کیلیانوالہ زیادہ تر شیعہ خیال کے ہو گئے تھے۔ جسے دیکھ کر آپ سخت بیزار ہوئے اور دُعا مانگی کہ یا اللہ! یا تو ان کو راہ راست پر لا، یا مجھ کو دنیا سے اُٹھا لے۔ آخر بیمار ہوئے اور اخیر وقت میں اُٹھ بیٹھے۔ والدہ صاحبہ نے دریافت فرمایا کہ "کہاں چلے ہو"؟ فرمانے لگے کہ "نماز ادا کرنے"۔ چنانچہ اسی دوران میں غش آگیا اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے جان جہان آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کا مزار مبارک بھی حضرت کیلیانوالہ میں ہے۔

حضورؒ کے نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس سے پہلے کہ میں حضور کا ذکر مبارک شروع کروں، مناسب ہے کہ آپ کے ننہال کا بھی کچھ تعارف کرا دوں، جو حضور ہی کی زبان مبارک سے سنا گیا۔

آپ کے ننہال موضع کلاسکے میں تھے جو علی پور سے گوجرانوالہ کی کچّی سڑک پر دونوں مقامو

کے عین وسط میں برلب سڑک واقعہ ہے۔

آپ کے نانا صاحب سیّد عمر شاہ کامل ولی اللہ تھے۔ آپ کو گھوڑیاں رکھنے کا خیال تھا، ایک رات تین چار چور آپ کے درِ دولت میں گھس کر آپ کی گھوڑیاں چوری کر کے لے گئے۔ اور اپنے خیال میں بہت دور نکل گئے۔ ایک گاؤں دیکھ کر دریافت کیا کہ کونسا گاؤں ہے؟ معلوم ہوا کہ کلاسکے۔ پھر ایسا ہی ہوا، چنانچہ یونہی ساری رات گھوڑیاں دوڑاتے دوڑاتے تھک گئے اور سحر کو پھر کلاسکے پہنچے تو ان کو خیال آیا کہ یہ گھوڑیاں کسی اللہ کے بندے کی ہیں۔ اس لیے اسی گھر میں واپس لے آئے اور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر منت سماجت کی۔ آپ نے گھر والوں کو فرمایا کہ بیچارے سردی میں نڈھال ہو گئے ہیں۔ گھوڑیوں کو چارہ ڈلوایا اور ان کو کھانا پکوا کر کھلایا، اور بستر دیے تاکہ آرام کریں۔ اس حسن سلوک کو دیکھ کر وہ اتنے متأثر ہوئے کہ آپ کے سامنے ہمیشہ کے لیے اس بُرے کام سے توبہ کی اور بیعت ہو کر باطنی فیوضات سے مستفیض ہوئے۔ اس طرح سے آپ نے بدی کا بدلہ نیکی سے دے کر ان کے دونوں جہان سنوار دیے۔

گو ان کی کرامات بے شمار ہیں لیکن اختصار کے پیشِ نظر اسی پر کفایت کرتا ہوں۔ ان مختصر حالات سے قارئین کو آپ کے خاندان کی بزرگی کی کچھ اہمیت ظاہر ہو سکے گی۔

حضورؒ کے برادرِ اکبر کی ولادت

پیر شیر شاہ سیّد جلال الدین بخاری قطب کمال کی بارگاہ مبارک سے ایک صاحب خدا کے بندے سیّد قربان علی شاہ صاحب قدس سرہٗ جو سید جلال الدین بخاریؒ کے سجادہ نشین کے بیعت تھے، ان کو وہاں سے حکم ہوا کہ ایک سیّد زادہ احمد نگر میں پیدا ہونے والا ہے، اس کے پاس ہی تمہارا فیض ہے۔ یہ حکم سن کر وہ مع ایک مجذوب ساتھی کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک گاؤں کے قریب آ کر ٹھہرے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کی بڑی خاطر مدارات کی اور عرض کیا کہ حضرت! آپ رات گاؤں میں بسر کریں، باہر گیدڑ بہت تنگ کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہمیں کچھ نہیں

کیتے، ہم باہر ہی رات گزاریں گے۔ چنانچہ رات کو جب پہلا گیدڑ وہاں پہنچا، اس کو حکم دیا کہ یہاں تم پہرہ دو اور کسی اور گیدڑ کو نزدیک نہ آنے دو۔ چنانچہ اس نے مطابق فرمان تمام رات پہرہ دیا۔

آپ کے پاس ایک کُتا، ایک بلی اور ایک مُرغا تھے، صبح جب وہاں سے چلے تو وہ گیدڑ بھی ہمراہ ہولیا۔ وہاں سے چل کر رات کو بوقت سحر احمد نگر پہنچے۔ حضور کے والد ماجد نفل تہجد ادا کرنے کے لیے دروازہ کھول کر جب مسجد میں تشریف لے گئے تو سید قربان علی شاہ صاحب معہ اپنے مجذوب ساتھی اور کُتے، بلی، وغیرہ کے ڈیوڑھی میں جا بیٹھے۔ اتنے میں گھر کی خادمہ (بھاگن کشمیرن) کسی کام سے باہر نکلی تو شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ جو بچہ اس گھر میں تولّد ہونے والا ہے وہ ابھی پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ اس نے عرض کیا کہ بچہ تو پیدا ہوا ہے لیکن نہ دُودھ پیتا ہے اور نہ روتا ہے، بالکل چُپ ہے۔ سیّد صاحب نے کچھ پتّے اپنے پاس سے دیے کہ پانی میں ڈال کر اسے گرم کرکے بچے کو نہلاؤ۔ چنانچہ بچے اور والدہ دونوں کو غسل کرایا گیا۔ شاہ صاحب نے بچے کے کان میں اذان دی اتنے میں حضور کے والد محترم سیّد غلام علی شاہ صاحب مسجد سے تشریف لے آئے اور ان فقیروں سے فرمایا کہ یہ شارع عام نہیں ہے لہٰذا آپ چوپال (دارہ) میں چلو۔ وہ چوپال میں چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔

یہ نومولود **سیّد حسین شاہ صاحب** آپ کے بڑے بھائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تاحال زندہ وسلامت ہمارے پاس موجود ہیں، اور دُعا ہے کہ مولیٰ کریم آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ ان بزرگوں کے حالات معلوم کرنے میں مجھے آپ سے بھی کافی مدد ملی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی آپ کی زبان مبارک سے معلوم ہوا ہے۔

سائیں قربان علی شاہ صاحب آٹھ پہر میں ایک دفعہ تشریف لاتے اور اپنے معشوق سیّد حسین شاہ صاحب کو اُٹھا لیتے۔ جب تک آپ سکول میں داخل نہیں ہوئے، وہیں مقیم رہے۔ پھر جب سیّد حسین شاہ صاحب قصبہ رسول نگر کے سکول میں داخل ہوئے تو سائیں صاحب نے موضع جگنہ چیٹھہ میں ڈیرا لگا لیا۔ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ سائیں صاحب روزانہ مجھے رسول نگر کے

سکول میں جاکر خرچ دے آتے ۔

صُبحِ نور

آخر جب سید حسین شاہ صاحب گیارہ برس کے ہوئے تو ایک دن والد محترم اور والدہ صاحبہ نے ان سے کہا کہ قربان علی شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرو کہ مولیٰ کریم تمہیں ایک بھائی عطا فرمائیں۔ شاہ صاحب ماشاء اللہ بچپن ہی سے صاحبِ جلال ہیں، آپ نے موضع جگنہ چیچھ میں جاکر سیّد قربان علی شاہ عاشق خود کو بڑی سختی سے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ سائیں صاحب کے حلقہ نشینوں اور عقیدت مندوں کو سخت ناگوار گزرا لیکن انہوں نے فرمایا کہ "میاں! یہ میرا معشوق ہے، اسے کہنا کچھ نہیں۔ شاہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ "رب حسین! تو کیا چاہتا ہے"؟ (شاہ صاحب کو قربان علی شاہ صاحب رب حسین کے نام سے مخاطب کیا کرتے تھے) شاہ صاحب نے جواب دیا کہ "مجھے رب کریم سے ایک بھائی لے دو"۔ یہ سُن کر قربان علی شاہ صاحب حالتِ جذب میں آ گئے اور فرمایا کہ "بچّے نو ماہ کے بعد پیدا ہوتے ہیں، تیرا بھائی سات ماہ کے بعد پیدا ہوگا اور صرف بالشت بھر ہوگا، لیکن جوان ہو کر قدوقامت میں تم سے بڑے ہوں گے اور دنیا کے کاموں میں وہ آپ کے کام نہیں آئیں گے۔ اگر ایسا ہوُا تو سمجھنا کہ فقیر کی دُعا سے ہوُا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوُا تو سمجھنا کہ یونہی پیدا ہوُا ہے"۔

چنانچہ فقیر صاحب کے فرمان کے مطابق سات ماہ کے بعد حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اِس عالمِ شہود پر ظہور فرمایا، اور واقعی ایک بالشت بھر قدوقامت میں تھے۔ دوسری دونوں پیش گوئیاں بھی حرف بحرف درست ہوئیں۔ یعنی حضورؒ اپنے برادرِ اکبر سے زیادہ جسیم تھے۔ اسی طرح دنیا کے کاروبار میں بھی اُن کے کام نہ آئے۔ آپ کا اسمِ مبارک بھی سیّد قربان علی شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق **نُورُ الحسنؒ** رکھا گیا۔

تاریخِ ولادت

حضورؒ کے والد محترم کے بیاض شریف میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت بدیں الفاظ مرقوم ہے:

"بوقتِ شب کہ از شب یک نیم پاس باقی بود، بروز چہار شنبہ یعنی شب چہار شنبہ برخوردار سعادت اطوار نورُ الحَسَن متولد شد، ۲۷ ماہ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ ہجری مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۸۹ء موافق ۱۹ ماگھ سمت ۱۹۴۵ بکرمی۔

راقم سید غلام علی شاہ اوّل مدرس احمد نگر چٹھہ، تحصیل وزیر آباد، ضلع گوجرانوالہ

شجرۂ نسب

حضور رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان صحیح النسب سید بخاری ہے۔ ذیل میں آپ کا شجرۂ نسب درج کیا جاتا ہے:-

حضرت سید نور الحسن[1] شاہ صاحب قدس سرہ بن سید غلام[2] علی شاہ بن سید حیات[3] شاہ بن سید عالم[4] شاہ بن سید سکندر[5] شاہ بن سید عتیق[6] اللہ شاہ بن سید جعفر[7] بن سید جمال[8] بن سید محمد[9] بن سید محسن[10] بن سید عبدالرشید[11] بن سید نصر اللہ[12] بن سید محمد[13] بن سید عبدالوہاب[14] بن سید اللہ داد[15] بن سید احمد[16] بن سید جمال الدین[17] بن سید سلیمان[18] بن سید یونس[19] بن سید صالح[20] الصوت سہروردی سفید فیل مست بن سید صلاح[21] الدین سہروردی دہلوی سفید فیل مست بن سید احمد[22] شیر شکن بن سید محمد[23] بن میر سید معین[24] الملک بن میر سید زین[25] العابدین ثانی بن سید محمود[26] بن سید عبدالعزیز[27] بن سید داؤد[28] بن سید ابو طاہر[29] بن سید جمال الدین[30] بن سید عبدالحمید[31] بن سید ابو الحسن[32] بن سید حامد[33] بن سید میر حمزہ[34] بن سید محمد[35] بن سید طاہر[36] ربانی بن شہزادہ جعفر[37] ثانی بن امام علی ہادی نقی[38] بن امام محمد[39] تقی بن امام علی رضا[40] بن امام موسیٰ[41] کاظم بن امام جعفر[42] صادق بن ابو جعفر امام محمد[43] باقر بن امام زین[44] العابدین بن حضرت امام حسین[45] بن حضرت فاطمۃ[46] الزہرا بنت حضرت محمد[47] مصطفیٰ!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حضرت امام حسینؓ[۴۵] رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضرت علیؓ[۴۶] المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالبؓ[۴۷] بن عبدالمطلبؓ[۴۸] بن ہاشمؓ[۴۹] بن عبدالمنافؓ[۵۰] بن قصیؓ[۵۱] بن کلابؓ[۵۲] بن مرہؓ[۵۳] بن کعبؓ[۵۴] بن لویؓ[۵۵] بن غالبؓ[۵۶] بن فہرؓ[۵۷] بن مالکؓ[۵۸] بن نضرؓ[۵۹] بن کنانہؓ[۶۰] بن خزیمہؓ[۶۱] بن مدرکہؓ[۶۲] بن الیاسؓ[۶۳] بن مضرؓ[۶۴] بن نزارؓ[۶۵] بن معدؓ[۶۶] بن عدنانؓ[۶۷] بن اُدؓ[۶۸] بن اودؓ[۶۹] بن ہمیعؓ[۷۰] بن ثابتؓ[۷۱] بن حملؓ[۷۲] بن قیدارؓ[۷۳] بن حضرت اسمٰعیلؓ[۷۴] علیہ السلام بن حضرت ابراہیمؓ[۷۵] خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بن آذرؓ[۷۶] بن ناخورؓ[۷۷] بن شاروخؓ[۷۸] بن ارغوؓ[۷۹] بن فالعؓ[۸۰] بن عابرؓ[۸۱] بن شالخؓ[۸۲] بن ارفخشدؓ[۸۳] بن سامؓ[۸۴] بن حضرت نوحؓ[۸۵] علیہ السلام بن لامکؓ[۸۶] بن متوشلخؓ[۸۷] بن اخنوخؓ[۸۸] بن یاردؓ[۸۹] بن مہلائیلؓ[۹۰] بن قینانؓ[۹۱] بن انوشؓ[۹۲] بن شیثؓ[۹۳] بن حضرت آدمؓ[۹۴] خلیفۃ اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اٰمِیْن۔

صحتِ نسب کی ایک تصدیق

ایک دفعہ حضورؒ نے فرمایا کہ جب ہم ابھی ایام خورد سالی میں تھے، ایک آدمی موضع حضرت کیلیانوالہ شریف میں آیا جس کے پاس خاندان سادات بخاری کا شجرۂ نسب تھا اور اپنے کو اوچہ پیر شیر شاہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد سے ظاہر کرتا تھا، اس نے سادات حضرت کیلیانوالہ کو بہت تنگ کیا کہ تم خالص سیّد نہیں ہو۔ سادات میں سے معمّر اور بزرگ افراد نے اس کو سمجھایا کہ ہمیں تنگ نہ کرو، مگر وہ نہ مانا۔

آخر تنگ آکر سیّد صاحبان نے فرمایا کہ قصبہ رسول نگر میں بابا گلاب شاہ (جو اس زمانہ میں بہت بڑے صاحب کشف مجذوب اہلِ رموز میں سے تھے، ان کے) پاس چلتے ہیں، وہ فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ شاہ صاحبان اس آدمی کو ساتھ لے کر رسول نگر پہنچے اور بابا گلاب شاہ صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

بابا صاحب کا دستور تھا کہ جس آدمی کی بات شروع کرنا چاہتے اس کو تمباکو دیتے۔ اگر مختصر بات ہوتی تو تھوڑا اور طویل ہوتی تو زیادہ تمباکو دیتے۔ وہ چلم بھر کر حقہ پر رکھ دیتا۔ بس ادھر آپ نے

حقہ پینا شروع کیا، ادھر بات شروع ہوگئی۔ سید صاجان کی بات چونکہ بہت زیادہ لمبی تھی اس لیے بہت زیادہ تمباکو دیا۔ ادھر حقہ پر ٹوپی رکھی گئی، اُدھر مدینہ شریف سے لے کر بخارا شریف تک بزرگوں کے تشریف لانے کے حالات شروع کر دیے، پھر بخارا شریف سے اوچ پیر شیر شاہ سید جلال الدین بخاری تک جہاں جہاں تشریف لائے اور سکونت اختیار کی سبھی حالات بتائے، اور اوچہ شریف سے حضرت کیلیا نوالہ شریف تک بزرگوں کا تشریف لانا مفصل طور پر بیان کر کے بابا صاحب نے اخیر میں فرمایا "یہ بہن چود تو ٹھو کا (ترکھان) ہے، قید میں ہی مرے گا۔"

شاہ صاجان نے اسی وقت اوچ شریف میں تار دے کر حضرت سید جلال الدین صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین کو بلایا۔ وہ فوراً تشریف لائے اور بتایا کہ یہ آدمی ہمارا نوکر ہے اور ہے بھی بابا صاحب کے فرمان کے مطابق ترکھان۔ چنانچہ اوچ شریف والوں نے مقدمہ کیا اور وہ آدمی قید ہو کر قید ہی میں مر گیا۔

ایامِ طفولیت

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو والد ماجد نے آپ کو مدرسہ احمد نگر میں تعلیم کے لیے داخل کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ممتحن نے حکم دیا کہ لڑکوں کو موضع کالو چیمہ میں لے آؤ، یہیں اکٹھا امتحان لے لیا جائے گا۔ یہ موضع احمد نگر سے قریب ہی واقعہ ہے۔ چنانچہ ہمارے آقا و مولیٰ بھی لڑکوں کے ہمراہ امتحان دینے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ جب امتحان ہو چکا تو آپ نے اپنے استاد سے دریافت فرمایا کہ "جناب! کیا میں پاس ہو گیا ہوں"؟ استاد نے جواب دیا کہ "ہاں! تم پاس ہو"۔ پھر آپ نے فرمایا "اب اجازت ہے کہ ہم چلے جائیں"؟ استاد صاحب نے اجازت دے دی۔ حضورؒ فرمایا کرتے تھے کہ اجازت ملنے پر ہم نے تو بستہ اُٹھایا اور احمد نگر کی راہ لی اور باقی سب لڑکے

ڈرل (کھیل کود) میں مشغول ہو گئے۔ ہم اکیلے جب خیریت سے گھر پہنچ گئے تو بارش اور اولے شروع ہو گئے۔ دوسرے تمام لڑکے راستہ میں بھیگے۔ کئی بیچاروں کو سردی ہو گئی اور بڑی تکلیف سے گھر پہنچے۔

احمد نگر میں مشہور ہو گیا کہ سیّد نورالحسن (صاحب) کو یہ علم تھا اس لیے پہلے آ گئے۔

صِغر سنی میں ایک کامل سے توجہ کی درخواست

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ سیّد فضل شاہ صاحب والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے مرشد احمد نگر میں تشریف لائے، تو ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ شاہ صاحب یعنی والد محترم بوڑھے اور مدرسہ کی ملازمت سے ریٹائر ہو گئے ہیں۔ اور سیّد حسین شاہ صاحب میٹرک کا امتحان دے آئے ہیں، دُعا فرمائیں کہ وہ پاس ہو جائیں اور کوئی ملازمت مل جائے، تاکہ کوئی آمدنی کی صورت بن جائے اور آسانی سے گزارا ہو۔ اور بھی کئی اشخاص اپنی اپنی عرضیں کر رہے تھے۔ ہم کوئی تین چار سال کی عمر میں قریب ہی کھیل رہے تھے۔ یکایک جو خیال آیا، کھیل چھوڑ کر ہم بھی سامنے حاضر ہوئے اور کہا کہ "سائیں جی! میرے وَل بھی دھیان کریا جے"۔ سائیں صاحب یہ سُن کر جذب میں آ گئے۔ ہمیں سینے سے لگا لیا اور فرمانے لگے "تیرے وَل سوہنیاں پہلوں، او تیرے وَل سوہنیاں پہلوں، او نور! توں ہوویں جو نور"۔

حضور فرماتے تھے کہ اس کے بعد کچھ دن تک مجھے اچھی طرح ہوش و حواس نہ رہے اور دنیا کے حالات مجھے دکھائی دیتے تھے۔ چند دن تک یہی حالت رہی۔

کم سنی میں طہارت کا التزام

حضور رحمۃ اللہ علیہ بہت چھوٹی عمر میں ہی نماز کے پابند تھے۔ جب آپ رسول نگر سکول میں پڑھتے تھے تو نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ایک دن ہوا آنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا،

تو چونکہ کم سنی کے باعث آپ کو مسائل سے پوری واقفیت نہ تھی اس لیے آپ استنجا کرنے کے واسطے مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ یہ دیکھ کر ایک خشک نمازی ناراض ہونے لگا کہ چھوٹے چھوٹے نمازی بن جاتے ہیں اور اتنا علم نہیں ہوتا کہ استنجا کرنا ہے اور نماز شروع کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ہوا آگئی تھی اس لیے استنجا کرنے آیا ہوں۔ یہ سُن کر اس نے کہا کہ ہوا نکلنے پر استنجا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سبحان اللہ! بچپن میں ہی پاکیزگی کا کس قدر خیال تھا۔

خوردسالی میں شوقِ صیام

حضور رحمۃ اللہ علیہ ابھی بالکل کم سن تھے کہ رمضان شریف کا مہینہ آگیا۔ ہلال دیکھ کر رات کو حضور نے والدہ محترمہ کی خدمت میں بتاکید عرض کیا کہ میں بھی روزہ رکھوں گا، اس لیے سحری کو مجھے بھی جگا دینا لیکن انہوں نے اس خیال سے کہ ابھی بچے ہیں اور روزہ ان پر فرض نہیں، جگانا مناسب نہ سمجھا۔ آپ جب صبح اُٹھے تو اہل خانہ کی کوشش کے باوجود آپ نے کچھ نہ کھایا۔ آخر سید حسین شاہ صاحب برادر اکبر کو اس کام پر متعین کیا گیا کہ کسی طریقہ سے آپ کو کچھ کھلائیں پلائیں۔ انہوں نے آپ کو سمجھایا، پھسلایا اور ڈرایا دھمکایا بھی، لیکن آپ یہی جواب دیتے کہ میں روزہ سے ہوں۔ ناچار سب نے یہی کہا کہ بس جانے دو آئندہ ہر روز سحری کو اُٹھا دیتے تاکہ کم از کم آٹھ پہر کا روزہ نہ رکھیں۔

یہ آپ کے اشتیاقِ دین اور ثابت قدمی کا نتیجہ تھا۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔

ظاہری تعلیم کے ادھورا رہنے کے اسباب

جب آپ کے والد ماجد مدرسہ سے ریٹائر ہوگئے تو احمد نگر سے حضرت کیلیا نوالہ تشریف لے آئے۔ بعد میں سید حسین شاہ صاحب (آپ کے بڑے بھائی) نہری پٹواری ہو کر پنڈی بھٹیاں کے علاقہ میں متعین ہوئے تو چونکہ اس زمانہ میں حضرت کیلیا نوالہ میں سکول نہ تھا اس لیے آپ کو بھی پنڈی

بھٹیاں سکول میں داخل کرایا گیا۔ پھر شاہ صاحب کا تبادلہ کسی اور جگہ ہو گیا جہاں سکول نہ تھا تو آپ کو گھر تشریف لانا پڑا اس لیے پڑھائی کا وقت ضائع ہو گیا۔

ناچار پھر قصبہ رسول نگر کے سکول میں پانچویں جماعت میں داخل کرایا گیا۔ چونکہ پڑھائی کا وقت ہیرا پھیری میں ضائع ہو چکا تھا اور پڑھائی میں آپ بہت پیچھے تھے، اس لیے جب تھوڑے سے عرصہ کے بعد امتحان ہوا تو نتیجہ کے طور پر آپ کے استاد نے ہیڈ ماسٹر سے کہا کہ چونکہ یہ لڑکا کمزور ہے اس لیے اس کو چوتھی جماعت میں کر دینا چاہیے۔ ہیڈ ماسٹر آپ کو سمجھانے لگا کہ "برخوردار! تم چوتھی جماعت میں اچھے رہو گے"۔

آپ نے اس کم سنی میں یہ جواب دیا کہ "ماسٹر صاحب! جس کو پھانسی لگانا ہو اسے کچھ مہلت دی جاتی ہے۔ مجھے بھی تین ماہ کی مہلت دے دو۔ اگر پھر بھی کمزور رہا تو جس طرح آپ چاہیں کرنا"۔

ہیڈ ماسٹر صاحب چھوٹے منہ سے یہ بڑی بات سن کر بہت متاثر ہوئے اور آپ کے ماسٹر صاحب سے کہا کہ "بچے نے بات معقول کہی ہے، اب اس کو میعاد دینا ضروری ہے۔ اس کے بعد آپ نے پڑھائی میں اس قدر کوشش اور محنت کی کہ امتحان کے وقت اپنی جماعت میں سب سے اول نکلے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اتنے خوش ہوئے کہ آپ کو ایک رومال اور ایک چاقو انعام میں دیا

دوسرے سال آپ نے درخواست دے دی کہ میں چھٹی اور ساتویں جماعت کا امتحان ایک سال میں دینا چاہتا ہوں۔ ہیڈ ماسٹر نے یہ درخواست منظور کر لی اور تسلیم کیا کہ واقعی یہ لڑکا ایک سال میں دو جماعتوں کا امتحان دے سکتا ہے۔ لیکن ادھر سید حسین شاہ صاحب جو ہڑوار چھوڑ کر گھر میں تھے اور کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، فقیر ہو کر سائیں قربان علی شاہ کے پاس چلے گئے، جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا مجبوراً آپ کو سکول چھوڑ کر اپنے بھائی کی جگہ پر کھیتی باڑی کا کام سنبھالنا پڑا۔

ناظرین کرام! یہاں تک تھی آپ کی ظاہری تعلیم، جو علماء کے نزدیک صرف برائے نام بلکہ صفر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ تھے اس کے انقطاع کے اسباب، جس میں مولیٰ کریم ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا حکمت تھی جو اتنے بلند مرتبہ عارف باللہ، قطب وقت اور مجددِ عصر کو ظاہری تعلیم سے صرف اس قدر حصہ دیا گیا۔

شاید اس لیے کہ صحیح متبع سُنّت اور نبی اُمّی کے سچّے عاشق کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری مناسبت ہو۔ بہر کیف بایں ہمہ جن احباب کو آپ کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہے ان کو بخوبی معلوم ہے اور خود میں نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے متبحّر اور مقتدر علما جنہیں اپنی علمیت پر بڑا ناز اور غرور ہے، آپ کی صحبت میں زانوئے ادب تہ کرتے، اور جب آپ کے محققانہ بصائر و معارف سے آشنا ہوتے تو متحیر ہو کر رہ جاتے۔ اور جن احباب کو آپ کی صحبت مبارک کی سعادت نصیب نہیں ہو سکی، وہ اگر آپ کی تصنیف "الانسان فی القرآن" کا مطالعہ کر کے دیکھیں گے تو انہیں اِن شاء اللہ میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ حالانکہ آپ نے کبھی کسی کتاب کا مطالعہ بھی نہیں کیا تھا۔ عام کشف و کرامات تو خیر اولیائے کرام کا نشان ہوتا ہی ہے، سچ پوچھیے تو میرے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت ہی یہی ہے۔ یہ ہے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اتباع کا نتیجہ، اور اسے کہتے ہیں نبی اُمّی کی حقیقی نسبت جن کی شان میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست

کتب خانۂ چند ملّت بشست

میں مجدّدِ عصر وغیرہ کے الفاظ استعمال کر گیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض ناواقف حضرات کو یہ الفاظ کھٹکیں۔ لیکن یہ صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ایک ناقابلِ تردید کھُلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مسائل میں مجدّدانہ توضیح فرمائی ہے۔ گو اس تبصرے کا یہ موقع نہیں، مثال کے طور پر صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ باوجود اہلِ تصوف کے نقشِ پا پر چلنے کے اپنی ۲۳ سالہ زندگی کی پوری مدّتِ دعوت و تبلیغ میں لطائف و دوائر پر نظر رکھنے کی کبھی تعلیم نہ دی۔ بلکہ ایک مرتبہ عاجز نے یہ استفسار کیا بھی کہ حضرت! مجھے تو ان کا کچھ علم نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ "اس کی ضرورت ہی کیا ہے؛ نہیں تو نہ سہی! صرف اسی قدر کافی ہے کہ ہر حال میں اپنے خیال میں یادِ الٰہی کو نہ بھولو، اور اتباعِ سنت کو لازم پکڑو"۔ برخلاف اس کے آپ صوفیائے کرام کی کوئی کتاب ایسی نہ پائیں گے جس میں ان کا تذکرہ نہ ہو۔

اسی طرح آئندہ اوراق میں آپ دیکھیں گے کہ ایک موقع پر حضورؒ نے حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا تھا کہ "حضرت! جس کے ساتھ محبت ہو کیا اس کا ہر وقت زبان سے بار بار نام رٹا جاتا ہے"؟ تو حضرت اعلیٰ نے اس سوال پر آپ کی علوِ مرتبت کا اظہار فرمایا تھا۔ اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ جس سے محبت ہوتی ہے وہ تو کسی حال میں بھولتا ہی نہیں، پھر زبان سے اظہار کا کیا مطلب؟ چنانچہ آپ اکثر تعلیم و تلقین کے طور پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اندروں شو آشنائے و زبروں بیگانہ وش

ایں چنیں زیبا روش کم مے شود اندر جہاں

یہ ایک تعلیم بھی ایسی ہے جو موجودہ وقت کے اہلِ طریقت میں نظر نہیں آتی۔ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الانسان فی القرآن" میں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بالکل لکیر کے فقیر نہ تھے، بلکہ آپ کو براہ راست وجدان تھا۔ البتہ آپ کی تعلیم کا پورا زور اتباعِ رسولؐ پہ تھا۔ چنانچہ فرمایا کرتے کہ اگر خدا کے محبوب ہونا چاہتے ہو تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنا لو۔ اور یہ ترجمانی تھی اس آیت کلام پاک کی کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط

بچپن میں بلند ہمتی کی ایک مثال

جب حضور رحمۃ اللہ علیہ کو سکول چھوڑ کر زراعت کا کام سنبھالنا پڑا تو اس کام کو بھی آپ نے بڑی دلیری اور مستعدی سے سرانجام دیا۔ ایک شاہ صاحب جو پہلے سے بڑے بھائی کے ساتھ کھیتی باڑی میں شریکِ کار تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ ایک بچہ کے ساتھ مجھے کام کرنا پڑے گا تو انہوں نے آپ کو نیچا دکھانے کے خیال سے یہ کیا کہ جب ہل جوت کر چھوڑنے کا وقت ہوا تو انہوں نے کہا کہ اب فلاں زمین میں ہل چلاؤ۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گھبرا جائیں گے تو میں کہہ سکوں گا کہ یہ میرے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ نے بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ کے اس زمین کو بھی جوت کر دریافت فرمایا کہ اب کہاں جوتنا ہے؟ تو وہ سمجھ گئے کہ یہ گھبرانے کے نہیں۔ چنانچہ اسی وقت ہل چھوڑ دیے۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ کس درجہ کے عزم و استقلال کے مالک اور کتنے بلند ہمت تھے کہ گھبراہٹ وجود میں تھی ہی نہیں۔

عالمِ شباب

یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں انسان نہ تو نیک و بد کی تمیز کرتا ہے اور نہ اپنے نفع یا نقصان کی پرواہ کرتا ہے بلکہ ہوا و ہوس کے فریب میں آکر ہمہ تن بندۂ نفس بن جاتا ہے۔ لیکن حضور رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس زمانہ میں بھی نہ صرف اس سے محفوظ بلکہ پابندِ صوم و صلوٰۃ رہے۔ اور باوجود سخت سے سخت کام اور گرمی کی شدت کے اسے ترک نہ کیا۔

شدّتِ گرما اور کثرت کار میں روزہ

چنانچہ حضور رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ اوائل شباب میں گرمیوں کے روزے تھے اور ہم سیّد حیات شاہ صاحب اور چچازاد بھائی علی حیدر شاہ کے ساتھ کاشتکاری میں شریک تھے۔ فصل موٹھی کی کاشت شروع تھی۔ یہ دونوں صاحبان روزہ نہ رکھتے۔ ہم روزانہ کہتے کہ ہل سویرے جوتا کرو تاکہ گرمی کی شدّت سے پہلے پہلے ہل چھوڑ دیا کریں لیکن وہ ہر روز دیر کر دیتے۔ آخر ایک دن انہوں نے بھی روزہ رکھا جو بڑی بے قراری سے گزارا۔ اس کے بعد روزہ تو نہ رکھتے لیکن اتنا فائدہ ہوگیا کہ ہل سویرے جوتتے اور ہمیں جلدی فارغ کر کے گاؤں بھیج دیتے۔ کیونکہ انھیں اندازہ ہوگیا تھا کہ روزے میں اتنی تکلیف ہوتی ہے۔

حق گوئی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شاہ صاحب جو اپنی خاص برادری ہی کے فرد تھے اور کاشتکاری میں شریکِ کار بھی تھے آپ کے ہمراہ فصل موٹھی سے گھاس اُکھاڑنے کے لیے گئے۔ راستہ میں اپنے گاؤں کے

قاضیوں کا موبخی کا کھیت آگیا جو بڑا سر سبز و شاداب تھا۔ اسے دیکھ کر شاہ صاحب بولے کہ "اگر اولے پڑیں، اور یہ کھیت تباہ ہو جائے تو اچھا ہو"۔ یہ سن کر حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چلو اب گھر لوٹ چلیں۔ وہ کہنے لگے "کیوں"؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارا کھیت تباہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ جو بد دعا آپ نے دوسروں کی اچھی چیز دیکھ کر مانگی ہے وہ ہم پر پڑ گئی ہے۔ سبحان اللہ! یہ آپ نے قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر فرمائی کہ: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔ وہ شاہ صاحب رشتہ میں حضور سے بڑے تھے، آپ کی بات سن کر ناراض ہونے لگے۔ حضور نے فرمایا کہ ناراض بیشک ہو، لیکن موبخی ہماری تباہ ہو کر رہے گی۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ اپنا کھیت کسی عارضہ سے مارا گیا۔

خوشنویسی

کچھ عرصہ کاشتکاری کرنے کے بعد حضور کو خیال پیدا ہوا کہ خوشنویسی کا کام سیکھا جائے۔ عوام کو معلوم ہے کہ حضرت کیلیا نوالہ خوشنویسوں کا گھر ہے اور آباؤ اجداد سے یہاں خوشنویس چلے آتے ہیں چنانچہ آپ نے مولوی نور الٰہی صاحب سے تھوڑے عرصہ میں یہ کام سیکھ لیا اور چند ایک کتابیں تحریر فرمائیں۔ لیکن جلدی ہی اس کام سے حضور کی طبیعت اُکتا گئی اور اس کام کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ البتہ جب آپ حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں شرقپور شریف حاضر ہوئے تو آپ کے ارشاد سے "حکایات الصالحین" اور "مرآۃ المحققین" دو کتابیں اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر خدمت اقدس میں پیش کیں جو پریس میں طبع کی گئیں، اور قابل دید ہیں۔

ٹھیکیداری

خوشنویسی چھوڑنے کے بعد حضور نے ہیڈ خانکی میں ٹھیکیداری کا کام سیکھا اور وہیں پر کچھ عرصہ یہ کام کرنے کے بعد ہیڈ مرالہ میں بھی اسی کام کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد جب حضور کو چک نمبر ۱۴۲ ضلع شیخوپورہ میں مربعے ملے تو ٹھیکیداری چھوڑ کر وہاں تشریف لے گئے اور اپنے برادر اکبر

سیّد حسین شاہ صاحب کے ساتھ کاشتکاری کرنے لگے۔ لیکن بعد میں وہاں بھی نہر پر ٹھیکیداری کا کام پھر سے شروع کر دیا۔

نعت گوئی

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن میں علمِ موسیقی سے بھی کچھ حاصل کیا۔ جناب کو اس زمانہ میں نعت رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کہنے کا بیحد شوق تھا۔ آواز بھی آپ کو مولیٰ کریم نے بیحد عجیب اور نہایت دلکش عنایت فرمائی تھی۔ چنانچہ جب آپ رات کو حضرت کیلیانوالہ میں نعت پڑھتے تو جنوب کی طرف رہنے والے یہ سمجھتے کہ شاہ صاحب ہماری طرف نعتیں پڑھ رہے ہیں، اور شمال کی طرف والے سمجھتے ہماری طرف ہیں۔ ویسے آپ تنہائی میں الگ جا کر پڑھا کرتے۔ چنانچہ حضور کو یہ نعت بہت مرغوب تھی جو تبرکاً ذیل میں درج کی گئی ہے:

جب عرب کے چمن میں وہ نورِ خدا، ہر طرف جلوہ اپنا دکھانے لگا!
کفر غارت ہوا بُت گرے ٹوٹ کر منہ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا

کیا بشر کیا ملک کیا زمیں کیا فلک عرش سے فرش تک شرق سے غرب تک
دیکھ کر نورِ حق ہر کوئی یک بیک، آمد آمد کا مژدہ سُنانے لگا!

بدلیاں رحمتوں کی گرجنے لگیں، نوبتیں شادمانی کی بجنے لگیں
دین کی فوجیں ہر سمت سجنے لگیں، پرچم اسلام کا جگمگانے لگا!

ہر طرف نورِ ایزد ہویدا ہوا، جس نے دیکھا وہی دل سے شیدا ہوا
جب عرب میں وہ محبوب پیدا ہوا، سب کو جتنے حسیں تھے گھٹانے لگا

پھر تو بحرِ شریعت میں موجیں اُٹھیں، چار جانب نبوت کی فوجیں بڑھیں
خوب اللہ سے باتیں ہونے لگیں، پاس رُوح الامیں آنے جانے لگا

کنگرے قصرِ کسریٰ کے گرنے لگے، ڈوبتے کلمہ پڑھ پڑھ کے ترنے لگے

آگ آتش کدوں کی بجھانے لگا، خشک صحرا میں پانی بہانے لگا!

سونگھ کر بھینی بھینی وہ خوشبوئے تن، دیکھ کر رنگِ رحمت چمن در چمن

کہہ کے اَنْتَ نَبِی پڑھ کے صَلِّ عَلیٰ بُلبُل خوشنوا چہچہانے لگا

موم پتھر ہوا، بول اُٹھے جانور، اُلٹا سورج پھرا، ہو گیا شق قمر!

رفع حاجت کو اک جا کیے دو شجر، اُنگلیوں میں سے چشمہ بہانے لگا!

اکبرِ خستہ کی ہیں یہ چار التجا، ان سے کوئی تو پوری ہو بہر خدا

یا تو جلوہ دکھا، یا مدینے بُلا، ورنہ خدمت میں رکھ، دل دھڑکانے لگا

چک ۱۴ میں رہائش کے واقعات

حضرت اعلیٰؒ کو اس مقام سے عزیز کی خوشبو

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جب کبھی حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کوٹلہ شریف کو جاتے ہوئے اس مقام سے گزرتے جہاں اب چک نمبر ۱۴، علی پور آباد ہے، تو آپ فرمایا کرتے کہ اس جگہ سے ایک عزیز کی خوشبو آتی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح حضرت بایزید بسطامی قدس سرّہٗ کو چوروں کی بستی کے پاس سے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خوشبو ان کی پیدائش سے بھی سوسال پہلے آئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب قطب زمان کا فرمان کس قدر اہمیت رکھتا تھا، جس کا ظہور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

فیض عام

حضور رحمۃ اللہ علیہ جب چک ۱۴ علی پور میں مقیم ہوئے تو بہت سے لوگ آپ کے پاس مریضوں کے

علاج معالجہ کے لیے آنے شروع ہو گئے اور حضور جو نسخہ بھی فرما دیتے، خدا کے فضل و کرم سے ضرور آرام ہو جاتا حالانکہ نہ تو حضور نے طب پڑھی تھی اور نہ ہی طبیب ہونے کے مدّعی تھے۔ لیکن دیہاتی لوگ سیّد صاحب سمجھ کر حسنِ عقیدت سے آنے شروع ہوئے اور آپ کو رحم آجاتا، اس لیے کچھ نہ کچھ بتا دیتے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہم نے اپنے ایک بزرگ سے طب کا صرف ایک سبق پڑھا تھا' جس کے الفاظ تھے "طبیعت مدبّر است و لے بے شعور"۔ ہم نے اُن سے دریافت کیا کہ "جو چیز بے شعور ہو وہ مدبّر کیسے ہو سکتی ہے"؟ لیکن وہ سمجھا نہ سکے، لہٰذا ہم نے اسی دن پڑھنا چھوڑ دیا۔

ویسے حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد ذہانت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی طبی مسئلہ کے متعلق بات چیت ہوتی تو بڑے بڑے عالم طبیب بھی سُن کر دنگ رہ جاتے۔ ایک دفعہ غالباً حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہنے کے زمانہ میں آپ کسی کام سے گکھڑ میں سیّد حیات شاہ صاحب کے پاس گئے جو حضور کے برادری سے چچا اور بڑے پایہ کے عالم طبیب تھے۔ کسی بات پر دَورانِ گفتگو میں انہوں نے حضور سے سوال کیا کہ مثال کے طور پر حقّے کی نَے میں عناصر اربعہ ثابت کرو۔ چونکہ وہ حقہ پیتے تھے اور سامنے موجود تھا اس لیے اسی کا نام لے دیا۔ ورنہ ان کا اصل مقصود خشک لکڑی میں چاروں عناصر کا ثابت کرنا تھا۔ تو جب حضور رہ نے بیان شروع کیا، تو اس خوش اسلوبی سے ثابت فرمایا کہ سیّد حیات شاہ صاحب نے دریافت کیا "کیا تم نے "موجز" پڑھی ہے"؟ (یہ ایک طب کی انتہائی کتاب ہے) آپ نے فرمایا "ہم نے تو یہ کتاب آج تک دیکھی بھی نہیں"۔ یہ سُن کر وہ سخت حیرانی سے کہنے لگے "میں یہ کیسے تسلیم کروں جبکہ آپ کا بیان مِن و عَن "موجز" کی عبارتیں ہے"؟

ممکن ہے بعض احباب کو بھی اس پر تعجب ہو۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ "موجز" کے مصنّف یا بُقراط، سقراط جالینوس اور شیخ الرئیس بُو علی سینا وغیرہ موجدین طب نے کہاں سے پڑھا تھا؟ یہ نبوّت نہیں جس کا دروازہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بند ہو چکا ہو۔ بلکہ بندگانِ خدا کو تو علم لدُن سے حصّہ ہوتا ہے اور یہ خدا کی عنایت ہے، جسے چاہے عطا فرما دے۔ یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔

دُنیوی تفکرات سے نفرت

چک نمبر ۴۳ علی پور میں حضور ٹھیکیداری بھی کرتے اور آدمی رکھ کر کاشتکاری بھی کرواتے۔ چونکہ حضور کے والد محترم آپ کی صغر سنی کے زمانہ میں ہی رحلت فرما چکے تھے اور حضور کی شادی بھی ہونے والی تھی، اس لیے والدہ ماجدہ کو ہر طرح کا فکر رہتا۔ چنانچہ جب آپ کھانا تناول فرمانے کے لیے گھر میں تشریف لاتے تو کبھی کبھی والدہ صاحبہ دُنیوی تفکرات کے متعلق بات چیت شروع فرما دیتے۔ لیکن حضور کوئی جواب دیے بغیر اُٹھ کر باہر تشریف لے جاتے۔ ایک دن جب حضور کھانا کھا کر حسب معمول جواب دیے بغیر جانے لگے تو والدہ صاحبہ نے بالوں سے پکڑ کر بٹھایا اور فرمایا کہ "تمہارے والد صاحب فوت ہو چکے ہیں، اور تم سنتے نہیں تو میں کس سے بات کروں"؟ حضور نے فرمایا "آپ یہ فرمائیں کہ میں جو کچھ کماتا ہوں اور جو آمدنی کاشتکاری سے ہوتی ہے، سب آپ کی خدمت میں پیش نہیں کرتا؟ فرمایا "اسی طرح ہے"۔ پھر آپ نے فرمایا "اور کوئی فضول خرچی میں کرتا ہوں"؟ فرمایا "یہ بھی نہیں"۔ تو حضور نے فرمایا "پھر آپ ہی بتائیں کہ مجھ سے ان باتوں کا کیا فائدہ؟ باقی ہونا وہی ہے جو مولیٰ کریم کی ذات کو منظور ہے۔ تو بمصداق ؎

کارساز ما بفکر کار ما! فکر ما در کار ما آزار ما

اس فکر سے خواہ مخواہ کی تکلیف کے سوا کچھ حصول نہیں"۔ یہ جواب سُن کر والدہ صاحبہ راضی ہو گئے۔

رُجُوع اِلی اللہ اور توکّل عَلَی اللہ

ایک روز حضور رحمۃ اللہ علیہ مویشیوں کو چرانے کے لیے سحر کے وقت نہر کے کنارے پر لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضور وضو کر کے نہر کی پٹڑی پر نماز ادا فرمانے لگ گئے۔ گرمی کا موسم تھا، اتنے میں تمام مویشیوں نے نہر میں چھلانگیں لگا دیں۔ نہر بہت بڑی تھی اور نیچے بالکل قریب جھال تھی۔ قبل ازیں دو تین واقعات ایسے ہو چکے تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی کبھی زندہ بچ کر نہ نکلا تھا۔ آپ نماز ادا کر کے کچھ وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ اور اس خیال سے کہ مولیٰ کریم فضل فرمائیں گے، میں اپنا وظیفہ کیوں خراب کروں، اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ بلکہ

پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ یہ صورت دیکھ کر بعض دیکھنے والے بھی سخت متعجب ہوئے۔ لیکن حضور کے رجوع الی اللہ اور توکل علی اللہ کا یہ فائدہ ہوا کہ تمام بھینسیں اور بھینسے حتیٰ کہ دو دو ماہ کے دودھ پیتے بچے بھی جھال میں سے گزر کر دوسری جانب صحیح سلامت باہر نکل گئے۔

اللہ اکبر! اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو مولیٰ کریم سے اُس زمانہ میں بھی کس قدر تعلق تھا۔

پاکیزگیٔ خیالات

حضور رحمۃ اللہ علیہ بفضلہ تعالیٰ مضبوط ترین طاقتور نوجوان تھے۔ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں آپ کے جسم مبارک پر بہت سی پھنسیاں نکل آئیں جنہیں پنجابی میں پت کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت ہی تکلیف تھی آپ ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے اس لیے نہری عملہ کے ڈاکٹر صاحب جو کہ ایک بنگلہ میں نہری نوکروں کے لیے مخصوص تھے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی تکلیف کا اظہار فرمایا۔ اس نے جب کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو تعجب سے دریافت کیا کہ "شاہ صاحب! آپ کی شادی نہیں ہوئی؟" حضور نے فرمایا کہ نہیں۔ ڈاکٹر نہایت حیرانی سے بولا کہ "آپ کا عجیب حوصلہ ہے۔ اتنی طاقت، اور روپیہ آپ کی جیب میں، پھر آپ نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ یہ صورت میں نے آج تک کبھی نہیں دیکھی"۔ حضور نے فرمایا کہ "مجھے تو اس طرف کا خیال تک بھی کبھی نہیں آیا"۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب نے دوائی دی جس کے استعمال سے مولیٰ کریم نے آرام دے دیا۔

حضورؒ کی بے نفسی

اسی زمانہ میں جب آپ چک ۱۴۷ علی پور میں مقیم تھے اور ٹھیکیداری کرتے تھے، ایک فقیر صاحب مسمّی شیر علی پٹھان قوم کے اس علاقہ میں رہتے تھے۔ ان کی اس علاقہ میں کافی پیری مریدی تھی اور دو مربعہ زمین بھی اعلیٰ قسم کی ان کی ملکیت میں تھی۔ اولاد نرینہ نہیں رکھتے تھے، صرف ایک لڑکی تھی بڑی حسینہ و جمیلہ حضورؒ کا شباب ان دنوں اپنے زوروں میں تھا، یہ لڑکی آپ کو دیکھ کر از خود رفتہ ہو گئی اور اپنے والد کو مجبور کیا کہ میرا نکاح ان شاہ صاحب سے کر دو اور دونوں مربعے زمین بھی ان کے نام انتقال کرا دو۔ چنانچہ ایک دن حضورؒ

کسی کام کے لیے وہاں گئے تو سائیں صاحب نے ایک مرید کے ذریعہ پیغام بھیجا۔ اس نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کھانے تیار ہو رہے ہیں، سائیں صاحب کا خیال ہے کہ آج رات کو آپ کا نکاح کر دیا جائے اور زمین بھی صبح آپ کے نام منتقل کر دی جائے گی۔

ان کے تو وہم میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ آپ انکار کر دیں گے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ اس خبر سے نہایت خوش ہوں گے۔ لیکن حضور نے جب اپنے خیال میں سوچا کہ یہ کام کیا جائے یا نہ؟ تو آپ کے ضمیر نے اجازت نہ دی۔ چنانچہ شام کے بعد آپ وہاں سے اُٹھ کر چپ چاپ تشریف لے گئے۔ رات موضع جسلانی میں ایک ہندو کے ہاں بسر کی جہاں کھانے سے انکار کر دیا۔

حضور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ضمیر سے پوچھا کہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی سے نکاح، دو مربعے زمین اور انواع واقسام کے کھانے چھوڑ کر تو نے ایک جھونپڑی میں رات بسر کی اور بھوکا بھی رہا۔ یہ تو نے کیا کیا؟ تو میرے ضمیر نے کہا کہ ان تمام نعمات سے یہ اچھا ہے۔

یہ تھی حضور کی دنیا سے بے تعلقی اور نفسانی باتوں سے نفرت۔

حضرت احمد شاہ بسؒ کی ملاقات

حضور کے بڑے بھائی سید حسین شاہ صاحب امرت سر میں شیخ غلام محمد مالک اخبار "وکیل" کے پریس میں ملازم تھے اور حضرت احمد شاہ صاحب بسؒ ایک مجذوب فقیر بھی وہاں امرت سر میں رہتے تھے جو کشمیری بزرگ تھے۔ سید حسین شاہ صاحب ان سے بیعت ہو چکے تھے۔

ہمارے آقا و مولیٰ اپنے بڑے بھائی کی ملاقات کے لیے امرت سر میں تشریف لے گئے تو چونکہ یہ تمام خاندان فقیروں اور بزرگوں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اس لیے حضور بھی حضرت احمد شاہ بس کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے۔ شاہ صاحب موصوف چونکہ مجذوب فقیر تھے اس لیے اکثر عقیدت مند آپ کے زانو اور ہاتھ چوم لیتے تھے۔ حضور کو بھی خیال آتا کہ میں بھی چوموں، لیکن جب بھی حضور زانوؤں کو ہاتھ لگانے کا ارادہ فرماتے، احمد شاہ صاحب فوراً آپ کے دست مبارک پکڑ لیتے اور فرماتے "گھو، جائے کلچہ

کھاؤ"۔ آپ کے لنگر میں چائے کلچہ کھلایا جاتا تھا۔ "گھو" کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کا ترجمہ غالباً "جاؤ" ہے
حضورؒ نے برادر اکبر سے ایک دن ذکر کیا کہ "سائیں صاحب مجھے زانو نہیں چھونے دیتے"۔ تو سیّد حسین شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب حالتِ جذب میں ہوں اس وقت بے شک ہاتھ لگا لینا کیونکہ اس حالت میں انہیں کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک دن حضور تشریف لے گئے تو احمد شاہ صاحب حالتِ جذب میں تھے۔ بالکل گم سم، آنکھیں سُرخ اور منہ سے پانی بہ رہا تھا۔ حضور نے اس خیال سے کہ اب کچھ نہیں کہیں گے، زانوؤں کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ لیکن وہ فوراً ہوشیار ہو گئے اور آپ کے دستِ مبارک کو پکڑ کر حسبِ دستور فرمایا "گھو، چائے اور کلچہ کھاؤ" ——— اللہ اکبر! احمد شاہ صاحب کو علم تھا کہ آپ ایک دن شہنشاہِ دین بننے والے ہیں۔

جب یہ واقعہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرق پوری قدس سرہٗ کی خدمت میں حضور نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا "ہوں! شاہ صاحب نے آپ کو زانو نہیں چومنے دینے تھے"۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ سیّد احمد شاہ صاحب کے پاس ایک مائی صاحبہ بھی رہتے تھے، جو اعلیٰ ترین مجذوبوں میں سے تھے۔ "مالاں" نام تھا، نوجوان اور بڑی شکل و صورت کے مالک تھے۔ ویسے مائی صاحبہ بڑے صاحبِ کشف تھے۔ اگر کوئی آدمی بُری نظر سے دیکھتا تو ان کا رونا شروع ہو جاتا اور اس آدمی کا کام خراب ہو جاتا۔

آپ نے فرمایا کہ ایک دن ہم گئے تو مائی صاحبہ نے ہمیں بلایا اور نلکا کے قریب جا کر فرمایا کہ لالہ! مجھے نہلاؤ۔ اور تمام کپڑے اُتار کر ایک طرف رکھ دیے۔ ہم نے منہ ایک طرف کر کے نلکا ہلانا شروع کیا تو فرمایا کہ میری پیٹھ بھی ملو۔ اور بڑا اصرار کیا۔ مجبوراً یہ بھی کرنا پڑا۔ لیکن مجھے ذرا سا پسینہ آ گیا اور مائی صاحبہ کی یہ کرامت ہوئی کہ اس دن سے ساری عمر میں خواہ کیسی عورت نظر پڑے کبھی خیال تک نہیں آیا۔

ایک روز کافی رات گئے ہمیں ایک دھیلہ دیا اور فرمایا کہ جاؤ! بازار سے اچار لے آؤ۔ جب ہم چلے تو آدھی سیڑھیاں اُترنے پر پھر بلا لیا اور فرمایا "دیا جلا کر بیٹھا ہے"۔ پھر ہم چلے تو پھر وہیں سے پلٹا لیا اور کہا کہ "حساب کر رہا ہے"۔ چنانچہ ہم گئے تو دوکاندار واقعی دیا جلا کر حساب میں مصروف تھا اور میزان درست

نہ آتی تھی۔ جب ہم نے دھیلہ دے کر آچار مانگا تو حساب درست ہو گیا اور آچار دے کر دوکان بند کر کے گھر کو چلا گیا۔

حضرت احمد شاہ صاحب بس بھی اعلیٰ ترین بزرگ تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امرت سر کے علاقہ میں بہت عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مسلمانانِ امرت سر نے مشورہ کیا کہ احمد شاہ صاحب بس کو ہمراہ لے کر نمازِ استسقاء ادا کی جائے، تاکہ مولیٰ کریم رحم فرمائیں اور بارش ہو جائے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب جو احمد شاہ صاحب کے خاص مقرب تھے۔ ان سے کہا گیا کہ کسی طرح شاہ صاحب کو ہمراہ لے آؤ۔ وہ آپ کو ٹانگہ پر بٹھا کر لے آئے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر عوام دعا مانگنے لگے تو شاہ صاحب نے بجائے اس کے کہ بارش کے لیے دعا مانگتے کشمیری زبان میں کہا (رٹھیو روت) یعنی لے جاؤ بادلوں کو۔ ایک آدمی جو کشمیری زبان سے واقف تھا، اس نے لوگوں کو بتایا کہ شاہ صاحب تو یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ "یا اللہ! بادلوں کو لے جا"۔ پھر تمام آدمیوں نے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو بارش کی چند بوندیں پڑیں چنانچہ شہر میں ہیضہ کی وبا پھیلی اور جس قدر بارش کی بوندیں پڑی تھیں اسی قدر آدمی بیمار ہو کر مر گئے

اللہ اکبر! خدا کے بندوں کا علم کس قدر وسیع ہوتا ہے۔

حضور کا تشیُّع اور اخلاص

اکثر لوگوں کو معلوم ہے اور گذشتہ اوراق میں حضور کے چچا سید غلام مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں ضمناً گزر چکا ہے کہ خاندان سادات حضرت کیلیانوالہ میں سے بہت سے افراد نے اُن کے زمانے میں شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ حضور کو بھی بچپن میں اس کا اثر پہنچا اور حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے تک آپ شیعہ رہے۔ لیکن آپ فرمایا کرتے کہ اس زمانہ میں بھی برخلاف عوام شیعہ کے نماز روزہ سے ہم نے کبھی تغافل نہ کیا تھا۔

بعض شیعہ حضرات سے میں نے سُنا ہے کہ جب آپ مجلس پڑھا کرتے تھے تو عجیب کیفیت اور عجیب لذت ہوتی تھی۔ ایک دن آپ مجلس پڑھ رہے تھے۔ جب آپؒ نے یہ شعر ادا فرمایا ؎

ڈھم پئی فرجاں دے وچہ، اوہ آیا، حیدر آیا

تو تمام لوگ اُس طرف دیکھنے لگے۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ تشریف لا رہے ہیں۔

اس زمانہ میں حضور محرم میں بالعموم حضرت کیلیانوالہ ہی تشریف لے آتے۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے حضرت کیلیانوالہ میں نہ پہنچ سکے تو شرقپور شریف میں اہل شیعہ کے پاس چلے گئے۔ جب آپ نے وہاں مجلس پڑھی تو دھوم پڑ گئی چنانچہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک بھی یہ بات کسی نے پہنچا دی کہ ایک سید صاحب جو چک ۱۴۲ میں بطور آبادکار آئے ہیں، انہوں نے بہت ہی اعلیٰ مجلس پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "شاید یہ ہی ہمارا کام دیں"۔

دوسرے دن جب آپ اپنے موضع چک ۱۴۲ میں جانے لگے تو ایک داروغہ جو شیعہ حضرات کا خاص نمائندہ تھا، اس سے آپ نے فرمایا کہ "لو بھئی اب میں جاتا ہوں"۔ اس نے عرض کیا کہ ذرا ٹھیریے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک تھالی میں کچھ روپے رکھ کر لے آیا اور حضور کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ کیا؟ میاں! میں تو اُجرت ان سے لوں گا جن کا ذکر کیا ہے"۔ یہ سُن کر وہ حیران رہ گئے کہ ایسا آدمی ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔

چنانچہ اس دن کے بعد پھر آپ نے مجلس نہیں پڑھی اور اس اخلاص کا صلہ یہ ملا کہ ذکر والوں یعنی پنجتن پاک نے آپ کو اپنی اصلی محبت کی طرف کھینچ لیا۔

درجۂ احسان

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اُن دنوں میری یہ حالت ہوتی تھی کہ ہر لحظہ میرے دل میں یہ خیال جاگزین رہتا کہ میں کام کرتا پھرتا ہوں اور میرے مولیٰ کریم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ اکبر! حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے درجۂ احسان کے متعلق فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرٰہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرٰہُ فَاِنَّہٗ یَرٰکَ۔ یعنی تو اپنے رب کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر

یہ نہیں تو یوں سمجھ کہ وہ تو مجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ یہ درجہ اعلیٰ ترین درجات میں سے ہے جو اللہ کے نیک بندوں کو کئی مجاہدوں کے بعد خدا کے فضل سے بصد مشکل حاصل ہوتا ہے جو حضور کو حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ہی حاصل تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پُر نور پر قبل از پیدائش ہی فضل عظیم تھا۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔

حضرتِ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں

پہلا شرف ملاقات

حضور رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادر اکبر سید حسین شاہ صاحب کی معیت میں شرق پور شریف میں زمین کے تبادلے کے لیے تشریف لے گئے تو خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اعلیٰ نے حضور کو سامنے کرتے سے پکڑ لیا اور سید حسین شاہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ ان کا کیا نام ہے؟ شاہ صاحب نے آپ کا اسم گرامی نور الحسن عرض کیا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "نور بنا دوں"۔ حضور فرمایا کرتے کہ میں کبھی کسی بڑے سے بڑے افسر سے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا لیکن حضرت اعلیٰ کا اس قدر رعب چھایا کہ میں بول نہ سکا۔ حضرت اعلیٰ نے دل پر ٹھیس لگا کر فرمایا کہ مربعوں کے تبادلے کی اتنی بڑی ضرورت نہیں، اگر چاہو تو ہم تمہاری قسمت کا تبادلہ کر دیتے ہیں"۔ حضور بمعہ برادر اکبر اجازت لے کر واپس چکؒ میں تشریف لے آئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ واقعی اس وقت تبادلہ مناسب نہ تھا۔

جب آپ حضرت والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیّد حسین شاہ صاحب نے عرض کیا کہ آج ایک اللہ کے بندے نے ان کو فرمایا کہ تمہیں نور بنا دیا جائے تو یہ خاموش رہے۔ والدہ محترمہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضور نے فرمایا کہ "آپ جو میرے مرشد ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا کہ آج سے ہم تمہارے مرشد نہیں"۔

دوسری حاضری اور شرف بیعت

سائیں الہ داد صاحب چٹھہ ساکن برج تانشہ کو بھی چک ۱۲ میں مربعے ملے ہوئے تھے۔ برج تانشہ موضع حضرت کیلیانوالہ سے صرف ڈیڑھ دو میل پر واقعہ ہے۔ سائیں الہ داد صاحب کا تعلق روحانی بابا گلاب شاہ صاحب رسول نگر والوں کے ساتھ تھا۔ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ ہمارا موجودہ کھال چونکہ بہت دور سے نکلتا ہے اس لیے پانی ہم تک اچھی طرح نہیں پہنچتا۔ آپ محکمہ نہر میں ٹھیکیداری کا کام کرتے ہیں، اگر کوشش کرکے ہمیں نزدیک سے کھال منظور کرا دیں تو بہت اچھا ہو۔ آپ چونکہ فقیروں کی بہت عزت کرتے تھے اس لیے اسی دن پچھلے پہر چل پڑے اور شرق پور شریف میں ٹانگوں کے اڈہ پر ایک سید صاحب کے پاس رات بسر فرمائی۔

حضور فرماتے کہ جس دن سے ہم حضرت اعلیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر آئے تھے، آدھی رات کے بعد نیند نہ آتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ میرا سینہ پھٹ جائے گا۔ ایسے وقت میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنی شروع کر دی جاتی تو کچھ دیر کے بعد آرام ہو جاتا۔

چنانچہ حسب عادت آدھی رات کو اُٹھ کر آپ نے نعت شریف پڑھنی شروع کر دی۔ صبح سویرے اُٹھ کر حضور سائیں الہ داد صاحب کی معیت میں ضلعدار کے پاس گئے جو سکھ تھا۔ وہ بڑے تپاک سے پیش آیا اور کہا کہ ”آپ ایک دو گھنٹہ کے بعد تشریف لائیں، میں ذرا نہا دھو کر فارغ ہو جاؤں تو آپ کے حسب خاطر کام کر دیا جائے گا۔“ چنانچہ وہاں سے حضور بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ راستہ میں سائیں الہ داد صاحب نے عرض کیا کہ ”یہاں ایک مرد خدا رہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ناراضگی نہ ہو، کیونکہ میں ڈاڑھی منڈا ہوں“۔ حضور نے فرمایا کہ ”اگر آپ میں کچھ ہے تو ناراض نہیں ہوں گے اور اگر آپ نے داؤ فریب ہی بنا رکھا ہے تو ضرور ناراض ہوں گے“۔ سائیں صاحب نے فرمایا کہ ”مجھ میں تو کوئی چیز نہیں“۔ خیر! حضور نے کچھ پھل خرید کر سائیں صاحب کی چادر میں ڈلوا لیا اور حاضر دربار ہونے کے ارادے سے چل دیے۔

حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوہاروں والی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے مسجد میں جھانک کر سائیں صاحب سے بلند آواز میں فرمایا "حضرت اعلیٰ تشریف فرما ہیں سائیں صاحب! آجائیں"۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر پھل حضور کے پیش کر دیا، جو آپ کے طریقے کے خلاف تھا۔ لہٰذا ارادت مندوں کو ناگوار گزرا لیکن حضرت اعلیٰ بالکل خوش بخوش تشریف فرما رہے، بلکہ خلافِ عادت اس پھل کو حلقہ نشینوں میں تقسیم فرمانا شروع کر دیا۔ باقی سب کو ایک ایک دیا لیکن حضور کو دو عنائت فرمائے اور کمال مہربانی سے پیش آئے۔ آپ کے اس رویے سے تمام حاضرین حیران تھے۔

حضرت اعلیٰ نے دریافت فرمایا کہ "آپ کس طرح تشریف لائے ہیں"، حضور نے عرض کیا کہ "سائیں صاحب کے کام کے لیے رات سے یہاں آئے ہوئے ہیں"۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "اچھا! جاؤ اور کام کر لو۔ اگر خیال ہوا تو محمد شفیع والی مسجد میں آجانا"۔

حضور مع سائیں الہ داد صاحب ضلعدار صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور حسب منشا کام ہو گیا۔ بعد میں سائیں صاحب نے کہا کہ میاں صاحب نے فرمایا تھا کہ اگر خیال ہوا تو آجانا، لہٰذا آپ کی خدمت اقدس میں حاضری نہایت ضروری ہے۔ آپ مع سائیں الہ داد دوبارہ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پہنچے تو سائیں صاحب کو دیکھ کر حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "ایسے بابے کم ہی دیکھنے میں آئے ہیں"۔

اس مرتبہ حضرت اعلیٰ نے حضور کے دست مبارک کو اپنے دست مبارک میں پکڑ کر سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تلاوت فرمائیں اور فرمایا "تم کو بتانا گیا ہے، کبھی کبھی آکر ہو جایا کرو"۔ اس دن جمعرات تھی، حضرت اعلیٰ کا خیال مبارک یہ تھا کہ جمعہ شریف ادا کر کے چلے جائیں لیکن سائیں صاحب کو ہمارے حضور کی ناراضگی کا خطرہ تھا، منت سماجت کر کے حضرت اعلیٰ سے اجازت حاصل کر لی اور حضور مع سائیں الہ داد چک ۱۴۲ تشریف لے گئے۔

دوسرے دن سب ڈویژنل آفیسر کے آنے پر حضور نے سائیں الہ داد صاحب کے کھال کی منظوری لے دی اور تیسرے دن مستری کو ساتھ بھیج کر وہ کھال جاری کرا دیا، جو آج تک جاری ہے۔

اس کے چند دن بعد ہی حضور نے ٹھیکیداری کا کام چھوڑ دیا اور شرق پور شریف آنا جانا شروع ہو گیا۔

رفتہ رفتہ اس قدر رابطہ بڑھا کہ جس وقت حضرت اعلیٰ کو خیال مبارک آیا، اسی وقت حضور دوڑے آئے۔ تین چار دفعہ حاضری کے بعد حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طریقت کے مطابق کچھ بتانا ہی چاہیے۔ لہٰذا سورۂ اخلاص، درود شریف اور اسم مبارک تلقین فرما دیے۔ کچھ عرصہ حضور جمعہ شریف کے دن ہی تشریف لاتے، اور جمعہ شریف کے بعد اجازت ہو جانے پر چک ۱۴۱ میں تشریف لے جاتے۔

غریبوں کی اعانت

چک ۱۴۱ میں حضرت کیلیانوالہ شریف کا ایک اور غریب زمیندار بھی تھا۔ اس نے شروع ایام میں ایک دن حضور سے عرض کیا، "سرکاری قانون ہے کہ اختتام سال تک اگر مربعہ میں سے کچھ حصّہ بھی آباد نہ ہو تو مربعہ ضبط ہو جاتا ہے۔ آپ اگر مہربانی کر کے میرے مربعہ کا کچھ حصّہ آباد کر دیں تو میرا مربعہ ضبط ہونے سے بچ سکتا ہے"۔ یہ سن کر (دراں حالیکہ حضور کا اپنا مربعہ بھی ہنوز پورا آباد نہ ہُوا تھا تاہم) آپ نے اپنا کام چھوڑ کر اس کی زمین میں سے درخت وغیرہ اُکھاڑ کر اسے کاشت کر دیا اور اس طرح سے ایک کمزور کی مدد کر کے اس کی زمین کو ضبط ہونے سے بچا لیا۔

کشفِ حال اور عیب پوشی

ایک دن حضور رحمۃ اللہ علیہ چک ۱۴۱ میں مسمّی فتح حسین چٹھہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے جو چک ۱۴۱ ہی کا رہنے والا تھا۔ حضور کشفِ باطن سے مطلع ہوئے کہ فتح حسین نماز کی حالت میں اپنے خیال سے ایک ہندو سے جھگڑا کر رہا ہے۔ لہٰذا پہلے تو حضور کو خیال ہُوا کہ اسے ایسی حرکت سے روکیں لیکن پھر اس خیال سے کہ کسی کی عیب جوئی ٹھیک نہیں، اس پر ظاہر نہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد جب شرق پور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "بعض ولی کسی کے عیب سے مطلع بھی ہو جاتے ہیں لیکن اس پر ظاہر کرنے سے شرماتے ہیں"۔ —— اللہ اکبر! بندگان خدا کی کیا شان ہے۔ کہ حضور کے پاس تھا اور آپ اس کے خیالات سے مطلع ہوئے، اور حضرت اعلیٰ دونوں کے حال کے نگران۔

حضور کا ایک اضطراری تعویذ

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ یہ واقعہ بیان فرمایا کہ موضع ہنوس میں جو کہ شرق پور شریف کے قرب جوار میں ہے، ہماری ایک بہن بنی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ ہم وہاں گئے تو وہاں بہت لوگوں کو بخار تھا اور ہماری بہن کی لڑکی بھی بخار سے تلملا رہی تھی۔ بہن نے ہم سے کہا کہ ہمیں ایک تعویذ لکھ دو۔ ہم نے کہا کہ ہم نے تعویذ کبھی نہیں لکھے۔ لیکن اس نے اصرار کیا اور اس قدر درپے ہوئی کہ کاغذ اور قلم و دوات لاکر ہمارے آگے رکھ دیا۔ اور کہا کہ آپ چاہے لکیریں کھینچ دیں لیکن میں لکھاؤں گی ضرور۔ آخر ہم مجبور ہو گئے تعویذ تو ہمیں کوئی آتا نہیں تھا۔ اس اضطرار میں ہم نے لکھا:

"رنج اور راحت، خوشی اور غمی، تنگی اور فراخی، بیماری اور صحت سب تیری ہی طرف سے ہے یا ارحم الراحمین"۔

اور کاغذ لپیٹ کر دے دیا اور ہم اسی وقت چلے آئے۔ پھر ایک دفعہ وہاں سے گزر ہوا تو بہن کہنے لگی "آپ تو کہتے تھے کہ ہمیں تعویذ آتا نہیں۔ میں نے جب تعویذ باندھا تو اسی دن بخار اُتر گیا۔ اس کے بعد میں نے وہ تعویذ ایک دھجی میں باندھ کر ایک برتن میں سنبھال رکھا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو جس کسی کو بخار ہوتا وہ مجھ سے تعویذ لے جاتا جس کے باندھنے سے فوراً بخار اُتر جاتا اور بیمار تندرست ہو جاتا۔ چنانچہ یہ تعویذ اس گاؤں میں مشہور ہو گیا۔ حتیٰ کہ دوکانداروں کی دواؤں کی فروخت بند ہو گئی۔

ایک دن ایک ہندو دوکاندار کے گھر میں بھی کسی کو بخار ہو گیا تو وہ بھی یہ تعویذ لے گیا اور باندھ دیا جب اس کا بخار بھی اُتر گیا تو اس نے کھول کر دیکھا۔ جب اسے پڑھا تو کہنا شروع کر دیا کہ یہ کوئی تعویذ نہیں ہے شاہ صاحب نے یونہی تمہیں کچھ لکھ دیا ہے"۔ خیر! میں نے اس سے تعویذ لے کر اچھی طرح باندھ کر اسی پہلے برتن میں سنبھال کر رکھ دیا۔ دوسرے دن کسی نے مانگا۔ جب میں نے اس برتن کو دیکھا تو دھجی پڑی ہوئی تھی۔ لیکن گرہ کھلی ہوئی اور تعویذ غائب تھا۔

حضرت اعلیٰ کی چک ۱۴۱ میں تشریف آوری

ایک دفعہ حضرت اعلیٰ چند بیلیوں کے ہمراہ کوٹلہ شریف جاتے ہوئے چک ۱۴۱ میں حضور کے مربعوں پر تشریف لائے۔ حضور کو بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "بھائیا! جلدی جلدی روٹی کا انتظام کرنا تاکہ دوپہر آرام کر سکیں"۔ حضور گھر تشریف لائے تو ماں جی صاحبہ جو حضور کے برادر اکبر کی اہلیہ اور بفضلہ تعالیٰ تاحال زندہ ہیں ان سے کہا کہ حضرت اعلیٰ تشریف لائے ہیں، روٹی کا انتظام جلدی ہونا چاہیے، اس لیے آپ صرف روٹیاں پکائیں، باقی کام میں خود کرتا ہوں

چنانچہ آپ نے دو مرغے منگوائے اور ایک دو آدمیوں کو بلا کر کسی کو نمک مرچ گھوٹنے پر لگا دیا کسی کو گوشت بنانے پر، اور خود آپ نے تین ہانڈیاں بیک وقت چولھوں پر رکھ دیں۔ ایک میں گوشت، ایک میں چاول اور ایک میں حلوہ۔ چنانچہ تینوں ہانڈیاں ایک ہانڈی کے وقت میں ہی پک گئیں، روٹیاں ماں جی لے آئے اور ایک گھنٹہ میں روٹی تیار ہو گئی۔ حضرت اعلیٰ ابھی ایک مسئلہ پر ہی گفتگو فرما رہے تھے کہ سب کام تیار ہو گیا اور آپ روٹی لے کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جب حضرت اعلیٰ نے اتنے قلیل وقت میں تین کھانے پکے ہوئے دیکھے تو بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ "آپ نے تو کمال کر دیا ہے"۔

کیمیا گر کی پیشکش اور حضور کا استغنا

حضرت اعلیٰ کو حکایات الصالحین چھپوانے کا خیال مبارک ہوا تو ہمارے حضور نے عرض کیا کہ حضرت! لکھائی کا کام تو میں خود کر لوں گا، کیونکہ خوش نویسی کا کام میں نے حضرت کیلیانوالہ میں سیکھا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمانا شروع کر دیا۔

یہ کام حضور اپنے موضع چک ۱۴۱ میں ہی کیا کرتے تھے۔ اسی دوران میں ایک آدمی (اوڈ، جو دیواریں بناتے ہیں) اس نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے پاس اکسیر کا نسخہ ہے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں، اس سے آپ جتنا چاہیں سونا بنا سکتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ حضرت اعلیٰ سے عرض کیا جائے گا،

اگر اجازت ہوئی تو پوچھ لوں گا۔

جب حضور شرق پور شریف جمعہ شریف پر تشریف لے گئے تو حضرت اعلیٰ کی خدمت میں اس پیشکش کا تذکرہ کیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "اگر وہ تمہارے جانے پر بات کرے تو اس کو جوتے مارنا" چنانچہ جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ آدمی پھر آیا اور دریافت کیا کہ کیا حضرت اعلیٰ نے اجازت دی ہے یا نہیں؟ تو حضور نے فرمایا کہ "تم چلے جاؤ ورنہ جوتیاں ماریں گے"۔ وہ آدمی کہنے لگا "ہائے سیدا! لوگ میرے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں لیکن میں نہیں بتاتا، اور آپ کو بتاتا ہوں تو آپ لیتے نہیں"۔

اللہ اکبر! اسے کہتے ہیں استغنا، اور یہ ہے فرمان مرشد پر عمل۔

حضرت اعلیٰ کی خدمت میں قیام

جُوں جُوں دن گزرتے گئے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اعلیٰ سے بتدریج رابطہ بڑھتا چلا گیا اور شوق محبت الٰہی زیادہ سے زیادہ تر ہوتا گیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر دُنیوی کاروبار سے طبیعت بالکل فارغ ہو گئی حتیٰ کہ حضرت اعلیٰ سے ایک لمحہ بھی جدائی گوارا نہ رہی اور آپ نے گھر بار چھوڑ چھاڑ کر شرق پور شریف میں حضرت اعلیٰ کی خدمت میں رہنا اختیار کر لیا۔

حضور کو قرآن مجید پڑھنے کی تلقین

حضور جب شرق پور شریف میں رہنے لگے تو آغاز ہی میں ایک دن حضرت اعلیٰ قدس سرّہٗ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن شریف پڑھا ہوا ہے؟ تو حضور نے نفی میں جواب عرض کیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا یہ تو ٹھیک نہیں۔ حضور نے عرض کیا کہ حکم ہو تو قاعدہ لے کر میاں ابراہیم صاحب سے سبق شروع کر دیتا ہوں۔ (یاد رہے کہ میاں ابراہیم صاحب حضرت اعلیٰ کی مسجد میں بچّوں کو پڑھایا کرتے تھے) حضرت اعلیٰ نے فرمایا ایسا نہیں۔ حضور نے عرض کیا کہ پھر حاجی عبدالرحمٰن صاحب سے پڑھ لیا کروں؟ تو حضرت اعلیٰ نے جواب فرمایا کہ ان سے

بھی نہیں۔ ہاں ان کے ساتھ دَور کر لیا کرو۔

ایک دن حضرت اعلیٰ عصر کے بعد ڈیک کے بند پر تشریف لے گئے، جہاں آپ کی زمین اور کنواں بھی ہے۔ حضور بھی ہمراہ تھے۔ وہاں قرآن پاک کی تعلیم کا ذکر ہؤا تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "ایک سال کی پڑھائی آئی جے" ۔۔۔ اللہ اکبر! خدا کے بندے نے توجہ سے ایک سال کی پڑھائی دے دی چنانچہ حضور نے اپنی زندگی مبارک میں قرآن حکیم کے وہ وہ نکات بیان فرمائے جنہیں سن کر بڑے بڑے عالم دنگ رہ جاتے تھے۔ اور حضور کی جلیل القدر تصنیف "الانسان فی القرآن" حضور کے علم قرآن پر پورا عبور حاصل ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

حضرت اعلیٰ کی حضور کو توجہ

حضور نے فرمایا کہ ایک روز حضرت اعلیٰ کی معیّت میں ہم باہر گئے۔ ہمارے دل میں خیال پیدا ہؤا کہ حضرت اعلیٰ جب توجہ دیتے ہیں تو اکثر احباب کو بڑا جوش و خروش ہوتا ہے لیکن مجھے کبھی کچھ نہیں ہؤا۔ اگر آپ مجھے بھی ایسی توجہ دیں تو بہتر ہو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت اعلیٰ نے تیزی سے چلنا شروع کر دیا۔ ہمیں بھی محسوس ہو گیا کہ یہ تیز روی میرے اس خیال کا نتیجہ ہے، خدا خیر کرے۔

چنانچہ جب بیٹھک شریف میں پہنچے اور حضرت اعلیٰ اوپر تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر کے بعد مجھے یوں محسوس ہؤا جیسے لوہے کی سلاخ تیز بھٹی میں سے انگارا ہو کر باہر نکلتی ہے ایسی کوئی چیز میرے قلب میں داخل ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نیچے تشریف لائے اور پھر اُوپر ہی چلے گئے۔ آپ کی طبیعت میں کچھ جوش سا معلوم ہوتا تھا۔ پھر جب حضرت اعلیٰ نیچے تشریف لائے تو میری طرف دیکھا۔ گو میری طبیعت میں بھی جوش تھا، لیکن اظہار بالکل نہ تھا۔ حضرت اعلیٰ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا "تم بھی تو کوئی بلا ہو"۔ پھر مہربانی سے گفتگو شروع کر دی اور میری طبیعت میں سکون ہوتا گیا۔

مرشد کی ناراضگی باعث خُسران ہے

حضور نے بیان فرمایا کہ ایک روز ہم عصر کے بعد حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے ہمراہ باہر گئے تو ایک فقیر

سیاہ کپڑے پہنے، ناد وغیرہ گلے میں باندھے، ننگے پاؤں سڑک پر جا رہا تھا۔ حاجی صاحب نے اس فقیر سے پوچھا کہ شاہ صاحب کیا حال ہے؟ وہ بولا کہ مہربانی ہوگئی جناب! خدا نے رکھ لیا، مولیٰ نے فضل کر دیا۔ ہم متعجب ہوئے کہ حاجی صاحب ایسے آدمی سے گفتگو کرتے ہیں۔ جب وہ آگے نکل گیا تو حاجی صاحب نے ہم سے فرمایا "دیکھا ہے! یہ سیّد صاحب ہمارے بیلی تھے اور حضرت اعلیٰ کی ان پر بڑی مہربانی تھی، اعلیٰ ترین طبیعت کے مالک تھے۔ کسی سبب سے حضرت اعلیٰ کی ناراضگی کے باعث یک لخت ہی ان کی طبیعت خراب ہو کر یہ حال ہو گیا ہے۔ اور آج شکریہ ادا کر رہے ہیں کہ اس حال میں ہو گیا ہوں۔ سچ ہے ؎

بھریا ان کا جانیے جن کا توڑ چڑھے

بمصداق الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ پیر بمنزلہ رسول ہوتا ہے اور اس کی ناراضگی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کے مطابق ایسے حبطِ اعمال کا باعث ہوتی ہے کہ اسے شعور ہی نہیں رہتا۔ لہٰذا نہایت خوف کا مقام ہے۔ کسی بزرگ نے "طریقت چیست" کے جواب میں فرمایا ہے "ہمہ ادب است"۔ ہمارے حضور فرمایا کرتے ؎

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

بس پیر راضی ہوا تو سارا سلسلہ مولیٰ کریم تک درست، ورنہ خسر الدنیا والاخرۃ کا مورد ہو جاتا ہے۔

ایک اور واقعہ

ایک دفعہ ہمارے حضور حضرت اعلیٰ کی معیت میں لاہور تشریف لے گئے۔ ایک ہندو نومسلم جو کہ حضرت اعلیٰ کی خدمت اقدس میں ایک دو دفعہ حاضر ہوا تھا، اور حضرت اعلیٰ کی اس پر خاص نظرِ کرم تھی، لاہور میں ایک رئیس نے اس کو مکان اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان دے رکھا تھا اور خورد و نوش کا بھی ذمہ اُٹھا رکھا تھا، شہر میں اس کی بڑی عزت و تکریم تھی۔ حضرت اعلیٰ کو خیال مبارک ہوا کہ اس کو ملیں۔ چنانچہ اس کا پتہ دریافت کر کے حضرت اعلیٰ مع حضور وہاں تشریف لے گئے۔ حضور فرماتے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ کے تشریف

لے جانے پر اس نے کوئی خاص توجہ نہ کی۔ حضرت اعلیٰ چند منٹ ٹھہر کر تشریف لے گئے اور فرمایا: "اچھا مرضیٔ مولیٰ"۔ بعد میں اس کی وہ قدر و منزلت جاتی رہی اور اس رئیس نے اس کو مکان سے نکال دیا۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

ہمارے حضور فرمایا کرتے ؎

چشم شہوت چون کشائد دل بمیرد دریدن

عقل او کورش شود قمید افتد در زمن

چونکہ سنت اللہ جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔ سورۃ لقمان میں مولیٰ کریم نے فرمایا ہے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ یعنی "اس شخص کی اتباع تم پر فرض ہے جس کا رجوع میری طرف ہو"۔ تو ہماری ہر بھلائی انابت والے مرد کی اتباع میں ہے۔ جب ذرا اس سنت اللہ کا خلاف ہوا تو عقل اندھی، دل مردہ اور خدا کی مہربانی سے محروم رہ گیا ؎

بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

ضبطِ نفس پر خود اعتمادی

ایک دفعہ حضور میاں ابراہیم صاحب کے پاس تشریف فرما تھے اور میاں صاحب حلقۂ احباب میں گفتگو فرما رہے تھے کہ آدمی سے بشریت بالکل معدوم نہیں ہوتی۔ خواہ کس قدر مجاہدہ کیا جائے کچھ نہ کچھ رمق ضرور رہتی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ میں بازار میں جا رہا تھا کہ ایک سادھو صاحب کو دیکھا جو بازار میں بیٹھے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ سادھو کو انتشار ہو کر انزال ہو گیا ہے چنانچہ ایک بازاری لڑکے سے کہا کہ سادھو کی لنگوٹی اٹھا دی جائے جب اس لڑکے نے اسے ہٹایا تو واقعی انزال ہو چکا تھا۔ حالانکہ مجاہدہ کر کر کے سخت دبلا پتلا ہو چکا تھا۔

حضور نے یہ بات سن کر فرمایا کہ "میاں صاحب! یہ بات آپ کی درست نہیں۔ آپ ایک حسینہ جمیلہ

نوجوان عورت سے میرا نکاح کر دیں، رات بھر ایک چارپائی پر لیٹا رہوں گا اور صبح کے وقت ان شاء اللہ العزیز صرف وضو کر کے نماز ادا کر لوں گا"۔ یہ سن کر میاں ابراہیم صاحب فرمانے لگے "بھائیا! ہم تیری بات نہیں کرتے"۔

حضرت اعلیٰ کی حضور کو نکاح کی فہمائش

حضور فرماتے کہ عموماً جب عصر کے بعد حضرت اعلیٰ باہر تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی آپ فرمایا کرتے کہ "عزیز کی شادی بھی کرنی ہے"۔ تو ہم اکثر عذر ہی کرتے کہ "جناب! میں اس قابل نہیں ہوں"۔ چنانچہ بہت دفعہ ایسا ہوا۔ ایک دفعہ ہمیں خیال آیا کہ اب ڈاڑھی بھی رکھ لی ہے اور عمر بھی تیس سال سے اوپر ہو گئی ہے، اب مجھے رشتہ کون دے گا؟ تو خواہ مخواہ حضرت صاحب کو ناراض کر رکھا ہے۔ اچھا! اب جس وقت بھی بات ہوئی رضامندی ظاہر کر دی جائے گی۔

آخر ایک روز پھر عصر کے بعد باہر تشریف لے گئے، تیسرا کوئی ہمراہ نہ تھا۔ آپ نے پھر اسی طریقہ سے سلسلہ جنبانی فرمائی کہ "عزیز کی شادی بھی کرنی ہے" تو عرض کیا گیا کہ جس طرح جناب کی مرضی"۔ یہ جواب سُن کر حضرت اعلیٰ خوش ہو گئے۔

پھر ایک دفعہ حضور کے برادر اکبر سید حسین شاہ صاحب نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! فلاں آدمی (جو کہ سید قوم سے نہ تھا) اپنی لڑکی کا رشتہ ہمیں دیتا ہے۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "اُن (حضور) کا کیا خیال ہے"؟ سید حسین شاہ صاحب نے عرض کیا کہ "آپ کی طرف سے اجازت ہو تو وہ خوش ہیں"۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "تم بھی خوش اور شاہ صاحب بھی خوش، ہمارا بیچ میں کیا ہے (حضرت اعلیٰ اس کام میں خوش نہ تھے) آپ آج چک ۱۴ میں چلے جائیں اور صبح ان کے ماں جی کو بھی گھر سے ساتھ لے آنا۔ اور کل ہی یہاں سے شاہ صاحب کو ساتھ لے کر معلومہ جگہ پر چلے جانا اور نکاح کر کے شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ چلے جائیں گے اور تم چک ۱۴ چلے جانا"۔ (غالباً یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب حضرت اعلیٰ حضور کو حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھیج چکے تھے اور پھر حضور قدمبوسی کے لیے حاضر خدمت تھے)

سید حسین شاہ صاحب نے حضرت اعلیٰ سے یہ فیصلہ کر کے ہمارے حضور کو فیصلہ سے مطلع کیا اور خود چک ۱۴ علی پور تشریف لے گئے۔ حضور کی طبیعت اس بات کو سن کر بے قرار ہوگئی۔ آخر نماز عصر سے فارغ ہونے کے معاً بعد ہمارے حضور فوراً اٹھ کر حضرت اعلیٰ کی بیٹھک شریف میں تشریف لے گئے۔ گو حضور نے حضرت اعلیٰ کی قلم و دوات کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ لیکن جلدی کی وجہ سے یہی لے کر ایک کاغذ پر کچھ تحریر فرمایا۔ ادھر حضرت اعلیٰ نے جب حضور کو نہ دیکھا تو آپ بھی مسجد شریف سے جلد ہی تشریف لے آئے۔ لیکن حضور اتنے وقفہ میں تحریر سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت اعلیٰ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ آپ نے وہ تحریر پیش کر دی۔ جب حضرت اعلیٰ نے اس ایک سطر پر نظر فرمائی جس میں یہ تحریر تھا:

"حضرت کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے لیکن اس طرف خیال کرنے سے قبض اور ہٹانے سے انشراح"

تو فرمایا کہ "چاہے کوئی اور کام بنے یا نہ بنے، یہ کام بالکل نہیں کرنا۔" اور مزید فرمایا کہ "حضرت علی المرتضیٰ کو خیال آیا کہ ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا۔ آپ صبح سویرے چک ۱۴ جا کر شاہ صاحب کو منع کر دیں۔"

اس ارشاد کے بموجب حضور صبح چک ۱۴ پہنچے اور حضرت اعلیٰ کے فرمان سے آگاہ کر کے شاہ صاحب اپنے برادر اکبر کو اس تیاری سے منع فرما دیا۔ شاہ صاحب نے ناراض ہونا شروع کر دیا کہ "میری اولاد ہے نہیں اور آپ نکاح نہیں کرتے۔" لیکن حضور ذرا دیر ٹھیر کر خاموشی سے واپس شرق پور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت اقدس میں تشریف لے آئے ــــ اللہ اکبر! یہ تھی حضرت اعلیٰ کے ساتھ حضور کی مطابقت۔

چنانچہ حضرت اعلیٰ کی موجودگی میں تو کوئی صورت نہ بن سکی۔ آپ کے وصال شریف کے بعد بھی پانچ چھ آدمی رشتے دینے کے لیے تیار ہوئے لیکن ان میں بھی یہی صورت تھی۔ آخر حضرت اعلیٰ کے وصال سے ایک سال بعد بدو رتہ ضلع گوجرانوالہ کے سید خاندان میں آپ کی شادی مبارک ہوئی۔

ایک بزرگ بلخی صاحب سے ملاقات

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بزرگ بلخی صاحب شرق پور شریف کے نزدیک ہی تشریف

لے آئے۔ ان کی چار بیویاں تھیں، جہاں بھی تشریف فرما ہوتے چاروں کے لیے الگ الگ مکان بنا دیتے اور ایک کنواں بھی تیار کر دیتے۔ بڑے بابرکت بزرگ تھے۔

ایک دفعہ حضور بھی وہاں تشریف فرما ہوئے۔ دوران گفتگو میں بلخی صاحب نے فرمایا کہ "ہم اپنے پیر کے ہاں رہتے تھے تو ہمارے پیر صاحب نے فرمایا کہ ایک ایک شعر سب بنا کر لاؤ۔ چنانچہ میں بھی اس کوشش میں مصروف ہوا لیکن صرف ایک مصرعہ تیار ہوا، دوسرا نہیں بن سکا۔" حضور نے دریافت فرمایا کہ آپ کا مصرعہ کونسا ہے؟ تو انہوں نے پڑھا ؎

"مہربانی ہائے مرشد کرد بلخی را خراب"

تو ہمارے حضور نے فی البدیہہ فرمایا: ؎

"حال ما آخر چہ باشد واللہ اعلم بالصواب"

بلخی صاحب نے فرمایا کہ خوب۔ چنانچہ اپنے ایک مرید سے کہا کہ قلم دوات لاؤ اور فوراً یہ مصرعہ نوٹ کرو۔

ایک مجذوب سے ہمدردی

ایک روز حضور نے فرمایا کہ لاہور میں ایک مجذوب فقیر تھا، بالکل برہنہ۔ اور سردی کا موسم تھا۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا تو آپ نے ایک کمبل خرید کر کسی بیلی کے ہاتھ بھیجا۔ لیکن اس نے نہ لیا۔ پھر کسی اور کو بھیجا، اس نے پھر بھی انکار کیا۔ آخر ہمیں بھیجا۔ ہم نے اس سے کہا کہ سائیں صاحب! یہ کمبل حضرت اعلیٰ نے آپ کے لیے ارسال فرمایا ہے۔ تو وہ مجذوب صاحب کہنے لگے کہ پہلے تو یونہی کمبل دو گے۔ پھر کہو گے کہ میرا فلاں کام کرو۔ مجھے فلاں سخت تکلیف ہے اس کے لیے دعا کرو۔ ہم نے کہا یہ بات تو نہیں۔ وہ کہنے لگے پھر کونسی بات ہے؟ ہم نے کہا کہ نہ تو کسی کام کو آیا ہوں اور نہ آئندہ کہنے کا ارادہ ہے۔ تو فرمانے لگے کہ پھر کس لیے؟ ہم نے کہا کہ صرف آپ کے لیے۔ تو سائیں صاحب نے کہا کہ اچھا پھر پوچھ لینے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد سائیں صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ ہماری قسمت میں سردی کھانا ہی لکھا ہے۔ جی تو ہمارا بھی چاہتا ہے لیکن مولیٰ کریم کو منظور ہی نہیں" تو ہم سلام کہہ کر چلے آئے اور حضرت اعلیٰ کو سارا

قصہ سنایا تو حضرت اعلیٰ راضی ہو گئے کہ آپ نے خوب بات چیت کی۔ اب اس کی مرضی۔ ہمارا تو یہی خیال تھا کہ بیچارا آرام میں رہے"۔

اللہ اکبر! اللہ کے بندوں میں کس قدر جذبۂ ہمدردی ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کوٹلہ شریف کی زمین کا فیصلہ

ایک دفعہ حضرت مظہر قیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف والوں نے کوٹلہ شریف کی زمین میاں فتح اللہ برکت اللہ لائل پور والوں کو ٹھیکہ پر دی ہوئی تھی۔ ایک دو سال گزر گئے کوئی ٹھیکہ شاہ صاحبان کو نہ ملا۔ میاں فتح اللہ صاحب کے منشیوں نے خرچ زیادہ دکھا کر اُلٹا مطالبہ کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ معاملہ حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ کو بڑا فکر ہوا چنانچہ جناب نے ہمارے حضور کے ساتھ مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؛ حضور نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو یہ معاملہ میں سلجھا دیتا ہوں۔ چنانچہ حضور وہاں تشریف لے گئے اور میاں فتح اللہ وغیرہ سے حساب مانگا۔ چونکہ آپ نہر کے محکمہ میں ٹھیکیداری وغیرہ کا کام کر چکے تھے اور آپ کو پیمائش وغیرہ کے متعلق کافی تجربہ تھا، جب حساب پیش ہوا تو کھالوں کی بنوائی اور مٹی وغیرہ کی مزدوری کے متعلق بات چیت کر کے ان کے حساب میں کئی غلطیاں بتائیں۔ ان کو بھی اس کا احساس ہوا۔ اور حضور نے اس معاملہ میں دونوں طرفوں کو اپنی اپنی جگہ سمجھا کر ایسے احسن طریقے سے فیصلہ فرمایا کہ فریقین خوش ہو گئے۔ حضرت اعلیٰ یہ بات سن کر نہایت خوش ہوئے۔ میاں فتح اللہ وغیرہ نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ تین چار ماہ شاہ صاحب کو ہمارے پاس بھیجیں۔ لیکن یہ بات حضور کب مانتے تھے۔ اللہ اکبر! بندگان خدا کو مولیٰ کریم نے عقل کل عطا فرمایا ہوتا ہے اور ہر معاملہ کی سمجھ ان کو خداداد ہوتی ہے۔

ایک نابینا مولوی سے حضور کی گفتگو

ایک نابینا حافظ جو مولوی بھی تھا، شرقپور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا جو کچھ غیر مقلدانہ

خیالات رکھتا تھا۔ حضرت اعلیٰ کی اس سے وسیلہ کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت اعلیٰ جو مسئلہ کسی سے چھیڑتے، آپ کی طبیعت مبارک میں داخل تھا کہ منوا کر چھوڑتے۔ بڑی باتیں ہوئیں لیکن اس نے بھی نہ ہی مانا۔ آخر تنگ آکر آپ نے اس کو کھانا کھلا کر رخصت فرمایا اور ہمارے حضور کو اس کے لیے کرایہ دے کر فرمایا کہ اس کو موٹر پر سوار کرآؤ۔

حضور اس کو ہمراہ لے کر چل دیے۔ آپ کے خیال مبارک میں تھا کہ حضور نے ہر چند کوشش فرمائی لیکن یہ مانتا نہیں، کسی طریقہ سے اسے سمجھانا چاہیے۔ تو حضور نے فرمایا کہ "حافظ صاحب! یہ راستہ سیدھا چلا جاتا ہے۔ آپ بلا خوف و خطر بغیر کسی سے پوچھے سیدھے چلیں، میں بھی پیشاب سے فارغ ہو کر جلدی ہی آجاتا ہوں"۔ یہ فرما کر اسے چھوڑ دیا۔ حافظ صاحب چند قدم چل کر کھڑے ہو گئے۔ حضور بھی تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر پیشاب سے فارغ ہو کر جلدی ہی تشریف لے آئے اور اس کا عصا پکڑ کر فرمایا کہ "لو حافظ صاحب! اب آپ بلا خوف و خطر تشریف لے آئیں، میں آپ کو راستہ بتانے کا ضامن ہوں۔ کسی طرح کا خطرہ دل میں نہ رکھیں میں تم کو اڈہ پر پہنچا کر موٹر میں سوار کر دوں گا"۔ حافظ صاحب یہ بات سُن کر چپ چاپ آپ کے ساتھ ہو لیے اور راستہ میں کوئی بات چیت نہ کی۔ چنانچہ حضور موٹر پر سوار کر کے واپس تشریف لے آئے۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ حافظ صاحب پھر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، آپ نے کونسا آدمی مجھے موٹر پر سوار کرنے کے لیے بھیجا تھا؟ حضرت اعلیٰ نے دریافت فرمایا "کیوں کیا بات ہے"۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ "جناب! انہوں نے تو میرا وسیلہ کا مسئلہ جس کے متعلق جناب سے بحث و تمحیص ہوئی تھی، ایک منٹ میں حل کر دیا"۔ حضرت اعلیٰ نے حضور سے دریافت فرمایا تو آپ نے مفصل واقعہ سنایا حضرت اعلیٰ سُن کر بیحد مسرور ہوئے۔

حضرت اعلیٰ کی تعریف میں حضور کے چند اشعار

برادرانِ طریقت کو معلوم ہے کہ تمام سلسلہائے طریقت کے بزرگانِ عظام کے اسمائے گرامی اشعار میں مرقوم ہوتے ہیں چنانچہ اس عاجز نے بھی شروع کتاب میں سلسلہ نقشبندیہ کا اپنا شجرہ تبرکاً درج کیا ہے۔ کئی اہل طریقت تو

اپنے شجرہ کو بطور وظیفہ پڑھتے ہیں۔ گو طریقہ نقشبندیہ میں شجرہ بطور وظیفہ کے نہیں پڑھا جاتا لیکن اگر بطور دُعا کے پڑھا جائے تو باعث برکت ضرور ہے۔ غیر مقلدین تو اس کو بدعت اور شرک تک کہنے سے گریز نہیں کرتے، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ انہی حضرات کو جب حدیث شریف کے تحصیل علم کی سند ملتی ہے تو اس میں تمام متقدمین اساتذۂ کرام کے اسماء سلسلہ وار بطور سند کے درج ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک بس اسی طریقہ سے یہ بھی ایک سلسلۂ سند ہے۔ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ظاہری تعلیم سے بھی اہم ترین تعلیم دین ہے جو ان اساتذہ کے واسطہ سے سینہ بسینہ ہم تک پہنچی ہے؟

یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ دراصل میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے ہمارے حضور کو فرمایا کہ شجرہ میں میرا نام درج کر دو مگر ہو ایک شعر میں۔ حضور نے جب تعمیل ارشاد کا ارادہ فرمایا تو ایک شعر میں تسلی نہ ہوئی چنانچہ کئی شعر لکھے مگر حضرت اعلیٰ کا اسم گرامی تادیر نہ لا سکے۔ لہٰذا آخر میں معذوری کا اقرار اور معافی کی خواستگاری ہے:

افضل و اکمل، مکمّل، راہنمائے کاملاں!	ملتجائے بےکساں ہم مژدۂ افسردگاں
حامیِ دینِ متین و فخر و عزّت خواجگاں	صاحبِ درد و فغاں لاسیّر عاشق صادقاں
بے کنارہ بحرِ عرفاں، پادشاہِ عارفاں	مظہرِ تجلّی سرّ خفی، سرّ از سرّ نہاں
عاشق و محبوب رب العالمیں را بیگماں	ہست مخفی از عواماں راز داناں را عیاں

نقطۂ نورِ احد از نورِ احمدؐ مجتبیٰ

نورِ نبیؐ نورِ خدا نورِ محمدؐ مصطفیٰ

بمعذوری گنہ گار و خطا دار و شرمسارم!	ہمہ زیں صفت موصوفم ولے با رحم تو نازاں
بدتر از بد نفس مارا ننگ آمد زیں بلا	ادب صدق و صفا بخشید با توفیق اعلیٰ را
اگر خواہم بتو خواہم، نخواہم ماسوائے تو!	نخواہم در دو عالم جز محبت درد و الفتہا
رحیما رحم کن بر ما، کریما کرم کن بر ما	شہنشاہِ سخا یک نظر کن از دید بخششہا

حضور کے روضۂ مبارک میں یہی آپ کے اپنے تعریفی اشعار آپ کے مناسب حال ہونے کے باعث لکھے گئے۔

مستری کرم الدین صاحب کے ہمراہ لاہور کا سفر

ایک دفعہ حضرت اعلیٰ نے ہمارے حضور کو آغاز ہی میں مستری کرم الدین صاحب کے ساتھ لاہور بھیجا۔ تو

حضور نے تہیہ فرمایا کہ مستری صاحب کے ساتھ خاموشی کے ساتھ نہیں جانا تاکہ ان پر اتفاقاً ظاہر نہ ہو۔ اس لیے عمداً بے ضرورت باتیں دو وادھر کی وہ اُدھر کی کر دیں۔ جب لاہور سے واپس حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مستری صاحب سے دریافت فرمایا کہ "شاہ صاحب تمہارے ساتھ گئے تھے؟" مستری صاحب کو پہلے ہی سے حضور پر کچھ ایسا حسنِ ظن نہیں تھا، پھر تو بہت برسے کہ "آپ یونہی بزرگ سمجھ لیتے ہیں، میرے ساتھ لاہور گئے، راستے میں کبھی ادھر کی کرتے کبھی اُدھر کی۔ مجھے انہوں نے بڑا تنگ کیا۔" حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ "ایسے تو نہیں۔"

اللہ اکبر! بندگانِ خدا اپنے آپ پر پردہ ڈالنے کے لیے جان بوجھ کر کچھ ایسا کام بنا لیتے ہیں جو شرعاً ناجائز بھی نہ ہو اور حقیقتِ حال بھی عوام پر ظاہر نہ ہو سکے ؎

اندروں شو آشنا وز بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم مے شود اندر جہاں!

حضرت اعلیٰ کے ساتھ کوٹلہ شریف میں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب قدس سرہٗ نے کوٹلہ شریف عرس مبارک پر تشریف لیجانا تھا۔ بہ نفس نفیس تو لاہور سے ہوتے ہوئے گاڑی کے ذریعہ جانے کا ارادہ تھا، اور ہمارے حضور کو چک ۱۴ کے راستہ (جہاں آپ کے مربعے تھے) جانے کا فرمان ہوا۔ چنانچہ حضور چک ۱۴ سے ہوتے ہوئے سیدھے کوٹلہ شریف کو ہو لیے۔ گرمی کا موسم تھا، دوپہر کو کوٹلہ شریف میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر حضور کو خیال مبارک آیا کہ حضرت اعلیٰ اس گاڑی سے تشریف لے آئیں تو سٹیشن سے یہاں تک کے لیے کوئی سواری کا انتظام ہونا چاہیے۔ ویسے حضرت اعلیٰ نے نہ تو تشریف لانے کا وقت معین فرما رکھا تھا اور نہ ہی سواری لانے کے متعلق کوئی ہدایت فرمائی تھی۔ صرف مطابقت کی بنا پر حضور کو خیال مبارک آیا اور مکان شریف والوں کی زمین کے ٹھیکیدار میاں فتح اللہ صاحب کو (جن کا ذکر ضمناً پہلے گزر چکا ہے) فرمایا "خیال ہے کہ اس گاڑی سے حضرت اعلیٰ تشریف لے آئیں گے لہٰذا اگر کوئی سواری کا انتظام ہو سکے تو بہت بہتر ہے۔

میاں فتح اللہ صاحب نے فوراً ایک آدمی اور دو گھوڑیوں کا انتظام کر دیا۔ حضور نے ایک گھوڑی پر اس آدمی کو بٹھا لیا اور دوسری پر خود سوار ہو کر چوہڑ کانہ پہنچے۔ چونکہ کوٹلہ شریف کا پانی کھاری ہے۔ لہٰذا حضور برف اور ضروری سامان خرید کر سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ ادھر حضور پہنچے اور اُدھر گاڑی بھی پلیٹ فارم پر آپہنچی۔ حضرت اعلیٰ نے جب دیکھا کہ بغیر کہنے کے صرف مطابقت کے رو سے حضور یہ انتظام کر لائے ہیں، تو بیحد خوش ہوئے اور فرمایا کہ "نُور نے تو کمال کر دیا ہے"۔ (حضرت اعلیٰ خوش ہو کر حضور کو اکثر نُور ہی فرمایا کرتے تھے) حضرت اعلیٰ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُن کر سید شاہ (جو اُس وقت حضرت اعلیٰ کا خاص مقرب تھا) جل بھُن کر راکھ ہو گیا۔

دونوں گھوڑیوں میں سے ایک پر حضرت اعلیٰ سوار ہوئے اور دوسری پر سید شاہ کو سوار کر لیا۔ راستہ میں سید شاہ نے بڑی سخت دشنام دے کر ہمارے حضور سے کہا کہ تمہیں کس بڑھ چڑھ نے کہا تھا کہ گھوڑیاں لانا۔ یہ الفاظ سُن کر حضور تو خاموش رہے لیکن ساتھ والوں میں سے ایک نے کہا کہ "سیدا! ہوش کر سخت گرمی میں وہ پیدل چل رہے ہیں اور تو گھوڑی پر سوار ہو کر اُلٹا ناراض ہو رہا ہے۔

آخر کوٹلہ شریف پہنچ کر حضرت اعلیٰ میاں صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں سید شاہ نے شکایت کر دی کہ "نور الحسن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اب میرے جیسا کون ہے"۔ حضرت اعلیٰ یہ سُن کر کچھ ناراض سے ہو گئے اور حضور کی طبیعت خراب ہو گئی۔ آپ سوچنے لگے کہ حضرت اعلیٰ تو خوش تھے، یہ کیا ہوا؟ کسی بیلی نے بتایا کہ سید شاہ نے ان الفاظ سے آپ کی شکایت کر دی ہے دوسرے دن پھر حضور گھوڑی لے کر برف شربت وغیرہ ضروریات کے ساتھ بروقت پہنچ گئے اور عند الطلب حضرت اعلیٰ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لایا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ شاہ صاحب۔ یہ سُن کر حضرت اعلیٰ خوش ہو گئے اور حضور کی طبیعت درست ہو گئی۔

ممکن ہے بعض احباب کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب اللہ کے بندوں کو علم ہوتا ہے اور بالخصوص ایسی مطابقت والے مرید کی ہر حالت سے پیر باخبر ہوتا ہے تو پھر جھوٹی شکائت سے ناراضگی کا سبب کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ بندگان خدا ہر فعل اور ہر وُرود کو مولیٰ کریم کی طرف سے جانتے ہیں۔ صرف اتنے پر بھی کہ یہ شکایت گو جھوٹی ہے، کیوں ظہور میں آتی۔ کبھی کبھی یہ صورت ہو جاتی ہے۔ رَاَهُمْ مَنْ فَهِمَ

عیب پوشی

ظاہر ہے کہ سید شاہ صاحب نے جو کچھ کیا حسد کی بنا پر کیا اور کرتے رہے جو نہ شرعاً جائز ہے نہ اخلاقاً بلکہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ یہ تو بے بنیاد، جھوٹی اور تراشی ہوئی شکائتیں تھیں۔ اللہ کے بندے تو اگر کسی میں عیب ہو پھر بھی اس کی پردہ دری نہیں کرتے چہ جائیکہ جھوٹی تہمت تراشیں اور بہتان لگائیں۔ چنانچہ ذیل میں حضور ہی کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے:

جب حکایات الصالحین کی کتابت کا کام حضور کر چکے تو اس کی طباعت کے لیے بھی حضرت اعلیٰ نے حضور ہی کو لاہور بھیجا اور فرمایا کہ کسی بیلی کے ہاں رہنا بہتر ہوتا ہے۔ بلکہ اشارتاً ایک بیلی کا انتخاب بھی فرما دیا اس ارشاد کے مطابق حضور نے اس بیلی کے ہاں اقامت اختیار فرمائی۔ دن بھر ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرہ میں بیٹھ کر پروف پڑھتے اور غلطیاں درست فرما کر کاپیاں پریس میں دیتے، رات کو اس کے ہاں تشریف لے جاتے۔ لیکن ایک دو دن کے بعد اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "بھایا اتنا بوجھ ہم نہیں اُٹھا سکتے"۔

جس مسجد کے حجرہ میں حضور دن کو بیٹھتے تھے وہاں امام مسجد صاحب نے ایک بوری خشک شدہ نان وغیرہ کی فروخت کرنے کی غرض سے رکھی ہوئی تھی۔ حضور فرماتے "مجھے خیال آیا کہ اگر یہ خشک نان جو روپیہ ڈیڑھ روپیہ میں مل سکتے ہیں، خرید لیے جائیں تو مجھے دو ماہ تک کے لیے کافی ہیں۔ لیکن پھر خیال پیدا ہوا کہ اگر حضور نے دریافت فرمایا تو سچی بات کہنے میں یہ غریب مارا جائیگا اور غلط بیانی ناجائز ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی صورت ہو کہ اس بیلی کا کام بھی خراب نہ ہو"۔ تو یہ تجویز سوجھی کہ سیر ڈیڑھ سیر گوشت دوسرے تیسرے دن بازار سے خرید کر اس کے گھر پہنچا دیتے اور جب جمعہ شریف کو شرق پور شریف میں تشریف لے گئے تو چک ۴۲ سے چار پانچ سیر گھی خرید کر لاہور لے گئے اور اس بیلی کے گھر میں پہنچا دیا۔ اس طور سے وہ صاحب بہت خوش ہو گئے اور فرما دیا کہ اس طرح کوئی بیلی کرے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ حضور رات کو تو تازہ کھانا تناول فرماتے، لیکن صبح رات ہی کا باسی کھانا کھا کر کام پر تشریف لے جاتے۔

گو اس واقعہ کو تحریر میں لانے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ اس میں برادران طریقت کے لیے ایک بہت بڑا درس موعظت ہے اس لیے اس کا اندراج ضروری سمجھا۔ یعنی قابل غور یہ چیز ہے کہ جس بھائی نے تنگ ظرفی کی بنا پر ایسا برا سلوک کیا، حضور نے اس کے ساتھ نیک سلوک کر کے ہم کو یہ سبق دیا جو قرآن اور سنت کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ (پ ۲۴ - ۱۹ع)

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقے سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔

اور جس طرح کہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک بڑھیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوڑا کرکٹ پھینکا کرتی چند دن کے بعد جب وہ ایک دو دن نظر نہ آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ بیمار ہے تو آپ اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ تو وہ مائی اس حسن سلوک اور خلق عظیم کو دیکھ اپنی بداعمالیوں کے ساتھ موازنہ کر کے صدق دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئی۔

قارئین کرام کو قرآن پاک کے حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن عمل پر غور کرنے سے واضح ہو جائیگا کہ جس طریقہ سے ہمارے حضور نے حسن تدبر سے برائی کا جواب بھلائی سے دیا، قرآن اور سنت کے عین مطابق ہے اور ایسا عمل وہی بندگان خدا کر سکتے ہیں جو صاحب برداشت اور صاحب نصیب ہیں۔

چونکہ ہمارے حضور بھی سِرَاجًا مُّنِيرًا کے نور سے منور تھے، اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے مطابق عملی ثبوت پیش فرما کر ہم متعلقین کے لیے مَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ کے موافق صاحب نصیب بننے کے لیے راہ نمائی فرما گئے۔ بندگان خدا کا وجود باجود اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی زندہ مثال ہوتا ہے، لہٰذا ان کا ہر فعل عقلمندوں کے لیے راہ نمائی اور ہدائت کا باعث ہوتا ہے اس لیے ہم تمام متعلقین کا فرض اولین ہے کہ اپنے ہادی و پیشوا کے عمل کو اپنا طرز عمل بنا کر ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ

یعنی صاحبِ نصیب بننے کی کوشش کریں۔

حضرت اعلیٰ کی معیّت میں پانی پت کا سفر

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حضرت غوث علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے مزار مبارک پر پانی پت میں تشریف لے گئے۔ حضور فرماتے کہ جب حضرت غوث علی شاہؒ صاحب کے مزار مبارک پر پہنچے تو ایک بیلی بہت سے گنّے لے آیا۔ حضرت اعلیٰ قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ یہاں خیال کر کے بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ گنّے چوُستے چوُستے فیض کی بارش برس رہی تھی۔

حضرت اعلیٰ قدس سرّہٗ حضرت غوث علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑی محبت سے ذکر فرمایا کرتے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ آپ بڑے مرد گزرے ہیں مگر نکاح تو آپ نے نہ ہی کیا —— اللہ اکبر! بندگانِ خدا سنت کی تکمیل کا کس قدر خیال رکھتے ہیں۔ چونکہ سنت کی تکمیل کا نسبت پر بہت اثر ہوتا ہے، اس لیے تھوڑی سی کمی کو بھی بہت زیادہ خیال فرماتے ہیں۔

حضرت غوث علی شاہ صاحب قلندر گزرے ہیں اور اپنے وقت میں بہت سیاحت کی۔ چنانچہ تذکرہ غوثیہ ایک مشہور معروف کتاب ہے جس میں آپ کے ارشادات مبارک اور آپ کی زندگی مبارک کے عجیب وغریب حالات تحریر ہیں۔

دِمّ شریف یا گھٹ قاضی احمد کا سفر

حضرت اعلیٰ میاں صاحب قدس سرّہٗ کا خیال مبارک تھا کہ ہمارے حضور کو ہمراہ لے کر دِمّ شریف کی زیارت کو چلیں اور کسی دوسرے آدمی کو علم نہ ہو۔ چنانچہ ایک دن ہمارے آقا و مولیٰ کو آپ نے فرمایا کہ "رات کو اسباب باندھ رکھو اور تانگے والے کو کہہ آؤ کہ صبح سویرے آجائے۔ کیونکہ صبح براستہ لاہور دِمّ شریف میں جانے کا خیال ہے"۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ کسی آدمی کو پتہ نہ ہو۔

حضور نے بموجب ارشاد تعمیل فرمائی۔ حضرت اعلیٰ کا معمول تھا جب کسی سفر پر تشریف لے جانا ہوتا بہت

سویرے چل پڑتے۔ اس روز بھی حسب معمول بہت سویرے ٹانگہ آگیا اور حضرت اعلیٰ مع حضور لاہور پہنچے۔ ایک آدمی سٹیشن پر ملا جو ٹکٹ لے آیا اور آپ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اتنے میں سید شاہ صاحب بھی بذریعہ ریل قصور سے آکر جھٹ حضرت اعلیٰ کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کے ذریعے اس کا ٹکٹ بھی منگا لیا۔

رات بھر گاڑی چلتی رہی۔ جس سٹیشن پر اُترنا تھا وہاں تین چار بجے صبح کے قریب پہنچے اور قریب ہی ایک مسجد تھی، اس میں تشریف لے گئے۔ سردی کا موسم تھا اور حضور تمام رات سوئے نہیں تھے۔ مسجد میں پہنچکر حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آپ سو رہیں۔ چنانچہ حضور نے صبح تک آرام فرمایا۔ اور صبح کے بعد اُٹھ کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت اعلیٰ نے حضور کو کھانا لانے کے لیے بازار بھیجا تو

زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

والا معاملہ پیش آیا۔ نہ کوئی پنجابی بولنے والا اور نہ سمجھنے والا۔ ناچار اشاروں سے کام لے کر کھانے کی چیزیں خریدیں اور حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے یہ سن کر فرمایا "اُوہو! یہ تو سندھ ہے"۔ خیر! حضور باہر تشریف لے گئے تو تحصیل میں ایک آدمی کھڑا دیکھا جو وضع قطع سے پنجابی معلوم ہوتا تھا۔ حضور نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ پنجاب ہی کا رہنے والا تھا اور وہاں نائب تحصیلدار لگا ہوا تھا۔ آپ نے اُسے بتایا کہ "حضرت میاں صاحب شرقپوری (رحمۃ اللہ علیہ) فلاں مسجد میں تشریف فرما ہیں اور ہم نے ۔۔۔ تم تشریف جانا ہے"۔ اس نے بتایا کہ آپ گوٹھ قاضی احمد کہیں گے تو پتہ چلے گا۔ یہاں سے کوئی پندرہ سولہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج یہاں سے تھوڑی دور ایک میلہ ہے، تمام اُونٹ وہاں چلے گئے ہیں اس لیے سواری کا ملنا مشکل ہے۔ البتہ میں ہسپتال جاتا ہوں، ادھر بخار بہت ہے۔ شاید وہاں کوئی اُونٹ کسی بیمار کو لے کر آیا ہو تو کچھ کام بن جائے"۔

خیر! وہ تحصیلدار صاحب ہسپتال تشریف لے گئے۔ وہاں سے صرف ایک اونٹ ملا جس پہ ایک بیمار بھی تھا۔ دوسری طرف حضرت اعلیٰ سوار ہو گئے۔ اور اُونٹ کا مالک، سید شاہ اور حضور پیدل ہو لیے۔ حضور نے اس بلوچ سے دریافت فرمایا کہ کتنا سفر ہے اور حضرت اعلیٰ کو کہاں اُتارے گا؟ تو اس نے عرض کیا کہ

"سائیں! بڑا دُکھی سفر ہے۔ نصف شب تک اُونٹ ایک جگہ پر پہنچے گا، وہاں ایک جھونپڑی سی ہے، اس جگہ پہ حضرت اعلیٰ کو اُتار دے گا۔" یہ سُن کر حضور کو بڑا فکر آیا۔ اونگھ سی آئی اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس مقام پہ پہنچ گئے جہاں حضرت اعلیٰ نے تشریف فرما ہونا تھا۔ بلوچ کچھ متحیر سا ہوا کہ اتنا سفر اتنی جلدی کیسے طے ہو گیا۔ وہاں پر رات بسر کی۔ صبح کو دیکھا، نزدیک ہی ایک گاؤں تھا۔ وہاں پہنچ کر دو اُونٹ کرایہ پر لے کر چلے۔ یہ اُونٹ بڑے تیز رَو تھے، چند لمحوں میں انہوں نے گوٹھ قاضی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پہنچا دیا۔

حضور کا خیال مبارک تھا کہ انہی اُونٹوں والوں سے بات چیت کر لی جائے اور کل یہ آجائیں لیکن سید شاہ صاحب نے مخالفت کی اور کہا کہ اتنی دُور سے آئے ہیں غالباً آپ دو تین دن یہاں ٹھیریں گے۔

حضرت اعلیٰ روضہ اقدس پر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد اُٹھے اور فرمایا کہ جس کام کے لیے ہم آئے تھے وہ ہو گیا ہے چنانچہ گدّی والوں سے ملے، رات وہاں رہے اور صبح کو اجازت لے کر واپس چل دیے۔ سابقہ اُونٹ تو نہ مل سکے، البتہ بار بردار قسم کے اُونٹ دستیاب ہو گئے جن پر غالباً گندم لدی ہوئی تھی، انہی پر حضرت اعلیٰ اور حضور مع سید شاہ سوار ہو لیے اور سٹیشن پر پہنچ گئے۔ وہاں سے بذریعہ ریل لاہور آئے اور ٹانگہ لے کر شرق پور شریف واپس تشریف لے آئے۔

مکان شریف کے متعدّد سفر اور واقعات

ایک دفعہ حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ امام علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کے عرس مبارک پر مکان شریف میں تشریف لے گئے۔ حضور بھی ہمراہ تھے۔ ختم شریف کے بعد جب حضرت اعلیٰ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ واپسی پر امرت سر سٹیشن پر پہنچے تو لاہور جانے والی گاڑی میں ابھی دو تین گھنٹے کا وقفہ تھا۔ یہ وقت پلیٹ فارم ہی پر گزارنا پڑا۔

ہمارے حضور اس وقت ایک عجیب کیفیت میں محوِ حیرت تھے۔ حضور فرماتے "مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جو بادل آسمان پر ہیں میرے پاؤں کے نیچے سے گزر رہے ہیں۔ عجیب قسم کا استغراق تھا، آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں"۔ حضرت اعلیٰ نے حضور کے ظاہر پر نظر فرما کر کچھ ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ

حضور فرماتے کہ میں گاڑی آنے پر ڈرتا ہوا ایک طرف ہٹ کر چپ چاپ بیٹھ رہا۔ لیکن وہ کیفیت بدستور رہی۔ اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ لاہور سٹیشن پر جب حضرت اعلیٰ گاڑی سے اُترے تو آپ اصل کیفیت پر نظر فرما کر حقیقت سے آگاہ ہوئے۔ اس زمانہ میں شرق پور شریف موٹر بسیں نہیں جاتی تھیں، لہٰذا حضرت اعلیٰ ٹانگہ پر سوار ہوئے۔ حضور بھی آپ کے ہمراہ اسی ٹانگہ پر بیٹھ گئے۔ حضرت اعلیٰ کا معمول تھا کہ ٹانگے پر بیٹھ کر بھی ارشادات عالیہ سے مستفیض فرمایا کرتے لیکن اس روز نہایت خاموشی سے تمام سفر طے فرمایا۔ جب شرق پور شریف پہنچ کر ٹانگہ سے اُترے تو آپ نے کلام مجید کے یہ کلمات تلاوت فرمائے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

جب آپ بیٹھک شریف میں پہنچے تو بعض آدمی تیار کھڑے تھے کہ موقع ملے تو حضور کے متعلق کوئی شکایت کر کے حضرت اعلیٰ کو بدظن کیا جائے۔ لیکن آپ نے دیکھتے ہی فرمایا "بھائیا! ان (حضور) کے متعلق جس نے کوئی ایسی ویسی بات کی اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا"۔ یہ کلمات سُن کر وہ صاحبان نااُمید ہو کر واپس لوٹے اور پھر کبھی ایسی جرأت نہ کی۔

۲۔ حضرت اعلیٰ ایک دفعہ مکان شریف تشریف فرما تھے کہ ہمارے حضور آپ کے ہمراہ قضائے حاجت کے لیے لوٹا پکڑ کر جنگل میں تشریف لے گئے۔ حضرت اعلیٰ نے فراغت کے بعد وضو فرما کر باہر ہی نماز اشراق ادا فرمائی۔ جب آپ نماز ادا کر چکے تو ہمارے حضور نے عرض کیا کہ "حضرت! جب کسی سے محبت ہو تو اس کے نام کا ورد کیا جاتا ہے"؟

حضور کا چونکہ مراحل سلوک میں یہ ابتدائی زمانہ تھا، اس لیے ایک مبتدی کی زبان مبارک سے یہ بلند پایہ کلمات سن کر حضرت اعلیٰ کو بڑا تعجب ہوا۔ تو آپ نے دست مبارک سیدھے کر کے ایک لمبا سجدہ کیا۔ جب بڑی دیر تک سجدہ سے سر نہ اُٹھایا تو حضور کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت نے آج خلاف معمول اتنا طویل سجدہ کیوں ادا فرمایا ہے؟ تو حضرت اعلیٰ نے سجدہ سے سر مبارک اُٹھا کر فرمایا "لالیا! میں تو تمہیں ہی دیکھ رہا تھا کہ کہاں تک انتہا ہے"۔

اللہ اکبر! کیا مرتبہ ہے کہ قطبِ زمان بھی متعجب ہو رہے ہیں۔

۳۔ ایک مرتبہ حضرت اعلیٰ مکان شریف میں عرس مبارک سے کچھ پہلے ہی تشریف لے گئے اور ہمارے حضور کو حکم فرمایا کہ وقت پر آنا۔ چنانچہ حضور نے فرمان مبارک کے پیش نظر اس وقت تیاری کی جب بمشکل ختم شریف میں شریک ہو سکتے تھے۔ گو قاری اللہ بخش صاحب فیض پوری بڑے ناراض ہوئے کہ ختم شریف سے رہ جائیں گے، لیکن حضور نے ایک نہ سنی اور وقت پر ہی چلے۔ لاہور آ کر بیلیوں کو اکٹھا کرنے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کیونکہ ان میں سے اکثر اس خیال سے کہ شاید امسال نہ جانا ہو، مایوس ہو چکے تھے۔ خیر بمشکل گاڑی کے عین موقع پر اکٹھے ہوئے اور سٹیشن پر پہنچے۔ ٹکٹ لے لیے تو گاڑی پلیٹ فارم سے چل پڑی حضور نے بیلیوں سے فرمایا کہ چلتی پر ہی جلدی جلدی سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ جب سب بیلی سوار ہو گئے تب آپ سوار ہوئے۔

امرت سر پہنچے تو ایک لاری والے کے ساتھ تصفیہ کر کے برف وغیرہ ضروری سامان لے کر سوار ہو گئے۔ رمداس پہنچ کر لاری والے سے حضور نے فرمایا کہ اگر مکان شریف ہم کو پہنچا دو تو بڑی مہربانی ہے، مزید کرایہ لے لینا۔ اس نے کہا کہ تحصیلدار سے اجازت لے دو۔ حضور نے راستہ میں تحصیلدار سے اجازت حاصل کر لی، اور موٹر والے نے عصر کے وقت مکان شریف پہنچا دیا۔

قاری صاحب نے جاتے ہی حضرت اعلیٰ کی خدمت میں شکائت کر دی کہ میں نے شاہ صاحب سے بڑا کہا کہ ایک دن پہلے چلیں لیکن یہ نہ مانے۔ حضرت اعلیٰ نے یہ خیال فرما کر کہ وقت پر پہنچ تو گئے ہیں کوئی باز پرس نہ فرمائی۔

۴۔ ایک دفعہ حضرت اعلیٰ مکان شریف میں تشریف فرما تھے اور حضور آپ کے لیے کھانا پکا رہے تھے ہانڈی میں مٹر گوشت پک رہے تھے۔ نمک وغیرہ ڈال دیا گیا تھا لیکن ایک اور بیلی نے بھی غلطی سے نمک ڈال دیا۔ جب ہانڈی چکھی، تو نمک بہت زیادہ تھا۔ اُدھر حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "بھائیا! وقت بہت گزر گیا

ہے، روٹی جلدی لاؤ تاکہ کھا کر آرام کر سکیں"۔ اور ادھر ہانڈی خراب ہوئی پڑی تھی۔ خیر خدا کا نام لے کر حضور نے ایسی تجویز فرمائی کہ بفضلہ تعالیٰ ہانڈی سے زائد نمک نکال لیا اور بالکل پورا نمک باقی رہ گیا۔ اللہ اکبر! خدا کے بندے عقلِ کُل کے مالک ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت مولیٰ کریم کی طرف سے بذریعہ الہام ہر علم سے عالم ہو جاتے ہیں۔ یہ ترکیب حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں بھی بتائی، چنانچہ ہم بفضلہ تعالیٰ زائد نمک نکال سکتے ہیں۔

۵۔ ایک دفعہ حضرت اعلیٰ مکان شریف میں ختم شریف میں شمولیت کے لیے تشریف فرما تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ دوپہر کے وقت حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ کوئی بیلی ڈیرہ بابا نانک جا کر موٹر وغیرہ سواری کا انتظام کر آئے۔ کوئی بیلی نہ اُٹھا تو ہمارے حضور نے حضرت اعلیٰ کے حکم کی تعمیل کا عزم فرمایا۔ اس وقت حضور کی طبیعت میں سخت کش مکش تھی۔ سالک راہ رو کو کئی طرح کے مصائب ہوتے ہیں جن کا بیان لاحاصل ہے۔ سالک ہی خوب جانتا ہے۔ تاہم اجمالاً اتنا عرض ہے کہ حقیقت میں نفسانیت اور روحانیت کی آپس میں جنگ ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اسی حالت میں مکان شریف سے ڈیرہ کو روانہ ہوئے۔ جن احباب کو مکان شریف جانے کی سعادت حاصل ہے ان کو معلوم ہے کہ سٹیشن ڈیرہ سے جانب مغرب مکان شریف کے راستہ میں دو کنوئیں اکٹھے واقع ہیں۔ حضور فرماتے کہ "جب وہاں پہنچا تو اس قدر بے قراری تھی کہ بیان سے باہر ہے"! اس وقت حضور کی زبان مبارک سے چند اشعار نکلے جو تبرکاً درج ذیل ہیں:

ہیں دَورِ گردوں نے رنگ کیا کیا دکھائے مجھ کو رُلا رُلا کر
یدِ مقدّر بھی تھک گیا ہے گلے کو میرے دبا دبا کر
اِدھر کو کھینچا کبھی بلا کر، اُدھر کو پھینکا کبھی ہٹا کر
اِسی تغیّر میں مر مٹے ہم، کلیجہ اپنا جلا جلا کر
جو روزِ محشر کھلے گا دفتر پڑھے گا ہر اک کتاب اپنی
حشر کرے گا یہ حال برپا عرش کا پایہ ہلا ہلا کر

عزم یہ تھا کہ نہ ہو شکایت، لبوں پہ شکوہ نہ ہوتا لیکن
ہے دردِ دل نے زباں کو میری ہلایا آخر جلا جلا کر

جو ہجر فرقت میں مر رہے ہم امید پر ہیں یہ سانس باقی
ہے انتظاری تو بس حکم کی، یہ مرگ بستر بچھا بچھا کر

تیری تمنا کیا ہے محزوں کبھی نہ پوچھا یہ دل جلوں سے
جو نیم بسمل تڑپ رہے ہیں، حجاب کیوں ہے دکھا دکھا کر

ان اشعار سے حضور کی اعلیٰ ترین شخصیت کا حال آشکارا ہوتا ہے، چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔ ہر ایک انسان کی گفتار حقیقت میں اس کے مافی الضمیر ہی کو بیان کرتی ہے۔ تمام اشعار کی تفسیر یا تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ گویا دریا کوزے میں بند ہے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ جب حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے یہ مصرعہ سُنا:

یدِ مقدّر بھی تھک گیا ہے گلے کو میرے دبا دبا کر

تو آپ جھنجلائے۔ میں نے عرض کیا، کیا آپ یدِ مقدّر کو یدِ خدا سمجھتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو تقدیر کا ہاتھ ہے۔ خدا کا ہاتھ اس سے مراد نہیں ہے۔

آخری شعر میں آپ نے اپنے حال کو بالکل کھول کر رکھ دیا ہے۔ محزوں آپ کا تخلص تھا مختصر مطلب یہ ہے کہ حضور کو دوام تجلّی کی تمنا تھی جس سے اُس وقت بعض اوقات حجاب ہو جاتا۔ "حجاب کیوں ہے دکھا دکھا کر" سے یہ مطلب صاف ظاہر ہے۔

۶۔ ایک دفعہ حضور حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیّت میں مکان شریف میں تشریف فرما تھے کہ مکان شریف کے ملحقہ علاقہ میں سے کچھ آدمی ایک باؤلے آدمی کو چارپائی پر رسّوں سے جکڑ کر حضرت مولوی غلام رسول صاحب کی خدمت میں لائے جو کہ حضرت خواجہ امام علی شاہ صاحب قدس سرّہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھئی! حضرت میاں صاحب شرقپوری مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اگر تشریف

لے آئے تو ان کی خدمت میں عرض کیا جائے گا۔ یہ چارپائی دروازہ مسجد کے قریب رکھ دو۔ حضرت اعلیٰ جب نماز سے فارغ ہو کر مع حضور مسجد سے باہر تشریف لائے تو یہ چارپائی دیکھ کر فرمایا کہ "اس غریب کو کیوں باندھ رکھا ہے"؟ تو عرض کیا گیا کہ حضرت! یہ باؤلا ہو گیا ہے۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ نہیں یہ باؤلا نہیں ہے، کھول دو اس بیچارے کو"۔ چنانچہ حسب الحکم جب اسے کھولا گیا تو بالکل تندرست تھا۔ اس کو ہوش آ گیا اور پوچھنے لگا مجھے تم نے کیوں باندھا تھا؟

اللہ اکبر! بندگانِ خدا کی کیا عجیب شان ہے اور ان کی زبان مبارک میں خداوند قدیر نے کیا تاثیر رکھی ہے اور اسے کس طرح سچا کرتا ہے۔

۷۔ ایک دفعہ مکان شریف کے عُرس مبارک کی تاریخ قریب تھی کہ حضرت اعلیٰ نے ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت کیلیانوالہ شریف بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہیں سے مکان شریف چلے جانا۔ چنانچہ آپ مع سید محمد شاہ صاحب اور مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی ریل پر سوار ہو کر جبتر کے سٹیشن پر اُترے اور وہیں سے پیدل سیدھے مکان شریف کو ہو لیے۔ گرمیوں کے دن تھے اور دریائے راوی زوروں پر تھا۔ جب دریا پر پہنچے تو ملاح کشتی کو لے کر اُس پار چلا گیا تھا۔ اس نے آواز دی کہ ذرا ٹھیرو میں آجاتا ہوں۔ چونکہ دن بہت تھوڑا رہ گیا تھا اور آپ کا خیال مبارک تھا کہ شام کی نماز مکان شریف ہی میں جا کر ادا کی جائے اس لیے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ آگے آگے حضور ہو لیے، پیچھے سید محمد شاہ اور ان کے پیچھے مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی۔

مولوی امام الدین صاحب بفضلہ تعالیٰ ابھی زندہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ہمیں دریا کا پانی صرف زانوؤں تک آیا۔ اللہ اکبر۔

حضرت اعلیٰ کے ہمراہ کشمیر کا سفر

حضرت اعلیٰ میاں صاحب قدس سرہٗ جب وصال شریف سے کچھ عرصہ پہلے علیل ہوئے تو بہت سے احباب

نے عرض کیا چونکہ گرمی کا موسم ہے اور آپ کو گھبراہٹ ہے اس لیے بہتر ہے کہ آپ گرمیاں کشمیر میں گزاریں تاکہ کچھ افاقہ رہے۔ آخر صلاح مشورہ کے بعد کشمیر جانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن ہمارے حضور فرماتے کہ ہمیں نہ جانا ہی مناسب معلوم ہوا مگر اس فیصلہ کے بعد عرض کرنے سے خائف تھا۔ تاہم لاہور پہنچ کر دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت! ابھی دو دن لاہور ٹھیر جائیں۔ لیکن آپ کچھ ناراض سے ہوئے۔ البتہ جب بذریعہ گاڑی لاہور سے راولپنڈی کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "غلطی ہوگئی ہے، آنا نہیں تھا"۔

راولپنڈی سے موٹر پہ براستہ کوہ مری سری نگر تشریف لے گئے۔ حضور فرمایا کرتے کہ راولپنڈی سے جب موٹر چلنے لگی تو بیلیوں کو پیاس تھی لیکن اس خیال سے پانی نہ پیا کہ راستہ میں چشمے سے پئیں گے مگر جب چشمے پر پہنچے تو پیاس ہی ختم ہوگئی۔ آخر شام تک سری نگر پہنچے اور ہری صاحب کی کوٹھی میں حضرت اعلیٰ نے قیام فرمایا۔ یہ ہری صاحب ایک انگریز تھے جو مسلمان ہوگئے تھے اور حضرت اعلیٰ کے ساتھ تعلق طریقت بھی تھا۔ لاہور، پشاور اور سری نگر وغیرہ کئی شہروں میں ان کے ہوٹل تھے۔

سری نگر میں حضرت اعلیٰ کے علاج کے لیے ایک حکیم صاحب کو منتخب کیا گیا۔ ہمارے آقائی و مولائی صبح سری نگر تشریف لے جاتے اور ٹانگہ میں حکیم صاحب کو بٹھا لاتے اور پھر اس کے ساتھ دوائی لانے کے لیے تشریف لے جاتے۔ حضور فرماتے کہ جس وقت شہر کی طرف جاتے (جو کہ کوٹھی سے جنوب کی جانب تھا) تو کچھ آرام معلوم ہوتا اور جب کوٹھی کی طرف جاتے جہاں حضور تشریف فرما تھے تو طبیعت خراب ہو جاتی۔ اس طبیعت کے اوزان سے اس معاملہ کی جانچ کرتا رہا۔ آخر طبیعت نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارا واپس پنجاب جانا ہی بہتر ہے۔ یہ اس طرح کہ وہاں سے پنجاب یا وطن مالوف جنوب کی جانب ہے اور جنوب ہی کی طرف چلنے سے طبیعت میں بسط اور فرحت ہوتی تھی۔ ادھر یہ بھی خوف تھا کہ اگر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کیا تو شاید آپ ناراض ہوں۔ بالآخر طبیعت نے مجبور کیا اور عرض کر دیا کہ "حضرت! ہمارا واپس جانا ہی بہتر ہے"۔ سری نگر میں حضرت اعلیٰ کو تشریف لائے ابھی صرف چار دن ہوئے تھے۔ یہ سن کر حضرت اعلیٰ نے سخت ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا کہ "یہ کیسے؟" اور فرمایا "چل بھائیا باہر"۔ چنانچہ حضور لوٹا پکڑ کر قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ ادھر حضرت اعلیٰ نے خیال فرمایا تو آپ کو بھی معلوم ہوگیا کہ حضور کا یہ خیال درست ہے چنانچہ چند منٹوں کے

بعد ہی حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ شاہ صاحب کہاں گئے ہیں؟ برادرم سراج الدین صاحب نے عرض کیا کہ لوٹا پکڑ کر باہر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت اعلیٰ نے حضور کی واپسی کا بھی انتظار نہ فرمایا اور برادرم سراج الدین کو اسی وقت حضور کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔ حضور نے باہر سے تشریف لاتے ہوئے برادرم سراج الدین صاحب کو دیکھا تو دریافت فرمایا کہ خیر ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اعلیٰ یاد فرما رہے ہیں۔ (یہ برادرم سراج الدین صاحب حضور کے پیر بھائی تھے۔ جب حضرت اعلیٰ نے حضور کو حضرت کیلیانوالہ شریف بھیجا تو ان کو حضور کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ اکثر برادران طریقت کو معلوم ہے کہ یہ تا زیست حضور کی خدمت میں رہے اور حضرت کیلیانوالہ شریف ہی میں ان کی رحلت ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ)۔

جب حضور حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہایت پیار سے دریافت فرمایا "لالیا! تجھے یہ خیال کس طرح آیا؟" تو حضور نے تمام ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا "بیلی تو کوئی ہے نہیں، پر جیتے ہی کہاں منہ چھپا بیٹھیں۔ ہری صاحب کو تار دیدو کہ ہم واپس جا رہے ہیں، اگر ملنا چاہیں تو کل آکر ملاقات کر لیں"۔ ہری صاحب گلمرگ میں تھے۔ چنانچہ حضور نے اسی وقت ان کے دفتر میں جا کر تار دے دیا۔ جب تار دے کر واپس خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "پھر جا کر تار دو کہ کل ہم چلے جائیں گے لہٰذا آج ہی آجائیں"۔ تو حضور نے دوبارہ اس مضمون کا تار بھیجدیا۔

جو بیلی حضرت اعلیٰ کے ہمراہ تھے ان میں سے اکثر کو یہ نہایت ناگوار گزرا۔ یہ کہتے کہ "لو جی! کشمیر آئے، اور نہ کوئی پھل کھایا نہ کوئی سیر کی۔ آپ ان کی سنتے ہیں"۔ لیکن حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض نہ کر سکتے تھے۔ ہری صاحب تار ملتے ہی فوراً موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گلمرگ سے سری نگر پہنچ گئے۔ تذکرہ بیلیوں نے ہری صاحب کو دیکھتے ہی کہا کہ "حضرت اعلیٰ کو جانے نہ دینا۔ ایک سید صاحب ہیں، وہ جو خیال میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں اور حضرت ان کی مان لیتے ہیں"۔

ہری صاحب جب حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پہلے ہی فرما دیا کہ "ہمیں روکنے والی بات نہ کرنا"۔ ہری صاحب نے حضرت اعلیٰ کے پاؤں مبارک پکڑ کر اپنے سر پر رکھ لیے اور عرض کیا کہ "جس طرح جناب کا حکم"۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ "ہم صبح ہی واپس جائیں گے"۔

صبح ہمارے حضور کو حضرت اعلیٰ نے حکم فرمایا کہ سواری کا انتظام کرو۔ آپ نے دو کاروں کا کرایہ طے کیا اور سوار ہو کر راولپنڈی پہنچے، اور راولپنڈی سے گاڑی پر سوار ہو کر لاہور پہنچ گئے۔ سفر خرچ حضور ہی کے پاس تھا۔ لاہور پہنچ کر حضرت اعلیٰ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے پاس کچھ ہے؟ حضور نے عرض کیا کہ جناب ابھی کافی رقم میرے پاس موجود ہے" تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ صرف تم ہی اس معاملہ میں ثابت قدم رہے، اور یہ تمہارا ہی حصہ تھا"

حضرت اعلیٰ نے کچھ دن لاہور قیام فرمایا۔ سرینگر سے چلتے وقت وہاں کے حکیم صاحب نے ہدایت کی تھی کہ کہیں حضرت اعلیٰ کو جلاب دینے کی غلطی نہ کر بیٹھنا، ورنہ پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ لیکن لاہور کے طبیبوں نے جلاب دینے کا مشورہ دیا اور ہمارے حضور کے منع کرتے کرتے طبیبوں نے جلاب دے دیا۔ تو واقعی حضرت اعلیٰ کی طبیعت زیادہ علیل اور کمزور ہو گئی اور کشمیر سے واپس تشریف لانے کے تھوڑے ہی دن بعد وصال شریف ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اُدھر کشمیر میں حضرت اعلیٰ کے تشریف لانے سے چار دن بعد اس قدر بارش ہوئی کہ تمام راستے ٹوٹ گئے اور جو آدمی کشمیر میں گئے ہوئے تھے دو تین ماہ تک واپس نہ آسکے۔ اگر خدانخواستہ حضور عرض نہ کرتے تو چار دن کے بعد واپس آنے کی کوئی صورت نہ بن سکتی۔

بعض احباب کو خیال پیدا ہوگا کہ سری نگر کی طرف جانے سے حضور کی طبیعت کا کھلنا اور حضرت اعلیٰ کی طرف جانے سے طبیعت کا بند ہونا چہ معنی دارد؟ اس کو سمجھنے کے لیے احباب کو مندرجہ ذیل دو واقعات پر نظر رکھنی چاہیئے:

۱۔ مشکوٰۃ، کتاب الامارت باب ما علی الولاۃ میں اور ترمذی جلد اوّل شروع ابواب الاحکام میں اور دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ؟ تو عرض کیا کہ اس کے رسول کی سنت سے۔ فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟ تو عرض کیا اَجْتَهِدُ بِرَأْیِیْ وَلَا اٰلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی صَدْرِہٖ وَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِمَا یَرْضٰی بِہٖ

رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی توفیق دی کہ جس سے رسول اللہ راضی ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور ہر ذی عقل جانتا ہے کہ رائے دل ہی کے فیصلہ کا نتیجہ ہوتا ہے جو ظہور میں آتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ دل عام دل نہیں ہیں بلکہ یہ وہ دل ہیں جو سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے نور سے منور ہو کر فَضْلًا کَبِیْرًا سے فیضیاب ہیں۔ بلکہ یہ وہ دل ہیں جن کے متعلق

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ (پ۔ ۸) — بھلا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لیے روشنی کر دی کہ وہ اس کے ذریعے سے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے

کا فرمان ہو رہا ہے۔ واقعی ان کے دل جو فیصلہ کرتے ہیں وہ عین دین بلکہ عین صراطِ مستقیم ہوتا ہے چنانچہ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ:

۲۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فوج اسلام شام کے عیسائیوں سے برسرِ پیکار تھی تو امیر المومنین کو دمشق کے میدانِ جنگ میں تشریف لے جانا پڑا۔ چنانچہ آپ ایک غلام کو ساتھ لے کر اسی اپنے پھٹے پُرانے لباس میں اونٹنی پر سوار ہونے لگے تو بعض صحابہ کرام نے امیر المومنین کی خدمت میں عرض کیا کہ عیسائی بڑی امیر قوم ہے، آپ عمدہ قیمتی لباس پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے جائیں، تاکہ مخالف آپ کی اس حالت کو دیکھ کر اسلام کی تحقیر نہ کریں۔ لہٰذا اس موقع پر ایسا ضروری ہے۔

صحابہ کرام کے اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمدہ لباس پہنا اور عربی گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ (اس بات کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں جن کو بندگانِ خدا سے تھوڑا بہت تعلق ہے وہ اس بات کو حال کے رُو سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا وہی پھٹا پُرانا لباس زیبِ تن کیا اور وہی اونٹنی لے کر غلام کے ہمراہ روانہ ہوئے تو حال درست ہوگیا۔

اونٹنی پر کچھ فاصلہ خود سوار ہوتے اور اسی قدر فاصلہ غلام کو سوار فرماتے۔ جب بیت المقدس کے نزدیک پہنچے تو باری غلام کی تھی۔ اس نے عرض کیا کہ "حضور! آپ ہی سوار رہیں میں اپنی باری آپ کو دیتا ہوں"۔

لیکن آپ نے فرمایا یہ انصاف سے بعید ہے۔ چنانچہ خود نیچے اُتر آئے اور غلام کو مجبور کر کے سوار کر لیا۔

جب اس صورت میں منزل مقصود کی حدِ نگاہ میں پہنچے تو عیسائیوں کے پوپ نے اس منظر کو دیکھ کر ایک غلام سے کہا "جا کر معلوم کرو آقا سوار ہے یا غلام"؛ اس نے فوراً لوٹ کر اطلاع دی کہ غلام سوار ہے اور آقا مہار پکڑے پیدل چلا آرہا ہے۔ یہ خبر سُن کر پوپ نے اپنے عمائد و امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے کہ "ایک قوم جس کا امیر پھٹے پُرانے کپڑے پہنے اُونٹ کی مہار تھامے پیدل چلا آرہا ہوگا اور غلام سوار ہوگا، ان کے ساتھ لڑائی نہ کرنا، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے"۔

عیسائیوں کو یہ پیغام سُنانے کے بعد پوپ ایک زہر کی پڑیا ہاتھ میں لے کر امیر المومنین کے استقبال کو نکلا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ "یہ زہر کی پُڑیا ہے، اگر آپ نے میرے مطالبات منظور نہ کیے تو میں چونکہ اپنی قوم کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، یہ زہر کی پڑیا کھا کر ایک سیکنڈ میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا"۔ امیر المومنین نے یہ پڑیا اس سے لیکر کھا لی۔ آپ کو زہر کھانے کے بعد پیشانی پر ذرا سا پسینہ آیا، جسے پونچھ ڈالا اور بفضلہ تعالیٰ سنبھل گئے۔ پوپ یہ دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گیا اور کہا کہ مسلمانوں کا اقبال آج بلندی پر ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے تمام مطالبات تسلیم کر کے صلح کر لی۔

یہ تھا طبیعت یا دل کے ترازو سے موازنہ کرنے کا فائدہ۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخرہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوتے تو جو مفاد اس صورت میں ہوا حاصل نہ ہوتا۔ یہ تمام مفاد اپنے ضمیر کے ترازو کی درستگی کے ساتھ وابستہ تھے۔

مولیٰ کریم اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پ ۲۶ - ۱۳)	اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے حضور نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہیں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومن کو ایسے افعال کے ارتکاب سے لَا تَشْعُرُوْنَ کے مطابق نیک و بد کا شعور اور تمیز نہیں رہتی ورنہ اپنے اعمال کی کیفیت سے نور ایمانی کے ساتھ باشعور ہوتا ہے، جس سے اپنے اعمال و افعال کی جانچ پڑتال ہوتی رہتی ہے اور اس روشنی کے ذریعے سے صراط مستقیم پر چلتا ہوا اپنے مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

ان واقعات کے بیان سے میرا مدعا یہ بھی ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ کا حضرت اعلیٰ کی خدمت میں عرض کرنا ہم تمام برادران طریقت پر بہت بڑا احسان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو چار دن کے بعد بارش شروع ہو جانے کے باعث تمام راستے مسدود ہو جانے سے جو رکاوٹ پڑی تھی، یقیناً حضرت اعلیٰ کا وصال مبارک کشمیر ہی میں ہو جاتا اور ہماری اکثریت آپ کے مزار مبارک کی زیارت سے بھی محروم رہتی۔ کیونکہ ہر ایک کا کشمیر میں پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ وہی شعور تھا جو نور ایمانی کے باعث بندگان خدا کے ضمیر میں ودیعت ہوتا ہے۔ یہ وہی دل سے پوچھنا تھا جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا تھا اَجْتَهِدُ بِرَأْيِي، اور جس کے مطابق امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل فرمایا۔ حضور کے اس شعور پر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عمل فرما کر مُہر تصدیق ثبت فرمائی۔ یہ ہے مرشد کی مطابقت کی رو سے فنافی الشیخ کے مرتبہ کو پہنچ کر مقصود کا پانا۔

حضرت اعلیٰ کے فرمان کی اطاعت

ایک دفعہ شرقپور شریف میں حضرت اعلیٰ کی پرانی مسجد کی از سر نو تعمیر شروع ہوئی اور آپ نے تاکید فرمایا کہ کسی وقت کی نماز کی جماعت ضائع نہ ہو۔ جب پرانی چھت اتاری گئی تو اتفاقاً بارش شروع ہو گئی۔ حاجی صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی کسی اور جگہ ڈیرا لگا لیا اور میاں ابراہیم صاحب بھی لڑکوں کو لے کر کہیں اور جا بیٹھے۔ حضور نے حاجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت اعلیٰ کا فرمان ہے کہ جماعت ترک نہ ہو، نماز عصر کا وقت آ رہا ہے اور آپ یہاں تشریف لے آئے ہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ مگر حضور نے اسی وقت کڑیوں پر سرکنڈے ہموار کر کے وہی مٹی اوپر بچھا دی اور فرش کو دھو کر عصر کی نماز پورے وقت پر جماعت سے ادا کی۔ کسی آدمی نے یہ تمام واقعہ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں جا سنایا۔ آپ یہ

سُن کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایسا ہی چاہیے تھا۔

حاسدوں کی شرانگیزی

جب حضرت اعلیٰ کی اسی مسجد کی عمارت شروع ہوئی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے تو ایک دیوار میں کچھ نقص رہ گیا۔ حضور نے منتظم صاحبان سے فرمایا کہ "یہ دیوار ٹھیک نہیں، اسے گرا کر نئے سرے سے بنانا چاہیے" ان میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو حضور کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ "اتنا خرچ ہو چکا ہے جو سب ضائع جائے گا، دوسرے کام میں بھی حرج ہوگا" حضور نے فرمایا کہ "دو تین مزدور مجھے صبح دے دیں تو دس بجے تک دیوار گرا دوں گا، پھر از سر نو بنا لینا"۔ انہوں نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان الفاظ میں شکایت کر دی کہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ "دس بجے تک مسجد گرا دوں گا"۔ اور ساتھ ہی ایک، دو سادہ لوح احباب کی شہادت دلوا دی۔ چنانچہ جب حضور حاضر خدمت ہوئے تو حضرت اعلیٰ نے حضور کو بطور تنبیہ فرمایا کہ آپ دو ماہ کے لیے حضرت کیلیانوالہ چلے جائیں"۔

یہ حکم سن کر حضور حضرت کیلیانوالہ شریف لے آئے لیکن ایک ماہ کے بعد حضور بے حد اداس ہو گئے۔ چنانچہ کسی کام سے قصبہ رسولنگر کو جاتے ہوئے شاہ عنایت ولی کے مزار کے نزدیک سے گزرتے وقت سخت بے قرار ہوئے۔ اس بے قراری میں یہ ایک شعر موزوں ہو گیا ؎

لجاں والیاں لاج ہمیشہ رکھی لاج اے لائیاں دی
عیب چھپاون لے گل لاون رسم قدیم اے سائیاں دی

چنانچہ اسے تحریر فرما کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں ارسال فرما دیا۔ جب حضرت اعلیٰ کی خدمت میں یہ عریضہ پہنچا تو آپ نے واپسی خط ارسال فرمایا،

"ایک ماہ گزر گیا ہے، ایک ماہ پھر کبھی سہی۔ آجاویں"۔

چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔

حضرت کیلیانوالہ شریف میں مراجعت

عاجز نے اوپر کے واقعہ میں حضرت اعلیٰ کا حضور کو بطور سزا دو ماہ کے لیے حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھیجنا تحریر کر دیا ہے، اور یہ اس لیے کہ حضور کو ایک لمحہ کے لیے بھی حضرت اعلیٰ سے جدائی گوارا نہ تھی۔

دراصل امر واقعہ یہ تھا کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ بفضلہ تعالیٰ منتہی ہو گئے اور حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی توجہ مبارک نے حضور کے ظرفِ عالی کو ایک نظر میں بھرپور فرما کر اس معراجِ کمال تک پہنچا دیا جہاں پر ایک عام سالک سالہا سال کے مجاہدہ سے بھی نہیں پہنچ سکتا۔

عام مشہور ہے کہ حضور حضرت اعلیٰ کے "مراد" تھے نہ کہ "مرید"۔ کچھ اس کے متعلق شواہدات بھی موجود ہیں۔ مثلاً[۱] جب حضرت اعلیٰ سرزمین چک[۴۱] سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ "یہاں سے ایک عزیز کی خوشبو آتی ہے"۔ اور جب[۲] حضور نے شرق پور شریف میں شیعہ ہونے کی حیثیت میں مجلس محرم پڑھی تو حضرت اعلیٰ نے آپ کی تعریف سن کر فرمایا کہ "شاید یہی ہمارا کام دیں"۔ پھر جب[۳] حضور کو بازار میں حضرت اعلیٰ کی اتفاقاً ملاقات ہو گئی تو حضرت اعلیٰ نے ہی اسم گرامی سے تعارف حاصل فرمانے کے بعد از خود فرمایا کہ "آپ کو نور بنا دیا جائے"، تو حضور خاموش ہی رہے۔ بلکہ والدہ صاحبہ کے فرمانے پر بھی آپ نے بدیں الفاظ بہ وجہ انکار فرمایا کہ "آپ جو میرے مرشد ہیں۔ حتیٰ کہ جب[۴] سائیں الہ داد صاحب کی معیت میں آپ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ظاہر ہے کہ آپ مرید ہونے کے ارادے سے تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ حضرت اعلیٰ نے از خود حضور کے دست مبارک پکڑ لیے اور سورۂ فلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنی طریقت میں منسلک فرمالیا۔

تو مدعا یہ ہے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ تھوڑے ہی عرصہ میں منتہی ہو گئے اور آپ کو خلافت دے کر تبلیغ حق کے لیے حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو منتخب فرمایا۔ مگر حضور کو حضرت اعلیٰ سے لمحہ بھر بھی جدائی گوارا نہ تھی۔ دوسرے حضور اپنے حال میں اس حد تک محو و مسرور تھے کہ رجوع الی الخلق سے آپ کی طبیعت متنفر تھی۔

لہٰذا آپ حتی الوسع اس کام کو ٹالتے۔ لیکن بالآخر حضرت اعلیٰ کے حکم کی اطاعت پر مجبور ہو جاتے۔

حضرت اعلیٰ صرف اسی مقصد کے لیے حضور کو حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھیجتے۔ اور آپ اس صبر آزما جُدائی کی تاب نہ لاکر پھر حضرت اعلیٰ کے حضور میں پہنچ جاتے۔ جب تک حضرت اعلیٰ کا وصال شریف نہ ہو گیا یہ سلسلہ بدستور قائم رہا۔ چنانچہ صاحبزادہ محمد عمر بیربلوی سلمہٗ ربہٗ خلیفہ مجاز حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "انقلاب الحقیقت" میں حضور کی اس حالت کا بدیں الفاظ تذکرہ فرمایا ہے:

صاحبزادہ محمد عمر صاحب کے قلم سے حضور کا تعارف

جناب سید نور الحسن شاہ صاحب کی بابت کچھ لکھنا بے معنی ہے۔ اکثر دوست ان سے زیادہ تعارف رکھتے ہیں اور مجھ سے زیادہ ان سے واقفیت۔ حضرت شاہ صاحب کو مابہ الامتیاز جو خاصہ حضرت سے عنایت ہوا وہ سوز ہے۔ آپ کی طبیعت عاشقانہ ہے۔ ان کے اور حضرت قبلہؒ کے راز و نیاز محبوبانہ تھے پیری مریدی کا تعلق نہ تھا۔ گاہ ان سے ناراض معلوم ہوتے اور گاہ ان پر فدا۔ جتنا اختلاط حضرت شاہ صاحب سے آپ کو تھا اتنا کسی اور سے نہ تھا۔ اس والہانہ طبیعت نے آپ کو ایسا بے اختیار کر رکھا تھا۔ کہ بعض وقت خلافِ ارشاد دامن محبت نہ چھوڑتے۔ کئی بار آپؒ نے شاہ صاحب کو اپنے گھر رہنے کا ارشاد فرمایا۔ کئی بار فرمایا کہ اپنی حیاتی میں تمہارا ثمر دیکھوں گا۔ گاہ شاہ صاحب کو محبت سے رخصت کیا اور گاہ خفگی سے، مگر ہفتہ گزرنے نہ پاتا کہ شاہ صاحب آ دھمکتے۔ پہلے تو حضرت قبلہ روحی فداہٗ دیکھ کر ناراض ہوتے۔ لیکن بعد میں ان کی جبلی طبیعت پر نظر فرماتے ہوئے پیر و مرید شیر و شکر ہو بیٹھتے۔

شاہ صاحب کی طبیعت نہایت مستعد تھی اور بے دھڑک۔ باوجودیکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر عاشقانہ وار فریفتہ تھے، لیکن پھر بھی بے خوف، بے دھڑک آپ سے بات چیت کر لیتے تھے۔ اگرچہ مسندِ ارشاد پر بھی کبھی پاؤں نہ جاتے تھے، تاہم علاقہ کے لوگ انہیں نہایت پسندیدہ خصائل خیال کرتے تھے اور گرد و نواح کے لوگ ان کے زیرِ اثر نظر آتے ہیں۔ کئی آدمی ان کے تعلق رکھنے والے دیکھے۔ شکر ہے کہ ان پر شاہ صاحب کا اثر نمایاں نظر آیا اور ان لوگوں کو شاہ صاحب سے پوری عقیدت ہے۔ جیسا کہ لکھا گیا، وقت آئے گا کہ سوز

کئی ساز پیدا کرے گا اور ایک دن آئے گا کہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے یہ فرزندِ ارجمند سپوت کہلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو عمرِ دراز بخشے اور ہمارے لیے ان کو باعثِ سعادتِ دارین فرمائے۔ آمین ثم آمین"۔

چنانچہ حضور کی اسی کیفیت کے پیشِ نظر حضرت اعلیٰ آپ کو شروع شروع میں بالعموم پندرہ یوم کے لیے حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھیجتے لیکن یہ قلیل عرصہ بھی حضور ایک ایک لمحہ کر کے گزارتے۔ کبھی اس سے کم و بیش کا بھی فرمان ہوتا اور اسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا۔

امید ہے کہ اس بیان سے احباب کی نظر میں اس وقت کے حالات کے کچھ نقوش آ گئے ہوں گے۔ ذیل میں ان واقعات کی جس حد تک احباب یا حضور علیہ الرحمۃ کی زبان مبارک سے تفصیل معلوم ہو سکی، وہ مختلف عنوانوں کے ماتحت ہدیۂ ناظرین ہے۔

اجازت نامہ

حضور فرماتے کہ ایک دن حضرت اعلیٰ اجازت نامہ تحریر کر کے مجھے عطا فرمانے لگے تو عرض کیا کہ حضرت! یہ تحریر مجھے قبر میں کچھ کام دے گی؟ حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر عرض کیا کہ کیا یہ لوگوں کو دکھاتا پھرونگا کہ یہ اجازت نامہ ہے، میرے مرید بنو؟ فرمایا کہ ایسا بھی نہیں۔ تو عرض کیا کہ پھر میں اجازت نامہ لے کر کیا کروں گا؟ چنانچہ اس وقت تو حضرت اعلیٰ خاموش ہو گئے لیکن بعد میں ایک دفعہ چند حروف بطورِ اجازت نامہ کے تحریر فرما کر حضرت کیلیانوالہ شریف میں بذریعہ ڈاک ارسال فرما دیے۔

حضرت اعلیٰ کے خیال سے مطابقت کا ایک واقعہ

جب شروع شروع میں حضور کو حضرت کیلیانوالہ شریف میں رہنے کا حکم ہوا تو حضرت اعلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جمعہ شریف یہاں پڑھنا اور دو جمعے حضرت کیلیانوالہ شریف میں۔ تیسرے جمعہ کو پھر یہاں (شرقپور شریف میں) آ جانا۔ اس سے حضرت اعلیٰ کا مدعا یہ تھا کہ حضرت کیلیانوالہ شریف میں زیادہ وقت گزاریں لیکن حضور کے لیے چونکہ حضرت اعلیٰ کی جدائی بے حد شاق تھی، آپ جمعرات کو شرقپور شریف سے چلتے اور لاہور سے رات کی گاڑی پر سوار ہو کر جمعہ شریف کی صبح کو حضرت کیلیانوالہ شریف میں پہنچ جاتے۔ اور

آئندہ جمعہ شریف تک آٹھ دن قیام فرما کر جمعہ شریف کی نماز ادا فرمانے کے بعد پھر رات کی گاڑی پر علی پور سے سوار ہو کر ہفتہ کی صبح کو شرق پور شریف میں پہنچ جاتے۔ اس طرح سے باوجود دو جمعے حضرت کیلیانوالہ شریف میں اور ایک جمعہ شریف شرق پور شریف میں گزارنے کے مدت قیام حضرت کیلیانوالہ شریف میں آٹھ دن اور شرقپور شریف میں تیرہ دن ہوتی۔

ایک دفعہ جب حضرت اعلیٰ نے حضور کو حضرت کیلیانوالہ شریف کے لیے رخصت فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ "بھائیا پندرہ دن وہاں ٹھیرنا، پہلے نہ آجانا"۔ آپ کو یہ حکم ہوا کہ جمعہ شریف پڑھ کر شرق پور شریف سے چلے جانا اور ایک جمعہ حضرت کیلیانوالہ ادا کر کے اگلا ہفتہ بھی وہیں گزار کر دوسرے جمعہ شریف کو شرق پور شریف آجانا۔ چنانچہ آپ شرق پور شریف سے رخصت ہو کر حضرت کیلیانوالہ شریف میں پہنچے اور احباب سے فرمایا کہ اب پندرہ دن کے لیے حکم ہوا ہے، لہٰذا پندرہ دن میں یہاں رہوں گا۔ لیکن اسی دن ہی پچھلے پہر طبیعت خراب ہو گئی۔ حضور اپنی طبیعت کے اوزان سے موازنہ کرتے تو سمجھتے کہ میرا شرق پور شریف جانا ضروری ہے۔ لیکن جب حضرت اعلیٰ کے حکم کی طرف خیال فرماتے تو ڈر لگتا کہ کہیں نامطابقت کے رو سے حضرت اعلیٰ ناراض نہ ہو جائیں۔ آخر شام تک طبیعت نے مجبور کر دیا اور شام کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ تشریف لے گئے۔ رات کی گاڑی سے لاہور پہنچ کر صبح موٹر پر سوار ہوئے اور شرق پور شریف پہنچ گئے لیکن خوف ساتھ ہی ساتھ تھا کہ کہیں غلطی نہ ہو جائے۔ جب موٹر سے اُتر کر آستانہ عالیہ کا قصد فرمایا تو اس قدر خوف کا غلبہ تھا کہ حضور فرماتے صرف میرے پٹھے حرکت کر رہے تھے ورنہ حقیقت میں میرے ہوش وحواس درست نہ تھے۔ یہ خیال تھا کہ کوئی بیلی مل جائے تو اس سے دریافت کر لیا جائے۔ اگر حضرت اعلیٰ کا خیال مبارک نہ ہو تو یہیں سے واپس ہو جاؤں۔ چنانچہ اتنے میں دین محمد (جو کہ اس وقت حضرت اعلیٰ کا خادم خاص تھا) ملا اور اس نے کہا کہ "بھائیا جلدی آؤ، حضرت اعلیٰ انتظار فرما رہے ہیں اور کچھ بیمار ہیں"۔

یہ سن کر حضور کو فرطِ مسرّت سے اس قدر انبساط ہوا کہ بلا مبالغہ آپ کی صدری کے بٹن ٹوٹ کر گر پڑے۔ جب حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "آپ کو تکلیف ہی دی ہے، کچھ طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ ادھر یہ خیال تھا کہ آجائیں اور ادھر یہ بھی کہا تھا پندرہ دن کے بعد آنا"۔ بہرکیف حضور کی اس

مطابقت سے حضرت اعلیٰ نہایت خوش ہوئے۔ اور اسی وقت ڈاکٹر حاکم دین کو لانے کے لیے آپ کو لاہور بھیج دیا۔ چنانچہ حضور فوراً ڈاکٹر صاحب کو کار پر بٹھا کر شرق پور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ڈاکٹر صاحب نے طبیعت دیکھ کر نسخہ تجویز کیا اور حضور پھر ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ لاہور جا کر ادویات لے کر حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پہنچے۔

طریقت میں مطابقت بے انداز ترقی کا موجب ہے۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے پاس بہت سے مہمان آ گئے۔ اتفاقاً اس وقت آپ کے پاس ان کی ضیافت کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ آپ کو کچھ فکر آیا تو ایک نانبائی جو گاہے ماہے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کے لیے کھانا لے کر حاضر ہو گیا۔ یہ مطابقت دیکھ کر آپ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے فرمایا کہ "جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ لے"۔ نانبائی نے عرض کیا کہ "حضرت! مجھے آپ ایسا بنا دیجیے"۔ آپ نے فرمایا کہ "اچھا ہو جاؤ گے"۔ لیکن اس نے اصرار کیا کہ "حضرت ابھی"۔ چنانچہ آپ نے اسے اتحادی توجہ دے کر اسی وقت ظاہر و باطن میں اپنے جیسا بنا دیا۔ (لیکن وہ برداشت نہ کر سکا) یہ ہے مطابقت اور اس کا ثمر۔

شاید بعض احباب کو یہ اشکال پیدا ہو کہ حضور کو گھبراہٹ اور خوف کس وجہ پر تھا؛ تو اس کا حل یہ ہے کہ "نزدیکاں را بیشتر حیرانی" کے مطابق بندگانِ خدا کو ہر وقت خوف دامنگیر رہتا ہے۔ اور بندگانِ خدا کی بارگاہ میں بھی عجیب طرح کی کیفیت ہوتی ہے جس کو ہر ایک آدمی اپنے حال کے رو سے ہی سمجھ سکتا ہے۔

ناظرین کو معلوم ہو گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ بدر پر نکلے تو خداوند کریم کی طرف سے اس سے پہلے نصرت اور فتح وظفر کا وعدہ ہو چکا تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح کا یقین کامل تھا۔ لیکن بایں ہمہ جب آپ میدانِ جنگ میں پہنچے تو آپ نے اس قدر خضوع سے دعا فرمائی کہ اس محویت اور بیخودی کے عالم میں ردائے مبارک کندھوں پر سے گر گر پڑتی تھی۔ کبھی حضور سجدہ میں گرتے اور کبھی قیام میں کھڑے ہو کر دعا فرماتے کہ "الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر"۔ حالانکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادْ کے فرمان کی حقیقت کو جس قدر آپ پہچانتے تھے اور کوئی نہ جان سکتا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر بڑے بڑے صحابہ کو رقت طاری ہو جاتی ہے اور صدیق اکبر ردائے مبارک کو دوش مبارک پر رکھتے ہوئے عرض کرتے

ہیں کہ "حضور! خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا۔"

اس عجز و الحاح کا کیا مطلب تھا؟ صرف یہ کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے تھے کہ مالک الملک یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ کے فرمان کے ماتحت جس طرح چاہیں ظہور فرما دیں۔ کون کون سے عزیز شہید ہوں گے اور کیا کیا تکلیف رُونما ہو گی۔ اسی طرح بندگانِ خدا کو جب تک ظہور نہ ہو جائے برابر خوف لگا رہتا ہے۔ یہ ہے "نزدیکاں را بیشتر حیرانی" کا مطلب۔ اُمید ہے کہ ناظرین کسی حد تک سمجھ گئے ہوں گے کہ بندگانِ خدا کی گھبراہٹ کس بنا پر ہوتی ہے۔ دُوسرے یہ کہ ان کی گھبراہٹ ہماری گھبراہٹ کی طرح نہیں ہوتی۔ ہماری گھبراہٹ نا اُمیدی پر مبنی ہوتی ہے اور ان کی عُرف اور معاملہ کی نزاکت کی بنا پر ہوتی ہے۔

منشی چراغ دین صاحب کا مکتوب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور جیسا کہ صاحبزادہ محمد عمر صاحب بیربلوی قدس سرہٗ نے حضور کی جس طبیعت اور حضرت اعلیٰ سے تعلقات کی وضاحت فرمائی ہے، حضور کے اکثر ہمعصر احبابِ طریقت کو ان کے متعلق صحیح علم نہ تھا اور اصل حقیقت سے نا آشنا تھے۔ اس لیے بقول صاحبزادہ محمد عمر صاحب "بعض وقت خلافِ ارشاد دامنِ محبت نہ چھوڑتے" کے عمل کو حضرت اعلیٰ کی نافرمانی سے تعبیر کر رکھا تھا حتیٰ کہ بڑے بڑے بلند مرتبہ برادرانِ طریقت بھی اس مغالطہ میں آ گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ منشی چراغ دین صاحب اٹاروی نے حضور کو اسی مغالطہ میں پھنس کر مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

"یا ارحم الراحمین! ارحم، ارحم، ارحم۔

مولیٰ تبارک و تعالیٰ ہر ایک بال پر اس قدر انعام فرما رہے ہیں کہ زبان اس کے شکر سے قاصر ہے جناب کی عنایات اور شفقت پر بھروسہ کر کے جرأت کرتا ہوں:

قولہٗ تعالیٰ:

(۱) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔

(۲) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔

(۳) مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا۔

اس ذات واجب الصفات کا منشاء یہی ہے کہ ہر حالت میں میرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی جاوے اور ہم مسلمانوں کی نجات اور بہبُودی بھی اسی میں ہے کہ اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جاوے۔ اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ پیر بمنزلہ رسول ہوتا ہے جس کی فرمانبرداری عین فرمانبرداری رسول بلکہ فرمانبرداری خدا ہے۔ اور اس کا عکس بھی بالکل درست، بجا اور جائز۔

جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جناب علی المرتضیٰ مظہر العجائب والغرائب کو تعلیم فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر علیؓ را اے علیؓ! — شیر حقی، پہلوانے خوشدلی
لیک بر شیری مکن بر اعتمید — اندر آ در سایہ نخل اُمید
اندر آ در سایۂ آں عاقلے — کس نتاند بردا ز راہ ناقلے
پس تقرب جو بدو سوئے اللہ! — سر مپیچ از طاعت او ہیچ گاہ
زانکہ او ہر خار را گلشن کند — دیدۂ ہر کور را روشن کند
ظل او اندر زمیں چوں کوہ قاف — رُوح او سیمرغ بس عالی طواف
دستگیر و بندۂ خاص اِلٰہ! — طالباں را مے برد از پیش گاہ
یا علی از جملہ طاعات راہ — بر گزیں تو سایۂ خاص الٰہ
ہر کسے در طاعتے بگریختند — خویشتن را مخلصی انگیختند
تو برو در سایۂ عاقل گریز — تا رہی زاں دشمن پنہاں ستیز
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو! — ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو!

ضروری

صبر کن بر کار خضر اے بے نفاق — تا نگوید خضر رَو ھٰذا فراق
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن — گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن

جناب حضرت پیران پیر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو مُردے کی طرح پیر کے سپرد کردے

مُردے کو جس طرح چاہتے ہیں اُلٹ پلٹ کرتے ہیں، ذرا چون چرا نہیں کرتا۔ پیر تیرے واسطے ایک حکیم حاذق ہے۔ وہ جس طور سے چاہتا ہے تیرا علاج کرتا ہے ـــــ فرماتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو بالکل میرے سپرد کر دے۔ تیرے وجود میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا نکالنا اور باہر کرنا نہایت ضروری اور ان کی بجائے دوسری خصلتوں کا قائم کرنا اشد ضروری ہے۔ یعنی اخلاق ذمیمہ کو دور کرنا اور ان کی بجائے اخلاق حسنہ کو قائم کرنا۔

عَسٰۤی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ؕ

اس بات کو تو آپ خود بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ حضرت میاں صاحب کو جو ہماری بہتری کا خیال ہے وہ خود ہمیں اپنی بہتری کے واسطے نہیں ہے۔ آپ ہماری بہتری ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ۔۔۔ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

پیر کے علم کے مقابلے میں ہمارا علم سمندر اور قطرہ کی مثال ہے۔ اگر پیر بزرگ ہماری درستی اور صحت کے واسطے کوئی سخت سے سخت کڑوی دوا تجویز کرے تو ہمیں شور اور واویلا نہیں مچانا چاہیے بلکہ عین رغبت اور خوشی سے نوش جان کرے۔ کیونکہ تلخ دارو میں شفا زیادہ ہے اور ہم اس سے نابلد ہیں۔ ہم شیشے میں سے وہ چیز نہیں دیکھ سکتے جس کو پیر اینٹ پتھر میں سے دیکھ سکتا ہے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رب العالمین ہر مسلمان مرد و عورت پر فضل سے رحم فرما کر انجام بخیر فرمائیں۔

خداوندا ہے زور آور یہ نامہ بے نشاں کس کا
قلم میں زور کس کے ہے سوا ان کے گماں کس کا

چونکہ آج منگل ہے، بندہ کو انتظاری تو تھی ہی مگر بوجہ حال عزیزہ جو آج کل وارد ہے، بعد نماز فجر چارپائی

پر پڑا ہوا تھا۔ اچانک کسی نے آہستہ ساز بان ہلائی۔ آنکھ اچکنے سے چٹھی رسان صاحب نظر آئے۔ خط تو بہت تھے جو انہوں نے عنایت فرمائے۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد کسی امید پر ایک لفافہ جس کا پہلا نمبر تھا اور قدر تأسف کے اوپر جانشین تھا اٹھا کر کھولا ؎

مرہم سمجھا تھا مگر کھلنے سے آنکھیں کھل گئیں — تحریر تھی یا کیا غضب تھا کلک کی شمشیر تھی
دب گئے تھے جو زخم وہ آج تازہ ہو گئے — دم کے دم میں نامۂ ہمدم میں یہ تاثیر تھی
خنجر فرقت زدوں پر غضب کا چھڑکا نمک — ایسے زخموں کی بھلا یہ بھی کوئی تدبیر تھی

حال پہ میرے روئے سمجھے اگر بے درد بھی
غضب میں جلدی تھی میرے قتل میں تاخیر تھی

سبحان اللہ! خط کیا تھا، کمر بستہ، چست و چالاک، صاحب جلال، فوجی جرار، بانکا، نہایت کرو فر سے تلوار بے نیام اٹھائے ہوئے پردۂ قرطاس سے نمودار ہوا۔ سامنے آتے ہی براہ چشم دل و دماغ میں جگہ لی پھر تعلیم کا کوڑا سنبھالا، بطور شکر یہ سماعت ہوئی۔ مگر اسی وقت از راہ جلالت کہیں کفر کے گڑھے میں پھینکا اور کبھی غیرت کی تلوار سے سر کو اڑا دیا۔ عقل و ہوش تو اس سے پہلے ہی جا رہی تھی۔ رہی سہی کو تہ و بالا کر دیا۔ مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جو ہمارے سچ اور جھوٹ کا شاہد ہے، ذرہ بھر بھی ملال طبیعت میں نہیں پایا۔ کیونکہ جو کچھ اس مضمون کے پتلا نے کیا ہے نہایت مہربانی کی ہے، اور ایسا ہی چاہیے تھا۔ نیز ملال تین وجہ سے نہیں ہے:

(۱) یہ کہ قاصد بے چارہ بالکل اس کے حال سے واقف نہیں ہے۔

(۲) اصل معاملہ سے بے خبری ہے۔

(۳) جو کچھ کیا ہے، یہ سب عین ہمدردی کی وجہ سے ہے۔

ہاں صرف اتنی دریافت طلب عرض ہے کہ بھلا نزول رحمت نامہ مبارک! یہ تو بتا کہ حضور کا ناچیز کو یہاں بھیجنا، اور ایک دم کے لیے آرام ...... اوہو، بھول گیا...... آرام؟ - آرام کیسا، ہوش ہی نہیں رہتا، یہ کیا؟ اور ایسی حالت میں کام کیا نکل سکتا ہے؟ جبکہ پنجوقتی فرائض کی ادائیگی بھی

کوہ ہمالہ ہو جاوے۔ بس! یہ عاجز کیا تحریر کر سکتا ہے، اور آپ جیسے لائق فائق کو کیا لکھ سکتا ہے؟

کچھ عرض کرتا—— بیٹھا نہیں جاتا—— لکھا نہیں جاتا۔

آپ کی عنایت کا مشکور، نہ دل سے ممنون—— الحمد للہ

منگوار، مطابق ۱۷/ ذوالحجۃ عاجز مجرم طالب دعا

منشی چراغ دین صاحب کے دُوسرے مکتوب کا جواب۔

ایک دفعہ منشی چراغ دین صاحب نے حضور کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کر کے حال دریافت کیا۔ جس کے جواب میں حضور رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل دو شعر تحریر فرمائے ؎

کروں حال اپنا میں کیا بیاں میرا جی تو مجھ سے بیزار ہے ‏ گویا دل ہی پہلو میں ہے نہیں ہوا من مجھ سے فرار ہے

نہ تو درد ہی میں مزا رہا، نہ کوئی دل لگی کو مزار ہے ‏ ہے عجب طرح کا یہ ماجرا نہ تو درد ہے نہ قرار ہے

میاں ابراہیم صاحب قصوری رحؒ کے مکتوب کا جواب

ایک دفعہ میاں ابراہیم صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک مکتوب میں حال دریافت فرمایا۔ ان کو بھی حضور نے اشعار ہی میں جواب ارسال فرمایا۔ جو تبرکاً درج ذیل ہیں ؎

احوال پوچھا چاہیے کسی صاحب حال سے ‏ نسبت کیا ہے حال کو تحریر و قال سے

عاجز قیاس ہے یہاں وہم و خیال سے ‏ نسبت کیا ہے ہمسری پتھر کو لال سے

جنت نعیم والوں کو مطلق نہیں ہے خبر ‏ وادی آوارگانِ عشق پائمال سے

مشہور ہے جہان میں اُلفت رسولؐ کی! ‏ قدرِ حضورؐ پوچھیے حضرت بلالؓ سے

معروف حسن یوسفؑ دنیا میں ہے مگر! ‏ واقف نہ کوئی ہو سکا زلیخا کے حال سے

دردِ عشق نے قیس کو مجنوں بنا دیا ‏ اچھا نہ ہو سکا کسی قہر و زوال سے

کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ یاب ہے ‏ محزون خال خال ہیں اصلی خیال سے

حضرت اعلیٰ اور حضورؒ کے مکتوبات مبارک

حضرت اعلیٰ اور حضور رحمۃ اللہ علیہما کی وہ خط وکتابت جو اس وقت عزیزیں ہوئی اور دستیاب ہوسکی وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے اور یہ وضاحت کردی جاتی ہے کہ حضرت اعلیٰ نے حضور ہی کے مکتوبات شریف کے حواشی پر چند کلمات مبارک مختلف ٹکڑوں میں جواباً تحریر فرما کر واپس ارسال فرما دیے جن کو اسی طریقہ سے الگ الگ نقل کر کے دکھایا گیا ہے۔ البتہ یہ نہیں معلوم کہ ان میں کوئی تقدیم تاخیر ہوگئی ہو۔

حضرت اعلیٰ کا حضور کے مکتوب شریف پر جواب لکھنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ دونوں مکتوب مبارک ہمیں دستیاب ہوگئے۔ ورنہ ناظرین جانتے ہیں کہ حضور کا مکتوب شریف شرق پور شریف میں ہوتا تو ہم اسے بلفظہ درج نہیں کر سکتے تھے۔ شروع کے تین مکتوبات شریف اسی نوعیت کے ہیں۔ اور اگلے تین مکتوبات مبارک جو کہ صرف حضرت اعلیٰ کے نقل کیے گئے ہیں وہ چونکہ الگ ارسال فرمائے گئے تھے اور حضور کے مکتوب شریف ان کے ساتھ شامل نہیں تھے اس لیے ان کا مضمون نہیں مل سکا۔

حضرت اعلیٰ اور حضور کے دو مکتوبات شریف کے عکس بھی ساتھ شامل کر دیے گئے ہیں تاکہ ناظرین و احباب دونوں حضرات کی طرزِ تحریر سے بھی ناآشنا نہ رہیں۔

حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حضور کا مکتوب (۱)

اللہ جل شانہٗ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آپ کی کمال عنایات کا شکر تو ہو نہیں سکتا۔ ہاں نادم ہوں کہ سخت نالائق پر در گذر۔ بلکہ متواتر رحمت سے

آنکہ ما کردیم او را ہیچ نابینا نہ کرد ظلم کردہ ایم بر خود خون کردم بے کرد

اگر حضور کی بچالی اور کمال عنایت اس سرکش پر سایہ گر نہ ہوتی تو بے شک یہ تباہ و برباد ہو جاتا مگر آپ کی رحمۃ للعالمین کی صفت ظہور پذیر ہے۔ یہ آپ کا خطاوار معافی کا خواستگار حضور ہی کی توفیق سے

امداد چاہتا ہے ؎

ترا کمال مروت، مرا کمال جفا —— اے دستگیر عالم! کن بے وفا را باوفا

سخت شرمسار ہوں۔ مجرم ہوں۔ کئی ایک بار اپنی ہی شامت اعمال سے چند مصرعے بے ساختہ منہ سے نکل کر چشم آب سے زخم دل کو تر کر کے سود مند ہوتے رہے۔ اطمینان قلب و فریاد از خود کے لیے تختۂ قرطاس پر نقش زن ہیں ؎

پڑی ہے قعر طوفاں میں، بچا لو میری کشتی کو! ‏ ‏ مناہی میں تباہی ہو رہی ہے میری ہستی کو

میرے مولیٰ! میری بگڑی بنا دو نظر شفقت سے ‏ ‏ ہوئی جاتی ہے طغیانی، سنبھالو میری بستی کو

ہؤا ہوں میں سراسر غلط غلطاں گناہوں میں ‏ ‏ چھپا لو اپنے دامن میں میری بیداد پستی کو

نہ مونس ہے، نہ ہمدم ہے، نہ ہے یاور کوئی میرا ‏ ‏ سوا تیرے میرے آقا! جو بدلے تیرہ بختی کو

خدا جانے لکھا ہے کیا مقدر میں میرے آخر! ‏ ‏ سر تسلیم خم ہو یار کے کوچہ پرستی کو

اب تو محض قدر اور شکر کی توفیق مانگتا ہے۔

مکان شریف حاضر ہونے سے پیشتر عریضہ ارسال خدمت کرنے کو تھا مگر اپنے حال سے شرمندہ ہو کر رہ جاتا رہا —— آخر بھلا ہوں یا بُرا ہوں، جو کچھ ہوں سو تیرا ہوں۔ آج عرض کرنا ہی پڑا۔

عاجز عاصی —— از حضرت کیلیانوالہ

حضرت اعلیٰ کا مختصر جواب

خداوند کریم فضل سے انجام بخیر کریں۔

تحریر کی ضرورت نہیں۔ پیشتر کارڈ ارسال کیا تھا، شاید نہ ملا ہو گا —— زندگی کا اعتبار ہی نہیں —— خیر با جمعیت تمام دو ماہ رہیں —— دو روز کے واسطے آویں۔

اللہ کریم پر بھروسہ کریں، خط لکھنے چھوڑ دیں۔

منزل قرآن شریف —— اَللہ، اَللہ —— کبھی کبھی تذکرہ غوثیہ فرصت کے وقت کچھ لکھنا تھا۔

حضور کا مکتوب مبارک (۲)

۷۸۶

میرے رؤف و رحیم!

اگر بال بال زبان ہو جاوے تو آپ کی عنایات کا شکر ادا ہو نہیں سکتا۔ شومیٔ قسمت سے آپ کے طرزِ الطاف اور خیال کو اس وقت نہ پا سکا اور ضروری امر سے رہ گیا۔ بیشک آپ کی ذاتِ مبارک سب سے مستغنی ہے تو پھر اس ذرۂ بے مقدار کی کیا ہستی۔ مگر حقیر کو سوائے درِ اقدس حضور کے بھی کوئی در ہے؟ کاش کہ اس عاجز کو بھی سمجھ عطا ہوتی اور اصل مطابقت۔ تاکہ اس کا آنا جانا کبھی تو جناب کے خیال کے مطابق ہوتا۔ بس سخت مجرم ہوں۔ سوائے آپ کی ستاری اور غفاری صفت کے چارہ نہیں۔ کیا اس کو بے سمجھی کی وجہ سے درِ اقدس سے ہٹا رکھیں گے؟ —— بلکہ رحمت سے معاف کر دیں گے۔

حضرت اعلیٰ کا جواب

یا اللہ جل شانہٗ! توفیق عنایت فرما۔ آمین

حضرت ایزد متعال قادر ذوالجلال فضل کرم سے انجام خیر کریں —— اور جو رحمتیں برکتیں خود بخود بے شمار فرما رہے ہیں وجود کے ذرہ ذرہ پر ان پر غور فکر کر شکر کرنے کا مادہ بھی اور استقامت ارحم الراحمین سے ہے۔ پھر بھی ہر حال شکر ضروری ہے —— استقامت بہ از کرامت —— لاشئے کیا عرض کرے، عزیز کی طبع ہر طرح سے مبارک ہے۔ کچھ بھول چوک اس سے ہی ہے۔ سانس کا اعتبار نہیں —— دل سے یہی تصور جمالیں۔ یا ستار، یا غفار، یا منعم، یا رحمٰن، یا رحیم! جان جائے تو بلا سے پر تیرا دھیان نہ جائے —— سب طرح خیریت ہے۔

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا! ہرچہ داری صرف کن در راہِ ہو

رحمٰن رحیم کمال شفقت سے حُبِّ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور منزل قرآن مجید با ادب تمام خود بخود کرا دیں —— وقت غنیمت ہے۔

دنیا یوم چند —— اللہ بس جل شانہٗ —— سب کو نام بنام السلام علیکم

حضور کا مکتوب (۳)

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین ——— اَلحَمدُ لِلّٰہ ؎

کارِ ما در دستِ پیرِ ما بود سنگ دل مایک نظر گو ہر کند

حضور کے لیے بُعد و قرب برابر۔ بندہ ہر طرح نادم

تحقیق بیمار بے خبر ہونا ہے۔

حضرت اعلیٰ کا جواب

حضور رحمۃ اللہ علیہ کے فقرہ "حضور کے لیے بُعد و قرب برابر" پر حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کا نوٹ ہے

"ہے تو ایسا ہی، مگر لحاظ شریعت سب سے بڑھ کر زیادہ ہے"۔

حکیم مطلق کی حفاظت اور علاج سے۔ مگر جتنا کہ اس پر ظاہر ہو ——— حاجتِ تحریر تو نہیں ہے۔ اتوار اور سوموار سے کچھ۔ مگر آج بروز منگل شاہ صاحب تشریف لائے ہیں۔ اور آپ کی طبیعت سے مجمل اطلاع ملی ——— الحمد للہ

حضرت اعلیٰ کے مکتوبات

۱۔ خداوند کریم محض فضل سے استقامت مرحمت کریں۔

استقامت بہ از کرامت ——— قرآن شریف ضروری دیکھا کریں ——— فضل کرم سے جمعیت ہو ——— پہلے سے کچھ طبع بہتر ہے۔

حضرت رحمٰن الرحیم عزیز کی طبع مبارک میں سود، راحت، فرحت۔ اور کوئی راہ نہ رکھے ہاں عجز کے ساتھ ہو ——— خداوند کریم فضل سے انجام کریں۔

وہی بات، خود بخود آپ پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ وہاں تو سوائے رحمت گویا کچھ اور ہے ہی

نہیں ـــــ خیال ہی ہجر، خیال ہی درد، خیال ہی سوز، خیال ہی فنا، خیال ہی بقا۔

اپنے ارادہ چھوڑ کر امرنہی کا خیال ضروری ہے، پھر فضل ہی فضل ہے۔

اللہ بس جلّ شانہٗ ـــــ بوقت بعد ظہر۔

(۲)

لَامَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ لَا مَحْبُوْبَ اِلَّا اللہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

جو کچھ عزیز نے تحریر کیا حق ہے۔ خداوند کریم بطفیل حبیب اکرم رؤف و رحیم کے ایسا خیال مرحمت کریں، جو تحریر سے رُک جاویں۔ کبھی کبھی خیر خیریت سے عبدالرحمٰن کو مطلع کریں ـــــ عزیز! آپ کے پاس بہت کچھ ہے۔ تفسیر وغیرہ اس کا شغل کافی ہے۔ اول تو ذکر فکر ہر حال قال ضروری ہے۔ ہر اک کو سپردِ خداوند کریم جلّ شانہٗ ـــــ وقت کو غنیمت جانے ـــــ

تو امروز فرصت غنیمت شمار که فردا ندامت نیاید بکار

تفسیر ضروری دیکھا کریں ـــــ حال کی ترقی اور استقامت کے لیے وقت کم

(۳)

خداوند کریم فضل سے انجام بخیر فرماویں۔

ہر طرح سے مالک الملک کی طرف خیال ضروری ہے۔ منزل قرآن شریف اور درود شریف ذکر فکر عبرت سے رہیں۔ ایک کارڈ اور خط ارسال خدمت شاید ابھی نہ ملا ہوگا۔ بہر حال استقامت ضروری ہے۔ دنیا یوم چند، آخر کار با خداوند

در جمعیت کوش تا ہمہ ذات شوی ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

سب کو السلام علیکم ـــــ میاں عبدالرحمٰن سے السلام علیکم باشوق ـــــ سب کی طرف سے سلام مسنون ـــــ سردار محمد و میاں ابراہیم سے سلام مسنون۔

جز خدا کس نیست بر تو مہرباں دل مدہ غیر از خداوند جہاں

مکتوبات و تعلقات پر تبصرہ

جو نسبت ہمارے آقا و مولیٰ کو حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ سے تھی اور رہے اس کو برادران طریقت میں سے کما حقہ کسی نے نہ سمجھا۔ حضرت اعلیٰ کے مکتوبات شریف میں چند کلمات ایسے ہیں جن سے آپ کی شخصیت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ ذرا ان فقروں پر غور فرمائیے اور اندازہ کیجیے کہ حضرت اعلیٰ قطب زمان کی زبان مبارک کے یہ الفاظ کس قدر وقیع ہیں اور اپنے اندر کس قدر جامعیت رکھتے ہیں:

"عزیز! آپ کے پاس بہت کچھ ہے"۔ .... "لاشے کیا عرض کرے، عزیز کی طبع ہر طرح سے مبارک ہے۔ کچھ بھول چوک اسی سے ہے"۔

یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں، ایک عارف باللہ پیر کا مرید کی طرف ایسا تحریر کرنا خالی از حقیقت نہیں، اور کمال مہربانی اور شفقت کی دلیل ہے۔ ان کی حقیقت و اہمیت کو یا تحریر کرنے والے جانیں یا جن کے متعلق تحریر ہوا وہ سمجھیں، یا پھر کوئی صاحب نسبت جو اس تعلق کو جانتا ہے۔ جیسا کہ صاحبزادہ محمد عمر صاحب سلمہٗ ربہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ان کے اور حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے راز و نیاز محبوبانہ تھے۔ گاہ ان سے ناراض معلوم ہوتے اور گاہ ان پر فدا" چنانچہ ایک واقعہ یاد آگیا ہے جو حضور ہی کی زبان مبارک سے سنا تھا۔ کہ ایک دفعہ حضرت اعلیٰ نے حضور کو حضرت کیلیانوالہ شریف بھیجا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ بھر شرق پور شریف میں در دولت پر حاضر ہوئے تو حضرت اعلیٰ دیکھتے ہی اعراض فرما کر تشریف لے گئے۔ یہ صورت دیکھ کر حضور حیرت میں مستغرق ہو گئے۔ اس وقت بے ساختہ یہ اشعار آپ کی زبان مبارک سے نکلے: ؎

سامنے ہوتے ہی جب اعراض کر کے چل دیے	حالت میری حیرت میں ڈوبی تختۂ تصویر تھی
دست کوتہ ہو گئے ہمدرد و مونس، غمگسار	کثرتِ تقصیر سے یہ خوبیٔ تقدیر تھی
تریاق احمر بے خطا پہلو میں رکھتے تھے جو کل!	دست برداری کی ان کے ہاتھ میں تحریر تھی
بہت ڈھونڈا، نہ ملی، جب ڈس گیا مارِ گناہ	یاں پڑی تھی، کیا ہوا؟ کوئی لے گیا؟ اکسیر تھی
کون سنتا ہے تیری محزون کہانی درد کی!	وہ مجلس خوش باش تھی، یہ غم بھری تقریر تھی

اللہ اکبر! بندگانِ خدا کا ہر ایک لفظ معانی اور روحانیت سے پُر ہوتا ہے۔ اپنا حال بیان کرتے ہیں ساتھ ہی تقدیر کا مسئلہ بھی حل کر دیا۔ یعنی گناہ کی کثرت کے سبب سے تقدیر بنتی ہے، ورنہ مولیٰ کریم علیم و حکیم بغیر گناہ کے کسی کی تقدیر نہیں بناتے۔

حضرت اعلیٰ جب اعراض فرما کر تشریف لے گئے تو فرمایا تھا کہ "مجھ سے دست برداری لکھائے"۔ کس نے لکھائی اور کس نے لکھ کر دینی، محض محبوبانہ راز و نیاز تھے۔

حضرت اعلیٰ کا وصال

جب حضرت اعلیٰ کشمیر سے واپس تشریف لائے تو علالتِ طبع زیادہ سے زیادہ تر ہوتی گئی۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس وقت ہمارے حضور بھی ہمراہ تھے۔ جب لاہور سے شرق پور شریف واپس پہنچے اور آرام ہوتا نظر نہ آیا تو حضور نے حضرت اعلیٰ کے وصال شریف سے کوئی چھ روز پہلے میاں ابراہیم صاحب قصوری کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا کہ "اگر حضرت اعلیٰ کا وصال شریف ہو گیا تو میں کسی ایسے مقام پر چلا جاؤں گا جہاں پر نہ کوئی میرا واقف ہو اور نہ میں کسی کو جانوں"۔ میاں ابراہیم صاحب نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں جا کر حضور کے یہ کلمات بالفاظہا عرض کر دیے اور حضرت اعلیٰ نے حضور کو طلب فرمایا تو میاں ابراہیم صاحب نے حضور کو صورتِ حال سے آگاہ فرما کر کہہ دیا کہ آپ کے سامنے کوئی بات نہ کرنا۔ چنانچہ جب حضور حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ "میرے بعد تم کیا کرو گے"؟ حضور نے عرض کیا کہ "جس طرح حکم"۔ تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا کہ بس اسی وقت حضرت کیلیانوالہ چلے جاؤ۔ چار نہیں پانچ، نہیں چھ۔ چھ دن کے بعد آ جانا۔ لاہور کے وسط میں آ کر سُن لو گے۔ اور اگر جھوٹ ہو گیا تو ڈاکٹر حاکم دین کو ساتھ لیتے آنا"۔

اس حکم کے ماتحت اسی وقت حضور کو مع برادرم سراج الدین صاحب حضرت کیلیانوالہ شریف میں آنا پڑا۔ یہ چھ دن حضور نے نہایت کرب و اضطراب میں گزارے۔ آپ فرماتے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ

میں کسی تنور میں پڑا جل رہا ہوں۔ چھ دن کے بعد رات کو یکدم طبیعت سرد ہو گئی۔ گویا کہ کسی نے جسم پر برف ڈال دی ہے"۔ چنانچہ اسی وقت حضور نے برادرم سراج الدین صاحب کو آگاہ فرما دیا کہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا ہے، لہٰذا اسی وقت چل دیں اور ساڑھے بارہ بجے رات کی گاڑی پر سوار ہو جائیں لیکن برادرم سراج الدین صاحب نے کہا کہ وقت کم ہے، اس گاڑی پر پہنچنا مشکل ہے۔ ان کے اس تساہل سے صبح کی گاڑی پر سوار ہو کر لاہور پہنچے۔ راستہ میں کئی احباب ملے لیکن کسی کو اطلاع نہ تھی۔ لیکن جب آپ وسط لاہور یعنی سنہری مسجد صوفی عبدالرحمٰن صاحب گھڑی ساز کی دوکان پر پہنچے تو وہاں سے معلوم ہؤا کہ آج رات کو حضرت اعلیٰ کا وصال مبارک ہو گیا ہے۔ اسی وقت لاہور سے موٹر پر سوار ہو کر شرقپور شریف پہنچے تو جنازہ تیار تھا۔ چنانچہ آپ نماز جنازہ میں شامل ہو گئے۔

اللہ اکبر! اس واقعہ سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہوتی ہے:

۱۔ حضرت اعلیٰ کو اشاعتِ دین کا اس قدر خیال تھا کہ ایسے نازک موقع پر بھی حضور کو اپنے کام پر متعین کیا اور ایک منٹ کی مہلت نہ دی۔ تاکہ جو کام حضور نے حضرت کیلیانوالہ شریف میں رہ کر کرنا تھا اس میں اتنا بھی حرج نہ ہو۔ اور

۲۔ اپنے وصال کے متعلق بھی علم تھا۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ وسط لاہور میں آ کر یہ سنیں گے۔ اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔ لیکن "نزدیکاں را بیشتر حیرانی" کے مطابق یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ یہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بندگان خدا جانتے ہیں کہ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ کے ماتحت مولیٰ کریم تقدیر کے بدل دینے پر بھی قادر ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۔ یعنی ایسا مت کہو کہ میں کل اس طرح کروں گا۔ ہاں ان شاء اللہ کہہ لو۔

۳۔ ادھر ہمارے حضور کو وصال مبارک سے عین اسی وقت مطلع ہونا مطابقت و مناسبت کے رُو سے ظاہر ہؤا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ تو جب بندگانِ خدا خدا کے نور سے دیکھتے ہیں تو پھر کیسا حجاب اور کیسی بے علمی۔ نہ ماننے والوں کو خداوند کریم ہدایت نصیب کرے۔

وصال کے بعد حضورؒ کی حالت

حضرت اعلیٰ کے وصال شریف کے بعد تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر جب برادرانِ طریقت مل کر بیٹھے تو چونکہ یہ وقت نہایت اضطراب کا تھا ہر ایک اپنے اپنے حال میں پریشان اور بے قرار تھا۔ ہمارے حضور نے اپنے خاص احباب میں بیٹھ کر فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کا وصال شریف میرے لیے تو کسی خاص پریشانی کا باعث نہیں، بفضلہ تعالیٰ میرے لیے آپ اسی طرح موجود ہیں۔ میاں ابراہیم صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے سُن کر فرمایا کہ آپ اچھے رہیں گے۔ رات تو اسی حال میں بسر فرمائی، لیکن صبح جب باہر تشریف لے گئے تو یک لخت طبیعت بدلی اور اس قدر بے قراری ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میاں ابراہیمؒ صاحب نے فرمایا کہ جلدی جلدی مسجد میں چلو۔ چنانچہ تمام احباب حضور کو ہمراہ لے کر فوراً حضرت اعلیٰ کی مسجد شریف میں پہنچے۔ آپ اسی بے قراری کی حالت میں حاجی صاحب کے حجرہ میں لیٹ گئے۔

حضور فرماتے کہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ سو گیا اور حضرت اعلیٰ تشریف لے آئے اور تسلی دے کر تشریف لے گئے۔ چنانچہ جب اُٹھا تو طبیعت مطمئن تھی۔ اس کے بعد جب کبھی سوتا زیارت ہو جاتی۔ جوں جوں طبیعت میں سکون ہوتا گیا، دیر سے زیارت ہونے لگی۔

حضرت کیلیانوالہ شریف میں مستقل قیام

جمعہ شریف کا آغاز اور اہل شیعہ کا مجادلہ

شروع شروع میں جب حضور شرق پور شریف سے حضرت کیلیانوالہ شریف میں تشریف لائے تو نماز جمعہ ادا فرمانے کے لیے علی پور، کبھی رسول نگر اور کبھی کوٹ ہرا میں تشریف لے جاتے۔ آپ کی موجودہ مسجد شریف سادات حضرت کیلیانوالہ کے قبضہ میں تھی۔ لیکن چونکہ وہ مذہباً شیعہ تھے اس لیے یہ قطعاً غیر آباد

ویران اور شکستہ حالت میں تھی۔ نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ کوئی غسل خانہ حتیٰ کہ وضو کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ چھوٹا سا صحن تھا جس کے گرد پٹھانوں کی بنی ہوئی کچی دیوار ہوا کرتی تھی۔ نماز تو اس میں کبھی کسی نے پڑھی نہ تھی۔ البتہ اہل سنت صرف عیدین کا دوگانہ یہاں ادا کرتے۔ شیعہ حضرات اسے امام باڑہ کے طور پر استعمال کرتے تھے اور عشرۂ محرم میں یہاں مجالس عزا قائم کرتے اور ماتم کیا کرتے۔ اس کے بعد مسجد کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا۔ سال بھر تعزیہ اس میں پڑا رہتا اور گرمی کے موسم میں آوارہ گدھے تمازت آفتاب سے بچنے کے لیے یہاں آ کھڑے ہوتے۔

سادات برادری میں اس وقت کے اہل شیعہ میں چمن شاہ صاحب عمر اور علم کے لحاظ سے صاحب اقتدار تھے۔ ایک دن جمعرات کو حضور رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "چچا صاحب! ہمارا ارادہ ہے کہ جمعہ شریف کی نماز یہاں مسجد میں ادا کی جائے۔ مجھے خیال آیا کہ برادری سے پوچھ لینا بہتر ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے"؟ چمن شاہ صاحب نے کہا کہ برادری سے مشورہ کر کے بتایا جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد حضور نے پھر دریافت فرمایا تو شاہ صاحب مذکور نے کچھ تُند سا جواب دیا۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا کہ شاہ صاحب! مسجد نماز ہی کے لیے ہوا کرتی ہے لہٰذا ہم اس میں نماز ادا کریں گے، آپ کا جس طرح جی چاہے کر لینا چنانچہ اس کے بعد جمعہ شریف شروع کر دیا گیا اور نمازیں بھی پانچوں وقت یہیں ادا ہونے لگیں۔

میرے خیال میں یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کس قدر جماعت تھی اور کتنے آدمی ہوتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے تو مولیٰ کریم آسمان و زمین میں اس کے لیے قبولیت رکھ دیتے ہیں اور وہ مخلوق میں بھی مقبول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضور نے اعلائے کلمۃ الحق کی صدا بلند فرمائی تو سعید رُوحوں نے لبیک کہہ کر اسے قبول کرنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ رونق بڑھنی شروع ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد جب یہ نور خوب چمک اُٹھا تو اس کی روشنی مخالف آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی اور اس کے برداشت کرنے کی اُن میں بالکل تاب نہ رہی تو ان میں سے ایک نے یہ مشورہ دیا کہ مسجد دراصل نمازیوں کی ہوتی ہے۔ ایسے تو تم اب یہاں سے بے دخل ہو گئے ہو۔ اگر اپنا کچھ قبضہ رکھنا چاہتے ہو تو تم بھی نماز پڑھنی

شروع کر دو۔

یہ مشورہ سب کو پسند آیا اور کچھ دنوں کے لیے یہ بھی نماز پڑھنے لگ گئے۔ چنانچہ ایک سید ملنگ مسمی بلاول شاہ ساکن مدینہ سیداں ضلع گجرات کو محض اپنے دین کی اشاعت اور حضور کی مخالفت کے لیے حضرت کیلیانوالہ شریف میں لے آئے اور اس سے بیعت کر کے اس کو اپنا پیر بنا کر امام بھی اسی کو مقرر کر لیا۔ چنانچہ مسجد شریف کے شمالی حصہ میں (جس طرف ان کا تعزیہ رکھا رہتا) اہل شیعہ نے اپنا مصلّٰی بچھا لیا اور جنوب کی طرف حضور یعنی اہل سنت و جماعت نے۔

ایک دن سید بلاول شاہ صاحب نے حضور کے مؤذن مسمی رحمت علی کو اذان کہنے کے "جرم" میں زدوکوب کیا یہ سن کر حضور کو بڑا رنج ہؤا اور بلاول شاہ کو متنبہ کیا کہ اگر آئندہ ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ لیکن انہوں نے اپنے رویّہ میں کوئی تبدیلی نہ کی اور متواتر اشتعال انگیز صورتیں پیدا کرتے رہے۔ حضور نے نہایت تحمل سے انھیں برداشت فرمایا اور مصالحت کی کوشش فرماتے رہے۔

ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ حضور کی مسجد کے عقب میں بھی ایک مسجد ہے اور موجودہ وقت میں اہل شیعہ کے قبضہ میں ہے۔ اُس وقت یہ کچی اور کسی قدر چھوٹی تھی۔ حضور نے ایک تجویز یہ پیش فرمائی کہ اگر تم یہاں سے تعزیہ اُٹھا لو اور یہ مسجد ہمارے لیے وقف کر دو تو ہم تمہیں اپنے خرچ سے وہ چھوٹی مسجد پختہ اور پہلے سے بڑی تیار کرا دیتے ہیں۔ آپ کا مطالبہ نہایت معقول تھا۔ کیونکہ ایک تو نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے آپ کے لیے بڑی مسجد ہی موزون تھی اور چھوٹی بالکل ناکافی، دوسرے بڑی مسجد شریف کا محل وقوع حضور کے رہائشی مکان سے قریب تھا اور اہل شیعہ کی زیادہ آبادی چھوٹی مسجد کے ساتھ تھی۔ گو انہیں یہ بھی حق نہ پہنچتا تھا کہ تمام مصارف کے متحمل حضور ہی ہوں لیکن آپ نے نہایت فراخ دلی سے یہ پیشکش فرما دی مگر انہیں یہ بھی منظور نہ ہوئی۔ بالآخر ان بیزاریوں سے تنگ آ کر ایک دن حضور نے مسجد شریف کو چھوڑ دیا اور بیلیوں کو ہمراہ لے کر جس جگہ اب سید فتح شاہ صاحب کا مزار ہے وہاں پر عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں ادا فرمائیں۔ رات کو سیّد صاحبان کے اکابر اور مقتدر حضرات حضور کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ ہم چادر اور شمارے لینے کے لیے آئے ہیں۔ حضور نے فرمایا چونکہ یہ تمہارے کام کے نہ تھے اس لیے ہم لے آئے ورنہ صفیں مصلّٰی

وغیرہ تو ہم کوئی چیز نہیں لائے۔ شاہ صاحبان نے کہا کہ جو شرائط بھی آپ کہیں ہم ماننے کو تیار ہیں، آپ مسجد میں تشریف لے چلیں۔ تعزیہ بھی ہم اُٹھالیں گے۔ مسجد خواہ ہم کو الگ بنادو یا نہ بنادو، ہم الگ جاکر نماز ادا کرلیا کریں گے۔

چنانچہ حضور نے یہ مسجد اپنے مصارف سے بنوادی اور انہوں نے حسب وعدہ تعزیہ تو اٹھالیا۔ لیکن بایں ہمہ ان کے دل کی کدورت نہ گئی بلکہ آتش حسد اور بھڑکی۔ بڑی مسجد شریف کے سامنے سید نواب شاہ کی زمین میں امام باڑہ کے نام پر ایک مکان تعمیر کرکے وہاں بلاول شاہ کو مقیم کیا اور حضور کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔ بلاول شاہ نے اور بھی کئی ملنگ اپنے پاس جمع کرلیے اور بالعموم شام کے بعد اپنے مذہب کے مطابق بے حد شور و غل مچاتے جو نماز اور ورد و وظائف میں بے انتہا تکلیف کا باعث ہوتا۔ لیکن حضور بڑے صبر و تحمل سے اسے برداشت کرتے

جب ان کے مفسد عنصر نے حضور کے قتل کی سازش مکمل کرلی تو ایک دن حضور نے ان کے ایک مقتدر فرد سے (جس کو میں جانتا ہوں لیکن اظہار مناسب نہیں) فرمایا میرے قتل کی سازش ہوچکی ہے۔ اس نے دبی زبان سے کہہ دیا کہ مجھے تو معلوم نہیں۔

حضور کے دولت خانہ کے ساتھ ملحقہ مکان شیخ کرم الدین کا تھا (جسے بعد میں حضور نے خرید کر اپنے مکان میں شامل فرمالیا اور اب حضور کے مکان کا مغربی حصہ ہے) اس میں کرم الدین مع پسران اور اہل و عیال کے رہائش رکھتا تھا۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ دونوں مکانوں کی چھتیں ایک سطح میں ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں اور درمیان میں کوئی پردہ نہیں۔ گرمی کے موسم میں جب حضور کے اہل خانہ رات کو مکان کے اوپر چھت پر چارپائیاں بچھاتے تو گو شیخ کرم الدین وغیرہ بھی شیعہ خیال کے تھے لیکن پاس ادب اور حیا سے یہ چھت پر نہیں چڑھا کرتے تھے

اسی سازش کے ماتحت ایک دن سید ولایت شاہ ولد حیات شاہ کے ہاں حاضری پکائی گئی جسے شیعہ مذہب میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ختم کہتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر سب و شتم کرکے کھانا شروع کرتے ہیں۔ جب ان سب نے صحابہ کرام پر دشنام بازی شروع کی تو جو لوگ نماز عشا کے لیے مسجد میں

جمع ہوئے تھے انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ آج ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی فساد کی صورت نظر آرہی ہے لہٰذا ہم لوگ گھروں میں نہیں جاتے۔ لیکن حضور نے تمام نمازیوں کو رخصت کر دیا۔ اہل شیعہ نے اس شور و غل کے باوجود جب اس طرف سے کوئی جواب نہ سنا تو صحابہ کرام کے نام کے ساتھ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو بھی گالیاں دینی شروع کر دیں تاکہ کسی طرح سے یہ بولیں اور ہم فساد شروع کر سکیں۔

یہ صورت دیکھ کر حضور نے سید قلندر حسین، برکت شاہ اور برادرم سراج الدین کو بڑے گاؤں میں بھیجا۔ تاکہ گاؤں کے ذی عزت لوگوں سے کہیں کہ انہیں سمجھائیں اور خود کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ادھر سے کوئی حرکت نہیں تو شیخ کرم الدین کے بڑے لڑکے فیض حسین کو شرارت سے سکھایا کہ تم اپنی چارپائی مکان پر چڑھالو۔ چنانچہ اس نے یونہی کیا۔ حضور چپ چاپ گھر میں تشریف لائے اور اپنے مکان کی چھت پر جاکر فیض حسین سے کہا چونکہ ہماری چارپایاں زیادہ ہیں اور اس وقت بچوں کو اٹھا کر نیچے لیجانا بھی تکلیف کا باعث ہے لہٰذا آج تم چارپائی نیچے اتار لو کل سے ہم نہیں چڑھائیں گے۔ اتنے میں ولایت شاہ بلاول شاہ اور اس کے ساتھی مسلح ہو کر حضور کے مکان کے شمالی دروازہ پر جمع ہو گئے اور حضور کو آواز دی کہ باہر آجاؤ ورنہ ہم اندر آجائیں گے۔ چنانچہ حضور بغیر کسی ہتھیار کے باہر تشریف لے آئے۔ اسی اثنا میں علی محمد ساکن بلو، میاں امام الدین وریاہ کیلانی اور حبیب اللہ وزیرآبادی خادمان حضور بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضور نے فرمایا کہ جس کا میرے ساتھ تعلق ہے وہ فساد نہ کرے۔ لیکن مخالفین نے تلواروں اور کلہاڑیوں وغیرہ سے ان پر حملہ کر دیا یہ نہتے بھی نہتے۔ چنانچہ محمد حسین چٹھہ، حبیب اللہ اور علی محمد شدید طور پر زخمی ہوئے۔ اتنے میں سراج الدین اور قلندر حسین و برکت شاہ صاحبان بھی شور و غل سن کر آگئے اور مدافعت کرنے لگے۔ قلندر حسین صاحب کے کان پر ایک تلوار لگی جس سے کان کٹ گیا اور حضور رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دائیں بازو پر دو تین خراشیں آئیں۔ بالآخر مدافعت کرنے والوں کے خوف سے یہ حملہ آور بھاگ کر منتشر ہو گئے لیکن اپنی دانست میں یہ حضور کا کام تمام کر کے گئے تھے۔ چنانچہ ولایت شاہ نے گھر میں جاکر کہا کہ اب جمعہ نہ پڑھا سکے گا۔ حضور بفضلہ تعالیٰ بالکل صحیح سالم بلند آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ آواز سن کر کسی نے اس سے کہا کہ تم ایسا کہتے ہو اور وہ تو صحیح تندرست ہیں۔ یہ سن کر وہ پھر حملہ کرنے کو تیار ہوئے لیکن کسی آدمی نے ان کو سمجھایا کہ اب اگر تم گئے

تو تمہاری خیر نہیں۔

زخمیوں کو صبح رسول نگر ہسپتال میں پہنچا دیا گیا اور مجرموں کو پولیس چالان کر کے لے گئی۔ گو یہ حملہ ایک مکمل سازش سے کیا گیا تھا اور علاقہ بھر کے ذی اقتدار شیعوں سے مل ملا کر پہلے سے انتظامات کر رکھے تھے حتیٰ کہ بڑے آدمیوں نے افسران بالا پر بھی اثر ڈالنے کی کوشش کی جس کا ہم کو بھی پورا علم ہے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے ان کی یہ سب تدبیریں رائگاں گئیں۔

حضور کا خیال مبارک تھا کہ اگر یہ مفسد پارٹی کے لوگ ہمارے پاس آجائیں تو ان کو معافی دے دی جائے البتہ دو چار گاؤں کے ذمہ دار معززین کو ہمراہ ضرور لائیں۔ ملزموں میں سے بھی بعض کا یہ خیال تھا کہ معافی طلب کر لی جائے لیکن ان کی اکثریت کو اپنی سفارشات پر بڑا ناز تھا اس لیے انہوں نے انہیں روک دیا بلکہ اُلٹا حضور پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضور معافی دینے پر مصر تھے لیکن شیخ عبدالمجید صاحب نے جو اس وقت وکالت کرتے تھے اور سردار خاں صاحب ذیلدار وغیرہ نے آپ سے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں، مقدمہ انہوں نے بھی دائر کر دیا ہے۔ اگر ہم ویسے ہی مقدمہ چھوڑ دیں تو ان کا مقدمہ ہم پر چل جائے گا۔ لہٰذا کسی طریقہ سے ہی چھوڑنا چاہیے۔

مقدمہ چلتا رہا۔ اہل شیعہ کو اپنی بڑی بڑی سفارشوں کے بل بوتے پر یہ گھمنڈ تھا کہ ہم صاف بری ہو جائیں گے۔ لیکن مقدمہ کے آخری فیصلہ کی تاریخ کے دن جب حضور رحمۃ اللہ علیہ دربار شریف حضرت شاہ جی عبدالسلام سے اُٹھے تو عاجز کو فرمایا کہ چار مجرم سزایاب ہو گئے ہیں اور باقی پر مہربانی ہو گئی ہے۔ چنانچہ شام کو جب آدمی گوجرانوالہ سے فیصلہ کی سماعت کر کے واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ دو کو پانچ پانچ سال اور دو کو تین تین سال قید بامشقت کی سزا ہو گئی ہے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور کے مسجد شریف بنا دینے کے بعد اہل شیعہ کو اپنے فیصلہ اور وعدہ کے مطابق بڑی مسجد شریف سے تعزیہ اُٹھانا پڑا تھا۔ اس واقعہ مجادلہ کا فیصلہ سننے کے بعد انتقامی جذبہ کے ماتحت ایک شیعہ صاحب نے (جو حضور کی اپنی برادری ہی کا ایک فرد تھا) ڈپٹی کمشنر اور کپتان پولیس کو درخواست دے دی کہ اہل سنت و جماعت اور خصوصاً حضور نے ہمارا تعزیہ مسجد سے اُٹھا کر کہیں نامعلوم جگہ پر پھینک

دیا ہے۔ جب اس درخواست کا حضور کو علم ہوا تو اتفاقاً آپ کے برادر اکبر سید حسین شاہ صاحب منٹگمری چک نمبر باقرپور سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں بھی اس کے متعلق کچھ کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بڑا سخت ڈاکہ کا مقدمہ بنایا جا رہا ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ حافظ ہے، برادری نے خود ہی یہ فیصلہ کرکے تعزیہ اُٹھایا تھا۔ جب سید حسین شاہ صاحب نے زیادہ مجبور کیا تو حضور نے فرمایا کہ سید فضل حسین شاہ اور سید نواب شاہ صاحب جنہوں نے خود یہ فیصلہ کیا تھا، فلاں تاریخ کو گوجرانوالہ میں آرہے ہیں، ان سے مل کر اس واقعہ سے آگاہ کرو۔

جب سید حسین شاہ صاحب نے گوجرانوالہ میں جاکر ان دونوں سے تذکرہ کیا تو وہ سخت برافروختہ ہوئے اور اپنے دستخطوں سے ایک درخواست اس مضمون کی لکھ کر دے دی کہ "تعزیہ ہم نے اپنے فیصلہ کے مطابق خود اُٹھایا ہے لہٰذا یہ درخواست بالکل جھوٹی اور غلط ہے"۔ یہ درخواست شاہ صاحب نے ڈپٹی کمشنر اور پولیس کپتان کو پیش کرکے ایک تحصیلدار اور ایک تھانہ دار کے نام دستی حکم لکھوالیا۔ یہ دونوں صاحب وہ درخواست لے کر حضرت کیلیانوالہ پہنچے۔ چنانچہ تمام گاؤں کے آدمی اکٹھے ہوگئے اور بات چیت شروع ہوئی۔ ہمارے حضور کو بھی مدعو کیا گیا۔ پہلے تو حضور نے انکار فرمایا لیکن ذیلدار صاحب کے کہنے پر جو حضور کے پیر بھائی بھی تھے آپ تشریف لے گئے۔ تحصیلدار اور تھانہ دار حضور سے مخاطب ہوئے کہ "جنہوں نے آپ کے خلاف درخواست کی ہے چونکہ اسی فریق کے آدمی درخواست کر رہے ہیں کہ تعزیہ ہم نے خود ہی اٹھایا ہے۔ انہوں نے حکومت کو دھوکا دیا ہے لہٰذا ہم دفعہ ۴۲۰ کے ماتحت ان کا چالان کرنے کے لیے جارہے ہیں"۔

حضور نے یہ سن کر فرمایا کہ "میں نے ایک مسجد نئی بنا کر دی ہے۔ اگر میری برادری ناراض ہے تو میں دونوں مسجدیں چھوڑنے پر تیار ہوں لیکن میں ان کے چالان ہوتے نہیں دیکھ سکتا"۔ یہ بات سُن کر سب لوگ خوش ہوگئے اور آپ کی خوش اخلاقی کی داد دی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ ایسے موقع پر اکثر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے یہ شعر پڑھا کرتے ؂

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام! — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

چونکہ بندگانِ خدا کا ہر فعل ہم گنہ گاروں کے لیے مشعل راہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ سبق حاصل ہؤا کہ دشمن کے دل کو بھی تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ کسی اللہ کے بندے نے کیا خوب فرمایا ہے کہ "خدا تعالیٰ کو پانے کا عزیز تر اور نزدیک تر رستہ یہ ہے کہ دلوں کو آرام پہنچایا کرو"۔ ہمارے حضور کا عمل عین اس فرمان کے مطابق تھا۔

جب یہ سزا یافتگان اپنی قید کی میعاد ختم کر کے واپس آئے تو یہ بھی اپنی غلطی کے معترف تھے۔ چنانچہ انہوں نے آکر حضور سے معافی مانگ لی۔ آپ کا ان سے بھی ایسا حُسنِ سلوک تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی ولایت حسین عنایت حسین اور محمد حسین جن کا حضور کے ساتھ سب سے زیادہ عناد تھا، ان کا زمین کے متعلق آپس میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ کئی آدمیوں نے فیصلہ کیا لیکن ان کو قبول نہ ہوتا۔ آخر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے پر تُل گئے۔ حضور نے جب یہ سنا تو سید فضل حسین کو بلا کر کہا کہ ان کا فیصلہ کر دو تاکہ مقدمہ بازی میں ناحق روپیہ ضائع نہ کریں۔ فضل حسین صاحب نے کہا کہ آپ ہی فیصلہ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے عدالت کی طرح وکیل مقرر کیے، اور بیانات لے کر تحریری فیصلہ دیا۔ ایسا فیصلہ کیا کہ دشمنوں نے بھی اس فیصلہ کو سراہا۔ چنانچہ اس کے بعد برادران میں کسی قسم کی نزاع نہ رہ گئی۔ حضور کی ذات میں یہ خاصہ تھا کہ دشمن کا نقصان بھی نہ دیکھ سکتے تھے اور یہ تو اپنی خاص برادری کے افراد تھے گو مذہبًا اختلاف تھا اور ساری عمر یہ دشمنی کرتے رہے لیکن حضور اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی کے ماتحت ہمیشہ ان سے نیک سلوک کرتے رہے۔ خواہ وہ اس کا مطلب کیا سمجھتے۔

ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ گرمی کے موسم میں عصر کے بعد حضور باہر تشریف لے گئے۔ تین چار بیلی بھی ہمراہ تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ حضور کے چچا چارپائی سر پر رکھے، مویشیوں کے لیے گھاس اور ان کے رسّے اور حقہ وغیرہ اٹھائے چلے آرہے ہیں۔ حضور نے بیلیوں سے فرمایا کہ بھئی یہ سب سامان اٹھا کر جہاں شاہ صاحب نے جانا ہے چھوڑ آؤ۔ بیلیوں نے ان سے سامان لے لیا تو انہوں نے فرمایا کہ میری آنکھیں بھی خراب ہیں۔ حضور نے مجھے حکم دیا کہ تم ان کے ساتھ جاؤ اور آنکھوں میں دوائی ڈال دو۔ چنانچہ میں نے ان کے ہمراہ آکر دوائی ڈال دی۔ دو چار دن کے بعد وہ شاہ صاحب بڑے گاؤں میں جا کر ایک جگہ بیٹھے جہاں کچھ آدمی موضع سوئیاں والا کے بھی بیٹھے تھے۔ وہاں شاہ صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا اور کہا آپ کو معلوم ہے کہ میرا بھتیجا اس طرح کیوں کرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم سے ڈرتا ایسا کرتا ہے۔

ان آدمیوں میں سے کسی نے آکر ہمیں یہ بات سنائی۔ ہم کو یہ سُن کر خوب ہنسی آئی کہ دیکھو! اُن کا نظریہ کیا ہے اور ان کا کیا۔

حضورؒ کی آزمائش

شروع ایام کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضور کے برادر اکبر کی اہلیہ محترمہ کا بھائی اپنی ہمشیر کے پاس حضرت کیلیانوالہ شریف میں آیا ہوا تھا۔ چونکہ یہ بھی شیعہ مذہب رکھتا تھا اس لیے اکثر شیعوں کے پاس نشست و برخاست رکھتا۔ ایک دن اس پارٹی نے مشورہ کیا کہ آج چوری کے کدو لاؤ اور اپنی ہمشیر سے پکواؤ جب یہ سالن شاہ صاحب کھائیں گے تو ہم ہنسی اڑائیں گے کہ یہی اولیاء اللہ ہیں جو چوری کی چیز بھی کھا لیتے ہیں، اور معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

چونکہ بندگان خدا محفوظ ہوتے ہیں، قدرتاً اس روز حضور کو بخار ہو گیا اور آپ کچھ کھا نہ سکے۔ برادرم سراج دین صاحب نے بھی سالن نہ کھایا۔ صبح کو ان شاہ صاحب نے ہمشیر سے دریافت کیا کہ کیا رات کو حضور نے سالن کھایا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور نے تو رات کو کھانا ہی نہیں کھایا۔ اور سالن بھی تمہارے سوا کسی اور نے نہیں کھایا۔ یہ سُن کر وہ شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

۲۔ ایک دفعہ گرمی کا موسم تھا اور حضور ظہر کے بعد خشخاش اور بادام گھوٹ کر پیا کرتے تھے چونکہ بندگان خدا قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محظوظ ہوتے ہیں اور آواز بھی حضور کی مردانہ تھی۔ جب آپ قیل وقال فرماتے تو خوب دلکش بلند آواز میں ہوتی۔ اور آنکھیں بھی حضور کی کیف آور سُرخی مائل ہوتی تھیں۔ ان عوارضات سے شیعوں کو شبہ ہوا کہ آپ شاید بوٹی (بھنگ) گھوٹ کر پیتے ہیں۔ اسی لیے آنکھیں سُرخ ہوتی ہیں اور باتیں بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن مشورہ کر کے سبھی شیعہ سید حسین شاہ صاحب نمبردار کو ساتھ لے کر حضور کے پاس تشریف لائے۔ حضور نے برادرم سراج الدین صاحب کو فرمایا کہ اور بادام لے آؤ اور شاہ صاحبان کو بھی گھوٹ کر پلاؤ۔ چنانچہ اور منگا کر سب کو پلائے گئے اور یہ شرمندہ ہو کر تشریف لے گئے۔ بعد میں سید حسین شاہ صاحب نے یہ تمام قصہ سنایا۔

معترضین سے مکالمہ

قرآن حکیم سے ماتم کی نہی

حضرت کیلیانوالہ شریف کے ابتدائی ایّام میں اپنی برادری ہی میں سے ایک شیعہ صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا کہ اگر آپ قرآن مجید سے صاف لفظوں میں ماتم کرنے کی نہی ثابت کر دیں تو میں مان لوں گا۔ حالانکہ حضور کو اتنا مطالعہ نہ تھا اور نہ کوئی حوالہ یاد تھا۔ لیکن آپ نے بے دھڑک اس سے فرما دیا کہ چلو بھئی میں تم کو دکھاتا ہوں۔

حضور فرماتے ہیں کہ اس وقت بارگاہ ایزد متعال میں ملتجی ہوا کہ مولیٰ کریم! اب آپ ہی مہربانی فرما کر ایسی آیات سے مطلع فرمائیں جن میں اس کے سوال کا جواب موجود ہو۔ قرآن شریف پکڑ کر کھولا تو یہ آیات مبارک سامنے آئیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

(پ۲ - ر۳)

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میوؤں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو (اے پیغمبر) ایسی حالت میں صبر کرنے والوں کو) خدا کی خوشنودی کی بشارت سنا دو۔ ان صابر لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔

یہ آیات اور ان کا ترجمہ دکھا کر حضور نے فرمایا: چونکہ میدان دنیا میں ہر مدارج کے انسان کے لیے اس کے درجہ کے مطابق آزمائش ہے اور مولیٰ کریم کا فرمان روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو آدمی آزمائش کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ان کو میری طرف سے بشارت

سنا دو کہ تم لوگ ہی میری مہربانی اور رحمت کے قابل ہو اور تم ہی سیدھے راستے پر ہو۔ تو ثابت ہوا کہ جو آدمی خدا کی آزمائش میں صبر نہ کرے اور واویلا مچائے تو ایسا آدمی خدا کی مہربانی اور رحمت کے قابل نہیں اور نہ ہی وہ سیدھے راستے پر ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صابرین کے امام ہیں جنھوں نے خدا کے احکام پر عمل نہ کرنے والے کی بیعت نہ کی اور اپنے آپ پر اس قدر مصیبت ڈال کر صبر کا نمونہ دکھا دیا۔ تو جناب عالی! اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ اب ہائے حسین کہنا اور رونا پیٹنا صبر ہے یا بے صبری؛ اور یہ فعل جو آپ کرتے ہیں قرآن مجید کے خلاف ہے یا نہیں"؛ تو وہ کہنے لگے کہ "پہلے بھی مجھے ایک اہل سنت وجماعت نے ایک آیت اس سے بھی زیادہ اس کے ثبوت میں دکھائی تھی"۔ اتنا کہہ کر چلے گئے۔

محبت اہل بیت

جب حضور رحمۃ اللہ علیہ شرق پور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں تھے، ان دنوں کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت اعلیٰ سے اجازت لے کر سید عنایت حسین کے لڑکے کے جہلم پر موضع سید نگر میں تشریف لائے۔ موضع سید نگر کے سادات زیادہ تر شیعہ مذہب کے ہیں۔ جب انھیں حضور کے متعلق علم ہوا کہ آپ اہل سنت وجماعت میں شامل ہو گئے ہیں تو انھیں سخت ناگوار گزرا۔ ان سید صاحبان میں سید اکبر حسین واصغر حسین اچھے خاصے علم والے بھی تھے۔ ان میں سے کسی ایک نے حضور سے سوال کیا کہ کیا آپ محبت اہلبیت چھوڑ تو نہیں گئے؟ حضور نے فرمایا پہلے آپ یہ بتائیں کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے؛ تو پھر میں آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔ یہ سن کر تمام شیعہ صاحبان اکٹھے ہو کر بڑی رات گئے تک اس سوال کا جواب سوچتے رہے لیکن کسی صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ آخر صبح کو ایک شاہ صاحب نے ہمارے حضور کی خدمت میں آ کر کہا کہ یہ تمام سید صاحبان تو آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکے۔ کیا آپ نے بھی یہ بات اتنی ہی سن رکھی ہے یا اس کا جواب بھی دے سکتے ہو؟ تو حضور آقائی ومولائی نے مندرجہ ذیل جواب دیا۔

نوٹ: گو حضور سے جن الفاظ میں میں نے سنا وہ شاید ادا نہ کر سکوں، تاہم ناظرین کو اصل مفہوم کے سمجھانے کی مولیٰ کریم سے توفیق مانگتا ہوں۔

حضور نے فرمایا جب کوئی آدمی کسی کو اپنے سے اعلیٰ، ذی عزّت اور بزرگ خیال کرتا ہے تو اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں حقیر اور ناچیز سمجھتا ہے تو اس کے ضمیر میں اس کی عظمت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا ادب شروع ہوتا ہے۔ یہ محبت کے لیے بمنزلہ بیج کے ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال کا بھی ایک مصرعہ ہے:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

پھر یہ اپنے آپ کو اس قابل بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ ہر وہ کام جو میرے محبوب کو مرغوب ہے اس پر عمل کروں اور ہر وہ کام جو اس کو ناپسند ہو اس کو چھوڑ دوں تاکہ وہ میری اس نازیبا حرکت سے مجھ پر ناراض نہ ہو جائے۔ اپنے محبوب کے ہر حکم کو پورا کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے۔ یہ ہے میدان اطاعت۔ جب میدانِ اطاعت میں ہر طرح کوشاں ہوتا ہے اور اپنے ہر عمل میں اپنے محبوب کی اطاعت کو اپنے نفس پر لازم کر لیتا ہے، چاہے اس کا نفس اس کو اچھی طرح قبول نہ بھی کرے تو بھی ہر حالت میں حکم کے ماتحت اپنے آپ کو فرماں بردار پاتا ہے تو گویا میدانِ اطاعت میں پاس ہو کر میدان اتباع میں داخل ہو جاتا ہے۔ یعنی پہلے جس چیز پر طوعاً و کرہاً عمل کرتا تھا اس سے گزر کر فَاتَّبِعُوْنِیْ کے ماتحت برضا و رغبت گامزن ہو جاتا ہے۔ بظاہر اطاعت اور اتباع میں چنداں فرق معلوم نہیں ہوتا لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اطاعت میں خوشی اور ناخوشی دونوں شامل ہیں لیکن اتباع میں بغیر حکم کے ظہور کے قدم بقدم چلنا اور محبت سے پیروی کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصحاب کہف نے اپنے کتّے کے پاؤں کاٹ دیے تو پھر بھی پیچھے ہی دوڑا۔ اور جیسا کہ جادوگر جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے اور فرعون نے ان کو مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور صلیب پر چڑھانے کی دھمکی دی تو انھوں نے نہایت بے پروا ہی سے جواب دیا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ یعنی تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر لے۔ تو جو کچھ بھی کرے گا اسی دنیا کی زندگی میں کرے گا تو اس کی ہمیں کچھ پرواہ نہیں۔ یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار نے دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا کر سخت سے سخت تر عذاب دیے تاکہ کسی طرح سے یہ اسلام سے پھر جائیں لیکن چونکہ وہ میدان اتباع کے راہرو تھے ان اذیتوں اور عقوبتوں کی ذرہ بھر پروا نہ کی۔ یا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو اسلام

لانے کے سبب سے مار مار کر لہو لہان کر دیا لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئی۔ مدعا یہ کہ اس وادی میں گامزن ہونے والوں کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں جنہوں نے بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کو انوشِ دارو سمجھ کر نوشِ جان کیا اور اپنے محبوب کی ہر ادا پر دل و جان سے پروانہ وار قربان ہو گئے لیکن اتباعِ محبوب میں سرِ مو فرق نہ آنے دیا۔ یہ ہے میدانِ اتباع۔ جب اس امتحان میں پاس ہوتا ہے تو مطابقت کے میدان میں قدم زن ہوتا ہے۔ یعنی محبوب کے احوال سے مطابقت ہو جاتی ہے۔ اگر محبوب کو آرام ہے تو اس کو بھی آرام اور اگر اس کو تکلیف ہے تو اس کو بھی تکلیف۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ اُحد میں دانت مبارک شہید ہوا تو حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بغیر ظاہر میں دیکھنے کے وہی دانت خود بخود اکھڑ گیا۔ یا جیسے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں درد تھا تو بغیر ذکر فرمانے کے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا وَارَأْسَاہُ۔ یعنی ہائے سر۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے درد کا اظہار فرمایا۔

اس کے بعد مناسبت شروع ہوتی ہے جس میں اتحاد تام ہوتا ہے اور اس کا بیان تقریر و تحریر سے باہر ہے، صاحبِ حال ہی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کے بعد محبت کا راز کھلتا ہے، تب کہیں جا کر دعوائے محبت میں صادق ہوتا ہے۔

اب آپ صاحبان ان معانی کی روشنی میں اپنے حال کی جانچ کریں کہ کیا ہم کو پنجتن پاک یا اہلِ بیت سے محبت ہے؟ یا بلا ثبوت صرف زبانی دعویٰ ہے جو حقیقت کے میدان میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔"

حضور رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان سُن کر سمجھدار آدمی بول اُٹھے کہ واقعی محبت کی جو تعریف آپ نے بیان فرمائی ہے ہم اس سے بے بہرہ ہیں۔

برادرانِ طریقت! عاجز نہایت ادب سے ملتجی ہے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ان قیمتی الفاظ کو پورے طور پر ادا نہیں کر سکا جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا کرتے تھے۔ تاہم اپنی استعداد کے مطابق اصل مقصود کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ گو یہ الفاظ تھوڑے ہیں لیکن کوزے میں دریا والا معاملہ ہے۔ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کو حضور نے سادہ الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ اس کے سمجھنے کے

لیے خدا کا فضل اور عمل دونوں درکار ہیں تاکہ اپنے حال کے رُو سے ان مقامات کو طے کرتا ہوا فنافی الشیخ کے مقام کو عبور کر کے اصل مقصود کی طرف قدم زن ہو۔

حقیقت میں ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی شان میں ایک صاحب نے یہ شعر تحریر فرمایا تھا ؂

تو عالم بعلم لدُن آمدہ تو واقف بہ اسرار کن آمدہ

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے معانی کو علم لدن سے عیاں فرما کر ہم کو مطمئن فرمایا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خدا کے فضل کے بغیر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ مولیٰ کریم اگر یاوری فرمائیں تو انسان کو اس مقام پر پہنچا دیں اور یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے مطابق اپنا محبوب بنا کر اپنی مخلوق کی رہنمائی کیلیے منتخب فرما دیں تو ایسا آدمی لائق تعلیم ہوتا ہے۔ فَہِمَ مَنْ فَہِمَ

مناسبت یا نسبت کا علم گو تحریر و تقریر سے ورا ہے لیکن جس حد تک قیل و قال کا تعلق ہے اس کو حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "الانسان فی القرآن" میں بڑی بسط سے بیان فرمایا ہے۔ احباب کو چاہیے کہ اس کو بغور پڑھ لیں۔

قرآن مجید سے ایمان صحابہ کا ثبوت

ایک دفعہ ایک سید صاحب جو حضور کی برادری ہی میں سے تھے اور شیعہ مذہب رکھتے تھے، انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام کا ایمان آپ قرآن مجید سے ثابت کریں لیکن تاویل نہ ہو۔ حضور نے فرمایا کہ قرآن مجید کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور معنی خود کر لینا۔ چنانچہ حضور نے یہ آیات شریف ان کے پیش کیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ	جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب
اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ	ذلیل لوگوں میں ہیں۔ خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے
اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ لَا تَجِدُ	پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ بیشک خدا زور آور (اور) غالب
قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	ہے۔ جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم
یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ	ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے

كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (پ ۲۸ - ۳)

نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر کی) تحریر کر دیا ہے اور فیضِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اور ان کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ یہی گروہ خدا کا لشکر ہے (اور) سُن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

اور فرمایا ان آیات بیّنات سے پانچ امور ثابت ہوئے:

(۱) جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب ذلیل ہیں۔

(۲) غلبہ خدا اور اس کے رسول کا ہوگا۔

(۳) مومن خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی نہیں کریں گے، چاہے ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔

(۴) مولیٰ کریم نے ان مومنوں کے دلوں میں ایمان ایسا نقش کر دیا ہے جیسے پتھر پر لکیر۔ مطلب یہ کہ ان کے ایمان کی مولیٰ کریم نے تعریف فرما دی کہ ان کے ایمان اس قدر پختہ ہیں جو کسی صورت میں مٹ نہیں سکتے اور ان کی امداد فیضِ غیبی سے ہوتی ہے یعنی مولیٰ کریم کی طرف سے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

(۵) تو ایسے ایمان کا صلہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے خوش اور یہ خدا تعالیٰ سے خوش اور ہمیشگی کے جنت میں یہ رہیں گے۔ اور یہ خدا کا لشکر ہے اور خدا کا لشکر ہی مراد کو پانے والا ہے۔

تو اب بنظرِ انصاف ملاحظہ فرما کر فیصلہ کریں کہ یہ حزب اللہ جس کی مولیٰ کریم نے تعریف فرمائی ہے کوئی تھا یا نہ تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام تھے۔ کیا ان میں حضرت علی المرتضیٰ کا ساتھ دینے والے تھے یا کوئی نہ تھا؟ اگر بقول مخالف یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی نہ تھا۔ تو معاذ اللہ خاکم بدہن خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب اور حضور خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم

ناقص ثابت ہو گی، جو کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ بلکہ مولیٰ کریم کا فرمان اصح اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات النبی بانصرف تو مخالفین بھی مانتے ہیں۔ اور آپ کا تمام انبیاء کا سردار ہونا مسلم ہے بلکہ تمام انبیاء کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُمتی کی حیثیت میں ہونا قرآن مجید کی آیت وَاِذْ اَخَذَ نَا مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ سے ثابت ہے۔ ایسے معلم جن کے اُمتی ہونے کی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ایسے اولوا العزم رسول تمنا کرتے ہیں، تو ایسے رسول کے بعد ضرور تھا کہ حزب اللہ کی کافی جمعیت ہوتی۔ تو نقل کفر کفر نباشد اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان درست نہ ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا مظہر العجائب والغرائب، شاہِ ولایت جن کا ایمان بفضلہ تعالیٰ ہر طرح سے اعلیٰ اور فائق تھا، اگر آپ کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوتا تو بھی شیر خدا کو خدا اور رسول کے مخالف کی بلا خوف وخطر مخالفت میں کوئی دریغ نہ ہوتا۔ اور چونکہ غلبہ خدا اور اس کے رسول کا ہونا ضروری ہے، اگر صحابہ کرام میں یہ نقص ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰ ضرور مخالفت کرتے اور غلبہ بھی انہی کا ہوتا کیونکہ ان کی مخالفت مطابق فرمان مولیٰ کریم کہ "چاہے ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں" ضروری تھی۔ کیونکہ وہ خدا کی جماعت سے ہیں اور ان کا ایمان بھی ایسا پختہ کہ نقش کالحجر کا مصداق اور امداد فیض غیبی ان کے ساتھ۔ تو اتنی امداد اور ہر طرح کی استقامت کے باوجود کیوں شیر خدا نے مقابلہ نہ کیا؟

ادھر امام حسین علیہ السلام نے خدا اور اس کے رسول کے مخالف کی ذرا پرواہ کی اور اس کی مخالفت میں اپنا مال، جان اور اولاد سب کچھ قربان کر دیا لیکن اپنی استقامت میں فرق نہ آنے دیا، تو حضرت علی المرتضیٰ کو بقولِ مخالف تقیہ کا کونسا موقع تھا؟ اگر دین میں کچھ تھوڑا سا نقص بھی واقع ہونے کا خطرہ ہوتا تو ضرور تھا کہ شیر خدا فوراً مخالفت کرتے اور غالب بھی رہتے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام با ایمان بلکہ حزب اللہ تھے اور حضرت علی المرتضیٰ آپ کے ہر کام میں شریک رہے۔ اگر اس شراکت کا بیان تحریر کیا جائے تو ایک الگ کتاب چاہیے لیکن میرا مطلب طول دینا نہیں صرف حقیقت کا اظہار مقصود ہے جو اہل ایمان کے لیے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ جب مولیٰ کریم کا وعدہ ہے کہ غلبہ اللہ اور رسول اور حزب اللہ کو ہوگا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کے لشکر کے مقابلہ میں کیوں مغلوب ہوئے۔ تو یہ فہمید کی غلطی ہے۔ کیونکہ

جس مقصد کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اقدام فرمایا اس میں بالآخر وہی کامیاب رہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

قتل حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے! اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مطلب یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود احیائے حق اور احیائے اسلام تھا نہ کہ احیائے اجسام

میرے حضور آقا و مولیٰ محرّم الحرام کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر مبارک فرماتے تو آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ؎

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقّا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ کوئی ایمان والا اپنے ایمان میں کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنی جان سے زیادہ مجھ کو عزیز نہ رکھے۔ اور قرآن مجید میں بھی فرمان مولیٰ کریم ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (پ۔۱۰)

کہہ اگر ہوویں باپ تمہارے اور بیٹے تمہارے اور بھائی تمہارے اور جورُوئیں تمہاری اور قبیلہ اور کنبہ تمہارا اور مال جو کمائے ہیں تم نے اور سوداگری جو ڈرتے ہو مندا ہو جانے اس کے سے اور گھر جو پسند کرتے ہو ان کو بہت پیارے ہیں طرف تمہارے اللہ سے اور رسول اس کے سے اور جہاد سے بیچ راہ اس کی کے پس انتظار کرو یہاں تک کہ لاوے اللہ حکم اپنا اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم فاسقوں کو۔

اور دوسری جگہ فرمان ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ تو قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اپنے مال، جان اور اولاد بلکہ ہر چیز سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کا حق اولیٰ ہے۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نانا جان کے دین اور سنت کے خلاف ہوتے دیکھ کر اس کی حفاظت میں

اپنا مال، جان اور اولاد سب کچھ قربان کر کے ایک مثال قائم فرما کر قیامت تک کے لیے شیدایانِ سُنت کو اعلیٰ ترین سبق سکھایا، اور اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کی حفاظت کر کے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً کی حیات جاودانی حاصل فرمائی، اور یہی آپ کا عین مقصود تھا۔ اور قاتلانِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ	اور جو کوئی مار ڈالے مومن کو جان بوجھ کر پس سزا اس کی دوزخ
خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ	ہے ہمیشہ رہنے والا ہے اس میں اور غصے ہوا اللہ اس پر اور لعنت
وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۰ (پ۵ ۔ ر۱۱)	کی اس کو اور تیار کر رکھا ہے اس کے لیے عذاب بہت بڑا۔

کی نہایت سخت وعید کے مستحق ہو گئے۔ یہ چند روزہ حیات دنیا تو متاع الغرور ہے اور اصل زندگی دار الآخرت میں ہے۔ اس حیات دنیا میں تو کئی انبیا علیہم السلام شہید کر دیے گئے لیکن اس سے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ کے فرمان میں کوئی نقص واقع نہ ہوا کیونکہ انبیاء وشہدا اپنے فرضِ منصبی کو ادا کر کے حیاتِ ابدی میں مولیٰ کریم کے انعامات پر خوش اور فائز المرام ہیں۔ چنانچہ کلام مجید میں فرمایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ	اور مت گمان کر اُن لوگوں کو کہ مارے گئے بیچ راہ اللہ
اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ	کے مُردے۔ بلکہ زندہ ہیں نزدیک رب اپنے کے رزق
يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ	دیے جاتے ہیں خوش ہیں ساتھ اس چیز کے کہ دی ہے
مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ	ان کو اللہ نے فضل اپنے سے اور خوشخبری لیتے ہیں ساتھ
لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ	ان لوگوں کے کہ نہیں ملے ساتھ ان کے پیچھے ان کے سے
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۰ (پ۴ ۔ ر۸)	یہ کہ نہیں ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس زندگی کے متعلق ایک حکایت حضور بیان فرمایا کرتے تھے جو تذکرہ غوثیہ میں حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ سے نقل کی گئی ہے۔ ناظرین کے لیے مفید خیال کرتے ہوئے ذیل میں درج کی جاتی ہے:

"ایک روز ارشاد ہوا کہ ہم بریلی سے کاکوری کو چلے گئے تھے۔ سنا تھا کہ وہاں کے جنگل میں ایک درویش رہتے ہیں جن کو وحوش وطیور سے محبت اور انسانوں سے نفرت ہے۔ نہ اپنی کہتے ہیں نہ دوسروں کی سنتے ہیں رات دن گریہ وزاری سے کام ہے۔ بڑی تلاش کے بعد وہ ملے۔ رفتہ رفتہ باہم محبت ہو گئی۔ ہم نے حال دریافت

گیا تو کہنے لگے کہ:

میں ہندوستان سے بارادۂ حج چلا۔ بمبئی سے جہاز پر سوار ہؤا۔ قضا را جہاز تباہی میں آ کر پاش پاش ہو گیا۔ ایک تختہ کے سہارے میں تیسرے دن ایک پہاڑ کے قریب کنارے جا لگا۔ خدا خدا کر کے تختہ سے اُتر کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ بہت فاصلہ پر ایک دیوار نظر آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو اس میں کوئی دروازہ نہ تھا، مگر ایک بلند درخت دیوار کے قریب تھا، اس پر چڑھا اور دیوار پر سے اندر گیا۔ وہاں کی کیفیت کیا بیان کروں، ایک باغ دلکشا دیکھا، جس کا مثل نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔ روشیں مصفیٰ، نہریں جاری، رنگ برنگ کے طائر چہچہاتے اور قسم قسم کے میوے درختوں سے لگے ہوئے ہیں۔ لیکن انسان کا کہیں پتہ نہیں۔ میں حیرت میں رہ گیا کہ بار خدایا! یہ کیا مقام ہے؟ غرض کچھ میوے کھا پی کر ایک بارہ دری میں سو رہا۔ عصر کے وقت آنکھ کھلی، باغ کی سیر کرنے لگا۔ شام کے وقت اس خیال سے کہ مبادا یہ باغ جنّات کا ہو، ایک گوشہ میں جا چھپا وہاں سے دیکھا کہ آسمان سے ایک گروہ سواروں کا اُترا اور چمن میں ایک تخت اور فرش مکلّف بچھایا گیا۔ خدمت گار قرینہ بقرینہ کھڑے ہو گئے اور دو صاحب نہایت حسین اس تخت پر آ کر بیٹھے۔ کھانا تقسیم ہونا شروع ہؤا۔ میں دُور سے یہ سب کیفیت دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں سرداروں میں سے ایک نے فرمایا فلاں ابن فلاں ہمارے یہاں آج مہمان ہے اس کو بھی کھانا پہنچاؤ۔ میں یہ بات سُن کر متحیّر ہؤا اور دل میں کہنے لگا کہ الٰہی! یہ کون بزرگ ہیں؟ تھوڑی دیر میں ایک شخص میرے پاس کھانا لایا۔ میں نے کہا تم کون ہو اور یہ بزرگ کون ہیں؟ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کی قدم بوسی کروں۔ اس نے کہا میں بے اجازت کچھ جواب نہیں دے سکتا تم کھانا کھاؤ، میں اجازت طلب کر کے آتا ہوں۔ میں ہنوز کھا ہی رہا تھا کہ وہ شخص یہ مژدہ لایا کہ تمہاری درخواست منظور ہوئی، چلو قدم بوسی حاصل کرو۔ ہم لوگ شہید ہیں اور یہ باغ ہمارے رہنے کا مقام ہے اور یہ دونوں شاہزادے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ہیں۔ پھر تو میں خوشی کے مارے جامہ میں پھولا نہ سمایا۔ جھٹ پٹ جا کر قدم بوس ہؤا اور اپنا سارا حال عرض کیا۔ حکم ہؤا کہ اچھا تم اس باغ میں رہو۔ جب حج کا وقت قریب آئے گا تم کو بیت اللہ پہنچا دیں گے، خاطر جمع رکھو۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ میں بارہ دری میں جا کر سو رہا۔ اس دن سے مجھ کو دونوں وقت امامین ہمامین کی زیارت ہوتی، اچھے سے اچھا کھانا ملتا۔ نو مہینہ

بعد حج کا زمانہ آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ بعد حج حضور اسی جگہ مجھ کو پھر بلا لیں۔ فرمایا کہ اچھا اور ایک شخص کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو پہنچا دو۔ اس نے کہا کہ آنکھیں بند کرو۔ میں نے بند کر لیں۔ پھر کہا کھول دو۔ میں نے کھول دیں۔ دیکھا کہ بیت اللہ شریف میں کھڑا ہوں۔ میں نے حج کیا۔ پھر مدینہ منورہ کی زیارت کو گیا اور وہاں سے مکہ معظمہ میں واپس چلا آیا۔ اب مجھ کو ہر وقت یہ خیال رہنے لگا کہ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا، اب تک بلایا نہیں۔ آخر ایک دن اسی غم والم میں آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں اسی باغ کے اندر ہوں۔ بہت خوش ہوا اور سجدۂ شکر بجالایا۔ پھر وہی زیارت اور وہی کھانا نصیب ہوا۔ اسی طرح عیش و خوشی کے ساتھ چار مہینے گزر گئے۔ ایک دن میری جو شامت آئی تو عرض کیا کہ حضرت! گھر جانے کو جی چاہتا ہے۔ مگر اس وقت یہ کہنا بھول گیا کہ مجھ کو پھر بلا بھیجیے گا۔ ایک شخص کو اشارہ ہوا کہ اچھا اس کو پہنچا دو۔ اس نے آنکھیں بند کرا کے مجھ کو گھر پہنچا دیا۔ دو چار دن تو کچھ خیال نہ آیا، مگر پھر جو وہاں کی یاد نے زور مارا تو مجھ کو جنون ہو گیا۔ اب تک اسی فراق میں مبتلا ہوں۔

گو اس حکایت کی ضرورت نہ تھی اور فرمان مولیٰ کریم کا فی تھا جو مخالفین کے لیے بھی حجّت ہے۔ یہ حکایت تو محض ماننے والوں کے لیے قرآن پاک کی تصدیق کے مترادف ہے اس لیے درج کر دی گئی ہے۔ تو ایسی پاکیزہ اور خوش و خُرّم زندگی کا ہونا مقام خوشی ہے نہ کہ مقام غم۔ ہاں دشمن کے لیے ایسی حالت مقام رنج ضرور ہے۔ اور اگر وہ ایسی حالت پر روئے پیٹے تو مقام تعجّب نہیں۔ شاید اسی لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سُن کر سب سے پہلے یزید نے ماتم کی صفیں بچھانے کا اپنے گھر میں حکم دیا۔ اب اس کی مطابقت والے پیٹیں اور واویلا کریں۔ لیکن مومن کو تو مولیٰ کریم کی طرف سے مصیبت میں صبر کی تلقین ہے۔

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کے معنی

ایک دن ایک شاہ صاحب جو شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ قرآن پاک سے یہ ثابت ہے کہ شیعہ مذہب ہی درست ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ کا فرمان قرآن شریف میں صاف طور پر عیاں ہے۔ وہ صاحب اس بات پر بڑا زور دیتے اور ہر ایک کو یہ آیت

دکھا کر اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے چنانچہ ایک دن ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی انہوں نے یہ تذکرہ کیا۔ حضور نے فرمایا کہ شیعہ کا لفظ قرآن مجید میں صرف پیغمبروں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ گمراہ لوگوں اور کفار کے لیے بھی آیا ہے۔ چنانچہ فرمان مولیٰ کریم ہے

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ (پ۔ ۱۶)

پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ کر نکالیں گے جو خدا سے سخت سرکشی کرتے تھے۔

تو یہاں پر شیعہ سے مراد نافرمان اور سرکش لوگ ہیں۔ دوسری جگہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی قوم کے آدمی کے متعلق قرآن پاک میں هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ آتا ہے۔ اور فرعون کی قوم کے آدمی کو هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اسی شیعہ کو آگے چل کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ یعنی تو صریح گمراہ ہے۔ تو یہاں بھی یہ شیعہ گمراہ ہی ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں ٹولہ یا گروہ کے لیے شیعہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، آپ جو مفہوم اس سے نکالنا چاہتے ہیں وہ ہرگز نہیں نکلتا۔" یہ سن کر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔

ایک آریہ سے مکالمہ

حضور رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ مع برادرم سراج الدین صاحب شرق پور شریف تشریف لیجا رہے تھے کہ علی پور کے سٹیشن پر ایک آدمی جو کہ علی پور یا رسول نگر کا رہنے والا تھا اس نے حضور کی خدمت میں یہ سوال کیا کہ آریہ کہتے ہیں گو تمہارے مذہب میں گائے کا گوشت کھانا جائز ہے، بیشک کھاؤ۔ لیکن یہ جو آپ لوگ کہتے ہیں کہ ثواب اور نیکی ہے، اس کے کیا معنی؟ ایک جاندار کی جان ضائع کر کے اس کا گوشت کھا جانا اور پھر اسے عین دین اور کارِ ثواب سمجھنا چہ معنی دارد؟ آپ نے جواب دینے سے اجتناب فرمایا اور فرمایا کہ بھائی میں کوئی مولوی نہیں ہوں، کسی مولوی سے دریافت کرو۔ اس نے نہایت عجز سے عرض کیا کہ جناب! چاہے آپ مولوی ہوں یا نہ ہوں، بات صرف یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور ایک آریہ کا مناظرہ میں نے سنا ہے جس میں مولوی صاحب نے کوئی مسکت جواب نہ دیا، اس لیے میرا ایمان کچھ متزلزل ہو رہا ہے

اگر آپ فی سبیل اللہ کوئی جواب دے کر مطمئن فرما دیں تو عین شفقت اور مہربانی ہوگی"۔ یہ باتیں سُن کر حضور نے اس کو شافی جواب دے کر مطمئن فرما دیا۔ اتنے میں گاڑی آگئی اور آپ سوار ہو کر لاہور پہنچے۔

جب آپ سرائے سلطان سے موٹر پر سوار ہوئے تو اتفاق سے اسی موٹر میں ایک آریوں کا پنڈت اور دو تین اس کے ہمراہی بھی سوار ہوئے اور جو باتیں علی پور کے سٹیشن پر ہو چکی تھیں وہی انہوں نے آپس میں شروع کر دیں۔ ایک نے کہا کہ "مسلمانوں کے پاس اس کا جواب ہی نہیں"۔

حضور فرماتے کہ "یہی پنڈت صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب سے مناظرہ کرنے والے تھے۔ بڑے سلیم الطبع سنجیدہ، شائستہ اور اچھے خاصے پڑھے۔ لکھے تھے"۔ انہوں نے بھی کہہ دیا کہ "واقعی مسلمانوں کے پاس اس چیز کا جواب ہے ہی نہیں"۔ حضور نے فرمایا "وہ کونسا مسئلہ ہے جس کا مسلمانوں کے پاس جواب نہیں"؟ تو اس پنڈت نے وہی لفظ دوہرا کر کہا "اگر آپ کے پاس کوئی جواب ہو تو بڑی خوشی سے آپ بات چیت کر سکتے ہیں، میں قرآن و حدیث سے بھی اچھی طرح واقف ہوں"۔ ہمارے حضور نے فرمایا کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو آپ سمجھیں گے نہیں، اور دوسرا عام فہم ہے"۔ تو پنڈت صاحب بولے "پہلے وہ جواب دیجیے جو میں سمجھ نہیں سکتا"۔ تو حضور نے بیان فرمایا کہ "ہستی حقیقت میں ایک ہے، جس میں تغیّر روا نہیں ہے لہٰذا جانور کے ذبح ہونے سے ہستی میں کوئی فرق لاحق نہیں ہوتا۔ تو پھر ظلم کیسا"؟

پنڈت صاحب نے کہا "واقعی میں اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ لہٰذا آپ دوسرا جواب دیں۔

حضور نے فرمایا "کیا آپ کے مذہب میں کوئی پُن (نیکی) ہے؟

پنڈت نے کہا: "بے شمار ہیں"۔

حضور نے فرمایا: "کسی بھوکے کو کھانا کھلانا یا کسی پیاسے کو پانی پلانا بھی پُن (نیکی کا کام) ہے"؟

پنڈت: "بہت بڑا پن ہے"۔

حضور: "ایک جان کو ضائع کر کے بہت سی جانوں کو بچانا زیادہ اچھا ہے یا بہت سی جانوں کو تباہ کر کے ایک کو راحت پہنچانا"؟

پنڈت: "ایک جان تلف کر کے بہت سی جانوں کو بچانا"۔

حضور: "آپ نے تسلیم کیا ہے کہ پیاسے کو پانی پلانا بہت بڑا پُن ہے۔ ذرا خوردبین لے کر آپ دیکھیں کہ پانی کے ایک پیالہ میں کتنی جانیں ہوتی ہیں جو آدمی کے پی کر کلیجہ ٹھنڈا کرنے سے تڑپ کر مر جاتی ہیں۔ آپ اتنی جانوں کے تلف کرنے سے ایک کی راحت کے سامان کو پُن سمجھتے ہیں۔ تو ہم اگر ایک جان (گائے) کی قربانی کر کے بہت سے مسکینوں کا پیٹ بھرتے ہیں تو کیا یہ پُن نہ ہوگا"؟

یہ سُن کر پنڈت جی ٹھنڈے ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد بولے: "یہ جواب واقعی کسی نے آج تک نہیں دیا"۔ شرق پور شریف پہنچنے تک دو تین مرتبہ یہی فقرہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دوہرایا۔ جب شرق پور شریف پہنچے تو حضور نے اپنے منزل مقصود کی راہ لی اور پنڈت جی بھی اُتر کر چلے گئے۔ جو غالباً شرق پور شریف میں کسی آریوں کے جلسے میں جا رہے تھے۔

ایک دہریہ کے اعتراضوں کا جواب

ایک مرتبہ کسی ارادت مند نے حضور کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں کسی دہریہ کے متعدد اعتراضات درج تھے۔ یہ عریضہ بھیجنے والے ایک سکول ماسٹر تھے جن کے ہیڈ ماسٹر دہریت زدہ تھے اور انہی کے اعتراضات کا جواب طلب کیا تھا حضور رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اعتراضوں کا بالترتیب جواب تحریر فرمایا۔ جس کی ایک نقل بندہ نے رکھ لی تھی۔ احباب کے لیے مفید سمجھتے ہوئے بلفظہٖ ذیل میں درج کرتا ہوں:

"سلام مسنون!

چند دن ہوئے، آپ کا ارشاد نامہ موصول ہو کر کاشفِ حالات ہُوا ــــــ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "مجھے ان دنوں ایک ایسے صاحب سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ جن کے ذیل کے خیالات نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے" ــــــ اگر آپ کو اللہ و رسول اور روزِ آخرت پر ایمان ہے تو ان کے فضول خیالات کے اثر سے ورطۂ حیرت میں پڑنا سخت گمراہی کا باعث ہے۔ خداوند کریم کی ہستی کا کچھ نہ کچھ اقرار تو کرتا ہے خواہ انکار کی رو سے ہی ہو، لیکن وہ قرآن مجید اور خداوند کریم کے فعل کا صریح انکار کرتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ ہو رہا ہے کہ وہ مالکِ کائنات کا ہی انکار کر رہا ہے اور تخلیق الٰہی کو انسانوں کی تخلیق بتاتا ہے۔ اگر بالفرض پیدائش کے

رو سے لنگڑا، لوہلا، اندھا، ناقص الخلق کو تخلیق انسانی بتاتا ہے۔ تو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ انسانی پیدائش اول کا خالق کون ہے؟ اور اگر اس میں مادہ تصوّر کرے اور یہ جانے کہ یہ خود بخود بن گئے ہیں تو زمین و آسمان کا بنانا، ستاروں اور سورج چاند کا چلانا، تمام نظامِ شمسی کا سلسلہ خود بخود چل رہا ہے، اس کا خالق کوئی نہیں، تو اتنی مدت میں کیا مادہ کمزور ہو گیا ہے؟ یا سارا خرچ ہو گیا ہے؟ ورنہ چاہیے تھا کہ کئی سورج اور چاند ستارے اور کئی قسم کے معدنیات اور نباتات جدید پیدا ہوتے رہتے۔ مگر وہی سورج اور وہی چاند اپنے کام میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں، اور آج تک اس زبردست مادّہ نے کوئی نئے سورج چاند اور ستارے نہیں بنائے۔

خیال ۱: "انسانی زندگی کا کوئی مقصد نہیں"۔

جواب: انسانی زندگی بلا مقصود نہیں۔ اس کا حاصل یا مقصود انسان کے لیے مقصد ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو ایسی ہستی عنایت فرمائی ہے جو مر کر یا کسی عالم میں بھی منتقل ہونے سے مفقود نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہوگی۔ گو خداوند کریم کا اس میں ذاتی مفاد نہیں ہے لیکن مقصد اس سے یہ ہے کہ یہ اپنی ہستی کو پہچانے اور ابدی زندگی جیسا کہ اس کو حاصل ہے فائدہ اُٹھاتا رہے۔

خیال ۲: "خداوند کریم انسانوں کے معاملہ میں کبھی دخل نہیں دیتے۔ لولے، لنگڑے، بہرے، گونگے، فاترالعقل ہماری اپنی تخلیق ہیں"۔

جواب: اگر یہ انسانی تخلیق ہے اور خداوند کریم کا اس میں کوئی دخل نہیں تو چاہیے تھا کہ لولے لنگڑے بہرے پیدا نہ ہوتے۔ گو یہ نقائص سائنس کی رو سے والدین کے کسی نقص کا نتیجہ ہیں لیکن یہ بھی قدرت کے منافی نہیں ہو سکتا کیونکہ انہی والدین کی اولاد میں تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی اندھا، کوئی بہرا اور کوئی تندرست۔ اگر یہ تخلیق انسانی مان لیا جائے تو چاہیے تھا کہ اولاد نرینہ اور تندرست پیدا ہوتی۔ کیونکہ والدین یہ کبھی نہیں چاہتے کہ ہماری اولاد ناقص پیدا ہو۔ اور یہ مسلّمہ امر ہے کہ تخلیق انسانی دو قسم پر ہے، جسمانی اور رُوحانی جسمانی میں کسی قسم کا نقص والدین کے عارضہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے لیکن تخلیق رُوحانی جو سراسر فعل خداوندی پر مبنی ہے اس میں کسی قسم کا نقص نہیں ہو سکتا۔

خیال ۳: "علم امن کی راہ میں رکاوٹ ہے"۔

جواب: علم کی ضد جہالت ہے اور جہالت اندھاپن ہے، جس سے کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ نہ معلوم کہ علم کس امن کے راستہ میں روکاوٹ ہے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ اگر آپ کے نزدیک علم امن کے راستہ میں روکاوٹ ہے تو یہ دانش جس سے امن کے راہ میں روکاوٹ معلوم ہوئی ہے، علم نہیں ہے؟ پھر انکار کس بات کا ہے؟

خیال ۴: "جرائم کوئی گناہ نہیں۔ دُکھ انسانی تخلیق ہیں اور خود انسان ذمہ دار ہے۔"

جواب: اگر جرم کوئی گناہ نہیں تو عدل و انصاف یا ظلم کی حقیقت کیا ہوگی؟ اس کے کیا معنی، جبکہ کوئی فعل بھی جرم نہ رہا تو ذمہ داری کس کی اور کس پہ؟ اس میں کلام نہیں کہ دُکھ یا گناہ ایک وجہ سے انسانی تخلیق ہو سکتے ہیں لیکن امر و نواہی اور معصیت خدا کے حکم سے مقرر کردہ ہیں جو انسانی افعال سے بنتے ہیں۔

سوال ۵: "اللہ کریم کا تخلیق زندگی سے کیا مقصد تھا، اور ہر چیز زندہ کا خواہ انسان ہو یا حیوان یا نباتات، زندگی میں کیا مقصد ہے"؟

جواب: مقصد الٰہی علم اور ظہور کے سوا نہیں ہے۔ علم کی نسبت انسان کی طرف ہے اور ظہور کی نسبت ذات باری کی طرف تاکہ ہر چیز جو اپنے اصل کی طرف راجع ہے، پہنچکر مقصود حاصل کرے اور مشیتِ خداوندی کی رضامندی اور خوشنودی کو حاصل کرتے ہوئے اپنے مقام پر پہنچے، جو عین مقصد ہے۔

سوال ۶: "اگر جن و انسان کی زندگی کا مقصد عبادت ہے تو عبادت سے مراحل زندگی کیوں آسانی سے طے نہیں ہوتے"؟

جواب: لِیَعْبُدُوْنَ سے صرف عبادت ہی مقصود نہیں۔ عبادت اطاعت کے میدان کا شجر ہے۔ اور یَعْبُدُوْن سے عبد یعنی بندہ بنتا مراد ہے تاکہ اصلی مطلب حاصل ہو۔ اور عبادت دنیاوی مراحل کے لیے دستاویز نہیں۔ عبادت مراحل زندگی طے کرنے اور روحانیت کے حصُول و ترقی کے لیے ہے نہ کہ مراحل دنیاوی زندگی کے لیے۔ دنیاوی زندگی میں ہر ایک انسان کے لیے قوت لایموت کے سوا کچھ حصہ نہیں۔ خواہ بادشاہ ہو یا گداگر، خورش و پوشش، گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے مکان و سامان وغیرہ کے سوا چارہ نہیں اور ذاتی حصہ ہر ایک انسان کا میدان دنیا میں یہی ہے۔ معدنیات، نباتات، سب اس کی ضروریات کے لیے

مولیٰ کریم نے پیدا کیے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کی خاطر زمین و آسمان و ما بینہما خلقت کیے گئے ہیں، اور ان سب کی خلقت کا مقصود یہی ہے۔ اور انسان کو محض اپنی محبت کے لیے بنایا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کے اصل مقصود کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ اعتراض کے لیے تو قرآن مجید کی آیات کو کام میں لا رہے ہیں اور اقرار کرنا آپ کے لیے لاحاصل ہے۔ ورنہ اس کتاب اللہ میں جس کی زیر و زبر میں تیرہ سو سال سے فرق نہیں آیا اور نہ ہی اپنی مثل کوئی کتاب رکھتی ہے۔ اور اپنی صداقت کے لیے آپ ہی شاہد ہے۔ منکرین اور کافرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمان ہو رہا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کی مثل ایک سورت یا ایک آیت ہی سہی، بنا دکھاؤ۔ تیرہ سو سال سے کسی منکر سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ چونکہ بدنصیبی سے آپ اس کو لاحاصل سمجھ رہے ہیں، اس کا حوالہ دینا بے سُود ہے۔

تواریخ اور تجربہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ شروع دنیا سے آج کے دن تک یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا و مافیہا یعنی مال دنیا و اقتدار دنیا یا محبت دنیا یا دوسرے لفظوں میں دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش اور آزادی ہی خدا و رسول اور صراطِ مستقیم و مراحل روحانیت اور اصل مقصود کے راستہ میں حجاب اور روکاوٹ کا باعث ہوتی رہی ہے، اور ہے، اور رہے گی۔

گو یہ تحریر کرنا میرے نزدیک کفر ہے لیکن نقل کفر کفر نباشد کے ماتحت میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر قرآن شریف اور اس کے احکام حق ہیں تو منکرین و کافرین کا کیا حال ہو گا جب وہ کہیں گے ہم نے حق کو دیکھ لیا ہم کو ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم جو کرتے تھے وہ نہ کریں اور جو نہ کرتے تھے وہ کریں۔ جواب ملے گا سوچنا تھا تو پہلے سوچ لیتے۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔

سوال ۷: "خویش پروری، قبیلہ پروری، ناانصافی، رشوت ستانی کیوں راہِ راست پر چلنے والوں کی حق تلفی کا موجب ہیں؟"

جواب: یہ سب جرائم ہیں اور سوال ۳ میں آپ نے فرمایا ہے کہ جرائم کوئی گناہ نہیں۔ تو پھر اس بات پر تبصرہ یا اس کا حل فضول ہے۔ پہلے آپ کو چاہیے کہ اپنے سوال کو درست کریں۔ کیونکہ آپ کے نزدیک جبکہ گناہ جرائم ہی نہیں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ تاہم مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ:

خداوند کریم جلّ جلالہٗ نے میدانِ دنیا میں انسان کو توفیق سرشتی یعنی تخلیق صحیحہ سے کسی حد تک مختار کیا ہے۔ چاہے وہ انکار کر کے کافر ہو یا تسلیم کر کے مسلمان، نیک کرے یا بد، ظالم ہو یا رحیم، غاصب ہو یا منصف، دنیاوی زندگی کا بندہ ہو یا آخرت کا یا خدا کا۔ یہ تمام فسادات زر، زن، زمین کے طالبوں سے ہی سرزد ہؤا کرتے ہیں۔

سوال ۸: "اگر جہان کی رُوحِ رواں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے تو پیغمبروں کو کیوں قتل کیا گیا"؟

جواب: نہ معلوم رُوحِ رواں سے آپ کی مراد کیا ہے۔ اگر رُوحِ رواں سے روحانیت اور اس کی روانگی یعنی مدارج مقصود ہے تو پیغمبروں کا راہِ حق پر قتل ہونا اس کے منافی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی رُوح روانگی میں کسی قسم کا فرق آسکتا ہے۔ پیغمبروں کا قتل کرنا نا مطابقت کے سوائے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ نہ وہ دنیا کے طالب تھے اور نہ کسی ریاست کے۔ بحکم خدا محض ہمدردیٔ خلق اور رُوحِ رواں کا سبق دینے والے عین ہمدرد اور ابدی زندگی کے اُستاد تھے۔ جو انکار کرنے والوں یعنی منکروں کو حجابات کی وجہ سے ناگوار گزرا۔ جیسا کہ آج بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ رُوحِ رواں کا صریح انکار ہو رہا ہے۔ صاف گمراہی ہے۔ اسی وجہ سے پیغمبروں کو قتل کیا گیا۔

سوال ۹: "اگر واقعی خداوند کریم کے ہاتھ زمین و آسمان کا انتظام ہے تو کیا وجہ ہے کہ مکّار یا زبردست کمزور پر ظلم بھی کرتا ہے اور عیش سے دنیاوی زندگی نہ صرف خود بلکہ اس کی کئی پشتیں بسر کرتی ہیں۔ دیانتدار مزدور کو اس کی محنت کا وہ عوض نہیں ملتا جو رشوت دینے والے چاپلوس کو ملتا ہے۔ کیا مظلومیت سے اکثر افراد کی انصاف و غیرت کی حسّ مُردہ نہیں ہو جاتی؟ کیا خداوند کریم ایسے ظالموں کی مدد کر کے خود یہ ثابت نہیں کر رہا کہ خدا کا ہاتھ زبردست کے کندھے پر ہے۔ وہ ظلم کر سکتا ہے، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو کھا سکتی ہے"؟

جواب: زمین و آسمان کا انتظام واقعی خداوند کریم ذوالجلال والاکرام مالک کائنات کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں شک کرنا نادانی ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو توفیق سرشتی کی طاقت اور ہمت دے کر آزمائش کے میدان یعنی دنیا میں کچھ عرصہ کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ تاکہ اس اختیار سے جو کسی قدر اس کو دیا گیا ہے، اپنے لیے نیک و بد کا حامل بنے۔ اور پیغمبروں کے ذریعے اس کو مطلع بھی کر دیا گیا۔ مگر افسوس کہ منکرین کے لیے ایسی اطلاعات کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا، تاہم یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی وجہ سے حقانیت اور سنت الٰہی رائگاں ہو جائے

تا قیامت یہ سنت جاری اور ساری رہے گی۔

خداوند کریم ذوالجلال والاکرام کبھی ظالم کی مدد نہیں کرتے۔ محض اپنی سنت کے مطابق ان کی رسی کو ڈھیلا کرنا اور جدھر وہ چلیں ان کو چلنے دینا یہ اس مالک موجودات کی پر زور تدبیر کا نتیجہ ہے

دیکھیے! فرعون نے کس قدر ظلم کیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا اور لڑکیوں کو قبطیوں یعنی اپنے قبیلہ کے لڑکوں کے لیے زندہ رہنے دیتا جس سے اس کا مقصد بنی اسرائیل کی نسل کو ختم کر دینا تھا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبعوث ہونے کے بعد ہر طرح سے اس کو سمجھایا گیا اور آیاتِ الٰہی دکھا کر اس کی تسلی وتشفی کی گئی، اور صراط مستقیم پر لانے کی ہر چند کوشش کی گئی، لیکن اس کی بادشاہت اور اس کے خدا بننے نے اس کو صراط مستقیم پر نہ آنے دیا۔ اور واقعی آج بھی یہ ایسی چیز ہے جو حق سے باز رکھنے والی ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بددعا کے وقت خداوند کریم سے حقیقت کا انکشاف کیا اور کہا کہ یا اللہ! یہ جو اقتدار و دولت مندی آپ نے ان کو دے رکھی ہے ان کی گمراہی کا سبب بنا ہے چاہیے تھا کہ یہ شکر کرتے اور تیرے تابعدار بنتے۔ لیکن انہوں نے بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھایا ہے۔ بالآخر ان کا کیا حشر ہوا؟ تو تاریخ کے اوراق اس سے رنگین ہیں اور سند کے لیے کافی۔ اسی راستہ اسی دریا میں جس سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخیریت تمام مع قوم کے پار اتار دیا تھا، فرعون کو مع اس کے لشکر کے ڈبو دیا۔ کئی اقوام کو مع اُن کے خداؤں کے ایک وقت معین پر یعنی حجت ختم کرنے کے بعد برباد کر دیا۔ اگر آپ کے اصول کے مطابق ظالموں کے کندھوں پر خدا کا ہاتھ ہوتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ اس لیے آپ کا اصول درست نہیں ہے، اور ایسے خیالات سے توبہ کرنی لازم ہے۔

بڑی مچھلی کا چھوٹی مچھلیوں کو کھا جانے سے اگر آپ کی مراد محض انسان ہی ہے تو انسان کو انسان نہیں کھاتا۔ اور اگر مثالی صورت یعنی حق تلفی اور ظلم پر مبنی ہے، تو اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ آزمائش کے میدان میں انسان کو کچھ اختیار دیا گیا ہے۔ اور حقوق کے تحفظ کے لیے ہر پیغمبر کو شریعت عطا فرمائی گئی ہے جس پر پابند رہ کر ظلم اور زیادتی یعنی حق تلفی سے بچے۔ رہا موجودات کا سوال، تو یہ بھی اوپر گزر چکا ہے کہ ساری موجودات یعنی زمین و آسمان وما بینہما کو انسان کی خاطر بنایا ہے۔ اور ساتھ ہی قرآن مجید میں ہے کہ اُن چیزوں کو جو میں نے

اپنی قدرت سے بنائی ہیں کھاتے ہو اور کچھ مؤاخذہ نہیں۔ کھاؤ اور خدا کا شکر کرو۔ یہ صرف انسان کے لیے ہیں، جس کو خداوند کریم نے اشرف المخلوقات، تمام چیزوں سے بزرگ، صاحب عزّت اور اپنی محبت کا امین بنایا ہے۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں تو اس لیے کہ ایک کو دوسرے کی خوراک بنایا ہے اور ہر ایک کو اپنی شکل وصورت اور سیرت کے لحاظ سے اپنے اپنے کام میں لگایا ہے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ کے مطابق ہر ایک اپنی خلقت کے مطابق کام کرتا ہے اور اپنے وجود کے مطابق خوراک حاصل کرتا اور کھاتا ہے۔ جیسے باز چڑیوں، فاختہ وغیرہا کو، شیر دوسرے جنگلی جانوروں کا خون پی جاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس یہ سب ایک دوسرے کی خوراک ہیں، اور یہ ظلم نہیں ہے۔ حلال وحرام، جائز وناجائز، ظلم وانصاف، حق پرستی اور انکار، صراط المستقیم اور گمراہی یہ سب نشیب وفراز انسان کے لیے ہے اور اسے اس میں تمیز کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ یہ حق اللہ ورسول نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ جو شخص اس کو تسلیم نہ کرے اور اپنے فاسد خیالات کو مقدم رکھتا ہوا ان کو پیش کرے تو اس کا فرض ہے کہ سند پیش کرے، ورنہ کاذب ہے۔ کیونکہ اگر اس عمل کو بھی وہ ظلم خیال کرے تو وہ خود اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً:

نباتات، جیسے درخت، پودے، گندم اور پھل وغیرہ، یہ سب زندگی رکھتے ہیں اور ہمارے روبرو یہ نشوونما پاتے ہیں۔ سائنس دانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ ہنستے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں۔ جب کسی درخت کا کوئی حصہ کاٹ دیا جاتا ہے تو وہ روتا ہے، اور اس کے برعکس جب اس کو خوراک یا خوشگوار ہوا ملتی ہے تو ہنستا ہے لیکن اس کا عمل ہمارے کانوں تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ہمیں اس کا احساس ہوتا ہے۔

اب لیجیے حیوانات، مثلاً تیتر، مُرغ وغیرہا تمام پرندے جو اسلام نے ہمارے لیے حلال کیے ہیں ان کا ذبح کے وقت پھڑکنا اور بعض جانوروں کا فریاد کرنا ہمارے سامنے محسوس ہوتا ہے۔ اگر حکم الٰہی کے مطابق حلال وحرام کی وجہ پر ہمارے لیے جائز کی صورت نہ ہو تو ہم سب ظالم ہیں۔ بعض جانوروں کو ہم اسی غرض سے پالتے اور خدمت کرتے ہیں اس لیے ان پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ لیکن بعض مثلاً شکار پرند، ہرن وغیرہ کو پکڑ کر ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اسلام اور حکم خدا کی دستاویز ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کس قدر ظلم ہے؟ اگر ہم ان کو بلا وجہ پکڑ کر کھا جاتے ہیں تو بڑے بھاری ظالم ہیں۔

نباتات سے شلغم، گندم، چاول، چنے وغیرہ سب کھاتے ہیں۔ اور پانی کے بغیر کسی چیز کی زندگی ممکن نہیں۔ فرمان مولیٰ کریم ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ یعنی تمام چیزوں کی زندگی اسی پر رکھی ہے۔ خواہ وہ نباتات سے ہو یا حیوانات سے۔ خصوصاً انسان۔ تو ذرا خوردبین سے پانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ ہزارہا زندہ جراثیم اس میں موجود ہیں۔ جس کو صرف پیاس بجھانے کے لیے پیا جاتا ہے۔ اور وہ معدے میں جا کر زندہ درگور کی طرح سب کے سب مر جاتے ہیں۔ تو یہ بھی کتنا بڑا ظلم ہے۔ مسلمان تو اس ظلم سے اپنے اصول کے لحاظ سے بَری ہے لیکن خدا کے احکام کا منکر کس قدر ظلم کا مرتکب ہے۔ فافہم۔

سوال ۱۱: "اسلام سچا مذہب نہیں، کیونکہ خدا کے اعمال قرآنی احکام سے اکثر غیر متفق ہوتے ہیں۔ مظلوم کی دعا منظور نہیں ہوتی لیکن وہ ابن الوقت جو اس حلال و حرام میں جو مذہب سکھاتا ہے تمیز نہیں کرتا وہ حکمران ہے اور مظلوموں میں غلامی کی رُوح پھونک رہا ہے ——— کیا وجہ ہے کہ بدر میں تو فرشتوں نے حق پرستوں کی مدد کی لیکن کربلا میں نہ کی؟ ——— کیا دعا محض ایک عبادت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی اعانت جو موافق اسباب مہیا ہونے میں ملنی چاہیے تھی، نہیں ملتی۔ کیونکہ مکار لوگ پیر اور صوفی خدا رسیدہ ہونا دکھا کر لوگوں کو عملاً غلام بنا لیتے ہیں ——— لولے، لنگڑے، اندھے، بہرے، گونگے، فاتر العقل نے پیدائش سے پہلے یا پیدائش کے بعد نااہل ہاتھوں میں پرورش پاتے وقت کونسا گناہ کیا تھا جس کی پاداش میں اس کی زندگی کئی ایک دنیاوی نعمتوں سے محروم کر دی گئی؟

جواب: یہ اعتراض قرآن شریف کے احکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کلام اور احکام میں اختلاف بالکل محال ہے۔ دیکھیے! قرآن شریف میں فرمان ہو رہا ہے کہ میں ہر مضطر کی دُعا سنتا ہوں۔ دُعا دراصل کسی حاجت کے لیے رجوع الی اللہ ہوتا ہے۔ مظلوم یا تو انتقام کے جذبوں میں مستغرق رہتا ہے یا خدا پر گلہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے نہ تو اس میں اضطرار پیدا ہوتا ہے اور نہ رجوع ہی باخلاص درست ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی دعا رائگاں ہوتی ہے۔ مومن کامل جب رجوع کرتا ہے تو اس کی دُعا فوراً منظور ہوتی ہے بلکہ اس کی زبردست امداد کی جاتی ہے۔ اور رسم و رواج کی دعا سے ان کی دعا بھی نرالی ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱) جب ابرہہ بادشاہ نے بیت اللہ شریف کو گرانے کا فاسد ارادہ کیا اور مع اپنی فوج اور ہاتھیوں کے

چڑھائی کی تو حضرت عبدالمطلب نے خداوندکریم جل جلالہٗ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ "میرے اللہ! یہ تیرا گھر پڑا ہے، میں تو چند اونٹنیاں لے کر جا رہا ہوں، مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ابرہہ کا مقابلہ کروں"۔ بحکم خدا اسی وقت چھوٹی چھوٹی چڑیوں نے کنکر پھینکنے شروع کر دیئے۔ وہ جس پر پڑتے پار نکل جاتے اور ایک آن میں سب کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

(۲) جب اصحاب کہف نے مولیٰ کریم سے التجا کی کہ "ہم کو اس ظالم بادشاہ سے محفوظ کر دیجیے"۔ تو حکم ہوا کہ فلاں پہاڑ کی طرف چلے جاؤ۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ان کو باران رحمت کی چادر کے نیچے ایسی عجیب نیند دے کر سلایا کہ جب وہ جاگے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے؟ اور یہ اندازہ لگایا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھیرے ہیں۔ حالانکہ تین سو نو سال گزر گئے تھے، نہ ہی وہ بادشاہ رہا اور نہ ہی اس کی سلطنت۔ یہ ان کی دعا کا اثر تھا کہ نہ تو ان کی قوت میں فرق آیا اور نہ اتنی طویل مدت سے علم ہوا۔

(۳) جب حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نمرود نے بہت بڑی چِخہ تیار کی اور اس میں ان کو گرا کر آگ لگا دی گئی تو جبریل علیہ السلام نے فوراً حاضر ہو کر عرض کیا کہ "حضرت! آپ کو کوئی حاجت ہے"؟ فرمایا حاجت تو ہے لیکن تم سے نہیں۔ جبریل علیہ السلام بولے "تو پھر خدا سے ہی التجا کرو"۔ فرمایا کہ وہ میرے حال کو دیکھ رہے ہیں۔ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا یَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰٓى اِبْرَاهِيمَ آگ اسی وقت ٹھنڈی ہو کر گلزار ہو گئی، اور تاریخ اس پر شاہد ہے۔ بمصداق ؎

فضل ساعت کار صد سالہ کند   نار ابراہیم را لالہ کند

نہ تو اس جگہ دُعا اور نہ اس کے الفاظ ثابت ہیں۔ محض نور ایمانی سے التجا تھی، صرف رجوع الی اللہ ہی تھا۔ ایسے کئی واقعات قرآن کریم میں موجود ہیں جن پر تاریخ شاہد ہے۔

رہا دنیا و مافیہا، جس کو خداوند کریم نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر نہیں ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے "میرے حبیب! کافروں کا بازاروں میں چلنا پھرنا اور ہر طرح کا آرام و آسائش تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ ایسوں کا حصہ سوائے آگ کے اور کچھ نہیں۔ آج یہی ایک ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں، ایسی غرقابی ہے جس سے نجات کی امید نہیں، ایسا دریا ہے جس کا کوئی ساحل نہیں، ایسی

گمراہی ہے جس کا کوئی راستہ نہیں، ایسا اندھیرا ہے جس کے لیے چراغ نہیں۔ طالب دنیا و اقتدار کے شیدا اسی صحرا میں سرگرداں ہیں اور رہیں گے۔ یہ ایسی شیرینی ہے جس میں زہر ملا ہوا ہے۔ خداوند کریم سے انکار، قرآن شریف پر اعتراض اور دین الحق سے اعراض کا سب سے بڑا سبب یہی ہے، الامان۔ ہمارے اسی حال کے مطابق مولیٰ کریم کا فرمان اظہر من الشمس ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ سب ایک جماعت ہو جائیں گے یعنی کفار کی شان و شوکت دیکھ کر صراط المستقیم سے بھٹک جائیں گے تو ہم کافروں کے مکانات سونے چاندی کے بنا دیتے۔ مولیٰ کریم کے نزدیک رزق کی فراخی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک عام، دوسرا خاص۔ عام کے لیے فرمان ہو رہا ہے يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔ یعنی جس کے لیے چاہتے ہیں رزق کھول دیتے ہیں اور جس کے لیے چاہتے ہیں تنگ کر دیتے ہیں۔ اور یہ عین حکمت ہے۔ جیسا کہ فرمان ہو رہا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ (پ ۲۵ - ۴)	اور اگر خدا اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دے تو زمین میں فساد کرنے لگیں۔ لیکن وہ جو چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے

ہر آدمی آسائش اور مالداری حتیٰ کہ بادشاہ ہونا چاہتا ہے اور ہر ایک اپنے لیے ہر قسم کی دعا مانگتا ہے، جس کے وہ قابل نہیں ہوتا۔ مولیٰ کریم زمین میں فساد نہیں چاہتے۔ اگر بالفرض سب کی یہ دعائیں منظور ہو جائیں تو نظام دنیا قائم نہ رہ سکے۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کی خدمت کرنے کے قابل رہ سکے۔ جو سنت اللہ کے مطابق ہے۔ دوسری تقسیم خاص ہے جو مومنین مخلصین کے لیے ہے۔ چونکہ یہ دنیا اور اس کی نعمات سراسر اسباب گمراہی اور آخرت سے لاپرواہی کا باعث ہیں، مومن کو اس آفت سے بچانے کے لیے جب تک مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ کا عمل نہ ہو جائے، نہیں دیتے۔ بعد میں اس قدر دیتے ہیں جو ضرورت سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس لیے کہ پھر اس کو بادشاہی بھی نقصان نہیں دے سکتی۔ دنیا سے قدم اُٹھ جاتے ہیں اور یہ حجاب دل سے اُتر جاتا ہے۔ ہمہ تن آخرت اور اپنے مولیٰ کریم کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ ہزارہا ایسی مثالیں دنیا کے ماضی اور حال میں دیکھنے میں آئی ہیں۔

بدر میں فرشتوں کا مدد کرنا محض خداوندی عنایت کا ظہور تھا۔ کیونکہ کفار اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ چند مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے نئے مذہب کا صفایا کر دیا جائے اور خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا تھی کہ الٰہی! اگر آج یہ چند مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو دنیا سے اسلام مٹ جائیگا اور تیرا صحیح نام لینے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ خداوند کریم ذوالجلال والاکرام نے وحی کے ذریعہ آپ کو بشارت دی کہ ایسا نہیں ہوگا اور آپ کی فتح ہو گی۔ لیکن کربلائے معلّٰی میں آزمائش تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ حق پر تھے اور سوال صرف یزیدیوں کی طرف سے بیعت کا تھا۔ آپ نے باطل کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا ؎

سر داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

جنگ بدر میں بھی حق کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی گئی اور میدان کربلا میں بھی حق کو قائم رکھنے کے لیے یہ شہادت ظہور میں آئی جو تا قیامت سند باقی رہے گی۔ آپ نے قرآن حکیم کی آیت لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا پر عمل کر کے دنیا والوں کے لیے بہت بڑا سبق چھوڑا کہ خواہ کچھ ہو جائے حق کے لیے مال اور اولاد اور اپنی جان تک سے گریز نہ کیا جائے ؎

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ مکار لوگ خلقت کو دھوکا دے کر خدا رسیدہ بنے بیٹھے ہیں اور خلقت کو بے دام غلام بنا رکھا ہے۔ دراصل اکثر بے دین اور جاہل لوگ ہی ان کے دام میں پھنستے ہیں۔ لیکن اس فریب سے اصلیت گم نہیں ہو سکتی ؎

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ پیر بھی دنیا کے طالب ہوتے ہیں اور مرید بھی۔ اس لیے ان کی مناسبت ہو جاتی ہے۔ خدا طالب کو خدا رسیدہ مل جاتے ہیں اور دنیا کے طالب کو دنیا دار۔ سب کو ایک پلیٹ فارم

پر کھڑا کرنا سخت غلطی اور راستہ سے محرومی کا باعث ہے۔ یہ مرید بننے والوں کی غلطی ہے کہ وہ تمیز نہیں کرتے اور اہل نااہل کو نہیں پہچانتے۔ ورنہ دیکھو بزرگانِ دین کی تعلیم ؎

اے بسا ابلیس رُوئے آدم است
پس بہر دستے نباید داد دست

لنگڑے، لولے وغیرہ کے متعلق پہلے کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مکرر تحریر ہے کہ کسی گناہ کے باعث ناقص الخلق ہونا ضروری نہیں۔ تناسخ اور آواگون کا چکر اہلِ ہنود کا عقیدہ ہے جو درست نہیں۔ اسلام نے تو ایک سیدھا سا اصول بتا دیا ہے کہ وہ خلّاق العلیم اپنی مخلوق میں جو چاہیں اور جیسا چاہیں پیدا کر دیں۔ فرمایا ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ط یعنی وہ ذات پاک ہی رحموں کے اندر جس طرح چاہتے ہیں تمہاری صورتیں بنا دیتے ہیں۔ اور نہ ہی ہمارے ناقص علم و عقل کے لیے ہر چیز کی علّت اور رلم کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اگر ہم ایسے اعتراض کرنے شروع کر دیں اور ہر چیز کی ٹٹول اور کُرید کرنے لگیں تو اس ضمن میں یہ بھی کہیں گے کہ کُتّے اور خنزیر وغیرہ کا کیا گناہ تھا کہ انہیں کُتّا اور خنزیر بنایا گیا۔

ظاہر ہے کہ تمام لنگڑے، لنجے، اندھے، بہرے اور فاتر العقل وغیرہ صرف مادر زاد ہی نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ ان میں سے اکثر پیدائشی طور پر صحیح الجسم اور تندرست ہوتے ہیں۔ بعد میں کسی عارضہ بیماری یا حادثہ وغیرہ کے سبب سے ایسے ہو جاتے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کس گناہ کی پاداش میں یہ ایسے ہوئے؛ کیا ان تمام امراض و حادثات کے وقوع کی تمامتر ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے؟ نہیں، بلکہ وہ مالک الملک ذوالجلال والاکرام یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اور یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ کے ماتحت جیسا چاہیں کریں۔ اور اس کی حکمت کو بھی وہی خوب جانتے ہیں ؎

جہاندار داند جہاں داشتن　　یکے را بہ یکے بدن کاشتن

مظلوم کی مدد نہیں کی جاتی کا مکرر جواب:

میدانِ دنیا میں شریعت غرّا کے موافق انتقام کے رُو سے قصاص مقرر ہے۔ قاتل کے علاوہ چور، زانی وغیرہ

کے لیے بھی سزا معیّن ہے۔ یہ بھی مظلوم کی فریاد رسی کی رُو سے ہے۔ مگر باطناً اگر مظلوم صبر کرے اور ظالم کو معاف کر دے تو باری تعالیٰ اس کو ایسی امداد سے سرفراز فرماتے ہیں جس کی کیفیت کو وہی خوب جانتا ہے جو دراصل امداد روحانی سے وابستہ ہے۔ جس کے مقابلہ میں امداد دنیاوی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور اگر مظلوم کی امداد یا کفر اور ظلم کرنے والوں کو سزا فوراً میدان دنیا میں غیر اسبابی طور پر دی جائے تو قصّہ ہی تمام ہو جائے۔ اس صورت میں خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا فائدہ نہیں رہتا کسی کافر اور ظالم، فاسق و فاجر کا نام جہان میں نہیں رہ سکتا اور نہ اس کا عمل باقی رہ سکتا ہے۔ مشیت ایزد متعال اور پر زور تدبیر یعنی اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ کے موافق اُمْلِیْ لَہُمْ کے مطابق ان کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ ایک وقت مقرر تک لِیَبْلُوَکُمْ کے میدانِ اختیار میں کامل ظہور پکڑ لے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے احکام، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے وَ ذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ وَمَھِّلْھُمْ قَلِیْلًا ۝ اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ۝ یہ احکام خداوندی اعمال خداوندی کے عین مطابق ہیں، جن کے لیے ایک وقت معین ہے۔ آج نہیں تو کل ——— فقط والسّلام

ایک مرزائی سے گفتگو

ایک دفعہ میاں غلام حسین صاحب ایڈیٹر اخبار المنیر حضرت کیلیانوالہ شریف ایک تحصیلدار انکم ٹیکس کو ہمراہ لے کر حضور کی خدمت میں تشریف لائے۔ جو مرزائی تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ حضور نے ان کے لیے باہر ہی چارپائیاں ڈلوا دیں اور خود بھی باہر ہی تشریف لے گئے۔ جب ان کے پاس تشریف فرما ہوئے تو جیسا کہ مرزائیوں کا عام دستور ہے، تحصیلدار صاحب نے بات چیت شروع کر دی اور دریافت کیا کہ آپ کے پاس کتنے مبلغ ہیں؟ کتنے مدرسے ہیں؟ حضور نے فرمایا کہ ویسے تو ہمارا ہر فرد مجسّم مبلغ ہے۔ لیکن جس طرح کے مبلغ سے آپ کا مفہوم ہے، ایسا کوئی نہیں۔

آخر تحصیلدار صاحب نے حرف مدّعا چھیڑا اور حضور سے سوال کیا "آپ کے نزدیک صراط المستقیم کونسا ہے؟

تو حضور نے فرمایا کہ جو قرآن شریف کے معانی کو صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے وہی صراط المستقیم پر ہے۔ یہ سُن کر وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ جو مسلک آپ کا میں نے دیکھا ہے وہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ واقعی جو قرآن شریف کے معانی کو صحیح سمجھ سکے وہی صراط المستقیم پر ہے۔ اس کے بعد حضور نے یہ آیات شریف تلاوت فرما کر ان کا ترجمہ کیا:

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ م إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ج وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ج وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ج وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ ج (پ-ع)

اس روز خدا (عیسیٰ علیہ السلام سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے۔ جب میں نے روح القدس یعنی جبرئیل سے تمہاری مدد کی۔ تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسق بدیع پر) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔ اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی، اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا۔ اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے، اور مُردے کو زندہ کرکے نکال کھڑا کرتے تھے۔

اور فرمایا کہ "مادر زاد اندھے سے مراد کافر ہیں جن کے کفر کی اعمیّت دور کرکے ایمان کی روشنی اور اسلام کی بصارت عطا فرمائی، کوڑھی کو اچھا کرنے سے مراد بھی دل کے کفر کو درست کرنا ہے، اسی طرح مُردے کو زندہ کرنے سے مراد مُردہ دل کو اسلام کی زندگی عطا فرمانا ہے۔" چونکہ مرزائی معجزات کے منکر ہیں اس لیے اتنا سن کر تو وہ صاحب بہت خوش ہوئے اور حضور کو داد دینے لگے۔ آپ نے فرمایا "یہ سب تاویلیں تو کر لیں، لیکن سمجھ نہیں آتی کہ مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر پھونک مارنے سے سچ مچ کا پرندہ بن جانا، اس کی کیا تاویل کی جائے؟" اس وقت تحصیلدار صاحب کو آپ کے مفہوم کی سمجھ آئی۔ لیکن چونکہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا، لہٰذا فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ کے مطابق مبہوت اور دم بخود ہو کر اُٹھے اور یہ کہتے کہتے کہ عیسیٰ (علیہ السلام)

کوئی خدا تھے"؟ گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گئے۔

میرزائیت سے توبہ

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف عرس مبارک پر تشریف فرما تھے۔ ختم شریف ہو جانے کے بعد آپ دربار شریف سے مشرق کی جانب آم کے درختوں کے نیچے نماز ادا فرما رہے تھے کہ وہاں پر ایک آدمی آگیا جو دھرم کوٹ کا باشندہ تھا۔ بی۔ اے تک تعلیم تھی اور انگریزی وضع کا کرزن فیشن بنائے ہوئے تھا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور کے قریب آ بیٹھا اور مرزائیوں کے اعتقادات وغیرہ کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ آپ نے یہی مندرجہ بالا آیات مبارک پڑھ کر یہی تبصرہ فرمایا۔ تو بفضلہٖ تعالیٰ اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "میں مرزائی ہونے کو تیار تھا۔ لیکن آپ کی رہنمائی سے میرا ایمان درست ہو گیا ہے۔ اب میں ان شاء اللہ ان کے پھندے میں نہیں آسکوں گا"۔

مرزا صاحب کے متعلق دربارِ رسالت کا فیصلہ

ایک دن حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ لاہور میں ایک لڑکا تھا۔ چھوٹی عمر میں ہی اس کو درود شریف پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ تو اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر حضور حاصل ہوا کرتا۔ ہمارے احباب کو اس کے متعلق علم ہوا تو چونکہ ان دنوں مرزائی تحریک زوروں پر تھی اس لیے برادرم محمد اسحاق، مہر جلال الدین، بابا الہ دین اور شیخ مظفر الدین وغیرہ کو خیال آیا کہ اس لڑکے کو کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر کے دریافت کرے کہ مرزا صاحب کے متعلق آپ کا کیا فرمان مبارک ہے؟ چنانچہ یہ تمام صاحبان اس لڑکے کے پاس اسلامیہ پریس میں گئے جہاں وہ کام کرتا تھا۔ اور عرض کیا کہ ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضور ہے، آپ حضور کی خدمت اقدس میں عرض کریں کہ مرزا غلام احمد کے متعلق کیا ارشاد مبارک ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ کسی وقت تو جب حضور ہوتا ہے جس بات کے دریافت کرنے کا خیال ہو، یاد رہتی ہے اور کبھی نہیں یاد رہتی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی جس بات کا جواب دینا منظور ہوتا ہے، دے دیتے ہیں، ورنہ از خود میں عرض نہیں کرسکتا۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو کسی وقت فرما دیں گے۔ چنانچہ ایک دو دفعہ اس لڑکے کو ملے تو اس نے یہی جواب دیا کہ حضور تو ہوا لیکن اس کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دن اتفاقاً بازار ہی میں اس لڑکے سے ملاقات ہوگئی تو کہنے لگا کہ وہ آپ کی بات ہوگئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرزا غلام احمد کے متعلق جس کو اتنا بھی خیال ہو کہ شاید سچا ہے یا جھوٹا، میں اس کی بھی شفاعت نہیں کروں گا۔ بلکہ جو اس کو مسلمان سمجھے وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

فقہ شریف کی اہمیّت پر گفتگو

ایک دن مولوی نور الٰہی صاحب جو حضرت کیلیانوالہ شریف ہی کے مکین تھے، حضور کی خدمت میں تشریف لائے۔ چونکہ وہ اہل حدیث تھے، انہوں نے آپ کے ساتھ دورانِ گفتگو میں قرآن حکیم اور حدیث شریف کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہ ہونے پر زور دیا۔ اصل میں ان کی مراد فقہ کی نفی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ فقہ در اصل تفقّہ فی الدین کا نام ہے۔ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو دین کے بعض امور میں بےحد مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثلاً قرآن پاک میں بلا استثنا اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کے الفاظ مبارک ہیں، اور حدیث شریف میں بھی سوائے مینڈک کے اور کسی چیز کی نہی کا حکم نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اگر فقہ کو نہ لیا جائے تو ہمیں مگرمچھ، کچھوے، لُدھر وغیرہ پانی میں رہنے والی ہر چیز کو حلال سمجھ کر کھانا پڑے گا جس کو طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ تو اب فقہ یا تفقّہ یہ ہے کہ چونکہ سوائے مچھلی کے کسی چیز کی بھی پانی میں صحیح تعیش نہیں، بلکہ پانی میں سے خوراک وغیرہ حاصل کرنے کے بعد باہر نکل کر دھوپ میں بیٹھ جاتے ہیں، رات کو بھی باہر نکل کر آرام کر لیتے ہیں۔ صرف مچھلی ایک ایسی مخلوق ہے جو پانی کے بغیر ایک منٹ بھی آرام نہیں کرسکتی۔ بلکہ تھوڑی سی دیر بھی اس کو پانی سے باہر نکال کر رکھا جائے تو زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ صید البحر حقیقت میں سوائے مچھلی کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اسی چیز کا نام تفقّہ فی الدین ہے۔ تو فقہ کا یہ مفاد ظاہر ہوا کہ

قرآن پاک اور حدیث مبارک کے صحیح معنوں کا سمجھنا فقہ کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے، ورنہ ہماری ناقص عقلیں کلام پاک اور حدیث شریف کے معانی اور حقیقت سمجھنے کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے حقیقت میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے (جو شریعت محمدی کے ظاہری اور باطنی علم کے عالم تھے) قرآن پاک اور حدیث شریف کا عطر نکال کر صراط المستقیم پر چلانے کے لیے ہماری رہنمائی فرما کر ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ جس پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگان عظام عمل پیرا ہوئے اور ان کی اتباع کو اپنا معیار دین بنائے رکھا۔" مولوی نور الٰہی صاحب یہ سن کر کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے تشریف لے گئے۔

یہ بات قابل وضاحت ہے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اس دن تک نہ تو کوئی فقہ کی کتاب پڑھی اور نہ دیکھی تھی۔ یہ محض علم لدُن سے جواب تھا۔ بعد میں مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی تشریف لائے تو انہوں نے یہ واقعہ سن کر اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ اسی طرح سے کیا ہے۔

چونکہ بندگانِ خدا سراجاً منیراً کے نور سے منور اور نسبت محمدی سے مستفیض ہو کر اتحادِ تام سے متصف ہوتے ہیں جس میں وجود ہی ایک ہوتا ہے اس لیے جو گفتگو بندگانِ خدا کی زبان سے نکلتی ہے وہ نسبت کے لحاظ سے مقام عرف پر منتہی ہو کر منعکس ہوتی ہے ؎

علم انوار است در جان رجال نے ز راہ دفتر و نے قیل و قال

علم در سینہ بسینہ آمدہ! علم بے کینہ خزینہ آمدہ

بندگانِ خدا کے علم پر مکالمہ

اسی طرح ایک اور موقع پر یہی مولوی نور الٰہی صاحب حضور کی خدمت میں تشریف لائے تو بندگانِ خدا کے علم پر گفتگو شروع ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف نے فرمایا کہ جن پانچ چیزوں کی کلام مجید میں نفی آئی ہے ان کے متعلق کسی کو کچھ علم نہیں ہو سکتا:

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا

یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے، اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے

تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ؕ	(کہ نر ہے یا مادہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کو کیا کام
وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ	کرے گا، اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے
اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۰ (پ ۲۱ ۔ ع ۱۳)	موت آئے گی ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے ۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فرمان مولیٰ کریم بالکل حق ہے ۔ ہر چیز کا ذاتی طور پر علم ذات پاک ہی کو ہے اور اس کے سوا ان چیزوں کو کوئی نہیں جانتا ۔ لیکن اگر کسی کو علم لدُن سے عطا فرما دیں تو مقام تعجب نہیں ہے ۔ مثال کے طور پر حضرت محی الدین قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تصنیف بنام تحفہ رسولیہ منظوم کی ہے جس میں آپ نے اپنے بیٹے کے لیے وصیت تحریر فرمائی ہے جو کہ آپ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والا تھا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انہیں علم تھا کہ اس کی پیدائش سے پہلے میری رحلت ہے ۔ دوسرے یہ کہ لڑکا ہے تیسرے صحیح تندرست پیدا ہو گا ۔ بلکہ اس کی عمر اور اس کے متعلق ضروری امور کی ہدایات تحریر فرمائی ہیں، جو بعینہٖ اسی طرح ظہور میں آئیں"۔

یہ بات سن کر مولوی نور الٰہی صاحب فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے ۔ عاجز تبرکاً ناظرین کے فائدہ کے لیے تحفہ رسولیہ کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہے :

اے کہ ہنوز ے تو بجستم عدم !	زود بگذار جہاں بہ قدم
منتظر نست دل و جان من !	مثل گہر جلوہ کن از کار من
راحت دل، نور دو چشم منی	آب زن آتش خشم منی
سوختم از آتش مہجوریت	تا بکجا عرصہ مستوریت
چند بکُتّاب عدم جائے گیر	رخصت ہستی ز معلّم بگیر !
شاد دلی دہ ز وجودت مرا	دار نہ محروم ز جودت مرا
بہ کہ بہم نام تو عبد الرسول	باد بدرگاہ رسولت قبول
کنیت تو بہ کہ بود بو سعید	عُمر تو باید کہ بود بر مزید
باد ز حق خوش لقبت فخر دین	باد بہر کار خدایت معین

مید ہمت از دلِ خود چند پند   چونکہ شوی ہست بداں کاربند
ہست یقیں گر تو بکارش بری   در دو جہاں یافتہ باشی سری
تحفۂ پندست ز ہر تحفہ بہ   از بنِ دنداں بدلش کن گرہ
شکرِ خدا کن کہ بوجود آمدی   رستہ ز غیبت بشہود آمدی!
از نسلِ آدمِ خاکی شدی   در خورِ صد گونہ پاکی شدی
گشتہ و یافتہ فضلِ کُل   اُمتِ مرحومۂ خیر الرسل
جملۂ اعضائے تو سالم، صحیح   ساکت و ناطق بزبانِ فصیح
ہوش بدل طبع سلیم الحواس   مدرکِ اسرار بعقل و قیاس
باش پئے پاسِ شریعت مدام   کارِ تو گردد ز شریعت تمام
یافتن راہِ طریقت از وست   تافتن نورِ حقیقت از وست
عمرِ جوانی بعبادت گذار!   تا کہ بہ پیری نشوی خاکسار
بزمِ بزرگاں چو نشینی خموش   سہو و خطاشاں چو بہ بینی بپوش
نیست ادب پیشِ بزرگاں سخن   ہر چہ کہ گویند بداں کار کن
باش ز خُدّامِ مساجد مدام   خدمتِ مسجد دہدت جملہ کام
خادمِ مسجد پے عہدہ مشو   عہدہ چو خواہی شوی تنخانہ رو
حق ہمہ اہلِ حق آور بجا   والدہ و والد و استاد را
از ہمہ حق حقِ معلّم فزوں   اوست ترا سوئے خدا رہنموں
مادرِ مشفق مدہ ایذائے او!   جنتِ عدن ست تہِ پائے او
عمرِ تو باید کہ شود صرفِ علم   لب نکشائی تو بجز حرفِ علم
علم بود پیرِ نخستین تو!   علم بود روشنئ دینِ تو
علم بود آنکہ عزیزت کند   باخرد و ہوش و تمیزت کند

علم چو خواندی بعمل شو گرا　　نیک عمل بہ کہ بود بے ریا
مقصدِ اصلیست چو با حق حضور　　بہ کہ کنی کسب علوم ضرور
علم ضروری چو شدہ حاصلت　　پیر گزیں پیر کند واصلت
صیقل مرات ضمیر اے سمیر!　　پیر بود پیر بود پیر پیر
پیر بود مخزنِ اسرارِ ہو　　پیر بود مطلع انوارِ ہو
پیر بود راہ رسانندۂ　　راز نہانی ہمہ دانندۂ
پیر چو شاہیں تو چو مور شش پیر　　گیر پرشش تا بہ ثریا بہ پر
لیک گریز آر ز پیرانِ زور　　زاویہ گیراں بہ اُمیدِ ظہور
مدعیانند دریں روزگار　　دام نہانند برائے شکار
گربہ نشانند مراقب بسر　　موش کشانند بمکر و غدر
صورت انسان بسیرت بلیس　　ظاہر شاں مسجد و باطن کنیس
.از ہمہ پیراں دلت آزاد کن　　قصد سوئے شاہ جہاں باد کن
ہست دراں شہر شہے دل قبول　　فانی فی اللہ فنا فی الرسول
دیدنِ او باعثِ یادِ خدا　　نیست دم از یادِ خدا او جدا
فیض دہِ اہل زمیں آسماں!　　سرّیِ وقت است جنیدِ زماں
یک نظرش کارِ جہاں می کند　　خفیہ نہ ایں کار عیاں می کند
غوثِ زمیں قطبِ زماں منجلی　　شیخ ہمہ شاہ غلامِ علی
ہست امیدم چو رسی در حضور　　زود شوی غرق در امواجِ نور
در دلم آمد کہ گشائم گرہ!　　منع رسیدم کہ سخن کوتہ بہ
سایہ اش از فرق جہاں کم مباد　　باد بقا تا دمِ یوم التناد

ان اشعار سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بعطائے الٰہی چند امور متعلقہ علم غیب

اطلاع تھی۔ مثلاً یعلم ما فی الارحام سے بھی اطلاع ہوئی اور ما ذا تکسب غدًا سے بھی۔ اسی طرح اپنی مدّتِ حیات کے متعلق بھی کہ میں بچہ پیدا ہونے سے پہلے فوت ہو جاؤں گا، اور بچہ پیدا ہو کر جوان ہوگا اور حضرت خواجہ غلام علی شاہ صاحب قدس سرّہ اس وقت تک زندہ موجود ہوں گے، ان سے بیعت کریگا اللہ اکبر! بندگانِ خدا کا علم کس قدر وسیع ہوتا ہے۔

استمدادِ موتیٰ پر مذاکرہ

ایک دن حضور رحمۃ اللہ علیہ نماز عصر سے فارغ ہوئے تو مولوی نور الٰہی صاحب اور ان کے بھائی حافظ عبد الحیّ صاحب تشریف لائے اور حضور سے مخاطب ہوئے کہ ہم روضہ حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کے بیٹھنے کی جگہ دیکھ آئے ہیں۔ حضور نماز عصر کے بعد حسب معمول باہر سیر کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ دونوں صاحبان بھی ہمراہ تھے چنانچہ استمدادِ موتیٰ کے متعلق گفتگو شروع ہوگئی۔ مولوی صاحبان نے فرمایا مشکوٰۃ شریف کی حدیث مبارک ہے کہ اذا مات الناس انقطع عمله یعنی جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ جسمانی اعمال منقطع ہوتے ہیں یا روحانی بھی منقطع ہو جاتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رُوحانی اعمال تو منقطع نہیں ہوتے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے متعلق آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو فرمائیے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی یہ آیات مبارک تلاوت فرمائیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝	اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن اور کفیل ٹھہرایا؟) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (پ۳ - ع۱۷)

اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو اس کے بعد پھر جائیں وہ بدکردار ہیں۔

(سورہ آل عمران - آیت نمبر ۸۱ - ۸۲)

تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ کے فرمان مبارک کی اہمیت بیان کر کے فرمایا کہ آپ ذرا چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمائیں اور قرآن پاک کے معانی کو بنظر انصاف دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تمام انبیاء کا ایمان لانا اور امداد کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں معراج مبارک کے موقع پر ان دونوں امور کی وضاحت ہے۔ یعنی کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کو تسلیم کر کے آپ کی اقتدا کرنا لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ کی وضاحت کرتا ہے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار نمازوں میں تخفیف کے لیے دربار الٰہی میں پھیرنا مدد کی بیّن دلیل۔ اس سے زیادہ استمداد موتی کا کیا ثبوت پیش کیا جائے جو قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں سے ظاہر ہے۔

یہ سن کر مولوی صاحبان نے ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ہم لاہور گوجرانوالہ کے بڑے بڑے علماء سے اس کے متعلق بات چیت کریں گے، ان سے دریافت کرنے کے بعد آپ کو جواب دیں گے۔ لیکن آج تک ان میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔

حلف بالقرآن کا قضیہ

ایک دفعہ موضع ونیکے تارڑ تحصیل حافظ آباد سے کچھ آدمی حضرت کیلیانوالہ شریف حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ حلف بالقرآن جائز ہے یا نہیں؟ حضور نے بغیر کسی مولوی صاحب سے پوچھنے کے ان سے فرما دیا کہ حلف بالقرآن درست ہے اور اس کے حانث یعنی توڑنے والے پر کفارہ لازم ہے۔

اصل میں بات یہ تھی کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے انتخاب کا موقع تھا اور امیدوار صاحبان میں سے

ایک صاحب نے ایک آدمی سے ووٹ کے حصول کے وعدہ پر قرآن مجید کا حلف لیا۔ بعد میں دوسرے امیدوار نے اسی آدمی سے ووٹ طلب کیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں فلاں امیدوار سے حلفاً وعدہ کر چکا ہوں، لہٰذا اب اس سے پس و پیش نہیں کر سکتا۔ اس پر اُس امیدوار نے یہ کہا کہ قرآن شریف کی قسم شرعاً جائز نہیں، اور اس کی تصدیق کے لیے اسے ہمراہ لے کر مولوی محمد فاروق صاحب خطیب موضع ونیکے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے تصدیق کر دی اور کہا کہ چونکہ شریعت میں قرآن شریف کی قسم جائز نہیں، لہٰذا تمہیں اس قسم کے توڑنے میں کوئی گناہ یا کفارہ نہیں۔

جب وہ آدمی حضور رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ دریافت کر کے واپس پہنچے تو انہوں نے وہاں جا کر مشہور کر دیا کہ شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ شریف نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی قسم درست ہے۔ مولوی محمد فاروق صاحب کو جب یہ علم ہوا تو فوراً مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور ایک آدمی کو پیغام دے کر روانہ کر دیا۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی، مولوی محمد نذیر صاحب برجوی اور مولوی نذر شاہ صاحب جو کالوی (جو اس وقت حضور کی خدمت میں موجود تھے) ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ چونکہ حلف لغیر اللہ منع ہے لہٰذا حلف بالقرآن جائز نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ جس طرح آپ کہتے ہیں یونہی مان لیا جائے گا لیکن ایک دفعہ پھر کتابیں دیکھو چنانچہ جب مولوی صاحبان نے پھر مطالعہ کیا تو تینوں نے بیک زبان کہا کہ حلف بالقرآن جائز ہے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال سے کہ مناظرہ کسی حال میں بھی اچھا نہیں ہوتا، حلف بالقرآن کے جائز ہونے پر ایک مقالہ تحریر فرمایا جس میں آپ نے نہایت تحقیق و تدقیق سے تفصیل کے ساتھ بحث فرمائی ہے۔ ایسی ایسی فلسفیانہ مثالیں اور ایسے ایسے عالمانہ اور عارفانہ نئے انداز سے نکات بیان فرمائے ہیں جن کے پڑھنے سے آدمی اپنے آپ کو عالمِ امر کی بلندیوں اور رفعتوں میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ مضمون چونکہ ذرا طویل ہے، دوسرے حضور رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الانسان فی القرآن میں اس کے آخری مضمون کی حیثیت سے چھپ کر کتاب کی زینت بن چکا ہے، لہٰذا یہاں درج نہیں کیا گیا۔ جن احباب کو پڑھنے کا شوق ہو وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے برادرم سراج الدین صاحب اور مولوی امام الدین صاحب کو یہ مضمون

دے کر مولوی محمد فاروق صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ مولوی صاحب نے اس کو اچھی طرح سے پڑھ سمجھ لیا۔ لیکن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور مناظرہ کرنے کے لیے بار بار زت طلبی کرتے رہے۔ نذر شاہ صاحب نے مشورہ دیا کہ مولوی محمد فاروق صاحب بار بار مناظرہ کے لیے ہمیں دعوت دے رہے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ ہم بڑے بڑے مشہور علماء سے فتوے منگائیں، شاید انہیں دیکھ کر مناظرہ سے باز رہیں۔ چنانچہ مولوی ولی اللہ صاحب لکھوی، مولوی حسین علی صاحب ساکن واں بھچراں، مولوی خیر محمد صاحب جالندھری، دارالعلوم دیوبند اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی سے نیز لاہور اور گوجرانوالہ کے کئی ایک علماء سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ گو عقائد میں ہمیں ان سے کچھ اختلاف تھا، لیکن اس مسئلہ میں سب نے بالاتفاق یہی تحریر کیا کہ حلف بالقرآن جائز اور درست ہے اور حانث پر کفارہ لازم ہے۔

ادھر مولوی محمد فاروق صاحب لگاتار مناظرہ پر زور دے رہے تھے۔ اس لیے حضرت کیلیانوالہ شریف سے کئی ایک اصحاب جن میں سے مولوی محمد نذیر صاحب برجوی، نذر شاہ صاحب جوکالوی، مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی اور حافظ محمد صاحب لالی قابل ذکر ہیں، موضع ونیکے میں پہنچے اور مولوی فاروق صاحب کو سمجھایا کہ مناظرہ اچھا نہیں ہوتا۔ یہ بڑے بڑے مشاہیر علماء کے فتوے ہیں، لہٰذا آپ تسلیم کریں اور مناظرہ سے باز رہیں۔ لیکن فاروق صاحب پر کوئی ایسا ضد کا بھوت سوار تھا کہ کسی کی ایک نہ سُنی اور مناظرہ کرنے پر بضد رہے اور بالآخر مناظرہ ہو کر ہی رہا۔

اس مناظرہ میں برادرم مراد بخش صاحب تارڑ مرحوم ساکن رسول پور تارڑاں نے بھی نمایاں طور پر حصہ لیا کیونکہ چوہدری صاحبان موضع ونیکے جو بڑے چست و چالاک تھے، اور مولوی فاروق صاحب کی شکست حقیقت میں ان کی شکست تھی، ان کو برادرم چوہدری مراد بخش صاحب مرحوم ہی نے خاموش رکھا اور نظم و نسق کو قائم رکھتے ہوئے کسی طرح کا نقصِ امن نہ ہونے دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب مرحوم ساکن کوٹ تارڑ بھی ہمارے مولوی صاحبان کے ممد و معاون تھے۔ چنانچہ مولوی فاروق صاحب اور مولوی محمد نذیر صاحب بُرجوی کے مابین مناظرہ شروع ہوا۔

مولوی محمد نذیر صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ کرم سے اس وقت میرے منہ سے وہ وہ

باتیں نکلیں جو میری عقل و فکر میں بھی نہ جچیں۔ مناظرہ بڑی اچھی صورت میں رہ کر مولوی فاروق صاحب کو شکست فاش ہوئی اور علاقہ کے آدمیوں نے تسلیم کیا کہ واقعی مولوی محمد نذیر صاحب حق پر ہیں۔

تیمّم کا مسئلہ

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ عرس مبارک حضرت خواجہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارغ ہو کر مکان شریف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ جب سیالکوٹ پہنچ کر گاڑی تبدیل کی تو جو گارڈ اس گاڑی پر متعین تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ وضو کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر اعضاء کسی نجاست وغیرہ کے سبب سے ناپاک ہیں تو ان کو دھو کر پاک صاف کر لیا تاکہ اس ذات پاک کے حضور میں حاضر ہونے کے قابل ہو جائے۔ لیکن تیمم سے کون سی طہارت حاصل ہوتی ہے؟ بلکہ منہ اور ہاتھوں پر مٹی ملنے سے اور زیادہ گندے اور خراب ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تیمم سے جسم ہڈیوں تک پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شریعت کا فرمان بالکل حق اور واضح ہے۔ اگر اس کے متعلق آپ تجربہ دیکھنا چاہیں تو ایک گلاس پاک صاف پانی کا بھر لیں اور ایک خشک باریک مٹی سے۔ اور دونوں میں ایک ہی مقدار کی تھوڑی تھوڑی نجاست ڈال دیں۔ ایک دو دن کے بعد آپ دیکھیں گے کہ وہ پانی تو جس میں نجاست ڈالی گئی تھی خراب اور بدبو دار ہو جائے گا اور اس کے برعکس مٹی اس نجاست کو کھا جائے گی اور جو بدبو اس مٹی میں شامل ہو گئی تھی ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح وضو کرنے سے بظاہر نجاست تو واقعی اتر کر بدن پاک صاف ہو جاتا ہے لیکن جو پسینہ وغیرہ مساموں کے اندر رہے وہ پانی سے صاف نہیں ہو سکتا۔ مگر تیمم سے جو مٹی جسم پر لگتی ہے وہ مساموں کے اندر سے بھی غلاظت کو چوس لیتی ہے اور واقعی وجود ہڈیوں تک پاک ہو جاتا ہے۔

یہ تشریح سن کر گارڈ صاحب مطمئن ہو گئے۔

حق گوئی اور تبلیغ

اولیائے کرام کی زندگی کا یہ ایک اہم شعبہ بلکہ فرض اولین ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ماتحت خواہ کوئی شخص کتنا ہی ذی وجاہت اور ذی اقتدار ہو، اگر اسے خلاف شریعت دیکھتے ہیں تو حق گوئی اور تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتے، اور اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کے مطابق نرمی یا سختی سے جیسے مناسب ہو حق کی تبلیغ کر دیتے ہیں۔

ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ آپ سخت گیر تھے۔ لیکن حقیقت اسکے خلاف ہے اس مشہوری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بندگان خدا کو جو دبدبہ اور رعب من اللہ عطا کیا جاتا ہے اس سے مرعوب ہو کر عوام نے یہ نتیجہ نکال لیا، ورنہ آپ نہایت رحیم اور شفیق تھے اور دوسرے تمام اوصاف حمیدہ کی طرح یہ صفت بھی حضور کی عین نسبت نبوی سے متصف تھی۔ یعنی جیسا کہ دنیا جانتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ، بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اور اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کے مالک تھے۔ لیکن بایں ہمہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو من اللہ اس قدر رعب اور دبدبہ عطا کیا گیا کہ دشمن دو میلوں کی راہ سے خائف رہتا، اور بعض اوقات سامنا ہوتے ہی کانپنے لگتا۔ اسی طرح جب تک کوئی شخص حضور رحمۃ اللہ علیہ سے اجنبی ہوتا خائف رہتا، لیکن جب ذرا مجلس مبارک میں صحبت حاصل کرتا تو آپ کو انتہا درجہ کے مشفق اور ملطف پاتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ آپ خلاف سنت کوئی چیز بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ذیل میں ایسے کئی ایک واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

نواب اعتزاز الدین اور مرزا جعفر بیگ

جن دنوں اہل شیعہ نے حضور رحمۃ اللہ علیہ پر قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کے کئی خادموں کو زخمی کیا، ان دنوں میں مرزا جعفر بیگ صاحب علی پور کے تھانہ میں سب انسپکٹر پولیس تھے۔ یہ تو حضور کا خاصہ تھا کہ جو کوئی آپ کی

زیارت کر لیتا وہ گرویدہ ہو جاتا۔ چنانچہ دورانِ مقدمہ میں مرزا صاحب کو آپ سے بڑی محبت ہو گئی۔ اس وقت نواب اعتزاز الدین صاحب گوجرانوالہ میں پولیس کپتان تھے۔ ایک دن انہی دنوں دونوں صاحبان حضرت کیلیانوالہ شریف میں تشریف لائے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ نواب صاحب صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ ویسے ڈاڑھی مُنڈے تھے۔ بیٹھک شریف سے باہر ہی حضور سے ملاقات ہو گئی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ بالعموم پولیس والوں کی طرف کم توجہ فرماتے اور ان کو دین کی طرف سے بے رغبت اور سخت محکمہ سمجھ کر امرونہی میں سے اکثر اسی پر اکتفا فرمایا کرتے کہ ظلم سے بچو اور پرچہ میں بے گناہ آدمی کے اندراج سے پرہیز کیا کرو۔ اور زیادہ سے زیادہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی تلقین فرما دیا کرتے۔ ان میں سے جب تک کوئی خود بخود راغب نہ ہوتا، طریقت کی باریکیوں میں پابند نہ فرماتے۔

نواب صاحب نے اظہار کیا "مجھے والدین کی طرف سے وصیت ہے کہ جہاں کہیں اللہ کا بندہ سنوں ان کو جا کر ملوں۔ اس لیے حاضر خدمت ہوا ہوں"۔ حضور نے فرمایا کہ اگر رہ سکتے ہو تو آج رات یہیں ٹھہر لو۔ لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی کہ رات کو کام کرنا ہوتا ہے۔ علی الصبح ڈاڑھی مونڈنی ہوتی ......

جب اس لفظ پہ پہنچے تو حضور رحمۃ اللہ علیہ نے خوب ڈانٹا اور فرمایا کہ پولیس والوں کو چونکہ یہ محکمہ ہی ایسا ویسا ہے میں نے کبھی کچھ نہیں کہا۔ آپ نے میرے سامنے ایسے لفظ کیوں نکالے؟ کیا مولیٰ کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک نہیں؟ نواب صاحب نے جواب دیا "جی میری خامی ہے"۔ تو حضور نے فرمایا کہ تمہاری خامیاں میں نے تو پوری نہیں کرنی"۔

فریق مخالف کے لوگ قریب کھڑے ہنس رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کپتان پولیس ہے۔ اس سے کچھ نہ کہہ سکیں گے تو ہم بعد میں استہزا اُڑائیں گے۔ لیکن ان کے یہ فاسد ارادے پورے نہ ہو سکے۔

اس کے بعد نواب صاحب کئی دفعہ حاضر خدمت ہو کر مستفیض ہوتے رہے اور داڑھی بھی پوچھی۔ ایک دفعہ جب جارج ششم تخت نشین ہوا تو نواب صاحب نے جشن تاجپوشی میں شمولیت کے لیے حضور کو اور میاں غلام حسین صاحب ایڈیٹر اخبار المنیر حضرت کیلیانوالہ کو دعوت نامہ بھیج دیا۔ حضور تو ایسے جشنوں پر جا ہی نہ سکتے تھے۔ میاں غلام حسین صاحب چلے گئے۔ جب حضرت اعلیٰ کے عرس مبارک پر شرقپور شریف میں

حضور تشریف لے گئے تو نواب صاحب سے مل کر بہت ناراض ہوئے کہ آپ نے مجھے ایسا خط ہی کیوں تحریر کیا۔ نواب صاحب نے بڑی معذرت کی اور کہا کہ ویسے میرا خیال تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو زیارت کر لوں گا۔

نواب صاحب بعد میں سارے پاکستان کی سپیشل پولیس کے جنرل انسپکٹر کے عہدہ پر فائز ہو گئے چنانچہ جنرل انسپکٹر ہونے کے بعد بھی ایک دفعہ حاضر خدمت ہوئے تو حضور نے ڈاڑھی کے لیے سخت تادیب کی۔ بالآخر نواب صاحب کھیوڑہ کے ہوائی حادثہ میں شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرزا جعفر بیگ صاحب بھی آپ سے خاص طور پر محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ دو تین سال تھانہ علی پور میں سب انسپکٹر پولیس رہنے کے بعد تبدیل ہو گئے اور کچھ عرصہ مختلف جگہوں میں رہے۔ بعد میں تھانہ نوشہرہ ورکاں میں (جہاں سکھ مسلمانوں پر بہت ظلم کیا کرتے تھے) نواب صاحب نے ان کو لگایا۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سکھوں پر خوب کنٹرول کیا۔ ان دنوں ڈپٹی کمشنر اور اے، ڈی، ایم چونکہ دونوں ہندو تھے اس لیے مرزا صاحب کے خلاف ہو گئے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب مرزا صاحب کو تھانہ نوشہرہ میں اس مضمون کا ارسال فرمایا کہ "تم پر ایک سخت مصیبت آنے والی ہے، ہوش سے کام کرنا"۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر اور اے، ڈی، ایم نے مرزا صاحب کے خلاف چوبیس مقدمے بنا کر عدالت میں بھیج دیے۔ مرزا صاحب نے اس مصیبت کا بڑے استقلال اور صبر و تحمل سے مقابلہ کیا۔ کبھی کبھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے۔

ایک دفعہ مرزا صاحب کے کچھ احباب ان کو مجبور کر کے ایک فقیر صاحب کے پاس لے گئے۔ فقیر صاحب نے فرمایا "تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی کے پاس نہ جانا۔ تم شہنشاہ دین کے پاس جانے والے ہو، لہٰذا تمہاری بھلائی کے لیے اس بارگاہ سے بڑھ کر اور کوئی جگہ نہیں"۔

اس واقعہ کے بعد مرزا صاحب کبھی کہیں نہ گئے اور حضور کی دعا سے چوبیسوں مقدمات میں صاف بَری ہو گئے۔ سب انسپکٹری کو تو خیر باد کہا اور زمینداری کا کاروبار شروع کیا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے لکھ پتی آدمی ہیں۔ حضور نے ان کو حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر جانے کے لیے فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ ہر جمعرات کو وہاں جاتے ہیں، کبھی ناغہ نہیں کرتے۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل ان کے شاملِ حال ہے۔

حق گوئی کے مقابلہ میں دُنیوی مال سے استغنا

جب حضور رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد شریف کی مرمت ہو رہی تھی اور دروازے بن رہے تھے تو شیخ عبدالمجید صاحب وکیل کے ایک دوست نے جو ریلوے میں پلیپیڑ تھے شیخ صاحب سے کہا کہ اگر حضرت شاہ صاحب مجھے ڈاڑھی کے متعلق کچھ نہ کہیں تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں اور مبلغ ڈیڑھ ہزار روپیہ بھی مسجد کے لیے نذر کروں۔ شیخ صاحب نے مستری صاحب کی زبانی جو یہاں کام کروا رہے تھے یہ پیغام بھیجا تو حضور نے فرمایا کہ "ہم اس کام سے جو ہمارا فرض منصبی ہے کسی صورت میں بھی نہیں رُک سکتے اور نہ ایسے آدمی کا روپیہ مسجد کے کام میں لگوا سکتے ہیں جو اسلامی شکل سے بھی متنفر ہے"۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کا اس قدر رُعب غالب تھا کہ جس آدمی کے دل میں ذرا بھر بھی سنت کے خلاف خیال ہوتا وہ حاضر ہی نہ ہو سکتا تھا۔ اور اگر کوئی خوش قسمت حاضر ہو جاتا تو بڑے زور سے تنبیہ فرماتے، خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو۔

ایک ڈپٹی کمشنر کو تنبیہ

چنانچہ ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے عرس مبارک پر شرق پور شریف میں حضرت اعلیٰ کے ڈیک والے کنوئیں پر تشریف رکھتے تھے کہ پیر احسن الدین صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع شیخوپورہ میاں محمد شفیع صاحب تحصیلدار کی معیت میں (جو کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی ہیں) وہاں پر حاضر خدمت ہوئے تو حضور نے ڈاڑھی کے متعلق سخت سرزنش کی اور فرمان مولیٰ کریم مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ کر کے فرمایا کہ اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ تو جس نے حضور کی اطاعت نہ کی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رُوگردانی کی اور حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ تَرَكَ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ یعنی جس نے میری سنت کو ترک کیا وہ مجھ سے نہیں۔ اور دیکھیے! مولیٰ کریم نے مردوں کے چہروں کو ڈاڑھی کے ساتھ مزین فرمایا اور عورتوں کو نہیں اُگائی اور حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ریش مبارک رکھ کر ساتھ ہی فرمایا قَصُّوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحَی یعنی لبوں کو کٹاؤ اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو یعنی حال اور قال دونوں طرح سے حکم فرمایا۔ تو گویا یہ سنت اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ پھر جو شخص اس قدر مؤکدہ سنت کو چھوڑ دے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔

ایک مولوی صاحب بھی ڈپٹی کمشنر صاحب کے ہمراہ تھے۔ وہ چونکہ ان کے ہوا خواہ تھے۔ ان کو اتنی سرزنش کچھ بُری محسوس ہوئی تو انہوں نے غصہ میں آ کر کہا کہ ایسا نہیں چاہیے۔ پیر صاحب بڑے نیک آدمی ہیں صوم وصلوٰۃ کے پابند اور نیک سیرت ہیں۔ تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا کہ آپ چُپ رہیں۔

حضور نے فرمایا کہ خواہ تمہیں بُرا ہی محسوس ہو، لیکن میں بھی انہیں نیک طبع دیکھ کر ہی اتنی گفتگو کر رہا ہوں، ورنہ ہمیں اتنی بات کی کیا ضرورت تھی؛ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ چونکہ پیر صاحب نیک سیرت انسان ہیں، جو کمی ان میں ہے وہ بھی پوری ہو جائے اور نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اعلیٰ ترین مقصود ہے اس سے مزین ہو کر اپنے اصلی مقصود کی طرف گامزن ہوں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے، کوئی ڈپٹی کمشنر ہو یا چوکیدار، قُوتِ لایموت کے سوا اس دنیا میں کوئی حصہ نہیں۔ بلکہ جس قدر بڑا ہوگا اسی قدر ذمہ داری زیادہ ہو گی اور حساب و کتاب سخت ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ ڈی، سی کی کُرسی پر ایک دیندار کی حیثیت سے پیر صاحب جلوہ افروز ہوں اور ان کے ماتحت جن کے دلوں میں ان کی عظمت و عزت ہے وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی شکل و ہیئت کو بدل کر سنت نبوی پر عمل کر کے ؎

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید که هرگز بمنزل نخواهد رسید

کے مرتکب بننے سے بچ کر اصل منزل اور اصل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کریں۔

چوہدری عطاء اللہ صاحب کو شرفِ باریابی

چوہدری عطاء اللہ صاحب تارڑ ساکن کوٹ تارڑ تحصیل حافظ آباد کے نام نامی سے علاقہ کا ہر چھوٹا بڑا، آدمی واقف ہے۔ آپ ایک بہت بڑے زمیندار، بڑے اقتدار اور بڑے پندار کے مالک ہیں۔ ویسے

علم دوست اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں لیکن بعض امور میں شریعت کی پروا نہیں کرتے اور شکل وشباہت بھی خلاف سنت ہے۔ عزت ووقار کے سبب سے لوگ میاں عطاء اللہ کہتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک دو نوکروں کے ہمراہ جمعہ شریف کے دن حاضرِ خدمت ہوئے لیکن جمعہ کی نماز کے بعد پہنچے۔ حضور بیٹھک شریف میں تشریف فرما تھے۔ اس لیے کسی آدمی کے ذریعہ شرف باریابی کے لیے اجازت چاہی۔ جب اس آدمی نے حضور کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا، میاں وہ بہت بڑا آدمی ہے ہم اس کو مسجد ہی میں ملیں گے۔ چنانچہ عصر کے وقت مسجد میں تشریف لے گئے۔

چوہدری صاحب نے داڑھی کے بجائے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور نے ان کے پاس تشریف رکھتے ہی ایک لب سے پکڑ لیا اور فرمایا "یہ کیا بنا رکھا ہے؟ مجھے اگر یہ معلوم ہوتا کہ عطاء اللہ ایسا ہے تو میں اس کے لیے مسجد میں آنا تک گوارا نہ کرتا"۔ بہرکیف کوئی پندرہ بیس منٹ تک خوب زجر وتوبیخ اور دعوت و تبلیغ فرما کر رخصت کر دیا۔

میاں عطاء اللہ صاحب کہنے لگے کہ "شرق پور شریف میں تیسری مرتبہ حاضری پر میرے ساتھ ایسا ہوا تھا جیسا کہ یہاں پہلی دفعہ ہوا ہے"۔ ان واقعات سے واضح ہو رہا ہے کہ خواہ کتنا بڑا آدمی ہو حضور کوئی پرواہ نہ فرماتے۔ بندگانِ خدا کو اس چیز کی کیا پروا کہ یہ مالدار ہے یا غریب، بادشاہ ہے یا گدا۔ یہ تو اس پودے کے پھول ہوتے ہیں جو مدینہ طیبہ میں پھلا پھولا۔ ان کے ضمیر میں سوائے خدا اور رسول کے کسی کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔

چنانچہ نقل ہے کہ سلطان محمود غزنوی حضرت ابوالحسن خرقانی کی زیارت کے لیے خرقان میں پہنچا۔ پہلے پیغام بھیجا کہ میں آپ کی زیارت کے واسطے غزنی سے یہاں تک آیا ہوں، آپ خانقاہ سے خیمہ تک قدم رنجہ فرمائیے۔ اور قاصد کو سکھا دیا کہ اگر وہ انکار کریں تو یہ آیت شریف پڑھنا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ حضرت نے جواب دیا کہ ہم کو معذور سمجھو۔ اس نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا کہ "در اَطِیْعُوا اللّٰہَ چناں مستغرق ام کہ از اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ خجالت ہا دارم تا بہ اُولِی الْاَمْر چہ رسد"۔ قاصد نے آن کر محمود کو یہ جواب سنا دیا۔ محمود نے اپنی پوشاک ایاز کو پہنا کر سلطان بنایا اور دس کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر غلام اور خود ہتھیار باندھ کر اس کی اردل میں چلا اور حضرت کے حجرہ پر پہنچا۔ حضرت نے تعظیم نہ دی۔ محمود نے کہا کہ

آپ نے سلطان کی کچھ توقیر نہ کی؟ فرمایا کہ تم نے جال لگایا ہے۔ محمود نے کہا کہ بے شک جال تو لگایا تھا مگر آپ اس جال کی چڑیا کاہے کو ہیں۔ پھر محمود بولا کہ کچھ ارشاد فرمائیے۔ کہا کہ ان نامحرموں کو باہر کر دو۔ پھر محمود نے دعا کی درخواست کی اور ایک تھیلی اشرفیوں کی پیش کی۔ آپ نے ایک سوکھی روٹی جو کی نکال کر سامنے رکھ دی۔ محمود نے کھائی مگر نوالہ گلے میں اٹکتا تھا۔ فرمایا کہ ایسے ہی تمہاری اشرفیاں ہمارے حلق سے نہیں اُتریں گی بس اُٹھاؤ، ہم اس کو طلاق دے چکے ہیں۔ پھر محمود نے عرض کی کچھ یادگار اپنا عنائت فرمائیے۔ شیخ نے ایک کپڑا اپنا دیا اور فرمایا کہ اگر تم کو کہیں بڑی مشکل پیش آئے جس کی عقدہ کشائی دشوار ہو تو اس کے ذریعہ سے دعا کرنا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ جب محمود رخصت ہونے لگا تو اس وقت تعظیم کے لیے حضرت کھڑے ہو گئے۔ اس نے پوچھا کہ آتے وقت کچھ نہ تھا تو اب جاتے وقت تعظیم کیسی؟ جواب دیا کہ اے محمود! تو بادشاہی کے گھمنڈ میں امتحان کے لیے آیا تھا، مگر اب تجھ فقیری اور انکسار کی دولت لے کر چلا ہے۔ پس میں تیری شاہی کی تعظیم کے لیے نہیں اُٹھا، بلکہ فقیری کی تکریم کے واسطے کھڑا ہوا ہوں۔

الغرض ان بزرگ ہستیوں کو بادشاہوں تک کی پرواہ نہیں ہوتی، عام دنیا داران کے ضمیر میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند — روز و شب در زق زق و در بق بق اند

اہل دنیا چہ کہین وچہ مہین — لعنت اللہ علیہم اجمعین

بہاول بخش ملاح کو تعلیم

ویسے تو حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں سیکڑوں دس نمبریے بدمعاش حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کے نیک فرماں بردار بندے بن گئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ڈی، ایس، پی یعنی چھوٹا کپتان حضرت کیلیا نوالہ شریف میں دورہ پر آیا۔ تھانہ پولیس بھی ہمراہ تھی اور علاقہ بھر کے بدمعاش سکھ اور مسلمان سب مدعو تھے۔ کپتان کے چلے جانے کے بعد پولیس بدمعاشوں سمیت حضور کی بیٹھک شریف میں آداخل ہوئی۔ ان میں بہاول بخش ملاح بھی تھا جو اس علاقہ میں بڑا نامور آدمی تھا۔ ہم چند درویش بیٹھک شریف میں بیٹھے ہوئے اور حضور درون خانہ تشریف فرما

تھے۔ جب بیٹھک شریف میں تشریف لائے تو تمام آدمیوں کی طرف دیکھ کر ایک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ کون آدمی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضور! میرا نام بہاول بخش ملّاح ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اتنا مشہور آدمی ہے اور شکل ایسی خراب تو نے بنا رکھی ہے؟ ہوش کر، مولیٰ کریم سے ڈر۔ موت نزدیک آ رہی ہے، مرنے کے بعد کوئی دنیا کی چیز کام نہ آئے گی۔ سوائے اس ذات پاک اور اپنے نیک اعمال کے۔ مطابق فرمان اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ۔ تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے خدا سے ڈرنے والے پرہیزگار لوگوں کے۔"

یہ سُن کر بہاول بخش کے آنسو جاری ہو گئے۔ چنانچہ اس دن کے بعد وہ اسلامی شکل و صورت بنا کر صوم و صلوٰۃ کا پابند بلکہ شب بیدار، تہجد گزار، درود شریف پڑھنے والا نیک کردار انسان بن گیا۔ بالعموم جمعہ شریف حضرت کیلیانوالہ شریف ہی میں گزارتا۔

اس کی سابقہ حالت یہ تھی کہ شیعہ مذہب رکھتا تھا اور جس طرح سے بھی ہو سکا اس نے اپنی حیثیت ساٹھ مربعے زمین ملکیت بنائی ہوئی تھی۔ اور ایک بہت بڑے کنبے کا مورث اعلیٰ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے حالات اپنی زبانی سنایا کرتا تھا کہ میں اوائل عمر میں اپنے والدین کی اچھی خدمت کیا کرتا تھا اور وہ مجھے بہت دعائیں دیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک بہاول کے ساٹھ بہاول۔ چنانچہ یہ ان کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ آج بفضلہ تعالیٰ میری چار بیویاں، تیرہ لڑکے اور ان کی اولاد مل ملا کر اس وقت میرے کنبہ کے ساٹھ افراد موجود ہیں۔ دنیاوی صورت میں تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا۔ آج تک علاقہ بھر میں کسی نے بھی میرا مقابلہ نہیں کیا۔ اور اب خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے میرا دین بھی سنوار دیا۔"

تین چار سال زندہ رہ کر شریعت اور طریقت میں حضور کا پورا متبع بن کے راہیِ ملکِ بقا ہوا۔ کئی احباب جو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے بیان کرتے ہیں کہ شکل دیکھنے سے طبیعت میں فرحت ہوتی تھی۔

اللہ اکبر! یہ ہے بندگانِ خدا کی اکسیر نظر کا اثر اور فائدہ، کہ ساری عمر بُرے کام کر کر کے اور مذہب سے بیگانہ رہ کر ایک اللہ کے بندے کی نظر کرم سے چند دنوں میں اپنی دینی حالت کو درست کر کے آخرت بھی سنوار لی۔

چوہدری نذر محمد صاحب ذیلدار دلاور چیمہ پر نظرِ کرم

چوہدری نذر محمد صاحب ساکن دلاور چیمہ ایک خوشحال زمیندار تھے۔ جو ذیلدار ہونے کے علاوہ مصالحتی بورڈ کے ممبر اور آنریری مجسٹریٹ بھی تھے جو قرضوں کے مقدمات سنا کرتے تھے۔ ایک دفعہ علی پور میں مقدمات کی تاریخیں دے کر حضور کی خدمت میں اللہ کا نام پوچھنے کی خاطر حاضر ہوئے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنت کے مطابق پہلے انہیں شکل مطابق سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درست کرنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس وقت میں نے حاضر ہونے کے لیے نیت کی تھی اسی وقت یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب ڈاڑھی سنت کے مطابق ہونی چاہیے۔ باقی نمازیں ان شاء اللہ تعالیٰ پانچ وقت ادا کیا کروں گا۔ حضور نے ہر نماز کے ساتھ پڑھنے کو بتایا اور نوافل تہجد کے لیے فرمایا۔ اس نے عرض کیا کہ جناب میں تو فجر کی نماز بھی عموماً دن چڑھے اُٹھ کر پڑھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر جاگ کھلی تو نفل پڑھنا ورنہ نہ سہی۔

چوہدری صاحب نے خود مجھ سے بیان کیا کہ جب یہاں سے رخصت ہو کر گئے تو نصف شب کے بعد نیند نہ آتی۔ ان کو فکر ہوا کہ شاید میں بیمار ہو گیا ہوں چنانچہ ڈاکٹروں سے تشخیص کراتے پھرے۔ آخر ایک بڑے ہوشیار ڈاکٹر کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں؟ کہا کہ ہاں پڑھتا ہوں۔ پوچھا کہ عشاء کے بعد نیند آتی ہے یا نہیں؟ کہنے لگے کہ اس وقت تو بڑے زور سے آتی ہے اور نصف شب تک خوب سوتا ہوں۔ اس کے بعد کھُل جاتی ہے اور پھر بالکل نہیں آتی۔ ڈاکٹر نے پوچھا کہ کسی اللہ کے بندے کے پاس جاتے ہو؟ کہا کہ ہاں جاتا ہوں۔ تو ڈاکٹر نے کہا کہ اُٹھ کر اللہ اللہ کیا کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جمعہ شریف ادا کرنے اور حضور کو ملنے کے لیے آئے تو ان کے ساتھ ایک مولوی صاحب بھی تھے۔ جمعہ شریف ادا کرنے کے بعد بیٹھک شریف میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ یہ مولوی صاحب ہمارے مربعوں پر امام مسجد ہیں اور بڑے جیّد عالم اور متقی آدمی ہیں لیکن ہیں اہل حدیث۔ اس وقت حضور رحمۃ اللہ علیہ مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور گفتگو شروع فرما دی۔ فرمایا کہ:

مولیٰ کریم نے ہر ایک پیغمبر کو ایک خاص صفت سے متصف فرما کر اس کو وہی لقب عطا فرمایا۔ مثلاً

حضرت آدم صفی اللہ، حضرت نوح نجی اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ مثال کے طور پر کلام کا شرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا تو کلیم اللہ کہلائے۔ رُوحانیت کے کرشمے یعنی مردہ کو زندہ کرنا، اندھے اور کوڑھی وغیرہ کو تندرست کر دینے کی صفت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص فرمائی اور ان کو رُوح اللہ فرمایا۔ تو مطلب یہ ہے کہ جس صفت سے وہ ممتاز تھے، یا جس صفت کا اجرا ان کے ضمیر میں فرمایا۔ اسی صفت سے ان کو نام دیا۔ اسی طرح آدم کی مناسبت سے آدمی، کفر کی وجہ سے کافر، ایمان کی صفت سے مومن، نفاق کے ساتھ منافق اور فسق کی وجہ سے فاسق، علیٰ ہذا القیاس۔ تو مدعا یہ ہے کہ ہر صفت جس سے اپنے پیغمبروں کو متصف فرمایا وہ برائے نام نہ تھے بلکہ اپنی قدرت کاملہ سے ان کے ضمیر میں وہ قوت ہی ودیعت فرمادی تھی۔ اب اگرچہ ہر پیغمبر مومن بھی ہے لیکن ان کو محض مومن سمجھنے والا کافر ہے۔ کیونکہ محض مومن سمجھنے سے اس کی اعلیٰ صفت سے منکر ہو کر ایمان کا حقدار نہیں رہتا۔ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مولیٰ کریم نے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (پ ۲۲ - ۳)	اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور خدا کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور سورج منور۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

کے القاب سے یاد فرمایا ہے۔ گو دوسرے صفات بھی اعلیٰ ترین ہیں، لیکن اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ اس امر پر دال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر کسی مجاہدہ کے بلکہ بلا طلب ان صفات سے متصف فرمایا ہے۔ اور جس طرح اوپر شرح کی جا چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلیم اللہ کی صفت سے خاص طور پر متصف فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمیر میں باذنہ روحانیت کا اجرا فرمایا اسی طرح ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیر میں دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا کی صفت کا اجرا فرما کر قیامت تک کے لیے تمام مومنین کے واسطے خوشخبری سنا دی کہ یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

تو اب اگر (چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن بھی ہیں اور بشر بھی) سراجاً منیراً کی صفت کو نظرانداز کرتے ہوئے محض بشر پر ہم ایمان رکھیں تو ہم کیا ہوئے"؟ تو مولوی صاحب فرمانے لگے کہ ایسا اعتقاد تو کفر ہے۔

جب اجازت لے کر چودھری نذر محمد صاحب مع مولوی صاحب رخصت ہوئے تو راستے میں مولوی صاحب نے نذر محمد صاحب سے کہا کہ اور باتیں تو بہت اچھی ہوئی ہیں لیکن یہ جو محض بشر سمجھنے والے کو کافر کہا گیا ہے یہ اچھا نہیں ہوا، میں اس کے متعلق کچھ لکھوں گا۔ چنانچہ انہوں نے کچھ لکھ بھیجا۔ پھر جب چوہدری صاحب حاضر خدمت ہوئے تو حضور نے دریافت فرمایا کہ مولوی صاحب نے کچھ تحریر فرمایا تھا تو ہمیں بھی دکھاتے۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ آپ کو دکھانے کے قابل ہی نہ تھا۔

ایک دفعہ چوہدری نذر محمد صاحب حاضر خدمت ہوئے تو اُن دنوں علامہ عنائت اللہ مشرقی کی خاکسار تحریک بڑے زوروں پر تھی۔ ہر جگہ فوجی تنظیم کی جاتی اور علماء کے خلاف زہر اُگلا جاتا جو در اصل دین ہی کے خلاف تھا۔ اس کے متعلق مسجد شریف میں بات شروع ہو گئی اور مولوی محمد نذیر صاحب بُرجوی کچھ اس مسئلہ پر روشنی ڈال رہے تھے کہ اتفاقاً چوہدری نذر محمد صاحب بھی وہیں آ بیٹھے۔ چونکہ چوہدری صاحب کے علامہ عنائت اللہ مشرقی سے دوستانہ تعلقات تھے اس لیے وہ بھی اس تحریک سے کچھ متاثر تھے۔ ویسے اچھے خاصے مقرر بھی تھے اور تقریر میں مجمع کو متحیر کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد نذیر صاحب سے خوب مناظرانہ رنگ میں سوال و جواب کرتے رہے۔ اتنے میں حضور رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی جگہ تشریف لے آئے اور گفت و شنید بند ہو گئی۔ آپ نے فرمایا خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ نذر محمد صاحب نے عرض کیا حضور! ادب مانع ہے۔ فرمایا کہ مناظرانہ صورت نہ سہی، آپس میں سمجھنے کے طور پر بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ نذر محمد صاحب نے حضور سے مکالمہ شروع کیا اور آپ نے مفصل طور پر گفتگو فرماتے ہوئے ثابت کر دیا کہ یہ مدعی دین و اسلام حقیقت میں دنیا کے طالب اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والے ہیں۔

اخیر میں نذر محمد صاحب نے عرض کیا کہ علامہ عنائت اللہ صاحب میرے خاص دوست ہیں اور دو تین روز تک میرے پاس آنے والے ہیں۔ میں ان کو دعوت دوں گا کہ حضرت کیلیانوالہ شریف حضور کی خدمت میں آئیں اور اپنی صداقت ثابت کریں۔ چنانچہ جب ان کے پاس علامہ صاحب آئے تو انہوں نے یہی دعوت دی اور کہا کہ اگر

آپ حضور کے سامنے اپنی صداقت ثابت کر سکے تو ہم ایک جماعت کثیر آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ لیکن علامہ عنایت اللہ نے حضرت کیلیانوالہ شریف میں آنے سے انکار کیا۔ برادرم نذر محمد صاحب نے کہا کہ اگر آپ وہاں نہیں جائیں گے تو ہمارا تمہارا تعلق بھی ختم ہوا۔

چوہدری صاحب کی طبیعت بفضلہ تعالیٰ بکلیت بدل گئی چنانچہ بہت سی زمین انہوں نے گروی لے رکھی تھی جو حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد چھوڑ دی۔ اور اپنے گاؤں میں ایک جماعت کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد صرف دیندار بننا تھا۔ ان کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی اگر ہم میں سے کسی کی ایک وقت کی نماز قضا ہو تو اس کے کفارہ میں اسی وقت حضرت کیلیانوالہ شریف جا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو۔

چوہدری نذر محمد صاحب کو حضور کی مسجد کے متعلق بڑا خیال تھا اور ارادہ تھا کہ میں اس کو تکمیل تک پہنچاؤنگا چنانچہ مستری حیات محمد مرحوم ساکن علی پور چٹھہ کو بھیجکر مسجد کی مرمت اور دروازوں کا کام شروع کرا دیا۔ دروازوں کے متعلق حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ دیسی ساخت کے ہونے چاہییں۔ چنانچہ انہوں نے چنیوٹ سے مستری منگوا کر موجودہ دروازے تیار کرائے۔ اور مسجد کی دیواریں جو امتداد زمانہ کے باعث کہنہ ہو کر نچلے حصے سے بالکل خراب حالت میں تھیں، اندر اور باہر دونوں طرف سے پرانی اینٹیں نکال کر پانچ پانچ چھ چھ فٹ تک نئے سرے سے سیمنٹ کے ساتھ بنائی گئیں۔ اُن ایام میں ہر چیز سستی تھی۔ دیودار کی لکڑی سوا روپے فٹ تھی اور اعلیٰ ترین مستری کی مزدوری بھی سوا روپیہ یومیہ تھی۔ تاہم اڑھائی ہزار روپے صرف دروازوں پر صرف ہوئے۔ مستری کہتے تھے کہ آج تک کسی مسجد کے ایسے دروازے دیکھنے میں نہیں آئے۔ اب تو تمازت آفتاب کی وجہ سے رنگ روغن پھٹ گیا ہے، واقعی جن دنوں یہ تیار ہوئے تھے تو دیکھنے سے جنت یاد آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ حسب وعدہ چوہدری صاحب مرحوم کو جزائے خیر دے۔ مَنْ بَنیٰ مَسْجِدًا لِلّٰہِ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ۔

اس کے بعد چوہدری صاحب نے مستری حیات محمد کو پیغام بھیجا کہ فرش کی تیاری کرو لیکن ان کا وقت آپہنچا اور مہلت نہ ملی حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد تین چار سال ہی زندہ رہ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ ان کی رحلت کی خبر سن کر حضور رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں برادرم سراج الدین مرحوم، مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی اور عاجز بھی فاتحہ اور تعزیت کے لیے دلاور چیمہ میں گئے۔

ملک لعل خاں سے گفت و شنید

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ شرق پور شریف عرس مبارک سے واپسی پر گوجرانوالہ میں شیخ عبدالمجید صاحب وکیل کے مکان پر ٹھیرے تو شیخ صاحب نے فرمایا کہ صبح ملک لعل خاں صاحب تشریف لائے تھے اور حضور کی آمد کے متعلق دریافت کرتے تھے۔

بات یہ تھی کہ اس سے ایک دن پہلے ملک صاحب وزیر آباد میں میاں محمد شفیع صاحب تحصیلدار سے ملے اور سیاسیات کے متعلق ان سے کچھ بات چیت کی۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرت شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ سے بات چیت کریں، ان شاء اللہ العزیز وہ آپ کی باتوں کا مکمل جواب دیں گے۔ کل آپ لاہور سے گوجرانوالہ شیخ عبدالمجید صاحب کے مکان پر کچھ وقت ٹھیر کر رات کو ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں میرے مکان پر قیام فرمائیں گے۔

ملک لال خاں صاحب خلافت کے وقت سے سیاست کے اعلیٰ ترین لیڈروں میں سے تھے۔ کانگرس میں کافی عرصہ کام کرتے رہے اور اس وقت جماعت احرار کے سرگرم کارکن تھے۔ انہیں یہ بات سن کر تعجب ہوا کہ ایسا بھی کوئی انسان ہے جو میری باتوں کا جواب دے سکے۔ فرمانے لگے کہ میں گوجرانوالہ ہی میں ان سے ملاقات کروں گا۔ چنانچہ ہمیں آپ کی معیت میں شیخ صاحب کے مکان پر پہنچے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ملک صاحب تشریف لے آئے اور آتے ہی گفتگو شروع کر دی۔

انہوں نے باتوں ہی باتوں میں یہ بھی فرما دیا کہ سید جماعت علی شاہ صاحب اور سید مہر علی شاہ صاحب جیسے عالی قدر بزرگ ہمارے پیچھے پیچھے پھرا کرتے تھے، اور ہم ان کے جلوس نکلوایا کرتے تھے —— چونکہ انگریز کی حکومت ہم پر مسلط ہے اس لیے ہم سب کو متحد ہو کر ان کو اپنے ملک سے نکال کر خود برسر اقتدار آنے کی کوشش کرنا نہایت ضروری ہے بلکہ اس غرض کے لیے مسلمانوں کا اپنے ملکی بھائی ہندوؤں کے ساتھ متحد ہو کر کوشش کرنا فرض اولین ہے —— وغیرہ وغیرہ۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ میں تم تمام مسلمان لیڈروں کے سخت خلاف ہوں۔ تم لوگ

کس بات کے درپے ہو اور کس چیز کے چاہنے والے ہو؟ جس چیز کو مولیٰ کریم نے وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ فرمایا ہے؟ اور کیا یہ ہمہ تن کوشش وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کے لیے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنٌ وَّمَا فِيْهَا مَلْعُوْنٌ فرمایا ہے، اور جس کو اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَّطَالِبُهَا كِلَابٌ سے تعبیر فرمایا ہے؟ ذرا ہوش کرو، پنبۂ غفلت کو دل کے کانوں سے دور کرو۔ یہ کمینی دنیا جس کو مولیٰ کریم کھیل تماشا فرما رہے ہیں، کیا کھیل تماشا کو چاہنے والے بننا چاہتے ہو؟ متاع الغرور سے دل لگا کر اپنے قیمتی اور عزیز وقت کو ضائع کر رہے ہو جو ہوا سے تیز جا رہا ہے اور اسی قدر موت کو قریب لا رہا ہے۔ وہ دنیا جس کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملعون قرار دے رہے ہیں اور مافیہا کو بھی ملعون فرما رہے ہیں اس کو اپنا مقصود سمجھ کر اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کر کے قید خانوں میں بے دینوں کے ساتھ وقت گزار کر عین مقصود والے بن رہے ہو؟ وہ دنیا جس کو سرکار مدینہ مردار سے تعبیر فرما رہے ہیں اس کے پیچھے پڑ کر کلاب کے فعل کے مرتکب ہو رہے ہو؟ بندگانِ خدا بھی جن پر دنیا کی حقیقت کھلی ہے اس کی یوں تعریف کرتے ہیں ؎

چیست دنیا، خاکدانِ کہنۂ ویرانۂ — غصہ جائے محنت آبادی، ملامت خانۂ
حالِ دنیا سر بسر پرسیدہ ام فرزانۂ — گفت یا بادیست، یا خوابیست، یا افسانۂ
باز مثالِ تودۂ برف ست در فصل بہار — ہیچ عاقل برچنیں جائے نہ سازد خانۂ
باز گفتم حال آں کس گو کہ دل دروے بہ بند — گفت یا غولیست یا دیویست، یا دیوانۂ

ہر حریصے ناسزائے ترکِ دنیا کے کند
شیر مردے باید و دریا دلے، مردانۂ

فرمان مولیٰ کریم ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی حقیقتاً تمہارے دوست اور سرپرست اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان دار بندگانِ خدا ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہی پیشوا اور رہنما ہیں، ان کے فرمان تو عرض کر ہی دیے۔ اب، ان کے سوا آپ کو گاندھی اور نہرو کا فرمان واجب العمل ہوگا؟ جو سوائے جہنم کے ہمیں اور کسی راستے پر نہیں۔ لے جا سکتا۔ کیونکہ مولیٰ کریم نے فرمایا ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ	جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا دوست تو خدا ہے کہ ان کو
الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۵ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا	اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے، اور جو کافر ہیں
اَوْلِیٰٓـــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ	ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر
النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ	اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ
النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۰ (پ۳-ع۲)	اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پہلے تو شیخ عبدالمجید صاحب بھی ملک صاحب کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن حضور کی بچوں قسم کی تقریر سن کر خاموش ہو گئے۔ آخر ملک صاحب اور شیخ صاحب نے بالاتفاق یہ کہا کہ اچھا! مان لیا کہ ہم آپ کے فرمان کے مطابق غلط راستے پر ہیں۔ تو تاوقتیکہ آپ ہم پر صحیح راہِ عمل واضح نہ فرمائیں، ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے"۔ اتنے میں کھانا تیار ہو کر آ گیا، اور حضور نے کھانے کے ساتھ ہی جواب دینا شروع فرما دیا۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے صحیح راستہ سنت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جس طرح حضور نے فرمایا اور عمل کر کے دکھایا ہم کو اس سنت پر چلنا اور آپ کے فرمان مبارک پر جان و مال قربان کرنا عین دین اور صراط مستقیم ہے یعنی مطابق فرمان وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ص وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ اگر ہم ایمان والے بن کر نیک اعمال کر کے خلیفہ ہونے کے قابل بنیں تو مولیٰ کریم ہماری بدلی ہوئی حالت کو دیکھ کر اپنے فضل سے مہربانی فرما کر ہمیں خلافت عطا فرما دیں اور ہماری خوف والی حالت کو امن سے بدل دیں تو بعید از رحمت نہیں۔ ورنہ خواری ہی خواری ہے۔ سب سے پہلے ایمان اور اس کے بعد اعمال صالح شرط ہیں۔ اور وہ ہیں اطاعت اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جس طرح حضور پُر نور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں کو پیغام اسلام پہنچایا اسی طریقے سے ہم بھی دعوتِ اسلام دیں نہ کہ ملک گیری کی ہوس میں اصل مقصود ہی کو بھول جائیں۔ پھر اس راہ میں جو جو مصیبت اور جو جو ابتلا ہم پر مولیٰ کریم کی طرف سے نازل ہو اس پر صبر و استقامت سے مولیٰ کریم ہی کی طرف رجوع کر کے استعانت کی دعا کریں اور مولیٰ کریم کی رحمت کا دریا جوش میں آنے سے ہمیں آزادی حاصل ہو جائے تو یہ راستہ ہمارے لیے درست ہے"۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم کی بڑی بسط سے مؤثر انداز میں تشریح فرمائی جو عاجز کو بلفظہ یاد نہیں، صرف ملخص عرض کر دیا گیا ہے۔ بہر کیف ملک صاحب ساکت و صامت رہ گئے۔ اتنے میں کھانا کھایا گیا اور حضور نے فرمایا کہ لو اب اجازت ہے، ملک صاحب عرض کرنے لگ گئے کہ ابھی نماز میں بُرے بُرے خیال آتے ہیں، طبیعت ذکر کی طرف راغب نہیں ہوتی، وغیرہ۔

گاڑی کا وقت قریب تھا۔ چنانچہ رخصت ہو کر وزیر آباد میاں محمد شفیع صاحب تحصیلدار کے مکان پر پہنچے اور صبح کو حضرت کیلیانوالہ تشریف لے آئے۔

حضرت سیّد محفوظ حسین صاحب اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کو مشورہ

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ عرس مبارک پر مکان شریف میں تشریف لے گئے۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب انقلاب سے پہلے اسمبلی کے انتخابات اور پاکستان بننے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جماعت احرار نے حضرت سید محفوظ حسین صاحب سجادہ نشین مکان شریف پر زور دیا کہ آپ اس تحصیل میں جماعت احرار کی طرف سے بحیثیت نمائندہ کھڑے ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ حضرت شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ شریف عرس مبارک پر تشریف لائیں گے تو ان سے مشورہ کے بعد بتایا جائے گا۔ چنانچہ عرس مبارک پر جہاں حضور قیام پذیر تھے وہاں حضرت سید محفوظ حسین صاحب اپنے چچا صاحب کی معیت میں تشریف لائے اور اس امر کے متعلق حضور کا مشورہ طلب فرمایا۔ آپ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو اس کام کے کرنے کے بعد پچھتانا پڑتا ہے۔ لہٰذا آپ احرار میں نمائندہ کی حیثیت سے ہرگز کھڑے نہ ہوں۔ یہ سنکر حضرت سید محفوظ حسین صاحب نے جماعت احرار کو جواب دے دیا۔

ادھر مجلس احرار نے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلو مہار والوں کو عرس مبارک پر بھیجا ہوا تھا چنانچہ صبح مکان شریف والے مشورہ طلب کر کے گئے، اسی دن پچھلے پہر صاحبزادہ صاحب آپ کو ملنے کے لیے تشریف لے آئے۔ پہلے تو صاحبزادہ صاحب نے حضور سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ ملا لو۔ لیکن ایک شرط ہے کہ مجھ سے اوراد و وظائف کی تسبیحیں نہیں پڑھی جاتیں۔ حضور نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ بیشک

تسبیحیں نہ پڑھنا۔ بعد میں صاحبزادہ صاحب نے انتخاب کے متعلق ذکر شروع کیا۔ بہت طویل بات چیت ہوتی رہی جس پر حضور نے فرمایا کہ میرے خیال میں مسلم لیگ کی مخالفت کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ بلکہ اس کی موافقت کر کے اسے تقویت دینی چاہیے۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ اب تو میں چالیس نمائندے کھڑے کر چکا ہوں اور بہت سا روپیہ پروپیگنڈا پر خرچ ہو چکا ہے۔ تو حضور نے فرمایا کہ اس کے متعلق آپ جانیں، میرے مشورہ سے تو یہ کام نہیں ہوا"۔

چنانچہ انتخاب کے دوران میں مجلس احرار کا جو حال ہوا سب پر عیاں ہے اور ہمارے حضور کے فرمان کی اہمیت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

"ہمہ اوست" کے متعلق صاحبزادہ صاحب کا استفسار

ایک دفعہ مکان شریف کے عرس مبارک پر حضور حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ کے تعمیر کردہ مکان کی نچلی منزل میں جلوہ افروز تھے کہ عشا کے بعد صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہاری نے اپنا خادم بھیجا جو کہ نعت خواں کی حیثیت سے اُن کے ہمراہ تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر کچھ کہے سنے بغیر چلا گیا تو کسی نے عرض کیا کہ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے اپنا خادم یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ معلوم کر آئے اگر حضور فارغ ہوں تو ہم ملاقات کے لیے آئیں۔ حضور نے فرمایا کہ ہم خود وہاں چلے چلتے ہیں تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو۔ اتنے میں صاحبزادہ صاحب تشریف لے آئے۔ اور آتے ہی ایک مسئلہ دریافت فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ہمہ از وست فرمایا ہے اور حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمہ اوست۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اصل حقیقت کیا ہے"؟ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت شروع فرمائی اور صاحبزادہ صاحب کو فرمایا کہ اگر کوئی بات پوری طرح ذہن نشین نہ ہو تو فرما دینا تاکہ اچھی طرح سمجھ کر آگے چلیں۔ چنانچہ کئی مرتبہ ایسا ہوا۔ اور ایک گھنٹہ سے زیادہ اس کے متعلق ایسے عجیب انداز میں ذکر فرمایا کہ سامعین پر ایک بے خودی سی طاری ہو گئی اور صاحبزادہ صاحب کو مطمئن فرما دیا۔

چونکہ یہ مسئلہ نہایت دقیق اور عوام کی فہم سے بالا تر ہے، دوسرے عاجز کو اس پر یارائے تکلم بھی نہیں، لہٰذا

اس کی تشریح نہیں لکھی گئی۔ اگر احباب کو اس کے سمجھنے کا شوق ہو تو حضور کی کتاب "الانسان فی القرآن" میں سے "معرفت الٰہی"، "معیت خداوندی" اور "توحید فی الخلق" وغیرہ کے مضامین کا مطالعہ فرمائیں۔

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے مذاکرہ

مکان شریف کے عرس مبارک پر گاہے گاہے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی تشریف لاتے۔ ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے آنے پر فرمایا کہ چلو بھئی سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو ہی دیکھیں۔ چنانچہ ہم سب آپ کی معیت میں عطاء اللہ شاہ صاحب کی قیام گاہ پر گئے جو حضرت صاحب مکان شریف والوں کی بیٹھک میں تھی۔ وہاں جا کر ابھی بیٹھے ہی تھے کہ حضرت سید محمد محفوظ حسین صاحب نے حضور کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا۔ حضور نے عاجز کو دیا۔ میں نے پڑھنے کے بعد عرض کیا کہ نذر شاہ جوکالیاں والے کا حضرت صاحب مکان شریف والوں کے نام مراسلہ ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ شاہ صاحب حضرت کیلیانوالہ کی وجہ سے جوکالیاں اور اس کے گرد و نواح کے لوگ میرے خلاف ہو گئے ہیں۔ اگر آپ ان کی خدمت میں فرمائیں کہ علاقہ کے لوگوں کو سمجھائیں تو میری مخالفت دور ہو سکتی ہے۔"

یہ سُن کر حضور نے سید محفوظ حسین صاحب کی خدمت میں فرمایا کہ نذر شاہ مولوی حسین علی واں بھچراں والے کا مرید ہے اور ان کے عقائد بڑے خراب ہیں لہٰذا آپ ان کے متعلق کچھ حکم نہ فرمائیں۔

مولوی حسین علی صاحب کا نام سُن کر سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے فرمایا کہ وہ دس فٹ کا آدمی ہے، فی سبیل اللہ لوگوں کو علم پڑھاتا ہے، وغیرہ، وغیرہ۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ علم غیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائل نہیں، اور وہ حق پر ہے۔ کیونکہ مولیٰ کریم نے قرآن پاک کی تعریف میں فرمایا ہے وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ یعنی اس کتاب پاک میں نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے کوئی غلط بات داخل نہیں ہو سکتی۔ اور قرآن مجید سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم غیب ثابت نہیں ہو سکتا۔ حضور نے فرمایا بلکہ قرآن مجید سے حضور کا علم ثابت ہے۔ عطاء اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ پھر اس کے متعلق میری آپ سے بات چیت ہو گی۔ حضور نے فرمایا کہ ابھی کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت گفتگو شروع ہو گئی۔

حضور نے قرآن پاک کی آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ تلاوت فرما کر اس کی بڑی بسط سے تشریح فرمائی چنانچہ عصر سے شام تک اور شام سے عشاء تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس تشریح کو طوالت کے خوف سے عمداً یہاں درج نہیں کیا گیا۔ اس کی پوری تشریح حضور کی کتاب "الانسان فی القرآن" میں شاہد اور سراجاً منیرا کے عنوانوں کے ماتحت لکھی گئی ہے۔ اور اس کتاب میں بھی حضور کے وعظوں میں مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ شائقین احباب وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حضور کی گفتگو کے دوران میں پہلے تو عطار اللہ شاہ صاحب کچھ اعتراضات کرتے رہے لیکن آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے۔ بالآخر عطار اللہ شاہ صاحب کو تسلیم کرنا پڑا اور انہوں نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ "حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذرہ ذرہ سے علم ہے"۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے از راہ انکسار فرمایا کہ میں تو ایک چھوٹا سا برتن ہوں اور میرا محدود سا حلقہ ہے۔ چونکہ آپ بہت بڑے مقرر ہیں۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں اس غرض سے عرض کیا گیا ہے کہ اس آواز کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دو۔ عطار اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ "گو میرا مشرب الگ ہے تاہم کچھ تھوڑا بہت اینٹ پتھر اس طرف بھی چلاؤں گا"۔ اس مذاکرہ میں برادرانِ طریقت سے سیکڑوں آدمی موجود تھے۔

جوکالیاں میں تبلیغی وفد

درمیان میں نذر شاہ جوکالیاں والے کا قصہ آ گیا تھا۔ ناظرین کو کچھ جستجو ہوگی کہ یہ کیا بات تھی، اس لیے ذیل میں اس کی تفصیل عرض کرتا ہوں جو زیادہ تر مجھ ہی سے متعلق ہے۔

نذر شاہ ولد قاضی نور الدین صاحب ساکن جوکالیاں ضلع گجرات حضرت کیلیانوالہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ بلکہ کئی دفعہ عاجز نے اس کی زبان سے اپنے کانوں سنا کہ میں جب حضرت کیلیانوالہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے چلتا ہوں تو رسول نگر سے مجھے محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں کسی اللہ کے بندے کی طرف جا رہا ہوں۔ ویسے مرید وہ مولوی حسین علی صاحب واں بھچراں والوں کا تھا۔ مولوی حسین علی صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ نذر شاہ حضرت کیلیانوالہ میں جاتا ہے تو جوکالیاں میں تشریف لائے اور اسے یہاں آنے سے

روک دیا۔ چنانچہ اس نے حضور کی خدمت میں یہ تحریر کیا کہ میرے پیر نے مجھے منع کیا ہے۔ چونکہ قبلہ تو ایک چاہیے' اس لیے میں آپ کے پاس حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ حضور نے واپسی جواب لکھا کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔ اس کے بعد مولوی نذر شاہ نے حضرت کیلیانوالہ خط و کتابت شروع کر دی جن میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین کے نقائص تحریر کرتا لیکن یہ محض ایک رسمی آڑ تھی، ورنہ اصل اس کا روئے سخن حضور ہی کی طرف تھا مثلاً (۱) تم دو زانو بیٹھنے پر مجبور کرتے ہو۔ (۲) ٹوپی اور پگڑی دونوں رکھنے کے لیے کہتے ہو (۳) صبح کی نماز کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہو (۴) حضور کا اسم مبارک لینے پر ہاتھ چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہو (۵) علم غیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائل ہو (۶) یا رسول اللہ کہتے ہو (۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہو۔

حضور نے مجھے فرمایا کہ تمہارے گاؤں کا ہے' اور تم اس کے لیے سفارش بھی کیا کرتے تھے' لہٰذا اب جواب بھی تم ہی لکھو۔ چنانچہ عاجز اس کو جواب دیتا رہا۔ تین چار دفعہ خط و کتابت ہوئی۔ بالآخر نذر شاہ صاحب نے واں بھچراں میں جا کر بارہ صفحوں میں ہم پر کفر کا فتویٰ لکھ کر یہاں ارسال کر دیا۔

عاجز کو خیال ہوا کہ جو کالیاں چونکہ میرے آباؤ اجداد کا گاؤں ہے' وہاں تبلیغ نہائت ضروری ہے۔ کیونکہ اب یہ وہاں بھی زہر اُگلیں گے۔ چنانچہ مولانا مولوی محمد مسعود صاحب جو حضرت جماعت علی شاہ صاحب ثانی کے خلفا میں سے تھے اور مولوی بشیر حسین صاحب گوجرانوالیہ اور ان کے علاوہ اپنے برادران طریقت میں سے کئی مولوی صاحبان کو ہمراہ لے کر ہم جو کالیاں پہنچے۔ چلتے وقت حضور رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید فرما دیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے مناظرہ نہ کرنا چنانچہ رات کو مولوی صاحبان نے وعظ فرمایا۔ صبح جب وعظ شروع ہوا تو نذر شاہ صاحب دو چار مولویوں کے ہمراہ دوسری طرف میز کرسیاں اور کتابیں لا کر مناظرہ کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت حاضرین جلسہ میں سے چوہدری غلام رسول صاحب ایم، ایل، اے اُٹھے اور ہمارے مقرر مولوی محمد مسعود صاحب سے مخاطب ہوئے کہ جو فتویٰ نذر شاہ نے حضرت کیلیانوالہ بھیجا ہے وہ پڑھ کر سنایا جائے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اُٹھ کر حاضرین کو اختصار کے ساتھ سنایا کہ نذر شاہ نے تحریر کیا ہے (۱) یا رسول اللہ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے (۲) جو شخص حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ماننے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ (۳) اور جو آپ کو حاضر و ناظر

سمجھے وہ دجال کافر ہے۔ چوہدری غلام رسول صاحب نے نذر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا کہ جو کچھ مولوی صاحب نے سنایا ہے کیا یہ تمہارا خط ہے؟ اس نے اعتراض کیا کہ سارا خط پڑھ کر نہیں سنایا گیا۔ چوہدری صاحب نے کہا جتنا پڑھا گیا کیا یہ تمہارے الفاظ ہیں؟ نذر شاہ نے تسلیم کیا کہ ہاں میرے ہی ہیں۔ یہ سن کر گاؤں کے تمام آدمیوں نے نذر شاہ اور اس کے ہمراہیوں کو کہا کہ آپ اپنی کتابیں وغیرہ اٹھا کر لے جائیں، ہمیں تمہارے وعظ و نصیحت سننے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت اپنے ساز و سامان کے ساتھ رخصت کر دیے گئے۔ بعد میں مولوی محمد مسعود صاحب نے تقریر فرما کر جلسہ کو ختم کیا۔

مکان شریف میں حضور کی تقریر

حضرت مظہر قیوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے چہلم اور حضرت سید محمد محفوظ حسین صاحب کی دستار بندی کے موقع پر حضور مکان شریف میں تشریف لے گئے۔ چنانچہ جمعہ شریف کا دن تھا۔ دستار بندی ہو چکی تھی۔ حضرت سید محمد محفوظ حسین صاحب نے حضور کو مجبور کیا کہ جمعہ شریف پر کچھ وقت آپ بھی کھڑے ہو کر کچھ خطاب فرمائیں۔ آپ سے پہلے دو تین مولوی صاحبان تقریریں کر چکے تھے۔ اخیر میں مولوی محمد یونس صاحب نے کھڑے ہو کر معجزات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمائے۔ ان کے بعد حضور کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مولوی صاحب نے بہت ہی اچھی تقریر کی ہے لیکن یہ نہیں بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے کس طرح ہیں۔ چنانچہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حیات النبی بالتصرف قرآن مجید سے ثابت کیا۔ ایک گھنٹہ تقریر کی اور سجادہ نشین کی اہمیت کے متعلق بیان فرمایا۔

صراط المستقیم پر تبصرہ

ایک دفعہ ہمارے حضور آقا و مولیٰ شرق پور شریف کے ختم مبارک سے واپسی پر لاہور پہنچے اور رات کو شاہ محمد غوث کے نزدیک شیخ مظفر الدین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ رات کو ایک شیخ صاحب جو کہ دیوبندی خیال اور مولوی احمد علی صاحب کے مرید تھے، حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے کھانا تناول فرمانے کے بعد انہیں

دیکھ کر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو صراط المستقیم پر ہی سمجھتا ہے۔ آپ صاحبان بتائیں کہ حقیقت میں صراط المستقیم کونسا ہے؟ حاضرین میں مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی، مولوی محمد عالم صاحب اور مولوی محمد نذیر صاحب برجوی کے علاوہ اور بھی کئی صاحب علم موجود تھے۔ چنانچہ ہر ایک نے حسب استعداد اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ بعد میں حضور نے فرمایا کہ اب مجھ پر بھی یہی سوال کرو تاکہ میں بھی اپنا عندیہ ظاہر کروں۔ حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا تو آپ نے قرآن مجید کی آیت پاک اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ تلاوت فرما کر نہایت ہی عجیب انداز میں اس کی تفسیر بیان کی اور فرمایا کہ جب تک نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حصہ نہ ہو، خواہ آدمی کتنا پرہیزگار بنے اور اپنے آپ کو کتنا ہی متدین خیال کرے صراط المستقیم کو نہیں پا سکتا۔

نسبت کا کچھ بیان آئندہ اوراق میں حضور کے وعظ و خطبات کے عنوان کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے اس لیے یہاں پر درج نہیں کیا گیا۔ اور اگر اس کی پوری تفصیل دیکھنا چاہیں تو آپ کی کتاب "الانسان فی القرآن" میں ملاحظہ فرمائیں۔

وعظ و خطبات

یوں تو بندگان خدا کا ہر ایک فعل اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے مطابق ہوتا ہے اور چشم بینا کے لیے ان کی تمام زندگی پند و موعظت کا مرقع ہوتی ہے، تاہم ان کے ارشادات اور بالخصوص وعظ و خطبات ہر گروہ کے لیے رشد و ہدایت کا باعث ہوتے ہیں اور ہر خاص و عام کی رہنمائی کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس فائدہ کے مدنظر حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ان وعظ و خطبات کے اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جو بالعموم آپ خطبہ جمعہ میں بیان فرمایا کرتے۔

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ تحت میں درج کیا گیا ہے یہ من و عن حضور کے الفاظ ہیں، تاہم کوشش کی گئی ہے کہ کم از کم آپ کے خطبات کا مفہوم ادا ہو جائے۔ ان کے بیان سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جن احباب کو

آپ کے وعظ سننے کی سعادت حاصل ہوئی، انہیں ان کے مطالعہ سے ایام رفتہ کی یاد تازہ ہو جائے گی، اور جن برادران طریقت کو یہ نعمت میسر نہ ہو سکی وہ بھی کم از کم اپنے دل و دماغ میں ان کا کچھ اثر لے کر ہدایت سے مستفیض ہو سکیں گے۔

حضرت آدم علیہ السّلام کا ذکر

مولیٰ کریم نے جب اپنے ظہور کا ارادہ فرمایا تو پہلے زمین و آسمان و ما بینہما کو چھ دن میں تخلیق فرما کر ملائکہ کے سامنے اظہار فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ ملائکہ نے عرض کیا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو اس میں خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم ہر وقت تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ تو اس علیمٌ خبیر نے فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

کلام مجید میں دوسری جگہ فرمان مولیٰ کریم ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ	جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی
بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ	سے انسان بنانے والا ہوں تو جب اس کو درست کروں
فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝	اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝	میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر شیطان
اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝	اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا۔ (پارہ ۲۳، رکوع ۱۴)

تو مولیٰ کریم نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بُت یعنی ڈھانچہ مٹی سے تیار کر کے اس میں رُوح پھونک دی۔ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری طرح یعنی رُوح مع الجسد درست ہو گئے تو ملائکہ حسب فرمان سجدہ میں گر پڑے، لیکن ابلیس اکڑ بیٹھا اور مولیٰ کریم کے حکم کا نافرمان ہو گیا۔ تو مولیٰ کریم نے اس سے دریافت فرمایا یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۝ کہ اے

ابلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آگیا یا تیرا مرتبہ بلند ہے؟ تو شیطان لعین نے جواب دیا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ یعنی میں اس سے بہتر ہوں۔ اور دلیل پیش کی خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے۔ اس ذات پاک نے بوجہ ناراضگی شیطان لعین کو حکم دیا کہ فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ یہاں سے نکل جا کہ تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت پڑتی رہیگی تو شیطان لعین نے بجائے اس کے کہ معافی طلب کرتا اور حکم تسلیم کرتا، اُلٹا دشمنی پر کمر ہمت باندھ کر یہ سوال کیا کہ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ میرے پروردگار! مجھے اس روز تک مہلت دے جبکہ لوگ اُٹھائے جائیں گے۔ مولیٰ کریم نے فرمایا قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۔ کہ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے۔ پھر ابلیس لعین بولا قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۔ کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا، سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ شیطان لعین چونکہ اچھا خاصا عالم بلکہ معلم الملکوت تھا، یہ جانتا تھا کہ مخلص آدمیوں پر میرا فریب نہ چل سکے گا، اس لیے اسی دن کہہ دیا کہ تیرے خالص بندے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ تو اس ذات پاک کی طرف سے جواب ملا کہ فَالْحَقُّ یہ سچ ہے کہ ان کو گمراہ کرنے میں تو کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے گا۔ لیکن ہماری طرف سے بھی حق سُن لے وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ کہ میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ یقیناً میں تجھ سے اور جو اُن میں تیری پیروی کریں گے، سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اس عہد و اقرار کے بعد اس ذات پاک نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا محنت و مشقت جنت میں داخل کر کے فرمایا:

یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَ	اے آدم! تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور
کُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا	جہاں سے تمہارا جی چاہے بے روک ٹوک کھاؤ، لیکن
ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝	اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو نافرمان ہو جاؤ گے۔

تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مع حوّا علیہا السلام جنت میں رہنے لگے جو نہایت آرام و آسائش کی جگہ تھی۔ حضرت

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ آرام و آسائش اور نعمات دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح سے اس جگہ پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں اور آرام سے زندگی بسر کریں تو شیطان لعین جو اسی تاک میں تھا کہ کسی طریقہ سے ان کو فریب دیا جائے اس کو گنجائش مل گئی۔ چونکہ اس کا داؤ فریب آدمی کی خواہش کے مطابق ہی چل سکتا ہے، اور اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ کے مطابق وہ خوب علم رکھتا ہے کہ اس آدمی کو فلاں صورت ہی سے گمراہ کیا جاسکتا ہے۔ تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمیشگی جنت کے خیال ہی سے وسوسہ ڈالا کہ اگر جنت میں خلود چاہتے ہو تو اس شجر سے کچھ تناول فرمائیے۔ اور کہا کہ تمہیں اس شجر سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اگر اس میں سے کچھ کھایا گیا تو تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے، یا ہمیشہ کے لیے جنت کے مقیم ہو جاؤ گے۔ اور اپنی گفتار کے سچ ہونے پر قسم اٹھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اس لیے تم کو اس حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ کی قسم کسی نے کبھی نہ اٹھائی تھی اس لیے وہ اس فریب میں آ گئے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اس کی یوں تفصیل بیان فرمائی ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ (پ ۸ - ع ۹)	تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول ڈالے۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔ اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھایا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔

اہل دنیا کی دشمنی تو مخالفت کے رُو سے ہوتی ہے، مگر شیطان لعین اس کے برعکس مطابقت کی بنا پر دشمنی کرتا ہے۔ لیکن جب تک آدمی کے ضمیر میں کوئی خیال پیدا نہ ہو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کے ضمیر میں

کوئی امنگ پیدا ہوئی تو اسی وقت اس خیال کو اس کے ضمیر میں مزین کر کے مطابقت کے روسے اس کو راستہ سے پھیر لیا اور اپنے اس وعدہ کے مطابق جو اس نے مولیٰ کریم کے سامنے کیا تھا کہ میں لوگوں کو گمراہ کیا کروں گا، اس میں کامیاب ہو گیا۔ تو جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خیال سے خبردار ہوا تو خدا کی قسم کھا کر انہیں پھسلا دیا اور شجر ممنوعہ سے کھلا کر اپنے مقصود کو پہنچ گیا۔

تو جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام اس کے دام تزویر میں پھنس کر ممنوع فعل کے مرتکب ہو گئے تو اپنی غلطی کا علم حال کے رُو سے ظاہر ہو گیا۔ یعنی لباس التقویٰ اتر گیا اور اپنے آپ کو حقیقت کے رُو سے برہنہ پایا۔ (یہ برہنگی ظاہری لباس سے نہ تھی بلکہ لباس التقوی سے تھی جو مومن اور ولی کے لیے باطنی لباس سے نامزد ہوتا ہے لیکن انبیاء کے لیے بالکل بظاہر ہوتا ہے) تو اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے لباس التقوی سے اپنے آپ کو برہنہ دیکھنے کی صورت میں بہشت کے پتوں سے اپنے ستروں کو ڈھانکنا شروع کر دیا۔

اس موقع پر ایک چیز قابل غور ہے کہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنے حال کے مطابق انہیں گنہگار یا ظالم سمجھے تو کفر ہے گو ان کے حال کے مطابق ایسا ہو۔ جیسا کہ بعد میں خود حضرت آدم علیہ السلام نے دُعا کرتے وقت اپنی زبان سے اقرار فرمایا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ بمصداق

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ہمچوں باشد در نوشتن شیر و شیر

جیسا کہ کسی اللہ کے بندے نے فرمایا ہے: حسنات الابرار سیئات المقربین وحسنٰت المقربین سیئات العاشقین وحسنات العاشقین سیئات الواصلین۔ گو یہ چیز عوام کی نظروں میں عجیب و غریب معلوم ہو گی کہ ایک کے گناہ دوسرے کے لیے نیکی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن ہے یہ حقیقت۔ کیونکہ ابرار جب عین نیکی میں محو اور مستغرق ہوتے ہیں، تو لگتا ہے مقربین کی سی لینت قلب اپنے ضمیر میں محسوس کرتے ہیں۔ اور مقرب جب کبھی کسی غلطی کے سبب سے اپنے مدارج سے گرتا ہے تو اس وقت ابرار کی طرح ہوتا ہے۔ یہی حال مقرب اور عاشق اور واصل کا تصور کیا جائے تو معانی کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ عوام جنہیں حال سے کچھ سروکار نہیں وہ ان معانی سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکتے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حال سے عوام تو درکنار

اولیاء اللہ بھی واقف نہیں ہو سکتے۔ انبیاء علیہم السلام کسی غلطی کے سبب سے جبکہ وہ حال کے رُو سے عین ہبوط میں ہوتے ہیں اگر وہ حال بھی کسی کو نصیب ہو جائے تو اعلیٰ ترین اولیاء اللہ میں سے ہو۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حال کو اپنے حال پر قیاس کیا جائے تو کفر سے کم نہیں۔ مقام ادب ہے۔ اور خطرہ ہے کہ کہیں لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ کا مرتکب نہ ہو جائے۔ یعنی جس طرح کہ ان کے بلانے کو دوسروں کی طرح جانے تو حبط اعمال کا باعث ہے اور ایسا کہ أَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ یعنی وہ نور ایمانی جس سے نیکی اور بدی کی تمیز ہوتی ہے اپنی طرح جاننے یا بولنے بلانے سے نہیں رہتی اسی طرح انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حال کو بھی اپنے حال پر قیاس کرنا ایسا ہی باعث خسران ہے۔ تو جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیطان لعین نے قسمیں کھا کر اور خیر خواہ بن کر بہلا لیا اور انہوں نے شجر ممنوعہ سے چکھ لیا تو مولیٰ کریم نے انہیں اس غلطی کے باعث جنت سے نکال دیا۔ (اس جنت کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ اگر اس کے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنا چاہیں تو حضور کی کتاب "الانسان فی القرآن" میں مطالعہ کریں، آپ نے اس میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس کے متعلق اشکال کو قرآن مجید اور حدیث شریف سے حل فرمایا ہے) اور فرمان ہوا کہ قُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۔ یہاں سے یعنی اس مقام سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت مقرر تک ٹھکانا اور معاش تجویز کر دیا گیا ہے۔ تو مولیٰ کریم نے اپنے خاص فضل اور مہربانی سے باوجود ہبوط کے وہ کلمات سکھلائے کہ جن سے ان کو معافی ہو جائے۔ فرمایا ہے فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس القائے ربانی کے مطابق دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۔ تو اس تواب الرحیم نے مطابق فرمان ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ حضرت آدم علیہ السلام کو چن لیا اور اپنے خاص قرب کی راہ دکھلائی اور فرمایا کہ دنیا میں ہماری طرف سے ہدایت آئے گی تو جس نے اس ہدایت کی اتباع کی وہ نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ عالم آخرت میں تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری نصیحت سے منہ پھیر لے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ

اتبع ھُدای فلا یضلّ ولا یشقٰی ٥ ومن اعرض عن ذکری فانّ لہٗ معیشۃً ضنکاً و نحشرہٗ یوم القیٰمۃ اعمٰی ٭

توحید فی الخلق اور شانِ رسالت

مولیٰ کریم نے انسان کو عالم دنیا میں بھیج کر ہزارہا انعامات و اکرامات سے سرفراز اور بمصداق اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ظاہری اور باطنی نعمات سے نوازا بلکہ تمام حیوانات، نباتات اور جمادات کو ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کے مطابق ہر چیز کو انسان کے لیے پیدا فرمایا۔ اور اس خاکسار کو اپنے عرف اور محبت کے لیے پیدا کیا۔ روحانی نعمات توحید، رسالت، قرآن پاک اور ضمیر جو حسن تقویم اور عرف کا محل ہے۔ مولیٰ کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سلسلۂ نبوت کا آغاز فرما کر یکے بعد دیگرے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کچھ کم و بیش انبیائے کرام علیہم السلام کو حسب ضرورت توحید کے اجرا کے لیے مرسل فرمایا، جنہوں نے دنیا میں مبعوث ہو کر گم گشتگانِ راہ کو قالی اور حالی طور پر تعلیم توحید سے مستفیض فرمایا اور ہر قوم کی طرف ضروریات وقت کے مطابق ان کو معجزات عطا فرما کر ارسال کیا، تاکہ ان کی سمجھ کے مطابق ان کو تعلیم ہو، اور وہ معاملہ کی حقیقت کو جان کر اس ذات واحد پر ایمان لا کر جس مقصود کے لیے انسان کو تخلیق کیا گیا ہے آسانی سے صراط المستقیم پر چل کر اس سے بہرہ ور ہوں۔

چنانچہ حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت مصر میں جادو کا زور تھا، تو آپ کو ایسے معجزے عطا فرمائے کہ تمام بڑے بڑے جادوگروں کے قلوب کو وحدانیت پر یقین دلا دیا کہ واقعی ایک ایسی طاقت موجود ہے جس کے سامنے ہماری عقلیں اور جادو کا علم بالکل ہیچ ہے۔ اور یہ اللہ کے بندے اور مرسل جو نسی تعلیم اور ایقان کی طرف دعوت دے رہے ہیں وہی صراط المستقیم کے لیے مشعل راہ ہے۔ چنانچہ ایمان لائے اور اس تعلیم اور ایقان نے ان کے قلوب کو قوت ایمانی سے ایسا بھرپور کر دیا کہ فرعون جیسے ظالم اور جابر بادشاہ کے سامنے بے دھڑک یہ کہنے کی جرأت بھر دی کہ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ یعنی جو تو نے کرنا ہے کرلے۔ ہمارے دلوں میں اس دنیا کی کوئی وقعت نہیں۔ اگر ہمیں عذاب کرے گا یا جان سے بھی مار دے گا تو ہمارے لیے اس ذات پاک کے نزدیک آخرت کا گھر بہتر

اور اعلیٰ ترین ہے ــــــ یہ ہے ایمان کا فائدہ۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وقت میں فرمان مولیٰ کریم کے مطابق عمل کیا اور نمرود جیسے جابر، ظالم اور خود سر بادشاہ کی حکومت میں ان کے بتوں کو توڑ کر توحید الٰہی کا اعلان کر دیا۔ ان ظالموں نے آگ کا بہت بڑا الاؤ تیار کر کے آپ کو اس میں پھینک دیا۔ لیکن اسی وقت قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ کے فرمان الٰہی نے بنی نوع انسان کے قلوب کو حیرت میں ڈال دیا اور ان کو ماننا پڑا کہ کوئی ایسی زبردست طاقت موجود ہے جس نے اپنے بندے کو جلتی آگ میں محفوظ رکھا ہے۔ اس وقت بہتوں نے یہ حال دیکھا تو ایمان لانے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں چونکہ حکمت کا زور تھا تو اس ذات پاک نے آپ کے قلب اور ضمیر میں اپنے اذن کا اجرا فرما دیا چنانچہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو بغیر علاج اور ادویات کے استعمال کے صرف ہاتھ پھیر دینے سے تندرست کر دیتے، حتیٰ کہ مُردوں کو زندہ کر دیتے بلکہ مٹی سے جانور کی صورت بنا کر پھونک مارنے سے صحیح طور پر زندہ جانور ہو کر اُڑا دیتے نے بڑے بڑے حکمار کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور بچپن میں اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے دعویٰ نے گوش ہوش رکھنے والوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

اُمتی کا کام ایمان لانا اور ادب کے ساتھ فرمان کو قبول کر کے عمل کرنا ہوتا ہے اور انبیار کا کام ان کے دلوں کو قالی اور حالی طور پر توحید سے مستفیض اور منور کرنا ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شجر رسالت پیدا ہو کر نشو و نما پاتا ہوا حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام تک رُوح یعنی پھول تک پہنچا۔ اور ہمارے حضور آنکھوں کے نور اور دل کے سرور، ہادی کُل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ کر بار آور ہو گیا۔ چنانچہ آتش پرستوں کے آتش کدے سرد ہو گئے، قصر کسریٰ کے کنگرے گر پڑے، کفار کے دلوں سے بُتوں کی عظمت جاتی رہی، شیطانوں کا آسمانوں پر چڑھنا بند ہو گیا، اور ان قلبوں پر جو کہ کفر میں غرق ہو چکے تھے انوار کی بارش برسنے لگی۔ جس کی طرف نظر رحمت پڑ گئی اس کے دل کو نور سے معمور کر دیا۔

پڑ گئی جس پر نظر بندے کو مولیٰ کر دیا

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نظر کرم فرمائی تو کفار کی انتہائی اذیتوں کے باوجود ان کے جذبۂ شوق میں

ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ بلکہ جوں جوں سختی بڑھتی گئی محبتِ الٰہی زیادہ ہوتی گئی ؎

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شیر بہادر قتل کے ارادہ سے گھر سے نکلے تو حبیب خدا کی نظر مبارک پڑنے سے تلوار گلے میں ڈال کر غلامانہ صورت اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا چون وچرا تصدیق کرنے پر صدیق اکبر بنا دیا۔ اپنے چچازاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو شیر خدا بنا کر عمرو بن عبدود جیسے مانے ہوئے پہلوان کے مقابلے میں کھڑا کیا اور اپنے تصرّف مبارک سے ایک آن میں اسے فی النار والسقر کرا دیا۔ خالد بن ولید جیسے شیر بہادر پر نظر مبارک کا وار ہوا تو اسلام کے لیے مجبور کر دیا۔ اگر سپہ سالار کو سپاہی بنایا تو خوشی سے منظور کیا، اور اگر سپاہی کو بادشاہ بنا دیا تو خوشی سے سب نے مان لیا۔ اگر غزوہ خیبر سے واپسی کے موقع پر سورج کو حکم دیا تو اس نے واپسی میں دیر نہ کی اور اگر چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ انسان تو انسان، بے جان لکڑی کو محو محبت کر دیا چنانچہ ستون حنانہ اس قدر رویا کہ اس کی آہ و فغاں اور نالہ و بکا کو صحابہ کرام نے بھی سنا۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مہربانی کی نظر مبارک ہوئی تو انہوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی لیکن پانی نے انہیں باہر پھینک دیا۔ اور اگر آگ میں گرے تو اس نے بھی نہ جلایا۔ آخر مجبور ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریوں سے کلمہ پڑھا دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت ہی ایسا تصرّف فرما سکتے تھے یا اب بھی فیض کی صورت میں تصرف رکھتے ہیں؟ تو مولیٰ کریم قرآن پاک میں آپ کے تصرف کے متعلق جو کہ آپ کے ضمیر میں ودیعت فرمایا اور خاصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے مطلع فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيرًا ۙ وَّ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ (پ ۔ ۲۲)

اے پیغمبرؐ! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

اَرْسَلْنٰکَ اس بات پر شاہد ہے کہ اس ذات پاک نے بلا محنت اور بلا طلب بلکہ بلا مجاہدہ محض اپنے فضل و کرم سے ان پانچ صفات کا خاصہ حضور کے ضمیر مبارک میں ودیعت فرمایا۔ تاکہ منصب نبوت کے لائق تصرف کا اجرا ہو سکے۔ اس سے پہلے کہ ان اوصاف کے متعلق بیان کیا جائے ضروری عرض یہ ہے کہ مولیٰ کریم نے اپنے کلام پاک میں جو کچھ بیان فرمایا ہے اس میں مبالغہ کو مطلق دخل نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے۔ اور جو لقب مولیٰ کریم اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عنایت فرماتے ہیں اس صفت کا اجرا پورے طور پر ودیعت فرما کر اس سے مزین فرماتے ہیں۔ جیسا نوح نجی اللہ کو نجی کی صفت بالفعل عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفت کلیم سے مزین فرمایا اور واقعی آپ اس ذات پاک سے کلیم ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خُلّت کی صفت سے پوری طرح مزیّن تھے۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روحانیت کے کرشمے فعل کی صورت میں ہویدا ہوئے۔ اصل مطلب یہ کہ جس صفت سے اپنے انبیاء کو بلایا، یا جس صفت سے مزین فرمایا وہ صفت فعل کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی رہی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد کی صفت سے نامزد فرمایا تو ظاہری باطنی صورت میں اُمت کے لیے اس صفت کا اجرا آپ کے ضمیر میں صفات فعلیہ کے رو سے رکھا۔ بلکہ دوسری جگہ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا کے لقب سے یاد فرمایا۔ تو اب ان دونوں صفات کا جمع ہونا آپ کے کمال علم اور حال پر دلیل ہوا۔ کیونکہ شَهِیْد صفات ذاتیہ سے ہے اور شَاهِدُ صفات فعلیہ سے، لہٰذا دونوں وصفوں کا جمع ہونا کمال پر دلالت کرتا ہے۔ بزرگان دین نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا کے تحت میں بیان فرماتے ہیں:

"یعنی باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہان شمارا ودرجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا واخلاص ونفاق شمارا لہٰذا شہادت او در دنیا بحکم شرع درحق اُمت مقبول وواجب العمل است۔

۲۔ مُبَشِّر: بشارت دینے والے یعنی خوشخبری دینے والے۔ ظاہری صورت میں قرآن مجید وحدیث

شریف کے رُوءٗ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی صورت سے خوشخبری دینا جنت اور اس کی نعمات کی اور باطنی صورت میں حال کی ترقی اور حجابات کے دور ہونے کی صورت میں عالم رویا میں بشارت دینا جو حال کے طور پر حقیقت کی صورت میں صاحب حال کے لیے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

۳۔ نَذِیْرًا، ڈرانے والا، بظاہر منہیات کے ارتکاب پر عذاب دوزخ سے ڈرانا، اور باطن میں مخالف نسبت سے متاثر ہو کر صراط المستقیم سے بھٹک کر یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کے تصرف سے بچانے کی صورت میں نذیر کے فعل کا فاعل ہوتا ہے۔

۴۔ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ، بلانے والے مولیٰ کریم کی طرف یعنی توحید کی طرف ساتھ اذن اس کے کے تو یہ تصرف بِاِذْنِہٖ بعینہٖ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرح ہے یعنی جس طرح ان کے ضمیر میں اذن ذات پاک کا اجرا تھا کہ اسی کی دی ہوئی طاقت سے مُردے کو زندہ کرتے تھے، اسی طرح مولیٰ کریم کی عطا کردہ قدرت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دین حق یا توحید کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے، اور اب بھی اسی تصرف ہی سے لوگوں کے سینوں کو شفا بخشتے ہیں اور آپ کا تصرف قیامت تک اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔

۵۔ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ منور کر دینے والے سُورج۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کی مثال اس ذات پاک نے آفتاب کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ تو اب یہ جاننا چاہیے کہ مثال اسی چیز کی دی جاتی ہے جس میں ممثل لہٗ کے ساتھ بتمام و کمال مماثلت ہو۔ آفتاب کو مولیٰ کریم نے قرآن پاک میں سِرَاجًا وَّهَّاجًا فرمایا ہے یعنی آفتاب چمکتا ہوا یعنی روشنی بھی کرتا ہے اور تصرف یعنی گرمی بھی پہنچاتا ہے۔ تمام دنیا پر ظاہر ہے کہ اگر سورج دنیا پر موجود نہ ہو تو باوجود آنکھ روشن ہونے کے کچھ بھی ملاحظہ نہ کر سکے، بالکل اندھوں کی طرح ہو جائے۔ اگر سُورج کا تصرف دنیا پر موجود نہ ہو تو کوئی ذی رُوح زندہ نہ رہے۔ بلکہ تمام نباتات، اور جمادات بھی خراب اور برباد ہو جائیں۔ آفتاب کی ضیا اور حرارت پر ہی مولیٰ کریم نے تمام اشیاء کی حیات کا دارومدار رکھا ہے۔ پانی کا بھاپ بن کر اوج فلک پر بادل کی صورت میں بدلنا اور بارش کا برسنا، بجلی کا پیدا ہونا اور اس سے دور دراز ملکوں تک خبروں کا پہنچانا اور بے تار برقی یعنی ریڈیو وغیرہ جس سے آج کل ہر ایک انسان باخبر ہے، اور بڑی بڑی مشینوں کا اس کی طاقت سے متحرک ہونا اسی کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ ہر بار آور ہونے والی چیز کا

ثمر تک پہنچنا اسی کے تصرف اور فیضِ طبع سے ہے۔ بلکہ چاند اور ستارے اسی کے نور سے منور ہیں۔ موسم کی تبدیلی اور گرمی سردی کا بڑھنا گھٹنا سب اسی کے بُعد و قرب کے سبب سے ہے۔ پہاڑوں میں پتھروں کی چٹانوں پر حرارت پڑنے سے لعل و زمرد کا برآمد ہونا اسی کے تصرف پر موقوف ہے۔ مختصر یہ کہ تمام عالم دنیا کی زندگی اور اس کے اسبابِ حیات سورج کے تصرف سے وابستہ ہیں اور سورج اس ذات پاک جل و علا کی مخلوق ہے اور اسی کی طاقت اور تصرف اس میں فاعل ہے۔ ہر کہ ومہ اس کے تصرف سے عالم ہے اور حال و قال سے مقر۔ بلکہ اس کے تصرف کو جو تسلیم نہ کرے اس کو سب لوگ بے وقوف اور جاہل شمار کرتے ہیں۔

اسی طرح اس ذات پاک وحدہٗ لاشریک نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیر پاک میں اپنی قدرت سے اس طاقت اور تصرف کا اجرا رکھا ہے۔ تو جس طرح سِرَاجًا وَّهَّاجًا مادی اور جسمانی زندگی کے لیے باعث نشوونما اور موجب حیات ہے اسی طرح سِرَاجًا مُّنِيْرًا روحانی زندگی کے لیے رہنما اور موجب حیات تسلیم کرنے میں کسی ذی عقل کو کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوگی۔ اور وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا اس امر پر دال ہے کہ قیامت تک کے تمام مومنین کے لیے اس ذات پاک کی طرف سے بہت بڑا افضل ہے۔ اب اگر اس فضل کبیر کی قوت اور طاقت اور تصرف کو تسلیم نہ کیا جائے تو میرے خیال میں کفر سے کم نہیں۔ بلکہ اس کا انکار حقیقت میں اس ذات پاک ہی کا انکار ہے۔ تو اب تمام مومنین کو کعبہ مقصود تک لے جانے والے اور صاحب رجوع کو اپنے فضل سے اور اپنے ضمیر پاک کے تصرف سے زکی عطا فرمانے والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ تمام عالموں میں اس سراجاً منیراً کے تصرف کو تسلیم کیا جائے۔

اس ذات پاک نے اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے کلام پاک میں بیان فرمایا ہے:

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝	اور میں اپنی تمام نعمتیں بخش دوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو
كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ	(منجملہ اور نعمتوں کے) میں نے تم میں تمہی سے ایک رسول بھیجے
اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ	ہیں جو کہ تم کو میری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں پاک
الْحِكْمَةَ (پ۲-۲)	بناتے ہیں اور کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ مولیٰ کریم اپنے تمام انعامات کی یاد دلاتے ہوئے اور اپنے احسان سے اپنے بندوں کو احسانمند فرماتے ہوئے اپنی سب سے بڑی اور انتہائی نعمت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دے کر ان کے فعل سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ "تم پر ہماری آیات تلاوت فرماتے ہیں اور تمہیں پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں"۔ جو بظاہر صورت میں کفر سے نکال کر اسلام کی طرف لانے اور باطنی صورت میں قلب کی کدورتوں کو اپنے سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے فعل سے دور کر کے منور کرنے کے سوا نہیں ہے۔ اگر اس تصرف کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کا مفاد مفقود ہو جاتا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہایت تاکید کے ساتھ مومنوں کے لیے اس کا اطلاق علی الدوام ہے کہ جب تک مومن دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک اس بشارت کا فعل جاری اور ساری ہے جو مِنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا کے مترادف ہے۔ کیونکہ اس کا اطلاق مومن کے لیے مشروط ہے۔ اور یہ محال ہے کہ مومن موجود ہوں اور فَضْلًا کَبِیْرًا کا فعل جاری نہ ہو۔ اس لیے معلوم ہوا کہ قیامت تک مومنین کے لیے یہ تصرّف جاری اور ساری قرآن پاک سے ثابت ہے۔

حدیث شریف میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اَللّٰہُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ کہ مولیٰ کریم عطا کرنے والے ہیں اور ہم تقسیم کرنے والے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام نعمات مولیٰ کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرماتے ہیں اور آپ تمام جہان میں تقسیم فرماتے ہیں۔ ایمان اور اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل ہی حاصل ہوا، ورنہ سب کے سب کفر کے حجاب میں محجوب رہتے۔ جس طرح آفتاب کی ضیا سے چاند اور ستارے روشن ہوئے اسی طرح حضور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرف پاک سے مومن، ابرار، مقرب، عاشق اور واصل بلکہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے مطابق محبوبِ خدا ہو سکتے ہیں۔ اب ان دلائل و براہین قرآن وحدیث کے باوجود کوئی صاحب انکار منکر ہی رہے تو بمصداق ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی اپنی کور چشمی کا نتیجہ ہے، ورنہ مولیٰ کریم کی طرف سے اس انعام واکرام میں کسی کے لیے کچھ بخل نہیں۔

اس وقت اگر کئی صاحب علم تصرف حضور سے انکار ہی کو اصل ایمان سمجھتے ہیں تو یہ کوئی بڑی تعجب کی بات نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بظاہر حیاتِ دُنیوی کے وقت میں بھی ایسے منکر موجود تھے جن کے متعلق مولیٰ کریم نے یہ فرمان مبارک نازل فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ط اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ کہ اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعض لوگ ایسے ہیں جو تمہاری طرف بظاہر نظر ہی سے دیکھتے ہیں۔ تو آپ ایسے اندھوں کو کیا راہ دکھائیں گے جن کو بصارت قلبی سے کچھ بھی حصہ نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ بصارت قلبی کے سوا صرف بظاہر صورت سے حضور کو دیکھنا اندھا ہونے کے مترادف ہے۔ تو آج بھی اس صفت سے مزین اور اسی مخالف نسبت سے فیض یافتہ کو حضور کے تصرف سے انکار ہی آسان معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے خیال میں حضور کی حقیقت کا انکار ہی عین توحید ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَاد۔ ورنہ اس نعمت سے فیض یاب، اصل توحید سے سیراب، عین معنوں اور مقصود کو پانے والے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "من آں خدائے را پرستادم کہ ربِّ محمد است"۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی جو تعلق ربوبیت مولیٰ کریم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے ہم اس تعلق کے رو سے اس کی پرستش کرنے والے ہیں۔ بلکہ اصل توحید کا علم ہی سِرَاجًا مُّنِيْرًا کے نور سے مستفیض ہونے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جو اس نسبت فیض سے مستفیض تھے فرماتے ہیں ؎

آن ذات خداوند کہ مخفی ست ز عالم!

پیدا و عیاں گشت بچشمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

تو حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل تھوڑے سے الفاظ میں اس حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے کہ وہ ذاتِ پاک جو تمام عالم سے مخفی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بصارت مبارک ہی سے ظاہر ہوئی۔ اس کا انکار اصل میں حق کا انکار اور اس ذات پاک کے فَضْلًا كَبِيْرًا کا انکار ہے۔ جس کا نتیجہ لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ہے۔ یعنی یہ بظاہر آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل جو سینوں کے اندر ہیں اندھے ہو کر اصل ایمان اور اصل توحید سے ہمیشہ کے لیے محروم رہ جاتے ہیں۔

اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات اور آپ کا تصرف مبارک قیامت تک

ہرامتی کے لیے اس کے حال کے مطابق جاری وساری ہے، اوراس کے خلاف عقیدہ رکھنا محرومیت کا باعث ہے۔ کیونکہ عقیدہ ہی بنیاد ہے۔ اگر بنیاد ہی درست نہ ہو تو اس پر عمل بالکل مفقود ہوتا ہے۔ چونکہ اصل مقصود توحید ذات باری تعالیٰ ہے اور اس کا راستہ اتباع حضور پر گامزن ہو کر سراجاً منیرا کے نور سے فیضیاب ہو کر فضلاً کبیرا کا حق دار ہونا اور اصل توحید سے حصول کا اجر آگے اگر اس پر اعتقاد ہی نہ ہو تو اس طرف رجوع کیسے ہو اور مقصود کو کس طرح حاصل کرے ؛ لہٰذا اس پر اعتقاد نہ رکھنا ہی عین بدنصیبی اور محرومی کا باعث ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت پاک سے تو کسی مسلمان کو بھی انکار نہیں لیکن مِثْلُکُمْ پر اعتقاد رکھنا قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف ہے۔ بعض صاحبان قرآن پاک سے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کو دلیل پکڑ کر اس پر مصر ہیں۔ تو ان کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر بخطاب مومن اس ذات پاک نے بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ فرمایا ہو تو ہمیں کسی طرح بھی عذر نہیں ہو سکتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ الٓمّٓ سے وَالنَّاس تک سارے قرآن مجید میں سے ایک جگہ بھی مخالفین ایسا ثابت نہیں کر سکتے۔ بلکہ قرآن پاک میں ایسا کہنے والوں کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یعنی پوشیدہ ظالم مشورے کرتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر بشر مثلکم تو اب اگر یہ اعتقاد رکھا جائے تو اس آیت مبارک کے مطابق ظلم کا مرتکب ہونا ہے۔ در اصل تمام قرآن شریف میں جہاں بھی مثلکم یا مثلنا ذکر ہوا ہے اعتقاد کفار یا جواب کفار کی وجہ پر فرمایا گیا ہے۔ ہاں اس کے برعکس مومنوں سے یوں خطاب فرمایا گیا ہے :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ	اے اہل ایمان ! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ	نہ کیا کرو۔ اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے
بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ	زور سے بولتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا
تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝	نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر مثلکم سمجھو گے تو وہ شعور جو نیکی اور بدی کا ممیز ہے یعنی نور ایمانی ہی ضائع ہو جائے گا۔ تو ثابت ہوا کہ مسلمان کے لیے یہ اعتقاد کسی صورت میں

بھی جائز نہیں ہو سکتا۔

گو قرآن پاک کے دلائل کی موجودگی میں کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں تاہم اس کی مؤید کافی ثقہ احادیث ملتی ہیں جن میں لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ، اِنِّی لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ، اِنِّی لَسْتُ مِثْلَکُمْ اور اَیُّکُمْ مِّثْلِی کے الفاظ مبارک ملتے ہیں جو صاحب ایمان کے لیے کافی ہیں یعنی صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ مختلف مواقع پر فرمایا "میں تم میں سے کسی ایک کی طرح بھی نہیں"، "میں تمہاری شکل و صورت کی طرح نہیں ہوں"، "میں تمہاری مثل نہیں ہوں"، "کون ہے تم میں میری مثل"؟ صحابہ کرام کے الفاظ مبارک بھی حدیث شریف میں موجود ہیں لَمْ اَرَیٰ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ یعنی ہم نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی آدمی آپ کی مثل نہیں دیکھا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۶۴ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا، وہ منکر ہو گئے۔ اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے"۔

تو قرآن پاک کی آیات سے ثابت ہوا چہ جائیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل سمجھا جائے، دوسرے انسانوں کی طرح آپ سے خطاب کرنا بلکہ آپ کی آواز مبارک سے اپنی آواز کو بھی بلند کرنا حبط اعمال اور نور ایمانی کو ضائع کر دینے کا باعث ہے۔ اور حدیث مبارک سے بھی ثابت ہو گیا کہ آپ کی مثل ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اور فرمان حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے بشر مثلکم سمجھنا انکار کے مترادف ہے۔ اب برادران طریقت کو اس مسئلہ کے متعلق پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مثلنا سمجھنا یا مثلکم پر اعتقاد رکھنا عین گمراہی اور محرومی کا باعث ہے۔ لہٰذا مسلمان کو اس اعتقاد سے نفرت اور ایسا اعتقاد رکھنے والوں سے بچنا چاہیے۔

میدان آزمائش اور شیطانی دھوکے

اس ذات پاک وحدہٗ لاشریک نے انسان کو مطابق لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ کے بہت اچھی صورت میں بنا کر ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ یعنی اس دنیا کے اسفل میدان میں مقررہ میعاد کے لیے بھیج دیا۔ یعنی پیدائش سے موت تک کی میعاد دے کر میدان آزمائش میں کھڑا کر دیا۔ فرمایا ہے کہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ یعنی موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں اچھے اعمال پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

اس ذات پاک نے انسان کو تمام اعلیٰ ترین صفات سے مزین فرما کر فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا کے مطابق نیکی اور بُرائی کی سمجھ عطا فرمائی اور مزید اسباب ہدایت انبیاء علیہم السلام کو ارسال فرمایا اور ان پہ اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ ادھر ابلیس لعین مردودیت کے لباس سے مزین ہو کر انسان کو گمراہ کرنے کے لیے کمربستہ ہر وقت تیار۔ اب ہر ایک انسان مطابق فرمان فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ یعنی جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے کا اختیار حاصل کر کے میدان آزمائش میں کھڑا ہے۔ طفولیت سے لے کر بلوغ تک گو اس پر احکام فرض نہیں ہوتے تاہم اس کی طبیعت یا ضمیر جو بے رنگ پانی کی طرح ہے صحبت اور ماحول کے تاثرات سے ضرور متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ہندو کا بچہ صحبت اور اثرات کی بنا پر ہندو اور مسلمان کا بچہ تاثرات کی بنا پر مسلمان، علیٰ ہٰذا القیاس۔ بالغ ہونے کے بعد جب تمام امر و نہی کا حامل ہوتا ہے تو اس کی طبیعت یا ضمیر کے لیے ہر ایک کام میں آزمائش کا میدان تیار ہوتا ہے۔ اور اس کو اپنے ضمیر کی کسوٹی پر تمیز کرنا ہوتا ہے کہ یہ کام جو میرے درپیش ہے اس میں فرمان خداوندی کیا ہے؟ اور میرا ضمیر اس میں کیا مشورہ دے رہا ہے؟ اور شیطان لعین وسوسہ ڈال کر مجھے کونسا سبق دے رہا ہے؟ یہ تمیز اس لیے ضروری ہے کہ کہیں میرا عمل نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی کے ماتحت مجھے نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا کا اہل نہ بنا دے۔

اگر خدا تعالیٰ اور اس کے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمان کی طرف رجوع ہو تو مولیٰ کریم اپنے فضل سے رحم فرما کر بمصداق اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

کفر کی ظلمت سے نور کی طرف راہ نمائی فرماتے ہیں اور مطابق هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۔ ملائکہ سے تقویت عطا فرما کر نور کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔ اور اگر برائی کی طرف رجوع ہو تو بمصداق وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اور هَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۔ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ۔ تو اس گنہ گار بدکار پر شیاطین کے نزول سے اسی طرف تقویت ہوتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ انسانی ضمیر جس میں اس ذات پاک نے متاثر ہونے کی طاقت بھر دی ہے۔ جس فعل کی طرف رجوع کرتا ہے اسی کے تاثرات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اگر عمل نیک ہو خدا اور اس کے حبیب پاک کے فرمان کے مطابق ہو تو اس کی مطابقت کی بنا پر نور کی طرف تقویت ہوتی ہے اور وہ ذات لم یزل ولایزال اور اس کے فرشتے رحمت نازل فرما کر اس کو ظلمت سے روشنی کی طرف لے جاتے ہیں اور اگر انسان کا رجوع نافرمانی کی طرف ہو تو اس کے فعل کے اثرات کی مطابقت کی وجہ پر شیطان اور اس کے ساتھی تقویت دے کر اپنی طرف لے جاتے ہیں اور شیطان اپنے وعدے کے مطابق کہ میں آدم علیہ السلام اور بنی آدم علیہ السلام کو گمراہ کرتا رہوں گا اپنا کام نہایت احتیاط سے کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی کمی نہیں کرتا۔ جیسا کہ مولیٰ کریم نے اپنے کلام پاک میں بیان فرمایا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ ۔ (پ ۸۔ س ۹)	شیطان بولا کہ مجھے تو تو نے گمراہ کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

تو اب آزمائش کے میدان میں شیطان لعین نے بنی آدم سے دشمنی کرنے کے لیے اس ذات پاک کے سامنے قسم اٹھا کر عرض کر دیا کہ چونکہ مجھے اس (آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وجہ سے گمراہ کیا ہے اس لیے تمام بنی آدم کو صراط المستقیم پر چلنے سے ہر طرح روکوں گا اور خاص طور پر ان کی تاک میں رہوں گا۔ ان کے آگے سے آؤں گا، یعنی جس حال میں یا جس رجوع کی صورت میں یہ راستے پر یعنی صراط المستقیم پر چل رہے ہوں گے

اس میں ایسا دھوکا دوں گا کہ وہ اپنے رجوع کی بنا پر اسے نیکی سمجھیں گے اور حقیقت میں وہ ان کی ہلاکت کے لیے زہر ہلاہل ہوگا۔

جاننا چاہیئے کہ انسان کی انسان سے دشمنی مخالفت کی صورت میں ہوتی ہے لیکن شیطان کی دشمنی مطابقت کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا رجوع نیکی کی طرف ہے تو شیطان اس کو حصول مدارج اور نظارہ ہائے شیطانی دکھا کر ایسا گمراہ کرتا ہے کہ وہ یہی جانتا ہے کہ میں عین حصول اور مقصود کے راستہ پر چل کر بمصداق وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا نیک کام کر رہا ہوں۔ لیکن شیطان لعین اپنا تصرف اور فرض منصبی پورے طور پر ادا کر لیتا ہے اور آدمی کی ایسی عقل ماری جاتی ہے کہ وہ اس دھوکہ کو سمجھ ہی نہیں سکتا ؎

چشم شہوت چوں کشاید دل بمیرد در بدن
عقل او کورش شود فہمید افتد در زمن

چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ ہے کہ حسب مدارج جب حال کھلنے پر آیا تو شیطانی تصرف غالب ہوا۔ کئی انواع کے خواب آنے لگے تو تکبر اور رعونت کی راہ سے ہم جلیسوں کے سامنے بیان کرنے شروع کر دیے کہ "مجھے رات کو فرشتے آسمانوں پر لے جاتے ہیں اور جنت کی سیر کراتے ہیں۔ حور و غلمان میری خدمت کرتے ہیں"۔ "میں نے اپنے عالی مقام کو کئی دفعہ دیکھا ہے"۔ "آج مجھے تخت پر بٹھا کر عرش معلّٰی تک کی سیر کرائی"۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب حضرت جنیدؒ نے یہ حال سنا تو اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا اے عزیز! تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے حسب دستور بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اب کے جب ملائکہ تمہیں لے جائیں تو لاحول پڑھنا۔ اس نے کچھ اعراض کیا کہ میرے حال کو آپ نے شیطانی خیال کیا ہے۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا مَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔ جب رات کو وہی معاملہ پیش آیا تو پہلے سے بڑھ چڑھ کر حالات منکشف ہوئے ایک نہایت خوشنما تخت ملائکہ اٹھائے ہوئے (جس کے گرد حوریں نغمہ سرا تھیں) آئے اور اس پر بٹھا کر لے گئے۔ تب اسے وہی خیال جو دن میں انکار اور اعراض کی صورت میں پیدا ہوا تھا، ظاہر ہوا۔ لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اگر یہ میرا حال شیطانی نہیں تو پھر لاحول پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ تو پڑھا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ پڑھتے ہی وہ سب سامان جاتا رہا اور اپنے آپ کو مزبلے میں گرا پڑا دیکھا۔ تب حضرت کی خدمت میں

زار و نزار روتا ہوا حاضر ہوا اور توبہ کی۔

پیچھے سے آنا یہ کہ جو اعمال اس نے کیے ہوئے ہیں ان کا طبیعت میں خیال اظہار اور غرور و تکبر کا ضمیر میں پیدا کرنا کہ تو اتنا بڑا بزرگ ہے۔ یہ تیرے افعال ہیں۔ ریا اور عُجب کا طبیعت میں لاکر راہ سے پھیرنا۔ دائیں طرف سے آنا یہ کہ نیکی کی طرف دھوکا دینا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر ایک نور عظیم متجلی ہوا اور اس میں سے ندا آئی کہ اے عبدالقادر! ہم نے تجھے نماز و مجاہدہ وغیرہ معاف کیا۔ اب تیرے لیے کسی محنت و ریاضت کی ضرورت نہیں رہی، تو ہمارا مقبول ہو گیا ہے۔ جناب کو معاً خیال آیا کہیں میرا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ گیا ہے؟ تو استغفار پڑھی۔ معاً وہ تجلی اور روشنی دھوئیں کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور آواز آئی کہ تو بڑا مرد ہے کہ بچ گیا، ورنہ میں نے اس مقام پر لاتعداد انسانوں کو گمراہ کیا ہے۔ آپ نے لاحول پڑھی اور ایک پتھر اٹھا کر اس دھوئیں کی طرف پھینکا۔ ایک چیخ کے ساتھ یہ آواز آئی کہ یہ میرا آخری داؤ تھا مگر اس میں بھی ناکام رہا۔ دُھواں گم ہو گیا۔ اگر حضرت اس وقت شان جلال و جمال میں تمیز نہ فرماتے اور اس کا کہا مان لیتے تو ملحد ہو جاتے۔ لیکن ہوشیار تھے، بچ گئے۔ شرع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، علم رہنما ہو گیا۔

بائیں طرف سے آنا یعنی جن کا رجوع برائی کی طرف ہوتا ہے اس کو اس کے رجوع کے مطابق ہی اس کی طرف دعوت دے کر اور مزین کر کے دھوکا دیتا ہے۔ الغرض ہر آدمی کو اس کے حال اور مدارج و منازل کے مطابق ہی شیطان لعین دھوکا دے کر گمراہ کرتا ہے۔ اور مولیٰ کریم نے از راہ غیرت اور انسان کی آزمائش کے لیے اس کو یہ اختیار دے رکھا ہے۔ چنانچہ جب ابلیس لعین نے مہلت لینے کے بعد یہ کہا تو مولیٰ کریم نے فرمایا:

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ	شیطان نے کہا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت
لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ	دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو
ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ	میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ
مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝	کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا جو شخص ان
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ	میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے (اور)
وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ	سزا بھی پوری۔ اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے

فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ط وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ط (پ ۱۵ - ۷)

بہکاتا رہ، اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تو تیرا کچھ زور نہیں

تو اب مولیٰ کریم نے از راہ شفقت و عنایت تمام بنی آدم کو مخاطب فرما کر متنبہ فرمایا کہ دیکھنا کہیں تمہیں بھی شیطان اسی طرح بہکا نہ دے جس طرح تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا:

يٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (پ ۸ - ۱۰)

اے بنی آدم! (دیکھنا) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ وہ اور اس کے بھائی تم کو وہاں سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

تو اب جبکہ مولیٰ کریم نے اس دشمنی سے مطلع کر دیا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ شیطان اور اس کے ساتھی تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔ ساتھ ہی دوسری جگہ فرمان ہو رہا ہے فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا یعنی شیطان کو دشمن پکڑو۔ تو ہمیں ایسے سخت دشمن کا خیال نہایت لازمی ہے کہ کہیں ہمیں صراط المستقیم سے بھٹکا نہ دے جو ہمارے لیے باعث خسران ہو۔ تو اب ہمیں ایسی مشعل راہ چاہیے جس کی روشنی میں وساوس شیطانی سے بچ کر صراط المستقیم پر چلنے میں آسانی ہو۔ تو مولیٰ کریم سورۂ لقمان میں فرماتے ہیں کہ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (اور جو شخص میری طرف رجوع کرے اس کے رستے پر چلنا) دوسری جگہ فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (پ ۱۱ - ۴) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستبازوں میں رہو۔ تو ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ جس خدا کے بندے کا رجوع مولیٰ کریم کی طرف ہو اس کی اتباع ہم پر فرض ہے۔ اور معیت صادقین اختیار کرو تو اپنے حال میں صادق بھی خدا کے بندے ہی مراد ہیں۔ اب وہ بندگان خدا جو اتباع نبوی پر گامزن ہیں اور فضلاً کبیرًا

کے فیض سے محظوظ ہیں ان کے ساتھ تعلق وابستہ کر کے سِرَاجًا مُّنِيرًا کی روشنی ایمان سے منور ہو کر ہر وقت اپنے حال کا معائنہ کرے اور جس آزمائش اور امتحان میں اس عالم دنیا میں ہم سرگردان ہیں، اپنے حال کی صحت کا خیال رکھے، اور اپنے ضمیر کے اوزان اور شریعت غرا کی کسوٹی پر اپنی طبیعت کا معائنہ کرے۔ اگر شریعت غرا سے ذرہ بھر بھی پھسل گیا تو طبیعت میں ضرور فرق آئے گا جو اس کے لیے دونوں جہان کی رسوائی کا موجب ہوگا۔ انسانی ضمیر کی تخلیق چونکہ اثرات کو قبول کرنے والی ہے، اس لیے اگر خلاف شریعت کی صحبت اختیار کریگا تو اس کا ضمیر اثرات کو قبول کر کے ضرور خرابی کا مرتکب ہوگا۔ جو فعل بھی شریعت غرا کے خلاف اس کی آنکھ یا کان یا زبان سے ظہور پذیر ہوگا اس کے قلب یا ضمیر کو صراط مستقیم سے ضرور ڈگمگائے گا۔ لہٰذا اس کو ہر وقت اپنے حال کا نگران اور اپنے خیال کا ممتحن بننے کی ازحد ضرورت ہے کہ کہیں مجھ سے خدا اور اس کے حبیب کے فرمان مبارک کے خلاف نہ ہو جو میرے ضمیر کے لیے باعث ہلاکت ہے۔ اور خدا کے نیک بندوں کی صحبت کو دائم اختیار کرے تاکہ وہ اثرات جو خلاف شریعت اس کے ضمیر میں جاگزیں ہو چکے ہیں وہ زائل ہو کر اصل حقیقت سے (جو اس بندۂ خدا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراجاً منیرا سے حاصل ہے) منور ہو کر اصل دین کی حقیقت سے علم نصیب ہو اور شیطان لعین اور اس کے قبیل کے فریب سے بچنے کے قابل ہو۔

اس ذات پاک کا تصرف ہر ایک انسان کے ضمیر کے ساتھ اس کے فعل کی بنا پر وابستہ ہے۔ مولیٰ کریم نے اپنے فضل و کرم سے ظاہری اور باطنی نعمات سے سرفراز۔ اس کو سمجھ عطا فرمائی۔ اب باوجود ان عطیات کے جس وقت انسان بُرائی کی طرف ارادہ کرتا ہے تو وہ ذات پاک اپنے خاص فضل و کرم سے اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى کی بنا پر اسکو متنبہ فرماتے ہیں تو اس فعل بد کا مرتکب ہونے سے پہلے اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ فعل اچھا نہیں۔ تو اس ہدایت سے اعراض کر کے جب اس فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو مولیٰ کریم کا تصرف از روئے غیرت بمصداق:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۔ (پ ۲۵-۱۱)

اور جو کوئی خدا کی یاد سے اندھا بنے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

کی صورت میں ظہور پذیر ہو کر شیطان کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ تو اس وقت غضبی صورت میں اس کے اعراض اور ناشکری کی وجہ سے:

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (پ ۸ - ر ۲)	اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کردے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

کا عمل اس کے لیے ظہور پذیر ہو کر اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اگر ان تمام نعمات کی موجودگی میں انسان کا رجوع الی اللہ ہو تو وہ رحیم الودود جن کا انسان کے ساتھ محبت کا تعلق ہے، اس کے لیے سَعْيًا مَّشْكُوْرًا کی صورت میں اس کے ضمیر کو اپنے فضل خاص سے راضی ہو کر اپنے فعل کا اجرا ہدایت کی طرف فرماتے ہیں، اور فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کے مطابق اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں تو اس کے لیے نیکی کے کام نہایت ہلکے اور آسان ہو کر وہ درجات اور مراحل جو اس کے لیے دشوار گزار تھے وہ ذات پاک اپنے فضل سے جلد از جلد طے کرا کے اس کو نہایت آسانی سے منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا۔ یعنی ربوبیت کے تصرف کی رو سے ذات پاک کی طرف یہ سیدھا راستہ ہے۔

اب ہر ایک انسان کو اسی معیار یعنی سنت اللہ کے موافق اپنے حال کا معائنہ کرنے سے واضح ہو جائے گا، کہ اگر اس کا انشراح صدر اسلام کے لیے ہے اور خدا اور رسول کے احکام پر آسانی سے چل رہا ہے تو اس پر خدا کا فضل ہے۔ اور اگر اس کے خلاف اس کا سینہ اسلام کے لیے تنگ ہے تو یہ جان لے کہ میرے حال پر شیطان لعین متصرف ہے اور میں گمراہ ہو رہا ہوں۔

قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ شیطان لعین ہر ایک انسان کو اس کے رجوع کے مطابق مطابقت کی رو سے گمراہ کرتا ہے۔ بعض مسلمان جن کا رجوع زعمی طور پر پنجتن پاک کی محبت کی طرف ہے اور محض دردناک داستانِ غم سننے اور آہ و بکا اور سینہ کوبی پر اکتفا کرتے ہیں، محبت کی اصل حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ شیطان لعین نے ان کو اس کا دھوکا دے کر اتنے ہی پر مطمئن کر دیا ہے اور ان کا رجوع یہاں تک بس ہے۔ نہ تعلیم اسلام سے واقفیت اور نہ میدانِ عمل سے کچھ سروکار۔ نہ یہ علم کہ پنجتن پاک کس مقصود کے لیے آئے اور کیا تعلیم دی، اور کیا عمل کیا، اور کس لیے اپنا بچہ بچہ قربان کر دیا؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے دین اسلام لائے اور اس پر خود بھی عمل کیا اور تمام اُمت کو اس تعلیم پر چلنے کا حکم دیا۔ اسی طور پر دوسرے صاحبان نے بھی عمل کیا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسلام کو خطرہ میں دیکھا تو مع اپنے عزیز و اقارب کے اپنی جان قربان کر دی لیکن اسلام کے خلاف عمل نہ ہونے دیا۔ اب اسلام اور اس کے مطابق اعمال کی تو پروا نہیں لیکن زبانی دعویٰ ہے محبت پنجتن پاک کا۔ یہ ہے شیطانی دھوکا۔ اگر اصل محبت ہوتی تو پہلے عظمت پنجتن پاک سے آغاز ہوتا، پھر ادب پیدا ہوتا اور اطاعت فرمان خدا و رسول میں اپنی بھلائی جانتے اور اتباع نبوی میں آرام پاتے، پھر مطابقت و مناسبت کی رو سے محبت کے ثمر کو پاتے تو اصل محبت پنجتن پاک سے سرفراز ہو کر مقصود کو پہنچتے اور اصل معانی سے واقف ہوتے۔ حال کی مطابقت تو دشمنانِ اہل بیت سے رکھتے ہیں اور زبانی دعویٰ محبت کا۔ ہر دعویٰ کے ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل واثق کی ضرورت ہوتی ہے اور بلا دلیل دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ اب ان کے حال کو ملاحظہ کرنے سے تو مخالفت اہل بیت ثابت ہوتی ہے تو پھر ان کا دعویٰ کس حد تک صحیح ثابت ہو سکتا ہے۔

دوسرے صاحبان کو شیطان نے ان کے رجوع کے مطابق توحید میں دھوکا دیا ہے اور اصل توحید سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ سبیل الرشد جو اصل منبع توحید اور مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا تھا، سرے سے اس کی خصوصیات ہی سے منکر ہو رہے ہیں تو اب سوائے توحید ابلیسی کے اصل توحید کو کس طرح پائیں گے؟

نسبت یا مناسبت

نسبت ایسے تعلق کو کہا جاتا ہے جس میں اتحاد تام ہو۔ گو اس کے کئی اقسام ہیں لیکن یہاں مقصود پنجتن پاک یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کے متعلق ذکر ہے۔

مولیٰ کریم علیم حکیم نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پانچ صفات سے متصف فرما کر مبعوث فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ	اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے
مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ	والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور خدا کی طرف بلانے

وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ (پ ۲۲ - ع ۳)

والا اس کے حکم سے اور سورج منور۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

تو اب نورِ ایمانی سے معائنہ کرنا بعید از تصدیق نہ ہوگا کہ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ اس امر کی دلیل ہے کہ اس خالقِ کائنات نے بلا محنت و مشقت بلکہ بلا طلب اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان صفاتِ حسنہ سے مزین فرما کر مرسل کیا ہے۔ دوسرے صفات کے علاوہ سِرَاجًا مُّنِيرًا کا مفاد مومنین کے لیے بشارت و رحمت تاکید مزید کے ساتھ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًا پر رکھا ہے۔ مولیٰ کریم نے مطابق فرمان:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ (پ ۱۹ - ع ۳)

کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے، اور اگر چاہتا تو اس کو تھما ہوا کر دیتا۔ پھر اس پر سورج کو علامت (دلیل) مقرر کیا۔ پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

جس طرح سورج کو رہنما بنایا ہے، اور سایہ کے بڑھنے اور سکڑنے کو جو کسی چیز کے بغیر بذاتہٖ کوئی وجود نہیں رکھتا اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانیت کا رہنما بنایا ہے۔ سِرَاجًا مُّنِيرًا جو لغت کے لحاظ سے اسم فاعل ہے، تو موافق ارشادِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَللّٰهُ يُعْطِىْ وَاَنَا قَاسِمٌ کے سِرَاجًا مُّنِيرًا کے معنی منور کر دینے والے ہیں۔ تو نصِ قطعی سے ثابت ہو گیا کہ حضور بحکمِ خدا مومنین کے ضمیر کو منور کر دینے والے ہیں، اور اس فاعلِ حقیقی نے اپنے فعل کے اجرا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیر میں جاری کر دیا ہے یا صحیح معنوں میں فاعل کے رو سے مختار کر دیا ہے۔ اس کے خلاف خیال کرنا سراسر انکار کلام اللہ اور مشیت ایزد متعال پر اعتراض ہے جو سر تا پا کفر پر مبنی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

قرآن شریف کے مطابق تمام خیر و برکت، ثواب و رحمت، توفیق و طاقت، نور و ہدایت من اللہ ہی ہے، اور اس کی سبیل و صراط المستقیم ہادی و رہنما اپنی سنت کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنا کر آپ کو سِرَاجًا مُّنِيرًا کا خطاب عنایت فرمایا ہے یعنی منور کر دینے والے آفتاب۔ جس طرح وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے ضمن میں يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کو اپنی نسبت سے منسوب کیا ہے لیکن صراط المستقیم اور وصف حال

کے رُو سے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ پر انحصار رکھا ہے۔ اسی طرح نور و ہدایت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے لیکن طریقت کے لحاظ سے سِرَاجًا مُّنِیْرًا کو رہنما فرمایا ہے۔ اور یہ سلسلہ سینہ بسینہ جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ جس کے لیے وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ کا فرمان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ بجلی کا منبع پانی یا کوئی اور چیز ہے۔ جس کے اخذ کرنے کے لیے انجن تیار کیا گیا ہے اور اس انجن سے تار کے ذریعے دور دراز تک بجلی کے چھوٹے بڑے انڈے روشنی کرتے ہیں۔ کئی کارخانے مشینوں کے ذریعے کاروبار کرتے ہیں۔ اگر منبع سے بجلی کی آمد بند ہو جائے تو ان اوزار و ظروف سے کوئی فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ سب مانند مُردہ کے بے حس و حرکت پڑے نظر آئیں گے۔ لیکن جب برقی رَو درست ہوئی اور بجلی کی آمد جس کو امر الٰہی اور فاعل حقیقی کے تصرّف سے تشبیہ دینا بجا و درست ہوگا، بدستور جاری ہوئی تو سب انڈے روشن اور کاروبار کی مشینیں فاعل ہوں گی۔ اس مثال سے یہ مفاد حاصل کرنا چاہیے کہ منبع بجلی نور ذات باری تعالیٰ ہے، اور کارخانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور تار اور انڈے اولیائے کرام اور مومن ہیں۔ اگر انڈے میں نقص واقع ہو جائے تو باوجود بجلی کی طاقت جاری ہونے کے روشن نہیں ہو سکتا۔ اور اگر انڈا صحیح سالم تار اور آئینہ سمیت درست ہو، اور اس کو کھینچ کر برقی رَو سے علیحدہ کر دیا جائے تو خواہ بجلی کا راستہ کُھلا رہے تاہم طاقت بجلی خرچ یا ضائع نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ طاقت بجلی بغیر درستی انڈے کے اور انڈا بغیر بجلی کی طاقت کے کارآمد نہیں ہو سکتے۔ اور تاریں اور انڈے سب کے سب کارخانے کے محتاج ہیں، اور کارخانہ یا انجن بغیر منبع بجلی کے کچھ تصرف نہیں رکھتا۔ چھوٹے سے بڑا اور بڑے سے چھوٹا ہر ایک انڈا حسب استعداد روشن ہر زمانہ میں معروف ہے۔

یاد رہے کہ جس طرح یہ سلسلۂ طریقت صراط المستقیم پر تا قیامت جاری ہے، اسی طرح اس کے برخلاف سلسلہ بھی جاری ہے۔ ان ہر دو نسبتوں کا جہان میں شور برپا ہے۔ ایک مطابق وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور دوسرا مِنْهَا جَآئِرٌ کے موافق ابلیس تک رہ جاتا ہے۔ بمصداق ؎

ہرگز بکعبہ نہ رسی اے اعرابی
آں راہ کہ تو می روی بترکستان ست

لیکن بایں ہمہ اس گروہ کا تصرف میدان دنیا میں بڑھ چڑھ کر ہے۔ کرامت کی جگہ استدراج کی وجہ پر دنیا والوں

کے کاموں میں حیرت انگیز تصرف رکھتا ہے۔

غور طلب امر تو یہ ہے کہ یہ اپنے حال میں خوش کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کے موافق فرحاں و شاداں بلکہ دوسرے فرقہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی ترک دنیا کے مقابلہ میں ان کو دنیادار خیال کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو حال کی رو سے اچھا خیال کرتے ہیں تو اس کو بھی اسفل منزل کا مقیم سمجھتے ہیں۔ اپنے حال کو سب سے اعلیٰ اور ارفع جانتے ہیں۔ غرضیکہ اپنی نسبت کے پورے شکار ہوتے ہیں اور مطابق اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ دوسرے کے حال کو دیکھنے والے ہوتے ہیں، تاہم اپنے حال کے دیوانے، زعمی سرور کے متوالے، اپنی دھن میں جانے والے۔ لیکن یہ سب یکساں نہیں ہوتے۔ بعض ان میں سے شریعت غرا یعنی صوم وصلوٰۃ کے پابند، سنت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عظمت و رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے حال میں کچھ تامّل ہے لیکن نسبتِ رسالت سے ان کو بھی کچھ حصہ نہیں ہے اس لیے خطرہ ہی ہے۔ کیونکہ خواہ شریعت اور سنت پر عامل ہو، تاہم نسبت خلاف نبوت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اور وہ اس لیے کہ اُس گروہ سے جو محض خشک توحید کے پودے اور نورِ رسالت سے سرتاپا محروم ہیں، اس گروہ کی موافقت پائی گئی ہے۔

قصہ مختصر، روئے خطاب تو خصوصاً اس گروہ کی طرف ہے جن کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاف انکار ہے۔ اور صرف اعراض ہی نہیں بلکہ اعتراض تک ان کے کلام سے ظاہر ہو چکا ہے۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ سے مطابقت ثابت ہے۔ بلکہ اس کے حق میں تعریف اور نعت کو کلام و اشعار میں بیان کرتے ہیں، الامان۔ یہ گروہ اس نسبت سے پورا حصہ لینے والا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میدان قیامت میں ان کے راز کی قلعی کھل جائے گی حقیقت کا انکشاف ان کے لیے روز روشن کا حکم رکھے گا تب اپنے ظلم اور تعدی کی داد دیتے ہوئے کفِ حسرت مل کر کہیں گے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ وَيَقُوْلُ	اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں نے
يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝	پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا۔ اے شامت! کاش!
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝	میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو
لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ	نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان
كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ (پ ۱۹)	انسان کو دغا دینے والا ہے۔

ھیہات، اس وقت اس تعلق ورفاقت، خلت ومحبت اور نسبت ومناسبت کا علم ہو جائے گا لیکن بے سود۔ ہر ایک زمرہ اپنے پیشوا کے پیچھے مطابق حال ونسبت کچھ دوزخ کی طرف اور کچھ جنت کی طرف ہنکایا جائے گا۔ لیکن متبع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ تمام انبیا و مرسلین لوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ میں عین مقصود اور حصول کو پانے والے ممنون ومشکور ہوں گے اور نسبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرتاپا مستغرق ومحظوظ ہو جائیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

گو نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مقصود تھا۔ لیکن مختصر طور پر نسبت شیطان کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو برادران طریقت کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ ہر صاحب نسبت کے لیے اس کی پہچان ضروری ہے۔ تاکہ رہرو کہیں غلطی کھا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال دے۔

رحمت خداوندی

مولیٰ کریم کا ذاتی اسم اللہ ہے، باقی تمام اسما صفاتی ہیں۔ بعض اسما صفاتی کا تعلق محض ذات سبحانہٗ سے ہے۔ مخلوق سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ مثلاً قُدُّوس، تو اس کا مرجع ذات پاک ہی کی طرف ہے یعنی اس کا تعلق محض ذات سبحانہٗ سے وابستہ ہے، مخلوق سے ہرگز نہیں۔ اور بعض صفات فعلیہ جن کا فعل خاص طور پر مخلوق سے وابستہ ہے، ذات سبحانہٗ سے کسی صورت میں بھی روا نہیں ہو سکتا۔

سورۂ فاتحہ میں اس ذات پاک نے اپنی صفات بالفعل رحمٰن اور رحیم کا ذکر فرمایا ہے جن کا تعلق مخلوق کے ساتھ وابستہ ہے۔ یعنی بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا اپنی مخلوق کے ساتھ۔ مولیٰ کریم کا معاملہ انسان کے ساتھ خاص ہے اور اس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کا رحمٰن اور رحیم ہونا جسمانی اور روحانی دونوں صورتوں میں ظہور پذیر ہے۔ سب سے پہلی اور بڑی مہربانی یہ ہے کہ ہمیں انسان بنایا۔ ورنہ اگر گدھا، کتا یا خنزیر بنا دیتے تو ہم کیا کر سکتے تھے؟ احسن تقویم بنایا۔ بمصداق فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا برائی اور بھلائی کی سمجھ عطا فرمائی اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى کے مطابق ہدایت کا دینا اپنے ذمہ کرم پر لیا اور بمصداق وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں میں ہمیشہ کیلیے سب سے بڑی رحمت بنا کر بھیجا۔ اس رحمت کے تصرف سے

ہمیں گمراہی سے بچا کر اپنی اصل توحید اور صراط المستقیم پر چلنے کے لیے راہ نمائی فرمائی۔ بلکہ تمام عالموں یعنی عالم موجودات، محسوسات، معلومات اور معروفات میں اپنی خاص رحمت سے مستفیض فرما کر عالم امر کی حقیقت ہم پر آشکار فرما دی۔ اور بعض کو مقرب کا، بعض کو اپنی محبت کا اور بعض کو اپنی خاص رحمت سے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے ماتحت اپنے وصل کا راستہ دکھا کر بہ طفیل حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے مطابق اپنا محبوب بنا لیا۔ یہ سب اس ذات پاک کی مہربانی اور رحمٰن و رحیم کی صفت کا ظہور ہے۔ جسمانی صورت میں رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے مطابق اس ذات پاک کی رحمت تمام چیزوں کے ساتھ شامل ہے۔ پہلی روحانی نعمتیں خاص ہیں اور یہ عام۔ باوجود نافرمانیوں کے وہ ذات پاک اپنی رحمت سے کسی کو بھی محروم نہیں فرماتے۔ گو اس ذات پاک کی نعمات کا بمصداق اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا شمار ہی نہیں ہو سکتا تاہم ایک ایک نعمت کی طرف اگر دیکھا جائے تو اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ آنکھ ایسی نعمت ہے کہ اس کا شکر عمر بھر بھی انسان کرے تو ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر دنیا کی کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا۔ کان نہ ہوں تو کسی علم سے معلومات حاصل نہیں کر سکتا۔ دانتوں اور زبان کے بغیر کوئی چیز کھا نہیں سکتا۔ اور اگر کھا بھی لے تو معدہ میں جا کر صحیح طور پر ہضم نہیں ہو سکتی۔ المختصر ایک ایک نعمت جو اس رحمٰن و رحیم نے عطا فرمائی اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ انسان کے کفر اور شرک کے ارتکاب کے باوجود اپنی صفت رحمٰن کا تصرف برابر جاری رکھتے ہیں اور کسی طرح سے بھی اس میں کمی نہیں فرماتے۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کسی ندی کے کنارے وضو کر رہے تھے دیکھا کہ ایک بڑا سا بچھو جنگل سے ندی کی طرف دوڑتا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ کنارے پر پہنچا تو معاً ایک مینڈک پانی سے باہر نکل پڑا اور بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ مینڈک ندی کو عبور کرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچا اور بچھو خشکی پر اُتر کر آگے چل دیا۔ شیخ صاحب نے تعجب سے دیکھ کر خیال فرمایا کہ یہ واقعہ خالی از حکمت نہیں چنانچہ آپ بھی پانی سے نکل کر بچھو کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ حتیٰ کہ وہ بچھو ایک سایہ دار درخت کے پاس پہنچا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مرد جوان درخت کے سایہ میں بے خبر سو رہا ہے اور ایک اژدہا جو اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کی طرف آ رہا ہے۔ چنانچہ سانپ ابھی اس کے پاس پہنچنے نہ پایا تھا کہ بچھو ادھر سے جا پہنچا اور سانپ کے سر پر ایسا نیش

مار اکہ سانپ فوراً مر گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بچھو واپس ہوا اور حضرت ذوالنون بھی اس کے تعاقب میں چلے چنانچہ اسی ندی کے کنارے پہنچے اور مینڈک نے بدستور سابق بچھو کو پیٹھ پر سوار کر کے دوسرے کنارے پہنچا دیا۔ حضرت ذوالنون نے خیال کیا کہ غالباً وہ جوان اولیاء اللہ سے ہے۔ چنانچہ پھر اس درخت کے پاس آئے۔ دیکھا کہ وہ جوان شراب سے بدمست ہے اور شراب کی بدبو اس کے منہ سے آرہی ہے۔ آپ کو نہایت تعجب ہوا کہ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ ہاتف رحمت نے یہ آواز دی کہ اے ذوالنون! متحیر اور متفکر نہ ہو کہ اگر ہماری حفاظت اور مہربانی کا بدرقہ متقیوں اور معصوموں اور پاکوں ہی کی رعایت کرے تو پھر بدبختوں، بداعمالوں، گنہگاروں اور عاجزوں کی رعایت کون کرے گا؟ اگر ہمارے عفو کا سیلاب بدبختوں کی میل کچیل نہ دھوئے تو اور کون دھوئے گا؟ اگر ہماری رحمت کا دریا گمراہی کے جنگل کے پیاسوں کی سیرابی نہ کرے تو اور کون کرے گا؟ اور اگر اپنی بخشش کے بادل سے ہدایت کے قطرے غفلت کے جنگل میں سونے والوں پر ہم نہ برسائیں تو اور کون برسائے گا؟ اور اگر ہماری عنایت کی ٹھنڈی ہوا طبیعت اور لالچ کے غرقابوں کو گرداب ہلاکت سے بچا کر توبہ اور انابت کے کنارہ پر نہ لائے تو اور کون لائے گا؟

اس بات سے حضرت ذوالنون رحمہ اللہ نہایت خوش ہوئے اور خوشی خوشی ایسے مقبول جوان کے گرد طواف کرنے لگے اور زبان سے یہ شعر پڑھنے لگے ؎

اے خفتہ کہ دوست نگہبان جان تست　　تو مست و غافلی کرمش پاسبان تست
خوابت چگونہ آید از شوق آں کریم　　کش رحمت و عنایت بیش از گمان تست

جب وہ جوان ہوش میں آیا تو شیخ صاحب کو دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور عرض کیا کہ اے میدانِ دین کے شہسوار! آپ اس گنہگار شرمسار کے پاس کیونکر آ گئے؟ شیخ صاحب نے اپنے آنے کا من وعن حال بیان کیا۔ اس جوان نے جب اس پارسا کی زبان سے یہ حال سنا تو نعرہ مارا اور دھم سے زمین پر گر پڑا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور زار زار رونے لگا۔ جنگل کی راہ لی اور اپنی باقی عمر کو عبادت اور یادِ الٰہی میں گزار دیا۔

میرے مولیٰ کریم کے کام نہایت ہی عجیب ہیں۔ اگر اس کی نظر عنایت ہو تو طرفۃ العین میں نہال کر دے اور سوکھی ٹہنیوں کو ہرا بھرا اور مالا مال کر دے، اور چوروں اور بدکاروں کو قطب اور ابدال بنا دے، اور ان غریبوں کو جو کہ نانِ شبینہ کے محتاج ہیں ایک دم میں دو جہان کا شہنشاہ بنا دے۔

الغرض ایسے رحمٰن و رحیم اور کریم ہیں جن کی رحمت اور مہربانی کسی حال میں بھی ہم سے رُکی ہوئی نہیں بلکہ اپنے رحم و کرم سے ہمارے بال بال پر نعمات کی بارش برسا رہے ہیں۔ اور ہم اتنی رحمتوں کے باوجود ناشکری میں گرفتار ہیں۔ ہوش کرنی چاہیے اور اس کی رحمتوں کا معائنہ چشم بصیرت سے کر کے اس ذات پاک سے شکر کی توفیق مانگ کہ ہر حال میں ناشکری سے متنفر اور بیزار ہو کر اس کے شکر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وقت ہوا سے تیز جا رہا ہے اور دنیاوی زندگی کا وقت عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں اپنے مولیٰ کریم کے سامنے ناشکروں میں سے ہو کر شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ خداوند تعالیٰ اور اس کے محبوب بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پاک پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں۔ تاکہ اپنے آقا و مولیٰ کے دربار میں باعزت حاضر ہو کر ہمیشہ کی شادمانی سے سرفراز ہوں۔

حیاتِ دنیا

مولیٰ کریم نے انسان کو تخلیق فرما کر مقررہ میعاد کے لیے دنیا میں خاص مقصود کے لیے بھیجا اور اپنی تعلیم احکام سے سرفراز ا تاکہ اپنے مقصود کو بھول کر اپنا دل دنیا سے نہ لگا بیٹھیں چنانچہ فرمایا ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے۔ اور
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) آخرت کا گھر ہے۔ کاش!
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۲۱ - ع ۳) یہ (لوگ) سمجھتے۔

تو مولیٰ کریم اپنے بندوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ یہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور چند روزہ ہے۔ لہٰذا اپنے مقصود اور منشائے تخلیق کو بھول کر کہیں حیوٰۃ الدنیا ہی پر دل نہ لگا بیٹھے۔ اور آخرت جو ہمیشگی کا گھر ہے اس کی حیات طیبہ سے محروم نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس دنیا کے حصول اور خورش و پوشش کے تفکرات میں رہ کر اصل سعی جو دارالآخرۃ کے لیے چاہیے تھی اس سے ہرگز غافل نہیں ہونا چاہیے۔ بمصداق:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۔ کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان
اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی،

وَهُمْ يَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

طاقت کا تعلق جسمانیت سے ہوتا ہے اور سعی ہمت باطنی کو کہا جاتا ہے۔ گو بظاہر جوارح کسی کام میں مشغول ہوں لیکن سعی جس کا تعلق ضمیر کے ساتھ وابستہ ہے وہ کسی مرغوب چیز کے خیال میں محو و مستغرق ہوتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کو کسی چیز سے محبت ہے تو گو وہ بظاہر اعضاء سے کسی کام میں لگا رہے، باطن قوت خیال اسی محبت میں سرگردان رہے گی۔ تو مولیٰ کریم نے اس جگہ سعی سے اسی خیال اور دُھن کو بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں کی ہمتِ باطن دنیا کے فکر و قلق میں گمراہ ہوگئی، وہی اعمال کے رو سے گھاٹے میں ہیں۔

اس ذات وحدہٗ لاشریک نے یہ سعی تو محض اپنی ذات پاک کے لیے عطا فرمائی اور اس کے صرف کرنے کا اصل اور صرف ایک ہی راستہ رجوع الی اللہ تھا۔ ماسوی اللہ کی طرف اس کا لگانا ہی گمراہی کا موجب ہوا اور گھاٹے میں پڑ گیا۔ اور ایسی سخت گمراہی میں ڈوبا کر اپنے خیال میں وہ صحیح راستہ پر جا رہا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ نور ایمانی جو نیکی و بدی کا ممیز تھا اس سعی کے گمراہ ہونے سے جاتا رہا۔ ایسی حالت سخت خطرناک ہے جب کہ اس کو نیکی و بدی کی تمیز ہی اُٹھ گئی، بدی کو نیکی سمجھنے لگ گیا اور اسی حالت میں مر گیا تو سخت ترین گھاٹے میں رہا۔

یہ میدان دنیا ایک صورت میں قابل ستائش بھی ہے کہ اگر اس کا رجوع اور سعی صحیح راستہ پر صرف ہوئی، اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں لگا رہا تو مطابق وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا کے اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ بلکہ بعض مردان خدا نے اس حصول کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں ایک گھڑی دنیا کی ہزار سال آخرت سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ مدارج جو یہاں ایک گھڑی میں حاصل کر سکتا ہے وہ آخرت کے ہزار سال میں بھی نہیں پا سکتا۔ آج خواہ کس قدر بدکار اور سرتاپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو بلکہ کفر و شرک میں مبتلا ہو، بمصداق اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (پ ۱۹۔ ۴) ایک گھڑی میں توبہ کر کے ایمان لا کر نیک اعمال کرنے سے سیأت کو حسنات سے تبدیل کر سکتا ہے۔ لیکن آخرت میں توبہ کرنا یا ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ میدان دنیا میں ہی جو بیج بوئے گا اسی کا حصول آخرت میں پا کر مطمئن ہو سکتا ہے۔ آج وقت نہایت غنیمت ہے جو ہوا سے تیز جا رہا ہے۔ حیوٰۃ الدنیا ختم ہو رہی ہے۔ ایک ایک سانس کے ساتھ عمر کے محل کی ایک ایک اینٹ گر کر تباہ

و برباد ہوتی جا رہی ہے۔ اگر اس کی اینٹ خدا کی یاد اور اللہ اور اس کے حبیب کے فرمان کے مطابق صرف ہوئی، تو جان لے کہ تیرے لیے مُلگا گَبِیزاً میں اعلیٰ ترین نعمات کا سرمایہ تیار ہو رہا ہے جو تیرے خیال بلکہ وہم و گمان سے ورا ہے۔

حضرت ابی الحسن احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ جو صوفی علماء کے صدروں میں سے تھے ان کے متعلق مشہور ہے کہ غلام خلیل نے دشمنی سے ان کو زندیق قرار دے کر خلیفہ وقت سے ان کے قتل کا حکم حاصل کر لیا چنانچہ جب حضرت نوری اور ان کے رفقا رقامؒ اور ابو حمزہؒ کو پکڑ کر قتل گاہ میں لے گئے اور جلاد پہلے حضرت رقام کو شہید کرنے لگا تو حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ نے جلدی سے ان کو پیچھے ہٹا کر اپنا سر تلوار کے آگے کر دیا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا تلوار ایسی چیز ہے کہ اس رغبت سے اس کے سامنے آئیں جیسے تو آیا ہے؟ حالانکہ ابھی تیری باری نہیں آئی۔ آپ نے جواب دیا "میری طریقت ایثار ہے، اور دنیا میں سب چیزوں سے زیادہ عزیز چیز زندگانی ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ چند سانس ان بھائیوں کے کام میں صرف کروں۔ کیونکہ دنیا کا ایک سانس میرے نزدیک آخرت کے ہزار سال سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ دنیا خدمت کی سرائے ہے اور آخرت قربت کی اور قربت میں یہ خدمت نہیں ہوتی۔ یہ زبدہ نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ خلیفہ نے ان کے قتل میں توقف کا حکم دے کر یہ معاملہ ابوالعباس بن علی قاضی القضاۃ کے سپرد کیا۔ اس نے تینوں کو گھر میں بلایا اور شریعت اور حقیقت کے حکموں میں سے جو کچھ ان سے پوچھا اس میں ان کو پورا پایا۔ قاضی کلام کی رقت اور اس کے حال کی صحت سے متعجب ہوا اور خلیفہ کو لکھا اگر یہ ملحد ہیں تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام روئے زمین میں کوئی موحد نہیں۔ خلیفہ نے ان کو بلایا اور کہا کہ کوئی حاجت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم کو تجھ سے یہی حاجت ہے کہ تو ہم کو بھلا دے۔ اپنے قبول کرنے سے نہ ہم کو مقرب سمجھے اور نہ اپنے ہجر سے مطرود۔ خلیفہ روپڑا اور عزت سے ان کو واپس کیا۔

ایسے مردان خدا کے لیے حیوٰۃ الدنیا ایک بے بہا نعمت اور سرمایۂ آخرت ہوتی ہے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی عجیب و غریب الفاظ میں اپنی حالت کا اظہار فرمایا ہے ؎

ما غریباں را تماشائے چمن درکار نیست

داغ ہائے سینۂ من کمتر از گلزار نیست

تو یہ حیوٰۃ الدنیا مومن کے لیے قید خانہ ہونے کے باوجود عجیب و غریب نعمت بھی ہے کیونکہ اس میں خدا کے فضل و کرم سے انسان توبہ کر کے مسلمان بلکہ مومن، ابرار، مقرب، عاشق اور واصل الی اللہ ہو سکتا ہے۔ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی اتباع سے بفضلہٖ تعالیٰ محبوب بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس بے بہا وقت کی قدر کرنی چاہیے کوئی خبر نہیں کہ کس وقت ملک الموت آ جائے اور ہم اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کا سبق یاد کرتے ہوئے اپنے اصلی مقام کی طرف لوٹ جائیں۔ خدا کرے کہ ہم رضامندی کی صورت میں یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (پ ۳۰۔ ۱۴) کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے حاضر بحضور ہوں۔

جس طرح بطخ پانی میں تمام دن گزارتی ہے اور باہر نکلنے پر بالکل خشک ہوتی ہے، پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے جسم تک نہیں پہنچتا، مومن کو ایسے ہی دنیا میں وقت گزارنا چاہیے۔ یعنی بظاہر دنیا کے کاروبار میں مطابق شریعت مشغول رہے لیکن اس کو دل تک نہ پہنچنے دے۔ باطنی سعی اور ہمت تمامتر اپنے مولیٰ کریم کی طرف صرف کرے۔ اس صورت میں دنیا کوئی نقصان نہیں دیتی۔ اور اگر اس سعی و ہمت میں سے ایک ذرہ بھر بھی دنیا میں صرف کرے گا تو سخت ترین نقصان کا باعث ہوگا۔

حضرت خواجہ حاجی شاہ حسین مکان شریفی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بھوہرے والے جب حج ادا کرنے کے لیے بیت اللہ میں تشریف لے گئے تو آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ غلاف کعبہ کو پکڑ کر زار و قطار رو رہا تھا اور بڑے عجز و الحاح سے بارگاہ ایزد متعال میں مناجات کر رہا تھا۔ آپ نے نظر باطن سے خیال فرمایا تو صرف منہ مناجات کے لیے خالی پایا، باقی تمام وجود دنیا کی میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ استغفار کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ بازار میں پہنچے تو ایک آدمی کو دیکھا جو ایک ہاتھ میں مینا پکڑے دوسرے میں اشرفیاں لیے کپڑے کی قیمت کے لیے بزاز سے جھگڑ رہا تھا۔ لیکن بصارت قلبی سے اس کی طرف نظر فرمائی تو اس کو باخدا اور یاد خدا میں مشغول پایا۔ اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

اندروں شو آشنائے وز بروں بیگانہ وش

ایں چنیں زیبا روش کم می شود اندر جہاں

مولیٰ کریم کے نزدیک اس خلوص کی بہت بڑی قدر و منزلت ہے کہ بظاہر شریعت سے آراستہ ہو اور باطن خدا کی یاد سے پیراستہ۔ آج اس اخلاص کے لیے بہت عجیب وغریب وقت ہے۔ پہلے زمانہ میں اگر کوئی باشریعت ہوتا تو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن آج شریعت کے مطابق چلنے والوں کو بے وقوف اور دقیانوسی لکیر کے فقیر سمجھا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں بعض مردانِ خدا کو قبولیت خلق سے بچنے کے لیے ملامت کا راستہ اختیار کرنا پڑتا جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوتا لیکن آج شریعت پر چلنا ہی سب سے بڑی ملامت ہے لہٰذا خلاف شریعت کی ضرورت نہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حکایت ہے کہ آپ حجاز کے سفر سے آرہے تھے۔ اہل رے کو ان کی آمد سے اطلاع ہوئی تو شہر کے سب آدمی آپ کے استقبال کو نکلے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو یہ قبولیت ناگوار ہوئی تو آپ نے بازار میں پہنچ کر اپنی آستین سے ایک روٹی نکالی اور سب کے سامنے کھانا شروع کر دیا۔ آپ نے سوچا کہ ساٹھ روزے رکھ لیں گے لیکن کسی صورت سے خلقت کے ہجوم سے نجات ہو۔ چنانچہ یہ دیکھتے ہی سب لوگ بدگمان ہو کر واپس لوٹ گئے۔

اسی طرح ایک مردِ خدا کے پاس خلقت کا ہجوم ہوا تو آپ نے تنگ آکر ایک دن حمام میں غسل کیا۔ وہاں ایک شہزادہ غسل کر رہا تھا اس کا دوشالہ اٹھا کر بغل میں دبا لیا اور ایک سرا دکھاتے کے لیے ظاہر کر کے وہاں سے چل دیے۔ حمام والوں نے دیکھا تو آواز دی۔ لیکن انہوں نے تیز چلنا شروع کر دیا۔ لوگ ان کے پیچھے دوڑے تو انہوں نے بھاگا بھاگ سارے شہر میں دورہ کیا تا کہ سب کو معلوم ہو جائے۔ اخیر میں ٹھیر کر پکڑے گئے اور حمام کے چور کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ کام کر کے بڑے خوش ہوئے اور نفس سے مخاطب ہوئے کہ میں نے تیرا خوب علاج کیا، اب آرام سے رہو۔ چنانچہ لوگوں نے آنا جانا چھوڑ دیا۔

یہ خلاف شریعت کام تھے لیکن آج ان کی ضرورت نہیں۔ آج اخلاص والوں کے لیے نہایت نایاب وقت ہے۔ کیونکہ شریعت غرا پر عمل ہی سے دنیا متنفر ہو کر نہایت حقارت کی نظر سے دیکھنے لگ جاتی ہے۔

اب قابل غور امر تو یہ ہے کہ دنیا جس کو مولیٰ کریم نے لہو ولعب فرمایا، اور بندگانِ خدا نے بھی اس سے بیزاری ہی کا اظہار فرمایا، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کریما میں تمام نصائح کے بعد اخیر میں سب سے بڑی نصیحت جو تمام

کریما کا لب لباب ہے، یہ تحریر فرماتے ہیں ؎

مننہ دل بریں دیر ناپائدار ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار

ظاہر صورت میں تو تمام انبیاء و اولیاء اور خواص بھی اس سے خالی نظر نہیں آتے۔ قوت لایموت اور خورش و پوشش کے بغیر کسی کو چارہ نہیں۔ نکاح کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے النکاح نصف الدین فرمایا ہے تو دنیا کیا چیز ہے جس کے لیے یہ نفرت آمیز کلمات تحریر فرمائے ہیں ؛ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

تو معلوم ہوا کہ دنیا خدا سے غافل ہونا ہے نہ کہ چاندی اور سونا اور بیوی اور بچے۔ اسی چیز سے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اس ناپائدار دنیا کے ساتھ دل نہ لگانا۔ تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ سے دل کا لگانا عین دین اور صراط المستقیم ہے اور دنیا اور اسباب دنیا سے دل کا لگانا ہی عین گمراہی اور سخت ترین حجاب ہے۔ جو اصل دوزخ ہے۔ کیونکہ مولیٰ کریم نے مطابق مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ کسی کے قالب میں دو دل نہیں بنائے۔ ایک ہی دل ہے، چاہے خدا سے لگا کر صراط المستقیم کا راستہ دیکھ لے اور چاہے تو دنیا سے لگا کر حجاب جو اصل دوزخ ہے خرید کرلے جو دونوں جہان میں رسوائی کا باعث ہے۔

آج کل عجیب حال ہے۔ دنیا کی طلب میں اس قدر انہماک ہے کہ نہ خدا سے واقف اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی واسطہ۔ صبح اُٹھے تو دنیوی تفکرات میں حیران اور شام ہوئی تو اسی ورطۂ حیرت میں پریشان۔ حیوٰۃ الدنیا اسی صورت میں گزاری، اسی فکر وغم میں چل بسے اور اسی حجاب میں محجوب ہو کر اپنی آخرت تباہ کرلی۔ اکبر مرحوم نے اس حال کے مطابق کیا خوب کہا ہے ؎

کیا کہیں اس دور میں احباب کیا کیا کر گئے

بی۔ اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

طالبانِ دنیا کے متعلق ایک حکایت یاد آگئی۔ نقل ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ساتھی کے ہمراہ کسی سفر میں چلے اور تین روٹیاں پکوا کر اس کے سپرد کر دیں۔ راستے میں بھوک لگی تو آپ نے روٹیاں طلب فرمائیں۔ توشہ دان کھولا تو روٹیاں دو پائیں۔ آپ نے فرمایا کہ روٹیاں تین تھیں، ایک کہاں گئی؟

وہ بولا کہ نہیں جناب دو ہی تھیں۔ آپ نے نہایت تحقیق کے ساتھ پوچھا لیکن اس نے جھوٹ ہی بولا۔ آپ نے پھر فرمایا اس وحدہٗ لاشریک کو حاضر ناظر جانتے ہوئے جس نے مجھے نبی بنایا اور تمام مخلوقات کا خالق ورازق ہے بتا کہ روٹیاں دو تھیں یا تین؟ کہنے لگا کہ دو۔ آگے چلے تو راستہ میں تین سونے کی اینٹیں پڑی پائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک اینٹ میری اور ایک تمہاری، اور ایک اس کی جس نے تیسری روٹی کھائی۔ تو کہنے لگا کہ وہ روٹی تو میں نے ہی کھائی تھی۔ آپ نے تینوں اینٹیں اس کو دے کر اپنی صحبت سے الگ کر دیا۔ اور وہ دنیا کا شیدا اولوا العزم رسول کی صحبت کو بخوشی چھوڑ کر تین سونے کی اینٹوں پر مطمئن ہو گیا چنانچہ وہ اینٹیں لے کر جا رہا تھا کہ راستہ میں اسے تین ڈاکو ملے اور وہ اینٹیں اس سے چھین کر چل دیے۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ پیغمبر کی صحبت محض دنیا کے لیے ترک کی اور وہ بھی ہاتھ سے گئی۔ کوئی ایسا حیلہ ہو کہ ان سے یہ سونا واپس لے لوں۔ چنانچہ وہ ان ڈاکوؤں کے پیچھے دوڑا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی رہوں گا، اور تمہاری خدمت کیا کروں گا۔ چنانچہ ایک جگہ پر جا کر پڑاؤ کیا اور ڈاکوؤں نے اسے کچھ پیسے دے کر شہر سے کھانا لانے کے لیے بھیجا۔ اس نے زہر خرید کر آٹے میں ڈال لی اور روٹیاں پکوا کر اس نیت سے روانہ ہوا کہ یہ روٹی کھا کر مر جائیں گے اور میں سونا لے کر چلتا بنوں گا۔ ادھر ڈاکوؤں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم نے یہ کیا مصیبت گلے لگالی۔ آتے ہی اس کا کام تمام کر دو چنانچہ جب وہ روٹیاں لے کر واپس پہنچا تو انہوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود کھانا کھا کر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ دنیا کیا ہے؟ تو آپ اس کو ہمراہ لے آئے اور یہ سونے کی اینٹیں اور نعشیں دکھا کر تمام واقعہ سنایا اور فرمایا کہ دنیا کے ساتھ دل لگانے کا یہ انجام ہوتا ہے۔

تو برادران طریقت! یہ ہے حقیقت دنیا۔ مولیٰ کریم کلام پاک میں فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ (پ۱۱-ع۶)

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانا ان (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے تھے دوزخ ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ایسے اشخاص اس قدر غافل ہو چکے ہیں کہ ان کے ضمیر میں آخرت کی زندگی اور مولیٰ کریم سے ملاقات کی اُمید ہی نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حیٰوۃ الدنیا پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔ اطمینان کسی رجوع کی یا ب پر ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ جس چیز کی ان کو طلب تھی وہ پوری ہو گئی تو اطمینان ہو گیا۔ نہ آخرت کی طرف ان کا رجوع ہوا اور نہ اس کے حصول سے سروکار۔ اسی حیٰوۃ الدنیا ہی پر خوش ہو کر مولیٰ کریم کے احکام اور اس کے نشانات سے غافل ہو گئے۔ ایسے انسان بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ کی بنا پر دوزخ کے مقیم بنے تو مطابق فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلدُّنْيَا جِيفَةٌ وَّ طَالِبُهَا كِلَابٌ "دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں"۔

چونکہ یہ دنیا انسان کے لیے آزمائش کی جگہ ہے اور مولیٰ کریم تمام نعمات ظاہری و باطنی عنایت فرما کر امتحان لے رہے ہیں کہ ان میں سے کون میرا شکر گزار بنتا ہے اور کونسا دنیوی نعمات میں رہ کر غافل اور ناشکری کرتا ہے۔ طلب تو مولیٰ کریم کی چاہیے تھی اور دار الآخرۃ کی اور ہمہ تن رجوع الی اللہ۔ اسی لیے ایسے ناشکروں اور محض دنیا کی طلب کرنے والوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلب یعنی کتے سے مثال دی ہے اور فرمایا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ کہ یہ حیٰوۃ الدنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یعنی جو نسا بیج ڈالے گا وہی اس میں اُگ کر آخرت کے لیے سرمایہ بنے گا۔ کسی خدا کے بندے نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تا نیفتادم ندیدم کعبۂ مقصود را

درمیانِ ما ہمیں استادگی دیوار بود

یعنی ہمارے خیالات، ہماری طلب بغیر اللہ جب تک درمیان سے نہ اُٹھ جائے اس وقت تک ہم کبھی بھی کعبہ مقصود کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو چاہیے کہ ہر وہ خیال اور ہر وہ طلب جو خدا سے ہٹانے والی ہو اس کو اپنے ضمیر سے دور کر دے اور تمام خیالات باطلہ جو محض شیطانی ہیں ان کو ہٹا کر اپنا رجوع درست کرنے بمصداق ؎

دانے کی طرح خاک میں جب تک ملا نہ ہو اس میکدہ کے باغ میں تب تک کھلا نہ ہو

اپنے نفسانی ارادوں اور اوہام باطلہ کو یک لخت ترک کر کے تکبر اور رعونت کو عجز و انکساری میں بدل دے، اس وقت نیک اعتقاد اور یقین سے حبِ مقصود کو اپنے ضمیر میں بوئے اور اعمال صالح سے اس کی آبپاشی

کرے اور خوف و رجا کے سہارے پر چل کر روئیدگیِ ایمان کی حفاظت کرے اور غیر خیالات کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینکے اور خدا اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کی روشنی میں اس کی حفاظت کو لازم پکڑے اور کسی خدا کے بندے کو اپنا معاون و مددگار بنا کر اس کو دشمنوں سے بچائے اور اس کھیت کو تباہ و برباد کرنے والوں کا ہر وقت دھیان رکھے تو اُمید اغلب ہے کہ وہ نیک مقصود بار آور ہو کر اس کے لیے قابل اطمینان ہو۔ تو ایسا اطمینان دونوں جہان کی عزت کا باعث بنے۔ ایسے آدمیوں کے لیے ہی فرمان مولیٰ کریم ہے کہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ یعنی جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھا دیں گے۔ یعنی جس کا رجوع اور طلب آخرت کی ہوتی ہے اور ضرور ہے کہ جس چیز کی انسان کو طلب ہو اسی کے مطابق عمل اور سعی کرتا ہے۔ تو مولیٰ کریم سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا کے مطابق اس کی کھیتی کو زیادہ کرتے ہیں۔ اور جو کوئی حیوٰۃ الدنیا کو چاہتا اور اس کی طلب کرتا ہے تو مطابق مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ جو دنیا کی کھیتی کو چاہتا ہے اس کو ہم اس میں سے ہی دیں گے لیکن آخرت میں اس کے لیے کچھ حصہ نہیں۔ چونکہ اس کا رجوع اور طلب ہی آخرت کے لیے نہیں تو بلا طلب اس کو حصول کیسے ہو؟ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ پہلے طلب پیدا ہوتی ہے، پھر اس چیز کی تلاش اور جستجو شروع ہوتی ہے اور اس کے حصول کے لیے انسان سعی و عمل سے کوشاں ہوتا ہے۔ کسی خدا کے بندے نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست   تا بجوشد آب از بالا و پست

تو وہ ذات پاک، ارحم الراحمین جب دیکھتے ہیں کہ اب اس کی طلب صادق ہے تو اس پر فضل و کرم فرما کر مالا مال کر دیتے ہیں۔ اور اگر دل میں آخرت کی طلب ہی نہ ہو تو پھر اس کا حصول ہی مفقود ہوتا ہے اور نہ اس کے لیے سعی اور کوشش ہو سکتی ہے۔ بلکہ ان کی سعی و کوشش اور جد و جہد محض دنیا اور اس کے اسباب کی طرف ہوتی ہے اور ان کا مقصود صرف حیوٰۃ الدنیا تک محدود ہوتا ہے۔ تو ایسے انسانوں کے متعلق فرمان مولیٰ کریم ہے:
اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (یہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور (قیامت کے) بھاری دن (کی تیاری) کو چھوڑ رہے ہیں۔ پ ۲۹ ۔ سورۂ دہر) ایسے لوگ محض دنیا کو چاہنے

والے ہیں۔ اور آخرت دنیا کے چاہنے والوں کے لیے سخت ترین تکلیف کا دن ہے۔ کیونکہ وہ ان کے اعمالِ بد کی کیفیت کے اظہار کا دن ہے۔ اور یہ اس کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے متعلق ہی کسی خدا کے نیک بندے نے فرمایا ہے ؎

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند　　روز و شب در بق بق و در زق زق اند
اہلِ دنیا چہ کہین وچہ مہین　　لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْن

انسان صراط المستقیم پر ہو یا گمراہی میں، جس حال میں ہو اس کے اعمال کے مطابق اس کے ضمیر میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ بمصداق فرمان مولیٰ کریم:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ　　تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو بہتر سمجھا، اس کا
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۙ (پ۔۳۰)　　ٹھکانا دوزخ ہے۔ (سورۃ النزعٰت)

ایسے اشخاص اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۔ کے مطابق اپنی خواہش کو ہی اپنا معبود بنا لیتے ہیں اور خدا اور اس کے حبیب پاک کے فرمان مبارک سے سرکش اور نافرمان ہو جاتے ہیں اور حیوٰۃ الدنیا کے ساتھ ہی ان کا اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور اسی کو بہتر جانتے ہیں اور اسی کے مال اور اولاد کو اصل مقصود بنا لیتے ہیں۔ تو ایسے آدمیوں کا ٹھکانا دوزخ ہو جاتا ہے۔ اور اسباب دنیاوی اور خیالات باطلہ ان کے لیے سدِ راہ ہو کر اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کے مطابق باعثِ حجاب ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں بھی اگر کوئی اپنی حالت کو بدلے اور رجوع اِلی اللہ کو لازم پکڑے اور اس کے حضور میں عاجزی سے گڑگڑائے تو بعید از رحمت نہیں کہ مولیٰ کریم اپنے فضل سے تصرف رحمی کی صورت میں اس کی حالت کو بدل دیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ!　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ

اس ذات بے زوال کا درِ رحمت ہر وقت کھلا ہے۔

اے عزیز! تیرے اعمال و کردار کی تحریر قلم بند کی جا رہی ہے اور بمصداق مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا

لَدَیۡهِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ۔ یعنی کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا مگر اس کے لیے نگہبان تیار بیٹھا ہے، ایک فرشتہ تیرے دائیں اور ایک بائیں پہلو پر تیار کھڑا ہے، اور بلفظہ تحریر شروع ہے ۔ نیک و بد اعمال کا دفتر تیار ہو رہا ہے ۔ اور نُخۡرِجُ لَهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا کے مطابق قیامت کے دن اس دفتر کو تیرے سامنے نکال دکھائیں گے جسے تو کھلا ہوا دیکھے گا اور حکم ہو گا کہ اِقۡرَاۡ کِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ۔ یعنی اپنی کتاب کو پڑھ لے! آج کے دن تیرے نفس کے حساب کے لیے یہ کافی ہے ۔ تو اس وقت وہ کتاب چار و ناچار اس کو مطالعہ کرنی ہو گی ۔ اس وقت نہایت افسوس کے ساتھ کہے گا یٰوَیۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا ۚ کہ اے وائے! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے ۔ اور صرف لکھا ہوا نہ ہو گا بلکہ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا کے مطابق زمان و مکان کی قید کے ساتھ اپنے اعمال کو حاضر پائے گا ۔ گویا ایک قسم کا فوٹو ہو گا جس میں انسان اپنے آپ کو اپنے عمل سمیت حاضر دیکھے گا اور مولیٰ کریم کسی پر ظلم نہیں کرتے ۔

اس وقت افسوس کرنے کا کچھ فائدہ نہ ہو گا ۔ اگر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان ہے اور یوم القیامت اور جزا و سزا پر اعتقاد ہے تو آج وقت نہایت عزیز اور نایاب ہے ۔ اس میں سچے دل سے صحیح طور پر توبہ کر کے اپنی اس کتاب میں سیئات کی تحریر کو مٹا کر حسنات سے مزین کر کے اس رسوائی اور عذاب سے بچ سکتے ہیں ۔ اس ذات پاک سے وَاسۡـئَلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ کے مطابق فضل اور مہربانی کا سوال کرے اور توفیق مانگے تو مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے صراط المستقیم کی طرف راہ نمائی فرما دیں تو اس کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ۔

علم کی طلب میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے طَلَبُ الۡعِلۡمِ فَرِیۡضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسۡلِمٍ وَّمُسۡلِمَةٍ یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ۔ اور نیز یہ بھی فرمایا ہے اطلبوا العلم ولو کان بالصین

یعنی علم کو حاصل کرو خواہ وہ چین ہی میں ہو۔ تو معلوم ہوا کہ علم کا حاصل کرنا نہایت ضروری بلکہ عین فرض ہے اسی تاکید کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چاہے چین سے ملے یعنی خواہ کتنی دور سے حاصل ہو۔ اب معلوم کرنا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اتنی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ فیکم واما الاخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم یعنی مجری الطعام۔	محفوظ کیں (یاد کیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تھیلیاں (علم کی) ایک کو میں نے پھیلا دیا تم میں، اور دوسری اگر میں پھیلاؤں اس کو تو میری رگ گردن کاٹ دی جائے (رواہ البخاری مشکوٰۃ کتاب العلم)

پہلا علم جس کا اظہار عوام الناس کے لیے ہے، قرآن پاک اور حدیث شریف اور فقہ ہے۔ اگر اس علم کا حصول نہ ہو تو فرائض، واجبات، سنت و مستحب اور حلال و حرام سے واقف نہ ہو سکے جو مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ نماز و روزہ، حج اور زکوٰۃ کے متعلق معلومات، امر و نہی سے واقفی، غرض شریعت کے تمام احکام کا انحصار علم پر موقوف ہے۔ اگر علم ہی نہ ہو تو نہ ایمان سے واقفیت اور نہ نیک اعمال سے کچھ سروکار۔ مسائل سے مکمل طور پر واقف ہو تو شریعت کے مطابق اپنا لائحہ عمل تیار کر کے صراط المستقیم پر چلنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ مثلاً نماز کا علم، جب تک وضو کرنے کا علم حاصل نہ کرے، نماز کے فرائض سے واقف نہ ہو اور وقت کے تعین کو نہ جانتا ہو اس وقت تک اس کی ادائیگی میں قاصر ہی رہے گا۔ اسی طرح دوسرے فرائض کا حال ہے۔ غرض پیدائش سے لے کر مرنے تک زندگی کے تمام مراحل میں جب تک شریعت کے احکام سے علم نہ ہو، صراط المستقیم پر چلنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

دوسرا علم جو اظہار کے قابل نہیں ہے اس کا حصول حجابات کے دور ہونے کے سوا نہیں۔ اور نہ یہ عوام الناس کے سامنے بیان کیا جا سکتا ہے ؎

علم انوار است در جان رجال ۔۔۔ نے ز راہِ دفتر و نے قیل و قال

علم بے کیفے خزینہ آمدہ ۔۔۔ علم در سینہ بسینہ آمدہ!

اس علم کے ادراک سے عوام الناس کی عقلیں عاجز ہیں۔ عوام کے سامنے اس کا اظہار مادر زاد اندھے کو کسی رنگ سے متعارف کرنے کے مترادف ہے۔

اس علم کی ابتدا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہوئی چنانچہ ارشاد مولیٰ کریم ظاہر ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام آدم علیہ السلام کو سکھا دیے حتیٰ کہ یہی تعلیم فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فوقیت کا باعث بنی۔ لیکن مولیٰ کریم کا یہ تعلیم دینا کسی اُستاد کے تعلیم دینے کی طرح نہ تھا بلکہ محض عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کے مطابق عالم قدس کی حقیقت آپ کے قلب مبارک پر القا کی گئی تھی۔ اسی طرح تمام انبیاء کے صدور اطہر میں اس علم اسرار کا ظہور ہوتا رہا۔ بلکہ ان کے اُمتی بھی ان کی تعلیم کی برکت سے مستفیض ہوتے رہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُمتی کے علم کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا	ایک شخص جس کو کتاب (الہی) کا علم تھا، کہنے لگا کہ آپکی
اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ	آنکھ جھپکنے سے پیشتر میں اسے آپ کے پاس لا دیتا
فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا	ہوں۔ جب سلیمان نے اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا
مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (پ ۱۹ - ۱۶)	تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔

کہ وہ شخص جس کو علم من الکتاب تھا اس نے سینکڑوں میل دور اور کئی پہروں میں محفوظ پڑے بلقیس کے تخت عظیم کو آنکھ جھپکنے سے پیشتر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لا حاضر کیا۔ تو ظاہر ہے کہ خواہ کوئی شخص بظاہر علم میں پورے قرآن پاک اور ساری حدیث شریف کا حافظ ہی کیوں نہ ہو، ایسی طاقت کا ظہور یہ کہیں پایا نہیں جاتا۔ تو یہ علم باطن ہی سے ہے جس کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اگر میں ظاہر کردوں تو میری رگ گردن کاٹ دی جائے۔ بظاہر علم سے تو عوام الناس میں سے ہر خواندہ آدمی واقف ہے۔ پھر دوسرا علم یہی ہو سکتا ہے جس میں طاقت اور قدرت بھی موجود ہے۔ جیسا کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبۂ جمعہ شریف میں سینکڑوں میل دور پڑے ساریہ اور اس کے لشکر کو دشمن کی گھات سے متنبہ فرما دیا۔ یعنی اتنی مسافت سے آپ لشکر اسلام کی غفلت اور دشمن کے

قریب کو دیکھ بھی رہے ہیں، اور آپ کی معمولی آواز بھی وہاں سنی جا رہی ہے۔

اب ہر صاحب ایمان کے لیے قرآن پاک اور حدیث شریف کے دلائل سے ثابت ہو چکا ہو گا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہری اور باطنی دو علوم کے ساتھ تشریف لائے اور دونوں سے اپنے اُمتیوں کو تعلیم دی، اور ان دونوں علوم کا اجرا تا قیامت جاری اور ساری رہے گا۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے۔ تو جبکہ اس علم کا اجرا بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی اُمت میں قرآن مجید سے ثابت ہے تو رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، آخر آمد بود فخر الاولین کی اُمت میں کیونکر نہ ہو؟

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات شریف جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اخبار میں آیا ہے اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ۔ علماء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں، وہ علم جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے باقی رہا ہے دو قسم کا ہے۔ ایک علم احکام، دوسرے علم اسرار اور عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علموں سے حصہ حاصل ہو نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو اور دوسرا علم اس کے نصیب نہ ہو۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے۔ کیونکہ وارث کو مورث کے ہر قسم کے ترکہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے۔ اور وہ شخص جس کو بعض معیّن سے حصہ ملتا ہے وہ غرماؤں یعنی قرضخواہوں میں داخل ہے کہ جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے اور ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ ان علماء سے مراد علماء وارث ہیں نہ کہ غرماء کہ جنہوں نے بعض ترکہ سے حصہ لیا ہے۔ کیونکہ وارث کو قرب وجنسیت کے لحاظ سے مورث کی مانند کہہ سکتے ہیں برخلاف قرض خواہ کے کہ اس علاقہ سے خالی ہے۔ پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہو گا۔ مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کریں اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ علم احکام کا عالم ہے۔ اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علم سے پورا حصہ حاصل ہو۔"

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فرمان سے بھی برادرانِ اسلام کے ایمان کو تقویت ہو جائیگی اور خصوصاً برادرانِ طریقت کے لیے آپ کا کلام مشعل راہ کا کام دے گا۔ اب اُمیدِ اغلب ہے کہ علم اسرار کے متعلق تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں اپنی راہ نمائی اور ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ علماء حقانی کی تلاش ہمارا فرض اوّلین ہو جن کی صحبت کی برکات ہمارے پراگندہ ضمیروں کے لیے اکسیر احمر کا حکم رکھتی ہیں، اور ان کی صحبت ہیں بمصداق ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

انوار معرفت سے ہماری خراب حالتیں تھوڑے سے وقت میں سُدھر کر صراط المستقیم پر چلنے کے قابل ہو سکتی ہیں۔ ان کی صحبت میں جو انوار ہمارے قلوب کو منور کرتے ہیں، سالہا سال میں بے خیال عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتے کسی خدا کے بندے نے فرمایا ہے:

"اے مولیٰ کریم! یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے۔ جس نے ان کو پہچان لیا اس نے مولیٰ کریم کو پہچان لیا۔ اور جس نے ان کو نہ پہچانا اس نے مولیٰ کریم کو بھی نہ پہچانا۔"

انہی کی تعریف میں حدیث قدسی آئی ہے کہ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِن کہ میں نہ آسمانوں میں سما سکتا ہوں اور نہ زمینوں میں، لیکن مومن کامل کے قلب میں سما سکتا ہوں۔ یہ وسعت ضمیر انہی کے لیے مخصوص ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کا فرمان انہی صاحبان کے حال کا مصداق ہے۔ اِنَّ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قِبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ کا فرمان انہی پاکوں کے اسرار کا سر ہے۔ انہی کے لیے اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی سے ڈرایا جا رہا ہے۔ انہی کے لیے سرکار دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ کا ارشاد ہو رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ چہرے ان کے گرد آلود ہوتے ہیں اور بکھرے بال، پریشان حال۔ لیکن اگر کسی بات پر خدا کی قسم کھالیں تو مولیٰ کریم اسے پورا کرتے ہیں۔ بظاہر نظر میں ان کے عرف سے عاجز ہیں۔ بصیرت قلبی اور صاحب حال کے سوا ان کی حقیقت کو کوئی ملاحظہ نہیں کر سکتا۔ ان کی صحبت عوام عقیدت مندوں کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور دلوں کو انشراح اور اطمینان

بخشتی ہے۔ گمراہی میں غرق شدہ کو اسلام کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ بلکہ ضمیر کی ہیئت کو بدل دیتے ہیں۔ شیطان ان کی حس سے بھاگتا ہے۔ ان کی حیات حیاتِ معرفت ہوتی ہے اس لیے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کے فیوض و برکات میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً سے زندہ، بلکہ مُردہ دلوں کو زندگی بخشنے والے ہوتے ہیں۔ روئیدگیاں ان کے قدموں کی برکت سے اُگتی ہیں۔ مسلمان ان کی دعاؤں سے فتح پاتے ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ نے خاندانِ مغلیہ کو جو اسلام سے بالکل منحرف ہو چکا تھا، صحیح معنوں میں مسلمان بنا دیا۔ جہانگیر کے ظلم سے قید خانہ میں گئے تو قیدیوں کو اسلام سے مالا مال کر دیا۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا۔ ورنہ اس جگہ خدا اور رسول کا نام لینے والا ہی کوئی نہ تھا۔ ان کی تعریف تحریر و تقریر میں آ ہی نہیں سکتی۔ برادرانِ اسلام قرآن شریف حدیث شریف اور واقعاتِ گذشتہ و حاضرہ سے ان کی خوبیوں کو کچھ نہ کچھ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

علمائے ظاہر جو دنیا و مافیہا کی محبت میں گرفتار ہیں، ان کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ اپنے مکتوبات شریف جلد اوّل مکتوب نمبر ۳۳ میں فرماتے ہیں:

"وہ علما جس بلا میں مبتلا ہیں اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ دنیا کے عالموں میں سے ہیں اور بُرے عالم اور لوگوں میں سے بدتر اور دین کے چور یہی عالم ہیں۔ حالانکہ یہ عالم اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور مخلوقات میں سے اپنے آپ کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پ ۲۸ - ع ۳) اور گمان کرتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ خبردار! یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے اور ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں۔ خبردار ہو، شیطان کا گروہ گھاٹا کھانے والا ہے"۔ کسی عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے خاطر جمع کیا ہوا ہے۔ اُس عزیز نے اس امر کا بھید پوچھا۔ لعین نے جواب دیا کہ اس وقت کے بُرے عالم میرے

ساتھ اس کام میں میرے مددگار ہیں اور مجھ کو اس کام سے فارغ کر دیا ہے"۔

حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ منہاج السلوک میں ان علماء سوء کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

"بڑا افسوس ہے کہ اس زمانہ کے علماء خود غفلت کے جنگل میں خوار پھرتے ہیں اور اپنے اختیار کی باگ نفس و ہویٰ کے ہاتھ میں دے چکے ہیں، اور غصہ اور کینہ کے غبار نے ان کے دل کے شیشے کو دھندلا کر دیا ہے اور ان کے باطن حرص بے جا اور امیدیں بے وفا سے تیرہ و تار ہو گئے ہیں اور امور فانی کی زینتوں کو انہوں نے اپنا قبلہ بنا لیا ہے، اور علوم دینی کو اپنی شہرت اور امیری کا وسیلہ خیال کرتے ہیں جب کہ یہ گروہ نصیحت کے محتاج ہیں دوسروں کو خاک نصیحت کر سکتے ہیں؛ ؎

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو پیغمبر ہم نے بھیجا ہے اس کے حواری بھی ہوتے ہیں۔ اور جب تک اللہ چاہتا ہے وہ نبی اُن میں رہتا ہے اور اللہ کے احکامات پر عمل کراتا ہے اور اس کے امر کی اطاعت کراتا ہے۔ جب اس نبی کا وصال اس دنیا سے ہو جاتا ہے تو اس کے حواری اس کے قائم مقام ہو کر اللہ کی کتاب اور امر پر اور نبی کی سنت پر عمل کراتے ہیں۔ جب وہ بھی چلے جاتے ہیں تو ایک قوم ان کے پیچھے آتی ہے جو ان کی باتیں تو یاد کر لیتے ہیں اور ممبروں پر بیٹھ کر طول طویل حکایات بیان کرتے ہیں۔ باتیں تو اچھی کرتے ہیں مگر کام نہایت بُرے کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پیچھے بھی ایسا ہی ہوگا۔ جو شخص ان کو دیکھے اس پر فرض ہے کہ ان کو قتل کرے۔ اور اگر ہاتھ سے کچھ نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے۔ اور اگر زبان سے بھی منع نہیں کر سکتا تو ان کو دل سے بُرا جانے۔ جو شخص اتنا بھی نہیں کر سکتا وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے؟

میرے حضور قدس سرہٗ فرمایا کرتے کہ اگر انسان کو سانپ ڈس گیا یا شیر کھا گیا یا باؤلا کُتا ڈس گیا تو چنداں حرج کی بات نہیں کیونکہ یہ جسمانی اذیّت اور زیادہ سے زیادہ حیات دنیا سے انقطاع کا باعث ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی باؤلا ملاں لڑ گیا تو یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ ایمان کی ہلاکت کا باعث ہے۔ لہٰذا

علمارسُو سے بچنا چاہیے۔ ان کی صحبت شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ شیطان تو زیادہ سے زیادہ دل میں وسوسہ ڈالے گا اور ممکن ہے کہ آدمی سمجھ جائے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور اس سے توبہ و اجتناب کرے۔ کیونکہ بد سے بدتر انسان کو بھی ظاہری صورت میں شیطان سے کوئی عقیدت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس علمارسُو مجسّم صورت میں بظاہر گمراہ کرتے ہیں اور ان کی علمیت کے باعث عوام ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غریب اپنے آپ سے بھی بے خبر ہیں ؎

مولوی گشتی و آگاہ نیستی — من کجا و از کجا و کیستی

چوں خود آگاہ نیستی اے بے شعور — پس نباید بر چنیں علمت غرور

"اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرْ در شان ایشان است"۔ آج کل تو عجیب و غریب حالات ہیں ؎

واعظاں چوں جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چوں بخلوت می رسند آں کار دیگر می کنند

کا صحیح نمونہ تیار ہو چکا ہے۔ کفر کی تلوار ہاتھ میں پکڑے ہوئے حیران و سرگرداں پھرتے ہیں۔ اصل توحید کو شرک اور گمراہی کو دین سمجھنے والے، اسلام کے مدّعی، اور اہل ہنود سے پیار اور اختلاط رکھنے والے، دین کے بھیس میں دنیا کمانے والے ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیل رہے ہیں۔ اعتقاد کفار اور جواب کفار کو عین دین و ایمان اور اصل توحید جانتے ہیں۔ امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل اور اس کو قدرت مولیٰ کریم کو غیر محدود سمجھنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ الامان! شیطان لعین کی مکاریوں سے ان کے مکر بڑھ گئے ہیں۔ بھولے بھالے عوام ان کے دام تزویر میں پھنس کر گمراہ و ہلاک ہو رہے ہیں۔ عوام کو توحید کا دھوکا دے کر اپنی لسانی نمکین گفتاری اور ظاہری خلوص دکھا کر گمراہ کر رہے ہیں۔ ان کی گفتار اور کردار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرب قیامت کا وقت ہے۔ آج بڑی سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کسی اللہ کے بندے صاحب نسبت کی صحبت اور تعلق اختیار کرنا چاہیے۔ جس کی صحبت میں مولیٰ کریم کی یاد میں اضافہ اور یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ کا ظہور ہو کر دنیا سے بے رغبتی ہو۔ ایسے بزرگان خدا کی مہربانی شامل حال ہو اور قبول فرمالیں تو گویا تمام دین و دنیا کی نعمات حاصل ہو گئیں۔

موت قریب ہو رہی ہے اور عزیز وقت ہوا سے تیز جا رہا ہے۔ قریب ہے کہ مدتِ حیات ختم ہو جائے

اور پچھتانا پڑے۔ اصل علم سے بہرہ ور ہو اور حیاتِ معرفت سے زندگی حاصل کر جو میدان دنیا، عالم برزخ اور یوم القیامۃ تمام مقامات میں تیرے لیے آرام و تسکین کا موجب ہو۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔

توبہ

ہم گنہ گاروں کو جنہوں نے اپنے ضمیر کو خدا اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے خلاف گناہ کر کے ناپاک کیا ہے، اور اب اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنی بخشش اور نجات سے ناامید ہو چکے ہیں، مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوٓا إِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (پ ۱۴ - ع ۲۱)

پھر بے شک تمہارا رب ان کے لیے جو نادانی سے بُرائی کر بیٹھیں، پھر اس کے بعد توبہ کریں اور سنور جائیں بے شک تمہارا رب اس کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔ (پارہ ۱۴ - رکوع ۲۱)

تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر لاعلمی کی بنا پر گناہ ہو جائے اور مولیٰ کریم سے ڈر کر رجوع الی اللہ کرے اور اپنے گناہوں سے معافی مانگے اور اپنی اصلاح بھی کرے تو مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے پچھلی تمام خطائیں معاف فرما دیتے ہیں۔ بلکہ دوسری جگہ وہ رحیم الودود بمصداق:

إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (پ ۱۹ - ع ۴)

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا، اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

سیئات کو حسنات سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ بطفیل حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر خاص فضل ہے۔ ورنہ سابقہ اُمتیں اپنے گناہوں کے سبب سے مسخ ہو جایا کرتی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے جب گوسالہ پرستی کی تو ان کو آپس میں جنگ و قتال کا حکم ہوا اور فرمایا کہ اس طور سے مولیٰ کریم تمہاری توبہ قبول فرمائیں گے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

(پ۱ - ع۶)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھیرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ وہ بیشک معاف کرنے والا اور صاحب رحم ہے۔

اصل توبہ یہ ہے کہ جو قوتیں بُرائی کی طرف راجع تھیں انہی قوتوں سے رجوع الی اللہ کر کے معافی مانگنا‘ میرے حضور فرمایا کرتے جس طرح دودھ دوہ لینے کے بعد کسی طریقہ سے پستانوں میں واپس نہیں پہنچایا جاسکتا اسی طرح توبہ کے بعد ایسا رجوع کرے کہ کسی صورت سے پھر گناہ کی طرف راغب نہ ہو تو مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے اس کے سیئات کو حسنات سے بدل دیتے ہیں، اور اپنا تصرف جو اس کے ضمیر میں غضبی صورت میں متصرف تھا اس کا ظہور رحمی صورت میں بدل کر اپنے فضل و کرم سے اس کے سیئات کو حسنات میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔

توبہ کے بعد اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کہ ماں کے پیٹ سے بچہ بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حکایت ہے کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں ایک مجوسی تھا جو ہر قسم کے گناہوں میں مستغرق تھا نہ مولا کریم سے کوئی واسطہ اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق۔ یہ ایک نیک بخت مسلمان لڑکی کے حُسن جمال پر فریفتہ تھا۔ یہ لڑکی یتیم تھی اور اپنی والدہ کے ساتھ کوئی محنت مشقت کر کے اپنے چھوٹے چھوٹے بھائی بہنوں کا پیٹ پالتی تھی۔ مجوسی بڑا متمول تھا لیکن باوجود عُسرت کے انہوں نے کبھی اس کے مال پر نظر نہ کی۔ ایک دفعہ ان غریبوں کو کئی روز سے فاقہ تھا۔ والدہ کو علم تھا کہ مجوسی اس کی لڑکی پر فریفتہ ہے۔ آخر جام صبر لبریز ہو گیا اور اس نے لڑکی سے کہا کہ مجوسی کے پاس جا اور اسی صورت سے ہی کچھ کھانے کو لے آ۔ اس نیک بخت لڑکی نے بہتیری منت سماجت کی کہ ایسا کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس نے مجبور کر کے بھیج دیا۔ لڑکی چراغ روشن کرنے کا بہانہ کر کے مجوسی کے گھر گئی اور دیا جلا کر باہر لے آئی۔ پھر بجھا کر واپس گئی اور دیا جلانے لگی دو تین دفعہ اسی طور سے کیا۔ مجوسی نے شکار کو اپنے دام میں پھنستے ہوئے دیکھ کر چھیڑا۔ کہا کہ

تیرا چراغ آج بڑا جلدی جلدی سرد ہوتا ہے۔ تو اس نیک اختر لڑکی نے اپنی آہ پُر درد سے کہا کہ اس چراغ کی تو کچھ فکر نہیں، آج میرا چراغ ایمان سرد ہو رہا ہے۔ مجوسی نے حال دریافت کیا تو اس نے اپنی پُر درد داستان بیان کی۔ اس درد بھری آواز کا اس مجوسی کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ بولا "آج سے تو میری بیٹی ہے کچھ سامان خورد و نوش اور کچھ نقد روپے دے کر اس کو اپنے گھر بھیجا اور کہا کہ جب بھی ضرورت ہو تو بلا خوف و خطر آ کر لے جایا کر۔

ادھر اس مجوسی کے اس خلوص والے عمل کو دیکھ کر جو اس نے خاص درد دل سے کیا تھا۔ رحمتِ خداوندی کو جوش آ گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

"رحمتِ حق بہا نمی جوید بہانہ می جوید"

اس ذات پاک کا انسان کے ساتھ محبت کا تعلق ہے اور چاہتے ہیں کہ اس سے کوئی ایسا فعل ظاہر ہو کہ میں اس پر اپنا فضل کروں۔ چنانچہ رات کو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حکم ہوا کہ فلاں محلہ میں جا کر اس مجوسی کو مسلمان کرو اور اس بات کی اس کو خوشخبری دو۔ چنانچہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ بموجب حکم اس مجوسی کے ہاں تشریف لے گئے۔ مجوسی آپ کو دیکھ کر متعجب ہوا کہ اتنے بڑے بزرگ میرے جیسے گنہگار کے ہاں کیسے تشریف لے آئے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے دریافت فرمایا "کیا تجھ سے کوئی نیکی کا کام ہو گیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ جناب! مجھ سے تو نیکی کا کام کبھی ہوا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ آج رات کو شاید کوئی ہوا ہو۔ آخر زیادہ دفعہ پوچھنے کے بعد گذشتہ واقعہ جو اس کی نظر میں کوئی خاص وقعت نہ رکھتا تھا، اس نے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بس اسی کے سبب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص طور پر آج رات تشریف لائے اور تجھے مسلمان کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ آج تو گناہوں سے ایسا پاک ہو چکا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر میں کوئی دعا کروں تو قبول ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔ تو وہ بولا کہ حضرت! مجھے اپنے نفس پر اتنا بھروسہ نہیں کہ گناہ سے بچ سکے۔ آپ دعا فرمائیں

کہ میرا خاتمہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ دست بدعا ہوا جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور وہ اسی وقت جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ رحمت کے فرشتوں کا اس کثرت سے جنازہ میں اژدحام ہے کہ قدم رکھنے کو جگہ نہیں ملتی۔

اللہ اکبر! بغیر اعمال صالحہ کرنے کے صرف توبہ کرنے سے اس قدر رحمت خداوندی کا نزول ہوا۔ کسی خدا کے بندے نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

وہ ذات رحیم و کریم ہمارے وہم و گمان سے ہزارہا درجہ بڑھ کر ہم پر فضل فرما رہے ہیں اور ہم غفلت کی نیند میں محو و مستغرق ہیں۔ بمصداق وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یعنی جو اپنے نفس کے بخل سے بچ گیا پس ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اس مجوسی نے اس ایک آیت شریف پر عمل کیا اور مفلحون سے ہو گیا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ (پ ۳۰ - ع ۴)

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔

تو ہمیں اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے نفسوں کو بُرے خیالات سے بچا کر رجوع الی اللہ کر کے اس حیات دنیا کے وقت کو غنیمت جان کر اپنا مقام جنت میں بنانے کی کوشش کرنا چاہیے اور منہیات سے ہر حال میں بچنا اور اوامر پر عمل کرنا اور اپنے حال کو سنوارنا چاہیے۔ تاکہ آخرت میں ذلیل و خوار اور مبتلائے عذاب نہ ہوں۔

شریعت غرّا نے بعض کبیرہ گناہوں کے لیے سزا کے طور پر حدود مقرر فرمائی ہیں۔ ہر صاحب ایمان جو جہالت یا غفلت کی بنا پر کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو، اُس کی توبہ کے لیے مقررہ سزا کا ہونا لازمی شرائط میں سے ہے اور مسلمان اولی الامر کے سامنے پیش ہو کر بطور مقدمہ شہادت دے کر مجرم پر حد جاری نہ کرائی

جائے مجرم شریعت کے رُو سے گناہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر گواہ نہ ہوں اور مجرم خداوند کریم سے ڈر کر خود بخود حاکم وقت کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے اپنے نفس پر شرعی حد جاری کرائے تو یہ توبہ علاوہ بخشش کے بہت بڑے درجے کا باعث ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

ایک مسلمان عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے گناہ (زنا) کیا ہے میرے پیٹ میں ناجائز حمل ہے، مجھے شرعی سزا (حد) لگا کر پاک فرمائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رُوئے مبارک دوسری جانب پھیر لیا۔ اس نے پھر سامنے ہو کر یہی عرض کیا۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا۔ علیٰ ھٰذا القیاس جب اس نے چوتھی دفعہ اقرار جرم کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں رسول حق ہوں اور تو نے میرے سامنے چار دفعہ اقرار جرم کیا۔ یہ گویا چار شہادتیں ہیں۔ اب تم پر حد جاری ہو گی، لیکن اس وقت چلی جا۔ جب بچہ پیدا ہو کر کھانے پینے کے قابل ہو گیا تو اس وقت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے بہت چھوٹی عمر میں اسے کھانے پینے کی عادت ڈالی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے ملاحظہ کرا دیا۔ اور عرض کیا کہ اب یہ کھانے پینے کے قابل ہو گیا ہے لہٰذا مجھ گنہگار کو پاک فرمائیے۔ چنانچہ اسے رجم کر دیا گیا۔

دَورانِ سزا میں ایک شخص نے جب اس پر پتھر مارا تو اس سے خون کی چند چھینٹیں اُڑ کر اس آدمی پر پڑیں۔ اس نے ان چھینٹوں سے گھن کر کے اس عورت کے حق میں کچھ ناشائستہ الفاظ کہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر فرمایا تو ایسا کہتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس کی توبہ ایسی مقبول ہے کہ اگر تمام اہل مدینہ پر تقسیم کی جائے تو سب کو کفایت کرے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جنازہ پر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ بے شمار فرشتے اس کے جنازے کے لیے اُترے ہیں، اور یقیناً یہ جنتی ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی گو گناہ کا مرتکب ہوتا رہا، لیکن کسی آدمی کو اس کے گناہ سے علم نہیں۔ اور جہالت کی وجہ سے وہ گناہ کرتا رہا۔ آخر اپنی غلطی اور افعال شنیع سے شرمندہ و نادم ہو کر بارگاہِ ایزد متعال میں آ گیا تو وہ ذات کریم اپنے فضل و کرم سے بخش دیتے ہیں۔ بلکہ صاف طور پر فرماتے ہیں:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (پ ۔ ۳)

(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے) کہدو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، کہ خدا سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ایک مرتبہ بہت عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ ملک میں سخت قحط پڑ گیا اور مخلوق خدا بھوک پیاس سے مرنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی معیت میں نماز استسقا کے لیے باہر جنگل میں تشریف لے گئے تو بارگاہ ایزد متعال سے آپ کو حکم ہوا کہ ان آدمیوں میں سے ایک شخص چالیس سال سے گناہ پر اڑا ہوا ہے، جب تک وہ اس مجمع میں سے باہر نہ ہو جائے تمہاری دعا منظور نہ ہوگی۔ اس کو کہہ دو کہ یہاں سے چلا جائے ورنہ بارش بالکل نہیں ہوگی۔ آپ نے عرض کیا کہ یارب العٰلمین! ان لاکھوں آدمیوں میں میری آواز شاید اس تک پہنچے یا نہ، تو حکم ہوا تم کہہ دو، پہنچا دینا میرا کام ہے۔ آپ نے بلندی پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرما دیا کہ اے قوم! تم میں ایک شخص سالہا سال سے گناہ پر اڑا ہوا ہے۔ مولیٰ کریم کا فرمان ہے کہ جب تک وہ درمیان سے نکل نہ جائے بارش نہیں ہوگی۔ لہٰذا وہ شخص فوراً اُٹھ کر ہم سے الگ ہو جائے۔

جب اس گنہگار نے یہ کلمات سنے تو اس نے دل میں سوچا کہ اگر نہ نکلوں تو بے شمار مخلوقِ خدا ہلاک ہو جائے گی اور اگر اتنی مخلوق سے باہر نکلوں تو خود خلقت کے لیے نشانہ بن کر رسوائے عالم ہوتا ہوں۔ ناچار نہایت شرمندگی سے جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے گھاس میں سر دے کر اپنے دل میں گریہ وزاری شروع کیا کہ اے مولیٰ کریم! میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہ معاف کر کے بارانِ رحمت نازل فرما کر مجھے اتنے آدمیوں میں ذلت اور رسوائی سے بچا۔ تو اس کی یہ تہ دل سے نکلی ہوئی خالص توبہ مطابق:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے اتار دے اور تمہیں باغوں میں لے جائے جن کے

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ (پ - ۱۳) نیچے نہریں بہیں۔

قبول ہو گئی اور اسی وقت بادل چھا کر بارش برسنے لگی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ یا الٰہ العالمین! باہر تو کوئی نہیں نکلا لیکن بارش شروع ہو گئی ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ جس کے سبب سے بند تھی اسی کے سبب سے ایسا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الٰہی! اس اپنے مقبول بندے کی ہم کو زیارت تو کرائیے، تو ذات پاک کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اُس گنہ گاری کی حالت میں تو ہم نے اس کا پردہ فاش نہیں کیا، اب جب کہ وہ تائب ہو کر ہمارا مقبول ہو چکا ہے تو اس کا پردہ کیسے فاش کریں۔

اللہ اکبر! وہ ذات ارحم الراحمین کس قدر ستار اور غفار ہیں کہ گنہ گار آدمی جب بھی نادم اور شرمسار ہو کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے، وہ ذات پاک اسی وقت اپنے فضل و کرم سے اس کو اپنا مقبول اور خاص الخاص بندہ بنا لیتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

عجز کارِ انبیاء و اولیاست عجز مقبولِ بدرگاہِ خداست

ایک خدا کا نیک بندہ غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہن کر عبادت کے لیے مسجد کی طرف چلا، تو حکم ہوا کہ اس پاکی کے ساتھ میری طرف آتا ہے؟ تو واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ ارشاد ہوا کہ اب واپس جاتا ہے؟ تو کھڑا ہو گیا۔ حکم ہوا کہ اب آزمائش کے لیے کھڑا ہوا ہے؟ ناچار چیخ مار کر گر پڑا، تو اس ذات ارحم الراحمین کی طرف سے حکم ہوا کہ ہاں! میری بارگاہ میں عجز ہی منظور ہے۔ کسی اللہ کے بندے نے کہا ہے ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنجِ تو نیست

عاجزی و بے کسی، عذر و گناہ آوردہ ام

الغرض بارگاہِ ایزد متعال میں توبہ اور عجز بڑی مقبول چیز ہے۔ فرشتے کا کام ہے سرتاپا پاک رہنا۔ اور شیطان کا کام ہے ہمہ تن پلیدی میں محو اور مستغرق رہنا؛ اور انسان کا کام ہے خطا کرنا اور بارگاہِ الٰہی میں توبہ کر کے اپنی خطاؤں کو بخشوانا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنۡبِ كَمَنۡ لَّا ذَنۡبَ لَهٗ۔ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں رہا۔ اس ذات پاک کا یہ ایسا رحم اور فضل ہے جس کا ہم شکر ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ فضل و کرم محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل

ہم عاجزوں اور بے کسوں پر خاص مہربانی ہے اور مطابق:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (پ۹۔ ۱۸) — اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں ہو۔

یہ محض حضور کے ہم میں تشریف فرما ہونے کی برکت ہے کہ ہم پر عذاب کا نزول نہیں ہوتا۔ دوسری جگہ مولیٰ کریم فرماتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (پ۵۔ ۶) — اور جب ان لوگوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس آجاتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسول خدا بھی ان کے لیے معافی طلب کرتے تو خدا کو معاف کرنے والا مہربان پاتے

تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر معافی مانگے اور حضور بھی اس کے لیے معافی طلب فرمائیں تو وہ ذات پاک معاف فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بظاہر حیات دنیا میں بھی ہوتا رہا اور بعد میں بھی اس کا ظہور ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے کہ ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور یہی آیت شریف پڑھ کر بخشش کے لیے عرض کیا تو روضۂ اقدس سے آواز آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ یعنی تیری بخشش ہو گئی۔ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی اسی کا مصداق ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی لڑائی پر جاتے تو دو صحابیوں کے درمیان بنائے اخوت فرماتے یعنی دینی بھائی بنا دیتے۔ ایک صحابی کو لڑائی میں اپنے ہمراہ لے جاتے اور دوسرے صحابی کو گھر میں چھوڑ جاتے تاکہ وہ اپنے اور اپنے دینی بھائی کے گھر کی خبر گیری کرتا رہے۔ غزوۂ تبوک میں درمیان ثعلبہ انصاری اور سعید بن عبدالرحمٰن کے بھائی چارہ ہوا۔ سعید ابن عبدالرحمٰن تو لڑائی میں گیا اور ثعلبہ کو گھر میں چھوڑا۔ ایک روز ثعلبہ نے اپنے بھائی کی بیوی کی آواز خوش الحان سنی تو عاشق ہو گیا۔ دوسرے روز بے تحاشہ بارادۂ فاسد اپنے بھائی کے گھر میں چلا گیا۔ اس پاکدامن بیوی نے کہا کہ اے ثعلبہ! تجھ کو کیا ہوا، خدا اور رسول سے شرم نہیں کرتا کہ اپنے

بھائی کے گھر میں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑائی میں ہے، فاسد ارادے سے آیا؟ خدا اور رسول کو کیا جواب دے گا؟ اتنی بات کے سنتے ہی خوفِ خدا اُن کے دل پر غالب ہوا اور نعرہ مار کر بہ آہ و زاری جنگل کی راہ لی۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے۔

اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب قافلۂ تجارت یا لشکر فتح پا کر واپس آتا تو دوست و یگانے اپنے دوست و یگانوں کے استقبال کے لیے جاتے، اور اس قافلہ یا لشکر کو بعزت و اکرام خوشی کے نعرے مارتے ہوئے لاتے۔ سب آدمیوں نے اپنے یگانوں کا استقبال کیا، ان کی ملاقات سے مسرور ہوئے لیکن سعید بن عبدالرحمن اپنے دینی بھائی ثعلبہ انصاری کا منتظر رہا۔ اور بہت افسوس کیا اور کہا کہ خدا خیر کرے، بھائی ثعلبہ کیوں نہیں آیا؟ آخر گھر پہنچے اور بیوی سے ثعلبہ کی خبر پوچھی۔ اس نیک بخت نے تمام قصہ بیان کیا۔ یہ حال سُن کر ان کو نہایت رنج و قلق ہوا کہ ہائے میرے بھائی کو کیا ہو گیا۔

القصہ اس کی جستجو میں جنگل کی راہ لی۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک صحرا میں نعرے مارتا اور روتا پھرتا ہے۔ سعید نے کہا بھائی ثعلبہ! تجھ کو کیا ہوا؟ چل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تیری تقصیر معاف ہو جائیگی۔ ثعلبہ نے کہا اچھا، میرے ہاتھ باندھ اور گردن میں رسی ڈال کر لے چل۔ اسی حیثیت سے سعید ان کو مدینہ منورہ میں لایا۔ اول حضرت ابو بکرؓ کے گھر گیا، پھر حضرت عمرؓ کے گھر پر پھر حضرت عثمانؓ کے گھر پر اور پھر حضرت علیؓ کے گھر گیا اور کہا کہ کوئی میری نجات کی صورت ہے؟ چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ تم نے گناہ عظیم کیا ہے، ہمارے سامنے سے چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے سبب سے ہم کسی آفت میں مبتلا ہو جائیں۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بحالت زار پہنچے اور اپنا حال پُر ملال اور کیفیت ناگفتنی گزارش کر کے طالب شفاعت و مغفرت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے لیے کوئی صورت بخشش کی نہیں۔ یہاں سے نکل جا، ایسا نہ ہو کہ ہمارے شہر پر غضب الٰہی نازل ہو۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

آخر الامر تمام وسائل سے مایوس ہو کر جنگل کی راہ لی اور جناب الٰہی میں نعرے مار کر فریاد کرنے لگے۔ کہ الٰہی! تیرے محبوب پر بھروسہ تھا، انہوں نے شہر سے باہر نکال دیا۔ اب تیرا در چھوڑ کر کہاں جاؤں؟

راندۂ عالم وسوئے تو می آئم باز! بپذیر و کاغذ باطل شدہ را کاغذ ساز

جبکہ ان کا درد دلی حد سے زیادہ بڑھا اور سب طرف سے تعلق ٹوٹا، بجز خدا کے کسی کا بھروسہ باقی نہ رہا۔ دل سوختہ کو یکسوئی حاصل ہوئی تو دریائے رحمت کاملہ نے جوش مارا اور ایک ندا عالم غیب سے اس کے گوش جان میں وارد ہوئی کہ اے بندۂ عاصی! میری رحمت سے مایوس نہ ہو، میں مالک ہوں۔ جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔ لیکن تو نے یہ بڑی بے وقوفی کی جو اپنے گناہ پر ایسے اُولُوا العزم رسول کو گواہ کر لیا۔ یا تو واقف تھا یا ہم، دوسرے کو کیوں مطلع کیا، ہمارے سوا غفور الرحیم کون ہے؟ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت استغفار نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (پ۴-ع۴)	اور یہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اور طرح سے اپنے حق میں ظلم کر لیتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگنے لگتے ہیں۔ اور خدا کے سوا گناہ بخش کون سکتا ہے۔ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے۔ اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بھی بہت اچھا ہے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو بھیجا کہ ثعلبہ فلاں درخت کے نیچے رات کے وقت فریاد کرتا ہے، وہاں سے ڈھونڈ لاؤ۔ دونوں صاحب ان کی تلاش کو چلے اور عشا کے وقت اس درخت کے نیچے فریاد کرتے پایا۔ دونوں صاحبوں نے باآواز بلند فرمایا کہ مبارک! مبارک! تمہاری خطا معاف ہوگئی۔ چلو، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو بلایا ہے اور تمہارے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آیت مغفرت نازل فرمائی ہے۔ یہ سنکر ہمراہ ہوئے، مسجد نبوی میں آئے۔ اس وقت نماز عشا ہو رہی تھی اور سورۂ تکاثر شروع۔ تینوں صاحب شامل ہوئے۔ پہلی آیت میں ثعلبہ نے ایسا نعرہ مارا کہ تمام

جماعت پر ایک اثر ظاہر ہوا۔ دوسری آیت میں بے ہوش اور تیسری آیت سن کر جاں بحق ہوئے۔ ان کے جنازہ کے ساتھ فرشتوں کی یہ کثرت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پنجوں کے بل چلتے تھے۔ ثعلبہ کی ایک بیٹی تھی، رو رو کر کہنے لگی اب میں باپ کس کو کہوں گی؟ آپ نے فرمایا کہ میں تیرا باپ ہوں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تیری بہن ہے۔ تو کچھ غم نہ کر۔

قرآن پاک، حدیث شریف اور حکایات کے اس بیان سے ناظرین توبہ کے معانی سے واقف ہو چکے ہوں گے۔ توبہ، برائی سے اپنے رجوع یا اپنے ضمیر کو نیکی کی طرف پھیرنا یا نیکی کی طرف رجوع کرنا اور بارگاہ ایزد متعال میں عجز والحاح کے ساتھ اپنے اعمال بد سے معافی چاہنا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور اقدس میں ایمان لانے کے بعد پہلے گناہوں کی معافی اور آئندہ کے لیے ایسے افعال جو مولیٰ کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کے خلاف ہیں ان سے بیزار ہو کر اسلام کے موافق اعمال پر عمل پیرا ہونے کے لیے بیعت کی جاتی ہے بمصداق:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ	اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تمہارے پاس مسلمان
يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا	عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ
وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ	تو شرک کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ
اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ	اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی
بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ	بہتان باندھ کر لائیں گی، نہ نیک کاموں میں تمہاری
فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ	نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (پ ۲۸)	خدا سے بخشش مانگو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

گو اس آیت شریف میں عورتوں کو بیعت کرنے کا حکم ہے۔ لیکن خاص طور پر اس کو یہاں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ بعض موحد کہلانے والے مسلمان بیعت کے حکم کو محض جنگ تک کے لیے محدود قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عورتوں پر جنگ فرض نہیں ہے اور نفس آیت مبارک میں بھی محض اوامر و نواہی پر کاربند رہنے کے لیے بیعت لینے کا حکم ہو رہا ہے۔ دوسرے جہاد بھی اوامر اسلام میں سے ایک امر ہے۔ اور جب ایک حکم کے لیے بیعت لینے

اور عورتوں سے بیعت لینے کا حکم ہو رہا ہے تو تمام اوامر کے لیے مردوں سے بیعت لینا کیسے منع ہو؟ لہٰذا مردوں سے بھی ایسی بیعت قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور صاحب ایمان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

ہم غلامانِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عقائد کے مطابق حیات النبی بالتصرف الآن کما کان پر ایمان رکھتے ہیں تاہم عوام اور ہر مبتدی کی یہ اہلیت نہیں کہ براہِ راست آپ کے حضور میں پہنچ سکے۔ نیز حضور خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک کے لیے کسی پیغمبر کا آنا ممتنعات سے ہے اس لیے ایسا متبع حضور جو کامل اتباع کی بدولت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے فیضیاب ہو جس کے معنی اتحاد تام یا سراجاً منیراً سے پوری طرح منور ہونے کے ہیں۔ قیامت تک اِن سے کوئی زمانہ خالی نہ ہوگا، اور وہ بیعت جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر کے ظاہری باطنی گناہوں سے تائب ہو کر معیت حضورؐ کا حصول حاصل کرتے ہیں، وہی نور اور وہی حضور اور وہی سرورانِ بندگانِ خدا سے بیعت کرنے سے ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے، لہٰذا آج ہم کو بھی اسی نعمت کے حصول کے لیے اتباعِ حضورؐ والے کسی کامل، اکمل، مکمل مرد کی تلاش ضروری ہے۔ اور اس کے ہاتھ پر توبہ کے لیے بیعت کرنا ہمارے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہ کرام کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ مطابق الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ۔ اور اسی طرح ہم بھی گناہوں سے پاک ہو کر صراط المستقیم پر چل کر مستفیض ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد جبکہ کبائر سے تائب ہو چکے، اپنے حال کی صورت میں بھی ہمارے لیے تائب ہونا ضروری ہے بندگانِ خدا کا فرمان مبارک ہے کہ جس شخص کی صبح اور شام ایک جیسی ہو یعنی ایک حال پر ہو، وہ سخت گھاٹے میں ہے۔ اس لیے اپنے رجوع کو درست کر کے اپنے مدارج کے حصول کے لیے بہر حال کوشاں رہنا چاہیے۔ کیونکہ نہ ہی مولیٰ کریم کی کوئی حد و حصر اور نہ انسانی مدارج کے لیے کوئی حد اختتام۔ بلکہ وہ بیج جو انسان اس دنیا میں اپنے ضمیر میں بوتا ہے یا وہ حصول یا وہ نور بمصداق یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ جو اس کو عالم دنیا میں حاصل ہوتا ہے عالم برزخ میں بھی وہ بڑھتا رہتا ہے اور قیامت کو بار آور ہو کر ثمر کو پہنچتا ہے اس لیے حیوۃ الدنیا نہایت احتیاط کا مقام ہے کہ مولیٰ کریم بطفیل سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فضل و کرم سے ہمارے ضمیر کو نسبت نبوی سے منور ہونے کی توفیق عطا فرمائیں، جو دونوں جہان میں ہمارے لیے باعثِ عزت اور

فخر ہو۔ یہ نایاب اور قیمتی وقت ہے جو ہوا سے تیز ہمارے ہاتھ سے جا رہا ہے۔ آج ہم توبہ کرکے اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہو کر معافی طلب کر سکتے ہیں لیکن مرنے کے بعد یا مرنے کے وقت ہمارا ایمان لانا یا توبہ کرنا ہمارے کسی کام نہ آئے گا۔

حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ بہتر دفعہ استغفار فرماتے لیکن آپ کا استغفار پڑھنا بہتر مدارج کا طے کرنا تھا۔ جب پہلے درجے کو طے فرما کر اگلے درجہ میں جلوہ فگن ہوتے تو سابقہ درجے سے استغفار ہوتی جو ہمارے حال سے کسی طرح بھی نسبت نہیں رکھتی۔ اسی طرح آج بھی متبع حضور اکرم اولیائے کرام اور صلحائے عظام ابرار اور مقرب اور عاشق اور واصل تک کے مدارج کے لیے کوشاں ہیں اور استغفار میں مشغول۔ خدا کرے ہم بھی اپنی موت سے پہلے اپنے ایمان کو درست کرکے کسی خدا کے بندے کے ساتھ تعلق پیدا کرکے نسبت نبوی سے محظوظ ہوں۔

نفس

مولیٰ کریم نے انسان کو موقع محل کے مطابق کبھی رُوح، کبھی بشر، کہیں آدمی اور کہیں نفس کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ گو صوفیائے کرام نے نفس سے مراد صفات رذیلہ کے بھی لیے ہیں۔ لیکن یہی نفس جب مطمئنہ کے مدارج میں مین رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ کے مدارج کا مقیم ہوتا ہے تب بھی نفس ہی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ بہر صورت رُوح مع الجسد انسان کو نفس سے موسوم فرمایا گیا ہے۔ قرآن پاک کے رو سے اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں:

(۱) اَمّارۃ (۲) لوّامۃ (۳) مطمئنّہ

گو مدارج اور حال کے رو سے الگ الگ ہو تاہم انسان ہی کے لیے یہ تین حالتیں ہیں۔

(۱) امّارہ۔ مطابق اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی یقیناً نفس برائی کی طرف حکم کرنے والا ہے۔ اس حالت میں اس کا تمام تر حکم بُرائی کی طرف ہوتا ہے۔ نہ خدا سے کوئی واسطہ، نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق۔ یہ حالت کافر کی ہوتی ہے۔ اس صورت میں اس کا نفس کسی صورت میں بھی بھلائی کی طرف رجوع

نہیں کرتا۔ اور اگر اس کے ضمیر کے مطابق نیکی بھی ہو تو بھی اطابق وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ دین اسلام کے مطابق بڑی سے بڑی نیکی بھی قابل قبول نہیں ہوتی جب تک خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے چاہے دن رات خدا کی یاد کرے، جیسے کہ اہل ہنود یا نصرانی اور یہودی وغیرہ اپنے زعم میں کرتے ہیں یا خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ دین الحق کے نزدیک اس کا کوئی عمل قابل جزا یا آخرت میں اس کے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ بعض کفار بڑے سے بڑے مجاہدے اور خلافِ نفس کر کر کے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ دنیادار اپنے دنیاوی کاموں میں ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، اور استدراج کی صورت میں ان کی شعبدہ بازی سے متاثر ہو کر ان کو فقیر یا خدا کے بندے سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن اسلام کے نزدیک چاہے ہوا میں اُڑے یا آگ میں چلے یا دنیاداروں کے کاموں میں حیرت انگیز منظر دکھائے، مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔

چنانچہ تذکرۂ غوثیہ میں حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ سے ایک حکایت نقل ہے کہ دہلی میں ایک ہندو فقیر تھا جو صاحب استدراج تھا۔ سلب مرض میں بہت کمال رکھتا تھا۔ اتفاقاً ایک بار سلطان جی سخت مریض ہوئے۔ اپنے مریدوں کو فرمایا کہ مجھ کو اس کافر کے پاس ہرگز نہ لے جانا۔ جب مرض کا غلبہ ہوا اور حضرت بے ہوش ہو گئے تو مرید گھبرائے۔ ناچار اُس کے پاس حضرت کو لے گئے۔ اس نے فوراً مرض سلب کر لیا۔ آپ ہوش میں آئے اور دیکھا کہ اس کافر نے سلب مرض کیا ہے، اس کو کچھ انعام دینا چاہا۔ فرمایا کہ تم کو یہ کمال کس طرح حاصل ہوا؟ اُس نے کہا کہ میں ابھی چھوٹا ہی تھا جب اپنے گورو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چند ہی دن کے بعد گورو جی بیمار ہوئے اور اُن کا وقت قریب آ گیا۔ میں رونے لگا تو انہوں نے پوچھا کیوں روتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی موت پر تو نہیں روتا، اپنی بدقسمتی پر روتا ہوں کہ کوئی ایک سال آپ کی خدمت میں رہا کوئی دو سال۔ کسی نے کچھ حاصل کیا کسی نے کچھ۔ لیکن مجھے کچھ خدمت کا موقع نہ ملا اور حصول سے محروم رہا۔ گورو جی نے کہا میں ایک بات تم کو بتاتا ہوں، اگر اس پر عمل پیرا ہوا تو تو سب سے بڑھ جائے گا۔ میں نے عرض کیا بتائیے تو کہا کہ اپنے نفس کا اُلٹ کرنا۔ چنانچہ اسی دن سے اس پر پوری طرح عمل شروع کر دیا۔ سلطان جی نے فرمایا کہ کیا تمہارا نفس اسلام کو قبول کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ

پھر یہ بھی تو خلاف نفس کرو۔ وہ اوّل تو خاموش ہوا، پھر اسلام لایا اور حضرت نے اس کو تعلیم فرمائی۔ وہ اپنے گرو کے اصول پر عمل پیرا رہ کر بدستور نفس کا خلاف کرتا رہا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ ترین بزرگان عظام میں سے ہو گیا۔

اس بیان سے میرا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں خواہ نفس کا خلاف کر کے صاحب استدراج بھی ہو جائے لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا کوئی عمل بھی آخرت کے لیے ذخیرہ نہیں بنتا اور یہ نفس امارہ ہی میں محجوب رہتا ہے۔ اس کے بعد اگر خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تو گو کفر کی حالت سے ہزارہا درجہ بہتر ہے اور آخرت میں گناہوں کی سزا پانے کے بعد بخشش کے قابل ہو سکتا ہے لیکن تاوقتیکہ قرآن اور حدیث کے موافق عمل پیرا نہ ہو، اور اٰمنوا کے بعد عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اپنے حال کی اصلاح نہ کرے اس وقت تک اس کا نفس امارہ ہی کا حکم رکھتا ہے۔

اس کے بعد جب ایمان سے بہرہ ور ہو اور اس کا عمل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے موافق ہو، اور کسی مرد خدا کی خدمت میں حاضر ہو تو فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً سے اس کے ضمیر میں نسبت پیدا ہوتی ہے، اور سِرَاجًا مُّنِيْرًا سے مستفیض شدہ مرد خدا کی صحبت سے کچھ تھوڑا بہت فیض حاصل کرتا ہے اور اس کی طبیعت میں احساس پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے نفس کی حالت لوّامہ کی ہوتی ہے جس کی تشریح حضرت بو علی قلندر قدس سرہٗ اپنی مثنوی شریف میں یوں ارقام فرماتے ہیں ؎

گاہے در جنت روی اے خوش خرام گاہے در دوزخ روی سازی مقام
جان من با من بگو اسرار خویش چشم دل روشن کن از دیدار خویش

تو آپ کا اس سے مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں کبھی تو اس کا رجوع نیکی کی طرف ہوتا ہے اور کبھی برائی کی طرف ایسی حالت میں سالک راہرو کے لیے سخت خطرہ ہوتا ہے اور ہر طرح کی حفاظت کی بیحد ضرورت۔ حواس خمسہ ہر طرح کے اثرات (نیک ہوں یا بد) سے متاثر ہو کر قلب میں ان کو جگہ دیتے ہیں اور اس کے ارادے پر وجود متحرک ہو کر اعمال کے بجا لانے کا فاعل ہوتا ہے۔ اگر نیک اثرات مثلاً قرآن پاک یا حدیث شریف یا بزرگان دین کے فرمان مبارک یا کسی خدا کے نیک بندے کی صحبت حاصل کرے تو ضروری ہے کہ وہ تاثرات جو نیک کلام کے سننے یا صحبت نیک کی بنا پر اس کے ضمیر میں جاگزیں ہوئے ہیں ان کا اثر ظاہر ہو۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ

عنہم سے مروی ہے کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت مبارک میں جب بیٹھتے تو آسمانوں کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنتے اور علیحدگی میں یہ کیفیت نہ رہتی۔ تو اصل مطلب یہ ہے کہ جس صحبت سے اثرات اس کے قلب میں جگہ پکڑتے ہیں انہی کے مطابق اس کے قلب کے ارادے مرید ہو کر اس کو اُس قسم کے اعمال پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بمصداق ؎

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

تو نیک اثرات بہرحال نیکی ہی کی طرف کشش کرتے ہیں اور اس سے نیک اعمال ہی سرزد ہو کر اس کے لیے يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ کی صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور اگر اس کے جوارح اثرات بد کو اخذ کریں یعنی بری صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے ہوں یا برا کلام کرنے یا سننے سے قلب میں جگہ پکڑیں تو اس کے ایمان کے لیے زہر قاتل بن کر اس کی آخرت کی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور انہی اثرات کی بنا پر ربوبیت کا تقاضا مَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں بیان ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے حکم فرمایا اور یہ تین صحابی کعبؓ بن مالک اور ہلالؓ بن اُمیہ اور مرارہؓ بن ربیع جنگ تبوک میں شامل نہ ہوئے تو مولیٰ کریم نے ان کے متعلق فرمایا:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا	اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے یہاں تک
ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ	اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے
لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ (پ۱۱- ع۳)	پناہ نہیں مگر اسی کے پاس۔

تو یہ تنگی محض ان بد اثرات سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی بنا پر قلب میں جاگزیں ہوئے تھے اور ان کے ضمیر کے لیے ربوبیت کا فعل صَدْرَهُ ضَيِّقًا کی بنا پر ہویدا ہوا تھا۔ ورنہ اس زمین کا سکڑنا اور تنگ ہونا اس سے مراد نہیں ہے بلکہ اس تنگی سے ضمیر کی تنگی ہی ہو سکتی ہے۔ تو جب انسان کا نفس لوامہ کی صورت میں پرورش پائے اور ہر طرح کے اثرات کا حامل ہو کر اپنے ضمیر یا قلب کی تنگی اور فراخی کا ممیز

ہو اور اپنے آپ کو اثرات بد سے بچائے اور نیک اثرات کا چاہنے اور حاصل کرنے والا ہو، اور اپنی حالت کی صحت اور قبض و بسط کا معائنہ کرے اور خدا سے وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ کا سوال کرتا ہوا صراط المستقیم پر چلے تو ضروری ہے کہ مولیٰ کریم اپنا فضل و کرم فرما کر بمصداق اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ اس کو ایمان کی طرف ہدایت فرمائیں تو بعید از رحمت نہیں۔

اس حالت میں انسان مجاہد ہوتا ہے، اور مجاہدہ محض اثرات غیر کے ہٹانے اور نیک اثرات کے دل میں جمانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ اثرات ہی اسلام اور عین دین اور صراط المستقیم کا ذریعہ ہوتے ہیں، اور اثرات ہی کی بنا پر کفر اور نفاق اور فسق میں گرفتار ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے تمام عالم پر کفر ہی کفر تھا۔ آپ کی ظاہری اور باطنی تعلیم کے اثرات ہی کے سبب سے یک لخت اپنے آبا و اجداد کے دین کو ترک کر کے اور اپنے اثرات باطلہ کو دور کر کے سراجاً منیرا سے منور ہو کر بڑے بڑے نامور مسلمان ہوئے۔ جن کا نام قیامت تک ہر ایک مسلمان کے لیے باعث قوت ایمانی بن گیا۔ حضورؐ کی تعلیم ہی نے قرآن پاک اور حدیث شریف کے ذریعہ عوام کے دل کو ز کی عطا فرمائی۔ آپ کی تعلیم کے اثرات ہی نے امیت دل کو نور سے منور فرما دیا۔ آپ کی تعلیم ہی نے مسلمانوں کے دلوں کو نسبت محمدی سے معمور فرما کر عوام کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیا اور تا قیامت ایسے مرد پیدا ہوتے جائیں گے جو ان اثرات کے حامل ہو کر خلقت کی راہ نمائی کو سرانجام دیں گے۔ اور اثرات بد کی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا

پسر نوح بابداں بنشست　　　خاندان نبوتش گم شد

کا مصداق بن کر طوفان میں کفار کے ساتھ غرق ہو گیا۔

غرض جس قسم کی صحبت میں انسان بیٹھنا اختیار کرے اس سے متاثر ہو کر اسی کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے بھنگیوں کے ساتھ بیٹھنے والا بھنگ پینے لگتا ہے اور افیونیوں کی صحبت میں رہنے والا افیونی۔ پھر اس عادت میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً افیون کھانے والے پہلے بالکل تھوڑی مقدار میں شروع کرتے ہیں، اور رفتہ رفتہ تولہ تولہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو ان کے لیے موجب فرحت اور باعث حیات ہوتی ہے، لیکن دوسرے کے لیے سم قاتل۔ میٹھے پانی کی مچھلی کڑوے پانی میں مرجاتی ہے اور کڑوے کی میٹھے میں زندہ نہیں رہ سکتی۔

القصہ جن اثرات کا حامل ہوتا ہے اس کے لیے موجب حیات اور فرحت بن کر غیر اثرات جو اس کی طبیعت کے خلاف ہوں اس کے لیے موجب ہلاکت ہوتے ہیں۔

ایک بھنگن جو بادشاہ کی ٹٹی صاف کیا کرتی تھی ایک دن بیمار ہوگئی تو اپنے خاوند کو اپنے مقررہ کام کے لیے بھیجا اور کہا کہ بادشاہ سلامت ٹٹی کے وقت تین ماشہ اعلیٰ ترین عطر کپّی میں ڈال کر اپنے ناک کے نزدیک لٹکائے ہوتے ہیں اور بعد فراغت اسی جگہ پھینک کر چلے جاتے ہیں۔ اس عطر کو بحفاظت تمام اٹھا کر ٹٹی صاف کر کے عطار کے پاس لے جانا، وہ تمہیں چار پانچ روپے دے دیگا۔ اس نے اپنی عورت کے کہنے کے مطابق عمل کیا، لیکن گھر پہنچتے ہی بیمار ہوگیا۔ حکیم وغیرہ بلوائے گئے لیکن وہ بھنگی بے ہوش پڑا تھا۔ بھنگن کو ہوش آیا تو اس نے مجمع کا سبب دریافت کیا۔ جب اس کو اس بیماری کا علم ہوا تو اس نے حکیم کو بھیج دیا، اور کتے کی ٹٹی لے کر آگ پر رکھ کر اس کی بدبو اس کے ناک میں پہنچائی۔ جب عطر کا اثر اس کے دماغ سے دور ہوا تو ہوش میں آگیا اور اپنے کام کاج میں مشغول گیا۔

چونکہ اس کے لیے بدبو ہی راحت جان اور موجب فرحت تھی، لہٰذا عطر کی خوشبو نے اس کو بیمار اور بے ہوش کر دیا۔ حالانکہ وہی عطر بادشاہ کے لیے موجب صحت اور فرحت وانبساط تھا۔ یہ ہے اثرات کا طبیعت ثانیہ بلکہ عین موجب حیات بننا۔ اسی طرح جس کے لیے نسبت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجب حیات وفرحت ہے اس کے لیے غیر نسبت یعنی شیطانی موجب حجاب بلکہ باعث ہلاکت اور خرابی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ شیطانی نسبت والوں کے لیے صرف استنجا کرنا جو کہ سنت اور موجب طہارت ہے، ا کمی حال کا موجب ہو جاتا ہے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ صاحب نفس لوامہ اپنے حال میں مجاہد ہو کر اثرات غیر کو ہٹانے اور مطابق اثرات کو دل میں جمانے کی کوشش میں مصروف ہوتا ہے۔ چونکہ ابھی اس کو استقامت حاصل نہیں ہوتی، اس لیے عجیب طرح کی کش مکش میں پھنسا ہوتا ہے۔ تو مولیٰ کریم ایسے حال والے مومن کے لیے قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ چھوڑ دے ایمان والوں کو اوپر

مَآ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ حَتّٰى يَمِيۡزَ الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ (پ ۔ ۹) اس حالت کے کہ ہو تم اوپر اس کے یہاں تک کہ جدا کرے ناپاک کو پاک سے

اس جگہ بھی مولیٰ کریم نے نفس لوّامہ ہی کے متعلق فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان نیکی کی طرف رجوع رکھتے ہیں، اور کبھی غلبۂ نفسانیت سے بُرے خیالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان کے ضمیر میں باعث حجاب بن کر صراط المستقیم پر چلنے سے تھوڑی بہت روکاوٹ بنے ہوئے ہیں، مولیٰ کریم اپنے فضل سے ان کے ناپاک خیالات کو دُور فرما دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں۔ آپ پہلے بادشاہ وقت تھے اور آپ کو خیال تھا کہ خدا کی یاد میں بادشاہی کونسی رکاوٹ ہے؟ مولیٰ کریم کا معاملہ تو دل سے ہے۔ پھر اگر بادشاہی بھی رہے تو کیا حرج ہے۔

ایک دن دربار میں بیٹھے تھے کہ دربان نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ایک بارعب فقیر صاحب شاہی محل کے صدر دروازہ سے اندر کی طرف ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں۔ ہر چند ان سے کہا گیا ہے کہ یہاں سے چلے جایئے لیکن وہ کچھ جواب نہیں دیتے، اور ان سے سختی کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی"۔ حضرت ابراہیم ادہم خود فقیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "فقیر صاحب! یہ سرائے نہیں ہے، بادشاہی محل ہے" فقیر صاحب بولے کہ "کس کا محل ہے"؟ بادشاہ نے کہا کہ "میرا"۔ فقیر صاحب نے پوچھا کہ "تم سے پہلے اس کا مالک کون تھا"؟ کہا کہ "میرے والد"۔ پوچھا کہ "تمہارے باپ سے پہلے"؟ تو عرض کیا کہ "میرے دادا"۔ تو فقیر صاحب نے کہا کہ "جہاں پر ایک آئے اور ایک چلا جائے وہ سرائے نہیں تو اور کیا ہے"؟ اس کے بعد فقیر صاحب نے اپنے جیب سے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا نکالا اور دانتوں سے چبانے لگے۔ ٹکڑا کھا کر سامنے حوض میں سے چُلّو سے پانی پی کر چل دیے۔ یہ گویا تعلیم تھی کہ پیٹ بھرنے کے لیے اتنا بھی کافی ہے۔

اس گفتگو کے بعد طبیعت پریشان ہوئی، صبح شکار کے لیے تیاری کی تاکہ طبیعت میں کچھ آرام ہو۔ جنگل میں پہنچتے ہی ہرن اُٹھا اور اس کے پیچھے گھوڑا لگا دیا۔ دور تک نکل جانے کے بعد ہرن نے کہا کہ "ہوش کر! تو بھی شکار ہونے والا ہے"۔ یہ سُن کر واپس لوٹے، سوز پیدا ہوا۔ رات کو اپنے بستر پر لیٹے لیٹے رو رہے

تھے، ناگاہ دیکھا کہ کمرے کے اندر ایک اجنبی آدمی پھر رہا ہے۔ دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرا اونٹ گم ہوگیا ہے، اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ ارے بے وقوف! شاہی محلوں میں اُونٹ کہاں؟ تو اس نے کہا کہ آپ بڑے عقلمند ہیں کہ بادشاہی محلوں اور ان نرم بستروں پر لیٹ کر خدا کی محبت ڈھونڈتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اجنبی غائب ہوگیا۔ غرض ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو مجبور ہو کر بادشاہی کو خیرباد کہہ کر الگ ہونا پڑا۔ تو مولیٰ کریم نے وہ خیال جو من دُون اللہ آپ کے دل میں تھا، اور آپ کے لیے باعثِ حجاب تھا، اسے نکال کر طیب سے خبیث کو الگ کر کے انھیں محض اپنے ہی لیے خالص کر لیا۔

اس کے برعکس خواجہ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ بھی بادشاہ تھے۔ آپ کے دل میں جب درد پیدا ہوا، تو دنیا سے متنفر ہو کر صبح اُٹھتے ہی تاج و تخت کو خیرباد کہہ کر چل دیے۔ تھوڑی دور گئے تو طبیعت منقبض ہوگئی آخر تنگ ہو کر کھڑے ہوگئے اور بارگاہِ ایزد متعال میں عرض کیا کہ یا الٰہ العالمین! وہ چیز جو تیرے راستہ کے لیے باعث حجاب تھی اس کو چھوڑ کر محض تیری یاد اور محبت کے لیے تاج و تخت سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ اب قبض کے کیا معنی؟ تو حکم ہؤا کہ جا اور تاج و تخت سنبھال، تجھ سے کام لینا ہے۔ جب واپس لوٹے تو طبیعت کھل گئی اور آرام و سکون ہوگیا۔ حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز صدیق زمانے کے حسرت کے آنسو روئیں گے اور آرزو کریں گے کہ ہم صدیق نہ ہوتے اور جس جگہ حضرت خواجہ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ پاؤں رکھتے تھے اس جگہ کی مٹی ہوتے تو بہتر ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ خیال جو مولیٰ کریم کے راستہ کے لیے حجاب تھا وہ تو تاج و تخت سے الگ ہونے سے پہلے ہی نکل چکا تھا، اب ان کے لیے ہونا یا نہ ہونا برابر تھا۔ چونکہ وہ عین آزمائش میں راستہ پر چلنے والے تھے اور اپنے حجاب کو ہٹائے ہوئے، اپنے دل کو مولیٰ کریم سے لگائے ہوئے اور وہ خباثت جو دنیوی خیال سے تھی اپنے ضمیر میں اس سے زکیٰ حاصل کیے ہوئے تھے اس لیے ان کے لیے بادشاہی اعلیٰ مدارج کا باعث ہوئی۔

اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ محض خیال اور اثرات جو راستہ کا حجاب اور مقصود کے لیے سدِّ راہ ہوتے ہیں ان کا نکلنا اور نیک خیال اور نیک اثرات کا جمع ہونا ہی طیب کا مصداق ہو سکتا ہے۔ حافظ شیرازی نے

کیا خوب فرمایا ہے ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ! بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

یہ دنیا اور اس کے اسباب جن میں پھنس کر انسان کا خیال یا ضمیر پراگندہ ہو کر حجاب کا باعث بن جاتا ہے چونکہ لوامہ کی حالت میں پورے طور پر استقامت حاصل نہیں ہوتی۔ کبھی خدا سے اور کبھی دنیا سے دل لگائے ہوتا ہے اور عین خطرہ میں ہوتا ہے، اس لیے مولیٰ کریم ان خطرات سے بچانے کے لیے آگاہ فرما رہے ہیں:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ج — مومنو! تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں تو ان سے بچتے رہو۔ (پ۲۸ - ع۱۶)

دوسری جگہ فرمایا ہے:

(۲) إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط (پ۲۸) — تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ٥ (پ۲۸ - ع۱۴) — مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

(پارہ ۲۸ - رکوع ۱۴ - سورۂ منافقون)

(۴) الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ٥ (پ۱۵ - ع۱۸) — مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں ان کا ثواب تمہارے پروردگار کے ہاں بہت اچھا اور (ان کی) امید بہتر ہے۔

ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لیے مال اور اولاد اگر خدا کی یاد یا خدا کے راستہ سے باعث حجاب ہوں تو فتنہ بھی ہیں اور دشمن بھی ہیں۔ لہٰذا ہر حال میں اپنے دل کی نگہداشت لازمی امور سے ہے۔ ورنہ سراسر نقصان اور موجب عذاب ہے۔ بعض آدمی اصل مقصود سے غافل ہو کر مال اور اولاد سے اس قدر دل لگا لیتے ہیں کہ ان کے مر جانے یا ہاتھ سے چلے جانے سے مخبوط الحواس اور دیوانے ہو جاتے ہیں۔ تو یہی عذاب کا اصل اور مِن دُونِ اللہ سے دل لگانے کا ثمر ہے۔ اگر ان کا خیال اپنے مولیٰ کریم

کی طرف ہوتا اور مطابق فرمان مولیٰ کریم اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ ان کی استقامت مولیٰ کریم سے ہوتی اور ان دنیاوی مصائب و آلام میں بھی ان کا دل اپنے مولیٰ کریم سے لگا ہوتا، تو اس وقت ان پر ملائکہ کا نزول ہو کر خوف اور حزن سے ان کا ضمیر محفوظ ہوتا۔ صاحب نوّامہ کی اپنے حال کی صورت میں خدا کے فضل و کرم سے ترقی ہوتی رہتی ہے اور اپنے دل کو غیر خیال اور غیر محبت کے اثرات سے بچانے کی سعی میں مجاہد ہوتا ہے۔ میرے حضور آقا و مولیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اکثر احباب یہ شکایت پیش کیا کرتے تو حکم ہوتا کہ "میاں! کھانے پر مکھی ضرور آیا کرتی ہے لیکن اس کو بیٹھنے نہیں دیا جاتا بلکہ اُڑا دیا جاتا ہے۔ خیال آنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن ہٹانا ہمارا کام ہے۔ کسی وقت طبیعت خدا کی یاد سے محظوظ ہوتی ہے اور کبھی بیزار ہوتی ہے۔ تم بیزاری اور سرور کا خیال کیے بغیر اپنے دل کو خدا کی یاد میں لگائے رکھو اور غیر خیال کو ہٹائے رکھو، تو مولیٰ کریم اپنے فضل سے امداد فرمائیں گے۔ عیب کا معلوم ہونا بھی خاص فضل ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر کہ او از عیب خود بینا شود   رُوحِ او را قوتے پیدا شود

تو عیب کا علم ہو جانے سے اس کے رُوح کو قوت حاصل ہوتی ہے اور ایک دن بمصداق اِنَّ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی طرف راہ دکھاتے ہیں، توفیق سرشتی کی وجہ سے خداوند تعالیٰ اور رسُول کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فرمان مبارک کے مطابق، اور اپنے شیخ طریقت کی صحبت سے فیض یاب ہو کر اپنے خیال سے پوری کوشش کرتا ہے اور مقصود کو نہیں پا سکتا، تو ان حجابات کی وجہ سے جو خیالات اور اثرات کے سبب پڑتے ہیں، بیزار ہو جاتا ہے۔ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ او از خویشتن بیزار گشت   بیشک او از محرم اسرار گشت

تو مولیٰ کریم اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ کے مطابق اس کو صفات اضافیہ کی صورت میں اس کے ظاہر و باطن میں متصرف ہو جاتے ہیں اور اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً کے مطابق اس کو ظاہری اور باطنی نعمات سے مالا مال فرما دیتے ہیں۔

ایسے حال میں انسان کا کل فنا ہو جاتا ہے اور بِی یَسْمَعُ وَبِی یُبْصِرُ وَبِی یَبْطِشُ کے حال کا مصداق ہو جاتا ہے اور مجاہدۂ نفس سے فاتح کی شان کو پائے ہوئے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سے اپنے ضمیر میں اطمینان پائے ہوئے اور راستہ کے حجاب اور خس وخاشاک کو ہٹائے ہوئے بمصداق فرمان قرآن پاک مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً (پ ۱۴ ۔ ر ۱۹ ۔ جو شخص نیک عمل کریگا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو دنیا میں پاکیزہ اور آرام کی زندگی سے زندہ رکھیں گے) پاکیزہ حیات کے حصول سے مسرور، اور مطابق اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ (پ ۔ ر ۔ بھلا جو شخص پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لیے نور کر دیا، وہ اسی کے ذریعہ سے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے) حیاتِ جاودانی سے زندہ ہو کر خدا کے نور سے چلتا پھرتا ہے۔

تو اس مردہ سے مراد حیات بشریت سے موت کے نہیں بلکہ حیات معرفت سے مُردہ ہونا ہے۔ میرے حضور اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ کرمانی قدس سرہٗ نے یہ آیت شریف (اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ) پڑھی تو فرمایا کہ اس حیاتی کی تین علامتیں ہیں۔ خلق سے عزلت، حق تعالیٰ کے ساتھ خلوت، اور زبان و دل سے ذکر پر ہمیشگی کرنا ؎

در روی خلائق در صحبت مکشا — می باش بکلی متوجہ بخدا
غافل مشو از ذوقِ دل و ذکر زباں — تا زندۂ جاوید شوی در دو سرا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مبارک ہے عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ یعنی میں نے پہچانا اپنے رب کو رب کے نور سے۔ جب تک جسمانی آنکھ سورج کی روشنی سے مستفیض نہ ہو یعنی سورج کی روشنی سے روشن نہ ہو کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح حیات معرفت کی زندگی بھی یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کے مطابق جب تک نور حاصل نہ کرے زندگی کا حصول نہیں ہو سکتا۔ اور جب انسان اپنے مولیٰ کریم کے نور سے ہدایت پا کر حیات معرفت سے زندہ ہوتا ہے تو بمصداق ؎

نمیرد ہر کرا جانش تو باشی — خوشا جانے کہ جانانش تو باشی

اور مطابق ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس کے لیے حیات دوام اور ایسی پاکیزہ حیات سے مولی کریم اس کو زندگی عطا فرماتے ہیں کہ دنیا اور عالم برزخ اور عالم آخرت میں ہر قسم کے رنج و آلام اور خوف و حزن سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ "مولی کریم! یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے۔ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پہچان لیا اور جس نے ان کو نہ پہچانا اس نے تجھ کو بھی نہ پہچانا۔"

یہ حضرات مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنوں کو پائے ہوئے اور اپنے دل کو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے ہٹائے ہوئے، اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ سے اپنی محبت کو مولیٰ سے لگائے ہوئے اور يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے مطابق محبوبیت کے درجہ میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ ان کا سرور اور ان کے دل کا اطمینان ذات پاک کے سوا کسی سے نہیں ہوتا اور بطفیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسبت نبوی میں مست و سرشار ہوتے ہیں۔ میرے حضور فرمایا کرتے:

"ایں جہاں جہانِ دگراست ، ایں زماں زمانِ دگراست ، ایں مکاں مکانِ دگراست
ایں عیاں عیانِ دگراست ، ایں نہاں نہانِ دگراست ، ایں بیاں بیانِ دگراست"

ان کا علم اور ان کی قدرت بلکہ ان کے تمام صفات دوسروں سے الگ ہوتے ہیں۔ ان کی قوت کا اندازہ قوتِ بشریّت سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ جیسا کہ علمٌ من الکتاب والے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اُمتی کی غیر معمولی قوت اور کشف قرآن پاک سے ہر ایک مومن و مسلمان کے لیے اظہر من الشمس ہے۔ ان کی تعریفُ توصیف کا بیان نہ زبان سے ہو سکتا ہے اور نہ تحریر میں آسکتا ہے۔ حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرّہٗ ان کے متعلق اپنی کتاب منہاج السلوک میں بیان فرماتے ہیں:

"ان لوگوں کا دل ہے جو عنایت کے مجذوب ہیں اور ہدایت کے مطلوب، اور عرفان کے دریا کے غریق اور محبت کی آگ کے جگر سوختہ اور دہشت اور حیرت کے جنگل کے مشتاق ہیں۔ اور غیرت کے رعب نے اغیار کا نقش ان کے دلوں کی تختی سے مٹا دیا ہے، اور ان کے شعور کا قطرہ احدیت کے دریا میں مل چکا ہے، اور خدائی محبت کے سوا ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی، اور محبوب کے ذکر کے سوا ان کو آرام اور

اطمینان ہی نہیں ملتا۔ ان کا محبوب مولیٰ ذوالجلال اور بادشاہ ملک بے زوال ہی ہے۔ ایسے آدمیوں کا وجود گو ممکن الوجود ہے لیکن علماء کے علم سے پوشیدہ ہے، اور عقلاء کی عقل کی حدود سے بہت دور ہے۔"

عالم برزخ میں تصرف :

یاد رہے کہ ان مردانِ خدا کی حیات جاودانی ہوتی ہے اور عالم برزخ میں بھی میدان دنیا کا سا تصرف اور فیض جاری ہوتا ہے۔ کیونکہ حیات معرفت کبھی منقطع ہونے والی نہیں۔ گو ہر ایک انسان خواہ مومن ہو یا کافر اس کی روحانی زندگی کو موت نہیں ہے۔ کافر مرنے کے بعد مطابق حدیث شریف (حُفْرَۃٌ مِّنَ النَّارِ) دوزخ کے گڑھے میں ہے اور مومن رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ کے موافق جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں۔ اور عذاب و ثواب کے رنج و راحت سے دونوں محظوظ۔ لیکن بندگانِ خدا صاحبِ نفس المطمئنہ جو جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کے مصداق حیاتِ معرفت سے زندہ اور صاحب تصرف فی الدنیا ہوتے ہیں، عالم برزخ میں بھی ان کا تصرف اور فیض اسی طرح جاری و ساری ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے بعد از وصال فیض حاصل کیا۔ بلکہ آپ حضرت بایزید کے وصال سے سو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ خاندان نقشبندیہ کے سردار ہیں اور انہی سے سلسلہ کا اجرا ہوا۔ لیکن آپ کا شیخ طریقت حضرت بایزید کے سوا اور کوئی نہیں اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی صاحب ایمان کو انکار کی گنجائش نہیں۔

حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ منہاج السلوک میں مردانِ خدا کی زندگی کے متعلق بیان فرماتے ہیں

"جس نیک بخت مقبول کا دل عرفانی حیات اور محبت کے نور سے زندہ ہے، گو عام لوگ اس کو مقبرہ کے ساکنین سے شمار کرتے ہیں مگر وہ لوگ اس حی قیوم کی بارگاہ میں نیکوکار بندوں اور برخوردار مقربوں سے زندہ ہیں۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ شہداء کی بابت کتاب پاک میں فرماتے ہیں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔ کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ خیال نہ کر کہ ہماری بارگاہ کے جانباز بندے اور تن گداز فدائی مر گئے ہیں یا ان کی ہستی کے نقش دنیا کی تختی سے ملیا میٹ ہو گئے ہیں۔ بلکہ وہ محب صادق

اور جانباز مخلص جنہوں نے اپنی جان اور مال کو بے تحاشا ہماری راہ میں لُٹا دیا، اور قرب کے بچھونے کو حرص اور لالچ کی آلودگی سے صاف رکھا، اور دل کی منزل کو اغیار کی کدورتوں سے بالکل صاف کر دکھایا وہ حیات جاودانی سے زندہ اور عنایت ربانی کے نور سے تابندہ ہو کر آسمان سعادت پر ستاروں کی طرح چمکتے اور رزق روحانی اور الطاف ربانی اور عنایات یزدانی سے ہمیشہ خوشی اور آرام، امن اور چین میں مسرور اور محظوظ ہیں۔ اگرچہ ظاہر بین جاہل اور حاقل ان کو مقبروں کے مردوں سے سمجھتے ہیں۔ اور چشم نادانی سے ان کے فنا کو بدیہی دیکھتے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں، وہ زندہ ہیں۔ لقائلہ:

بروزِ مرگ چو تابوتِ من رواں باشد　　گماں مبر کہ مرا درد ایں جہاں باشد
جنازہ ام چو بہ بینی مگو دریغ دریغ　　بدام دیو در افتی دریغ آں باشد

تنم بخاک سپاری مگو فراق فراق
کہ خاک پردۂ اسرار عاشقاں باشد

اُمید اغلب ہے کہ برادران طریقت حیات مردانِ خدا اور تصرّف فی الحیٰوۃ الدنیا اور عالم برزخ سے واقف ہو چکے ہوں گے۔ میرے حضور قدس سرہٗ سے اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرقپوری قدس سرہٗ نے ایک دفعہ سوال کیا کہ "زندہ اور موتیٰ میں فیض کی رو سے کیا فرق ہے"؟ تو میرے حضور قدس سرہٗ نے عرض کیا کہ "جناب! میرے خیال میں تو کوئی فرق نہیں" تو حضرت اعلیٰ بڑے خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی کہ واقعی اسی طرح ہے۔ اور حضور قدس سرہٗ روضہ حضرت شاہ جی قدس سرہٗ پر تشریف لیجاتے وقت گاہے فرمایا کرتے کہ "مُردوں کے پاس تو بیٹھ لیا، اب ذرا زندوں کے پاس چلیں"۔ اور آپ کا فرمان مبارک ہوتا کہ "میاں! ہم ان اینٹوں کے پاس نہیں بیٹھتے، ہم تو زندہ مرد خدا کی صحبت میں بیٹھ کر مستفیض ہوتے ہیں"۔

چونکہ اس حیاتی کا تعلق صرف رُوح سے ہے، لہٰذا اس روحانی زندگی سے بے شعور، صرف جسمانیت پر نظر رکھنے والے اس زندگانی سے منکر ہیں۔ لیکن ہمارا ایمان ہونا چاہیے کہ بندگان خدا زندگانی جاودانی سے زندہ ہیں اور ان کا فیض رجوع کرنے والوں کے لیے اسی طرح جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا لیکن ادب کی شرط ہر حال میں لازم ہے اور شیخ طریقت کے فرمان پر عمل اگر طبیعت درست رہی تو جیسا کہ حیاتِ

دنیا میں فیض کا اجرا تھا، اسی طرح جاری اور ساری رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا سے پسند کی تین چیزیں

وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ	اور روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وَسَلَّمَ قَالَ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ	سے کہ فرمایا پسند ہیں مجھ کو تمہاری دنیا کی تین چیزیں۔
ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ	خوشبو، اور عورت، اور ٹھیرائی گئی ٹھنڈک میری آنکھ
قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (منبہات ابن حجر)	کی نماز میں۔

سبحان اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے دُنْیَاکُمْ تمہاری دنیا سے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا اس دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوبات دفتر سوم مکتوب شریف نمبر ۱۰۰ میں فرماتے ہیں:

"کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اور جب جہان میں ان سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے؟"

اسی مکتوب شریف میں آپ فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔"

برادران طریقت! حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے متذکرہ بالا مکتوب سے آپ دُنیا کُھر کے معانی سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے ہونگے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جہان سے کوئی نسبت ہی نہیں اور حضور مطابق فرمان خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ مولیٰ کریم کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۱) خوشبو: چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو سے مطابقت تھی حتیٰ کہ آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو اعلیٰ ترین عطر کی خوشبو سے زیادہ تیز اور دلآویز تھی چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب اسمار النبی فصل اوّل میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہا کہ تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفید روشن رنگ کے گویا کہ قطرے ان کے پسینے کے موتی تھے۔ جب راہ چلتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آگے کی جانب جھکتے ہوئے چلتے۔ اور نہیں چھوا میں نے کسی دیبا اور نہ کبھی ریشم کو کہ نرم زیادہ ہوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیوں سے۔ اور نہ سونگھا میں نے کوئی مشک اور نہ عنبر زیادہ خوشبودار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کی خوشبو سے"۔ اور اسی لطافت اور مطابقت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری اس کثیف دنیا میں سے لطیف ترین چیز یعنی خوشبو کو پسند فرمایا

(۲) عورت چونکہ اولاد کی پیدائش کا ذریعہ ہے۔ اور اگر آپ پسند نہ فرماتے تو سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ اسی لیے آپ نے النکاح نصف الدین فرمایا تاکہ میرے متبع نکاح کریں اور اولاد پیدا ہو کر میری اُمت زیادہ ہو اور دنیا میں توحید اور دین الحق کا بول بالا ہو۔ نیز چونکہ انسان کی خلقت میں شہوت کی قوت ودیعت کی گئی ہے اس لیے اس کی تحریک کے بعد عوام میں اس کے ضبط کی قوت نہیں رہتی اور زنا کے ارتکاب کا خطرہ ہوتا ہے، جس کے متعلق مولیٰ کریم کا فرمان مبارک ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً	اور زنا کے قریب بھی مت جانا کہ وہ بے حیائی
وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (پ۱۵۔ ع۴)	اور بُری راہ ہے۔

لہٰذا بے حیائی اور بُرے راستہ سے بچ کر نکاح کی صورت میں حلالیت اور زوجیت کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ شیطان کے فریب سے بچ کر صراط المستقیم پر چل سکیں۔

(۳) وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان مبارک ہے: الصلوٰۃ معراج المؤمن کہ نماز مومن کے لیے معراج ہے کیونکہ نماز میں ہمہ تن رجوع مولیٰ کریم کی طرف ہوتا ہے۔ میرے حضور فرمایا کرتے کہ رجوع اور عروج کے ایک ہی حروف ہیں۔ اس میں یہ ایک لطیف اشارہ ہے کہ جو بھی رجوع الی اللہ کرتا ہے اس کو ضرور مولیٰ کریم عروج عطا فرماتے ہیں۔ کسی خدا کے بندے نے کیا خوب فرمایا ہے:

اندھیر تھا جہاں میں نہ ہوتی اگر نماز　　خدا نے کیا بنائی ہے نورِ نظر نماز

حقیقت میں نماز جامع عبادات ہے۔ رکوع اور سجدہ، قیام اور قعدہ، ہر طرح کی عبادت اس میں موجود ہے، اور سب عبادتوں کا مغز خدا کی یاد ہے۔ مولیٰ کریم کا فرمان مبارک ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ یعنی قائم کر نماز کو میری یاد کے لیے۔ تو معلوم ہوا کہ نماز کا اصل مقصد خدا کی یاد ہے۔ لہٰذا نماز میں یہ خیال رکھنا لازمی امور سے ہے۔ اگر نماز میں بھی غفلت ہی ہو تو پھر ایسی نماز کا کیا فائدہ؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے

چہ حاصل زیں نماز پنجگانہ　　زباں در ذکر دل در فکر خانہ

اگر نماز میں غیر خدا کا خیال ہو تو وہ نورانیت جو یاد خدا کی بنا پر ضمیر میں پیدا ہوتی تھی اس کی بجائے سیاہی بڑھتی ہے جو زیادہ ہو کر باعث حجاب بن کر موجب عذاب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مولیٰ کریم کا فرمان مبارک ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۔ یعنی ایسے نمازیوں کے لیے ویل یعنی دوزخ کا گڑھا ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ تو نمازی کو یہ خاص طور پر خیال ہونا چاہیے کہ مجھے نماز میں مِنْ دُوْنِ اللّٰہ خیال ہی نہ آئے۔ اور اگر آئے جو اس کے بس کی بات نہیں تو اس کو ہٹائے اور خدا کی طرف لگائے تو ضروری ہے کہ مطابق اِنَّ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ایک دن مولیٰ کریم اپنا فضل فرما کر بے خیال نماز کی توفیق عطا فرما دیں گے، جو اصل مقصود نماز ہے۔ زبان سے حروف کو ادا کرے اور دل سے یہ جانے کہ بارگاہ ایزد متعال میں الفاظ کے معانی کو سمجھتا ہوا عرض کر رہا ہوں اور وہ ذات پاک میری عرض کو سن کر قبول فرما رہے ہیں۔ ضرور ہے کہ اگر ایسی نماز ادا ہو گئی تو مولیٰ کریم ایسے شخص کے قلب کو اپنے نور سے معمور فرمائیں گے۔ اور اس کی نماز قابل قبول ہو گی، اور اس کے لیے اِنَّ

الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (تحقیق نماز منع کرتی ہے بے حیائی سے اور منع کی گئی چیزوں سے) ہو کر نمازی کے لیے نفع بخش ہو گی۔ اس لیے لازم ہے کہ تمام ارکان کو نہایت احتیاط اور آہستگی سے ادا کرے۔ رکوع کے بعد جب اُٹھے تو وجود کو قومہ میں پوری طرح آرام دے کر سجدہ میں جائے۔ اور جب سجدہ سے کر اُٹھے تو پھر دوسرے سجدہ کے لیے بھی قعدہ میں سیدھا ہو کر کم از کم ایک تسبیح کا قدر بدن کو آرام دے کر دوسرے سجدہ کے لیے جائے۔ اسی طرح تمام ارکان کو نہایت عجز کے ساتھ ادا کرے اور عظمت ذات پاک کا خاص خیال رکھے تاکہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِن کے معانی کی حقیقت کو پہنچے اور حضورِ قلب نصیب ہو کیونکہ فرمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ یعنی جب تک دل کو حضور نہ ہو نماز نہیں ہوتی۔

اگر تمام آداب نماز یعنی فرائض، واجبات، سنت اور مستحب کو نگاہ میں رکھتے ہوئے نماز کو ادا کرے تو ضرور ہے کہ نماز کی ٹھنڈک آنکھوں کو محسوس ہو اور وہ نماز اس کے لیے دو جہان کی فرحت کا موجب بنے اور وَالَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ کا مصداق ہو کر خدا کی رحمت و شفقت کا حقدار بنے اور الصلوٰۃ معراج المؤمن کے معانی کا مصداق ہو کر اصل معراج سے جو باعث عروج مدارج ہے فیضیاب ہو۔

وکان معه اصحابه جلوسا فقال	اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے پاس اصحاب
ابوبکر الصدیق رضی الله تعالیٰ	بیٹھے تھے۔ پس کہا ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
عنه صدقت یا رسول الله وحبب	سچ فرمایا آپ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اور
الی من الدنیا ثلث النظر علی وجه	پسند ہیں مجھ کو دنیا کی تین چیزیں دیکھنا طرف منہ رسول اللہ
رسول الله وانفاق مالی علی رسول	صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اور خرچ کرنا مال اپنا رسول اللہ
الله وان یکون ابنتی تحت رسول	صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر اور میری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ
الله صلی الله علیه وسلم	علیہ آلہ وسلم کی بی بی رہے۔

حقیقت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایمان کے کامل اکمل بلکہ مکمل ہونے

کی دلیل پیش کی ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں صاحب ایمان کی تعریف فرمائی گئی ہے: عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ کتاب الایمان، فصل اول، مشکوٰۃ شریف۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اپنے باپ اور بیٹے اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے نہ رکھے صاحب ایمان نہیں ہوتا۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ عزیز حضور کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھنا ہے تو مراد اس سے حقیقت یا نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھنا ہے۔

اسی کے متعلق مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ:

وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تَهْدِي	بعض ایسے ہیں جو تیری طرف نظر کرتے ہیں کیا تم ایسے
الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۝ (پ۱۱۔ ع۱۰)	اندھوں کو راہ دکھاؤ گے جو بصارت قلبی سے محروم ہیں۔

تو آپ کی مراد اس حقیقت اور اس نور سے ہے جو بصارت قلبی سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ وہ نور ہے جو تمام جہان کے مومنوں کے ضمیر میں متصرف ہو کر نور ایمانی سے منور کرتا ہے۔ یہ وہی نور ہے جو مومنوں کو باآواز بلند پکار کر مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًا کی بشارت سناتا ہوا تا قیامت فیض یاب فرما رہا ہے۔ یہ وہی نور ہے جو ہمارے لیے رحمۃ للعالمین بن کر ہم کو دنیا اور آخرت میں کفر کی گمراہی سے نکال کر اسلام کے راستے پر چلا کر دنیا اور آخرت میں خدا کے عذاب سے بچا رہا ہے۔ یہ وہی نور ہے جو اَنْتَ فِيهِمْ کی خوشخبری سے آگاہ کر رہا ہے۔ یہ وہی نور ہے جو ہمارے گمراہ شدہ ضمیروں کو يُزَكِّيهِمْ کے مصداق تزکیٰ عطا فرما رہا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

جس نے اس نور اور نسبت کو پایا اس نے تمام نعمات کو بھلا دیا۔ جس نے اس حسن کی جھلک کو پایا

وہ تمام جہان کے حسینوں سے نفور رہا۔ بلکہ خود ایسا حسین ہوا کہ مخلوقات اس کے حسن پر فریفتہ اور شیدا ہو کر مست و سرشار ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو مولیٰ کریم کے سوا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ محاط محیط کو احاطہ نہیں کر سکتا۔ حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام اولیاء اور انبیاء پر محیط ہے۔ بلکہ تمام انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُمتی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ کسی صاحب نے فرمایا ہے ؎

همه انبیاء در پناه تو اند　　مقیمِ درِ بارگاه تو اند

تو ماهِ منیری همه اختر اند　　تو سلطان ملکی همه چاکر اند

قرآن پاک میں ارشاد مولیٰ کریم ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (پ۳۔ ع۱۷)

(سورۂ آل عمران۔ آیت نمبر ۸۱۔۸۲)

اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہو گی۔ اور (عہد لینے کے بعد پوچھا) کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن و کفیل ٹھیرایا؟) انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو اس کے بعد پھر جائیں وہ بد کردار ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ایمان لانا اور مدد کرنا امت کا کام ہے۔ پھر یہ جو تمام انبیاء سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کا وعدہ لے کر اس پر عمل نہ کرنے سے هُمُ الْفٰسِقُوْنَ فرمایا جا رہا ہے تو اب اس حقیقت نور کو جس کے سامنے اولوا العزم انبیاء اُمتی کی حیثیت رکھتے ہیں جو سب کے مدارج کا محیط ہے، کما حقہ کون عارف و شناسا ہو سکتا ہے؟

حکایت ہے کہ کسی بزرگ نے ایک دن حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کسی کو اپنے سے اعلیٰ صاحبِ مدارج بھی دیکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "ہاں، ایک دن علامہ جرجانی قدس سرہٗ مسجد نبوی میں حدیث شریف کا درس دے رہے تھے تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اس حلقۂ درس سے الگ ہو کر اتنی دور بیٹھا تھا جہاں پر آپ کی آواز نہ پہنچ سکے۔ میں نے از روئے غیرت اس کو جا کر کہا تجھے معلوم نہیں کہ علّامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لا کر حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں؟ اس نے مراقبہ سے سر اُٹھا کر فرمایا معلوم ہے۔ تو ہم نے کہا کہ پھر سنتا کیوں نہیں؟ تو اس صاحب نے فرمایا کہ میں حدیث شریف والوں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن رہا ہوں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ اُس نے فرمایا ثبوت یہ ہے کہ میں تجھے بھی جانتا ہوں اور تو خضر ہے"۔ چونکہ وہ مجھ سے اعلیٰ صاحبِ حال و کیفیت تھا، میرے حال سے واقف ہو گیا۔ اور میں اس کو نہ دیکھ سکا۔ اسی طرح جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلیٰ کوئی ہے ہی نہیں تو پھر آپ کی حقیقت کو کوئی کیا جانے؟ بلکہ حضور تو باعثِ ایجادِ عالم ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ مولیٰ کریم نے فرمایا کہ اگر تم کو نہ پیدا کرتا تو زمین اور آسمان، جنت اور دوزخ کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔ آپ ہی کی طفیل ربوبیت کا ظہور فرمایا گیا کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

باعثِ ایجادِ عالم، سیدِ ہر دو سرا — معنیٔ لفظِ خدائے مدعائے امرِ کن

شد شکن پیرائے او صد شانہ ہمچو والضحیٰ — شورشِ عشق ازل ہم زلفِ محبوبی بدوش

تو ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایجادِ عالم کا باعث ہیں۔ کیونکہ بمصداق فرمان مولیٰ کریم مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ بعض عرفا نے لِيَعْبُدُونِ کی تفسیر میں لکھا ہے اَیْ لِیَعْرِفُوْنِ جو صحیح بلکہ اصح ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ فرمان مولیٰ کریم ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔ (پ ۶۔ ۱۲ - اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ سے محبت کریں گے اور اللہ ان سے محبت کرے گا) تو معلوم ہوا کہ تخلیق انسانی کا مقصود محبت مولیٰ کریم ہی ہے اور محبت ہی عرف کا راستہ ہے۔ جیسا کہ اہل ایمان کی تعریف وَالَّذِينَ آمَنُوا

اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ۔ سے کی گئی ہے۔ اور اس محبت اور مقصود کے حصول کا ذریعہ اتباع نبوی ہے۔ بمصداق اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔ تو محبوب خدا بننے کا راستہ اور اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ جو صاحب ایمان کی تعریف ہے، سوائے آپ کی اتباع اور خاک پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کے محال بلکہ لایعنی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ جس مقصود کے لیے انسان کو بنایا گیا ہے، جب تک نسبت نبوی سے فیضیاب نہ ہو اور سراجاً منیراً کے نور سے منور نہ ہو اس کے حصول کا راستہ بالکل مسدود ہے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مبارک چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھنے سے یہی مراد ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کے عرف سے کما حقہ، تو اولیاء بلکہ انبیاء بھی عاجز ہیں، ہر کوئی اپنے حال اور استعداد کے مطابق ہی اظہار کرتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فنافی الرسول تھے۔ جب آپ نے حقیقت حضور کا معائنہ کیا تو بے ساختہ یوں فرمایا ؎

عرش است کمیں پایہ ز ایوان محمدؐ ۔۔۔ جبریلؑ امیں خادم و دربان محمدؐ

آں ذاتِ خدا وند کہ مخفی ست ز عالم! ۔۔۔ پیدا و عیاں گشت بچشمان محمدؐ

از بہر شفاعت چہ اولوالعزم چہ مرسل ۔۔۔ در حشر زنند دست بدامان محمدؐ

تورات کہ بر موسیٰؑ و انجیل بہ عیسیٰؑ! ۔۔۔ شد محو زیک نقطہ فرقان محمدؐ

یوسفؑ کہ خرید است زلیخا بہ تمنا! ۔۔۔ بود است غلامے ز غلامان محمدؐ

بخشندۂ با مہر و سخا ملک سلیمانؑ ۔۔۔ شاہان جہان اند گدایان محمدؐ

یک جاں چہ کند سعدی مسکیں کہ دو صد جاں
سازیم فدائے سگِ دربان محمدؐ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس کسی نے نسبت نبوی کے سمندر سے ایک قطرہ حاصل کیا اسی میں مست و مدہوش ہو کر مسرور ہوا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، مکتوبات دفتر سوم میں فرماتے ہیں کہ: آخرت میں تمام حُسن حسن محمدی ہی ہو گا۔ یعنی آخرت میں نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی نسبت نہ ہو گی۔ بلکہ اس کے سوا کوئی جائے آرام نہ پائے گا۔ اور تمام اولیاء و انبیاء بلکہ تمام مخلوقات لوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا

کریں گے۔ اور اس کے سوا نسبت رکھنے والے بمصداق:

یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ وَیَقُوْلُ ۔ جس دن ظالم (شخص) اپنے ہاتھ کاٹے گا (اور) کہے گا

یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ۔ کہ اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا

اپنے ہاتھوں پر افسوس کی وجہ سے اپنے دانتوں سے کاٹیں گے، اور کہیں گے کہ افسوس! ہم نے معیت حضور یعنی نسبت حضور کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ (یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۔ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ۔ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۔) اے شامت، کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔ اور شیطان انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دو جہان میں راحت و اطمینان اور صراط المستقیم عالم دنیا، عالم برزخ یوم حشر اور عالم عقبیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کے سوا کوئی جائے آرام نہیں۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نسبت کو پایا تو آپ نے عین مقصود اور عین راحت کا راستہ دیکھتے ہوئے اسی کی تمنا کی اور اپنے مال اور اپنی اولاد کو اسی مقصود کے لیے قربان کر کے معیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفیض ہوئے اور اپنی زندگی میں حضور کے سفر و حضر اور غار ثور یعنی ہجرت کے موقع پر بلکہ بعد از وصال بھی معیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصول سے مسرور ہو کر صدیق اکبر بن گئے۔

آج ہمارے لیے یہ عزیز وقت ہے جو ہوا سے تیز جا رہا ہے، اور جہان میں مختلف اثرات اور مختلف نسبتوں کا شور برپا ہے۔ لہٰذا بیدار ہونا چاہیے، ہوشیار ہونا چاہیے اور اتباع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا کر کسی صاحب نسبت حضورؐ کی غلامی کو اپنے مقصود کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔ اور حضرت صدیق کے نقش قدم پر چل کر اپنا مال، اولاد اور جان قربان کر کے اس نسبت سے اپنی استعداد کے مطابق ظاہری باطنی کوشش میں مصروف رہ کر اس ذات وحدہٗ لاشریک سے اس کے حصول کی توفیق مانگنی چاہیے۔ اگر مولیٰ کریم صدقہ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے حصول سے مسرور فرما دیں تو ہمارے لیے فلاح دارین کا باعث بن جائے۔

فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدقت ۔ پھر کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ کہا تم نے

یا ابا بکر وحبب الی من الدنیا ثلث، اے ابا بکر۔ اور پسند ہیں مجھ کو دنیا کی تین چیزیں۔ نیک

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر بات کا حکم کرنا اور بُری بات سے روکنا، اور

والثوب الخلق پرانا کپڑا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان پسندیدہ چیزوں سے نسبت نبویؐ کے کمال کا ظہور رہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل ہی ظہور پذیر ہوتا رہا ہے۔ دین ہمہ تن نیکی اور بھلائی ہے اور بے دینی اور کفر ہمہ تن برائی میں شامل ہے۔ مولیٰ کریم نے سلسلۂ نبوت کا ظہور اسی لیے فرمایا تاکہ ظاہری اور باطنی صورت میں نیکی کی طرف دعوت دے کر کفر کے اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف بلایا جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب احکام دین یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عمل شروع کیا تو کفار نے طرح طرح کی تکالیف دیں لیکن آپ نے کسی تنگی اور تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا عمل اسی طرح جاری رکھا تو کفار نے اپنے دین کو تباہ و برباد ہوتے دیکھ کر صلاح و مشورہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو ہم اتنا مال اکٹھا کر کے آپ کو دیتے ہیں کہ عرب بھر میں آپ سے زیادہ مالدار کوئی نہ ہو گا۔ اور اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم آپ کو بسر و چشم بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر عورت چاہو تو نہایت خوبصورت کنواری لڑکیاں دینے کے لیے تیار ہیں لیکن ہمارے باپ دادا کے دین کی مخالفت چھوڑ دو۔ تو حضور آقائے نامدار سرکار مدینہ ہادی سُبُل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہمارے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند دیدو، تو پھر بھی ہم خدا کے حکم بتانے اور منع کی گئی چیزوں کے روکنے سے باز نہیں آسکتے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ چیز رسالت کے لیے ایک اعلیٰ ترین فریضہ ہے۔ اسی کا یہ ثمر ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے والے کروڑہا آج زمین پر موجود ہیں جن میں سے غوث و قطب، اولیا، ولی، ابدال، اوتاد، مقرب، ابرار سب شامل ہیں اسی تبلیغ کی وجہ سے قیامت تک یہ سلسلہ جاری اور ساری رہے گا۔

قرآن پاک میں اُمت حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص طور پر اس امر کے لیے حکم

ہو رہا ہے:

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (پ۔۳)

مسلمانو! جتنی اُمتیں (قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

تو معلوم ہوا کہ اس اُمت کے بہتر ہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ نیک بات کا حکم کرتے ہیں، اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں، اور خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ جس وجہ سے ہمارا درجہ بلند ہوا، اس کام کو ہم دل و جان سے ادا کریں۔

گو نیکی پر عمل کرنا اور نماز روزہ وغیرہ احکام کا ادا کرنا اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ لیکن اگر دوسرے لوگوں کو بے نماز، بے روزہ اور شریعت کے خلاف عمل کرتے دیکھ کر غیرت نہ کریں اور ان کو اپنی استعداد کے مطابق نہ سمجھائیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل سے محروم ہو کر شریعت غرا کے نزدیک ہم بھی ان ہی کے ساتھ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر ایک آدمی اپنے اہل و عیال اور زیر اثر آدمیوں کے متعلق پوچھا جائیگا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (پ ۲۸۔ ۱۹) تو اس سے مراد یہی ہے کہ امر و نہی کے مطابق خود بھی عمل کر کے اپنے نفس کو، اور اپنے اہل و عیال کو بھی نیکی کا حکم دے کر اور برائی سے منع کر کے دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

حکایت ہے کہ ایک دن حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ کشتی میں سوار ہوئے تو بہت سے مٹکے شراب سے بھرے ہوئے کشتی میں پڑے دیکھے۔ ملاح سے دریافت کیا کہ ان مٹکوں میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ان میں شراب ہے جو حجاج بن یوسف (جو نہایت ظالم، جابر اور بے دین حکمران تھا) اپنی عیاشی کے لیے جنگل میں بھیج رہا ہے، جہاں اپنے امراء وزراء کے ہمراہ بیٹھ کر پیئے گا۔ آپ نے از روئے غیرت ایک بانس لے کر ان سب کو توڑ ڈالا۔ سپاہیوں نے اسی وقت نوری رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے حجاج کے پیش کر دیا۔ حجاج نے نہایت غضب میں آ کر نوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے اس کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ یہ تیرے نرم نرم ہاتھ دوزخ کی آگ میں نہ جلیں۔ اس خدا کے نیک بندے کی خالص

دینی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سخت دل بادشاہ کو نرم کر دیا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آئندہ میرے ملک میں شراب بند کر دی جائے۔

بندگان خدا کا اسی چیز پر عمل چلا آرہا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یزید کو حدودِ شریعت سے تجاوز کرتے پایا تو اسی آیت شریف کے عمل کو پورا کر دکھایا۔ حتیٰ کہ اپنا مال اور اولاد اور جان سب کچھ راہ خدا میں قربان کر دیا۔

گو یہ عمل خاصانِ خدا کا ہے۔ عوام کے لیے ایسا چاہیے کہ اگر تلوار سے روک سکتا ہے تو خلاف شریعت عمل ہوتا دیکھ کر غیرت کی رو سے تلوار سے روکے۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو زبان سے سمجھائے۔ اور اگر ایسا کرنے سے بھی خوف ہے تو اس کو دل سے بُرا جانے اور اس سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کرلے۔ اور اگر اتنا بھی نہ کرے تو خواہ ایسا آدمی خود نیک بھی ہو لیکن وہ اس بدکار کے ساتھ ہی بے غیرتی کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کا تعلق ظاہری اور باطنی دو طرح پر ہوتا ہے۔ وہ خدا کے نیک بندے جن کا ظاہر اسلام سے آراستہ ہو اور باطن ایمان سے پیراستہ ہو ان کی تبلیغ عجیب و غریب طور پر مؤثر ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمان مولیٰ کریم ہے يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری آیات بھی تم پر پڑھتے ہیں اور تمہیں تزکی بھی عطا فرماتے ہیں۔ آیات کا پڑھنا ظاہری تبلیغ سے اور تزکی جذب قلب سے یا سراجاً منیرا کے نور سے قلوب مومنین کو منور کر کے يُزَكِّيْكُمْ کے فعل کا اجرا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ بھی دونوں وجہ پر مومنوں کو تبلیغ سے فیضیاب فرماتے ہیں۔ گو ان کے الفاظ سادہ ہوں لیکن عوام کے ضمیر ان کی طبع فیض اور باطنی نورانیت کی بنا پر عجیب کیفیت پیدا کر کے اعمال صالح پر مجبور کر کے ان کی حالت کو بدل کر انشراح صدر کا باعث بن جاتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ۔ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت پیران پیر محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے صاحبزادے جب بظاہر علم کی سند حاصل کر کے حاضر خدمت ہوئے تو جمعہ شریف پر وعظ کے لیے حکم فرمایا گیا۔ آپ نے نہایت فاضلانہ تقریر

کی اور اعلیٰ ترین علمی نکات بیان فرمائے لیکن عوام پر وہ کیفیت طاری نہ ہوئی جو حضرت پیر پیران قدس سرہٗ کے وعظ مبارک سے ہوا کرتی تھی۔ بعد میں آپ نے اُٹھ کر ایک غیر متعلقہ بیان سے چند الفاظ ظاہر فرمائے کہ "ہمارے گھر میں ایک مرغی ہے۔ اس نے آج ایک بلندی پر انڈا دیا۔ انڈا دینے کے بعد جب وہاں سے اُڑی تو اس کے اپنے ہی پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے انڈا نیچے گر پڑا۔ لیکن الحمدللہ کہ وہ ضائع نہیں ہوا، بلکہ نیچے ایک طشت پڑا تھا اس میں گرا اور ہمارے کام آ گیا۔" گو یہ الفاظ قال اللہ و قال الرسول کے سوا تھے لیکن آپ کی زبان مبارک سے شروع ہوتے ہی سامعین وجد میں آ گئے۔

یہ وجدان اور کیفیات حال آپ کے ضمیر کی باطنی کیفیت کی وجہ سے تھے۔ علمائے ظاہر جن کا ضمیر پراگندہ خیالات سے لبریز ہوتا ہے گو قرآن پاک اور احادیث شریف سے وعظ و تبلیغ کریں، عوام کی طبیعت میں کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ لیکن بندگان خدا جو ظاہری باطنی صورت میں بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ سے فیضیاب ہوتے ہیں، ان کے منور ضمیر کا اثر عوام کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ ان کی صحبت سے تھوڑے سے وقت میں دل دنیا سے سرد ہو جاتے ہیں اور آخرت کی طرف متوجہ ہو کر سرمایہ آخرت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ وَهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ کا فرمان ان کے لیے صادق ہو جاتا ہے۔ شیطان ان کی حس سے بھاگتا ہے خدا کی یاد ان کے قدوم میمنت لزوم کی برکات سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اصل اطمینان قلب جو اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کا مصداق ہے وہ انہی خاصان خدا کی صحبتِ مبارک سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ جو ان حضرات کی صحبت میں ایک دفعہ بھی بیٹھ جائے خالی نہیں رہتا۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر کوئی دنیاوی کام کے لیے حاضر ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ خواہ کوئی دنیاوی کام ہی کے لیے آئے تاہم یہ خاصان خدا خالی نہیں جانے دیتے۔ اس کے متعلق آپ نے ایک شعر تحریر فرمایا ہے ؎

گر دستان گر دگہ می ہم رسد بوئے رسد
گر چہ بوئے ہم نباشد صحبت ایشاں بس است

غرض یہ ہے کہ وقت غنیمت ہاتھ سے جا رہا ہے اور موت قریب آ رہی ہے۔ اس وقت کو نایاب

سمجھ کر کسی ایسے مردِ خدا کی صحبت کی برکات کو حاصل کرے جو سرورِ دو جہان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت سے مستفیض ہو اور اس کے ظاہری باطنی فیوضات سے مستفیض ہو کر اپنے ضمیر کو منور کر لے تاکہ آخرت میں ذلت، رسوائی اور شرمندگی سے بچ جائے۔

میرے حضور قدس سرہٗ کا فرمان مبارک ہے کہ اگر تم مخلوق خدا کے ساتھ نیکی کرنا چاہتے ہو تو خدا کی یاد میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرو اور اپنے ضمیر کو غفلت سے بچاؤ۔ عوام اس چیز پر تعجب کریں گے کہ نیکی تو اس نے اپنے نفس کے لیے کی، اہل جہان پر اس کا کیا احسان ہے؟ تو گذارش یہ ہے کہ ہر عمل خواہ نیک ہو خواہ بد، اپنے اثرات سے لبریز ہوتا ہے۔ اگر نیک عمل کرے گا تو اس کا نیک اثر اہل جہان کے لیے بھی از حد مفید ثابت ہوگا۔ عاجز کو عالم رؤیا میں ایک مردِ خدا کی زیارت ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی یاد مانند کستوری کے ہے اور غفلت مانند پاخانہ کے۔ تو جو شخص یادِ الٰہی میں مشغول ہوگا، خواہ اپنے نفس ہی کے لیے ہو اس کی نورانیت اور خوشبو عوام کے دماغوں کو معطر کر کے ان کے ضمیر کے لیے انشراحِ صدر کا باعث بنے گی اسی طرح اس کی غفلت کی بدبو بھی باعث گمراہی ہوگی۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ فرمان نبوی جو عین فرمان الٰہی ہے، اس پر عمل پیرا ہو کر اثرات نیک کو پھیلائے اور عن المنکر سے بچ کر اثرات بد سے اہل جہان کو بچا کر حالی صورت میں یَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کا عمل کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مناسبت پیدا کرے، جو اس کے لیے دونوں جہان کی راحت کا موجب ہو۔

(۳) پرانا کپڑا۔ بارگاہ ایزد متعال میں سب سے زیادہ پسند عجز ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

عجز کارِ انبیاء و اولیاء است — عجز مقبولِ بدرگاہِ خداست

کیونکہ وہ ذات احد صاحب کبریائی ہیں۔ کسی دوسرے کو یہ صفت لائق نہیں۔ اسی لیے مخلوق میں سے کسی میں بھی اس صفت کو روا نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد — بزندانِ لعنت گرفتار کرد

لباس فاخرہ پہننے سے نفس میں ضرور رعونت اور تکبر پیدا ہوتا ہے، اور پرانے کپڑے سے اس کے برخلاف عجز و انکسار کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کی خلافت کے وقت میں جب عیسائیوں کے ساتھ جنگ

جاری تھی اور لشکر اسلام شام میں دشمن کے ساتھ برسرپیکار تھا، کسی جنگی مصلحت کے لیے آپ کو بھی محاذ جنگ پر جانا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قیمتی لباس اور گھوڑا مہیا کر کے عرض کیا چونکہ مخالف بڑے امیر اور ظاہری شان و شوکت کے دلدادہ ہیں لہٰذا شوکت اسلام کے ظہور کے لیے اس کا زیب تن کرنا نہایت ضروری ہے۔ آپ نے جب اسے پہنا تو طبیعت منقبض ہو گئی۔ ناچار وہی پرانا لباس طلب کر کے زیب تن کر کے اونٹنی پر سوار ہوئے تو طبیعت کھل گئی۔ چنانچہ غلام کو ہمراہ لے کر تشریف لے گئے۔ آدھی منزل خود سوار ہوتے اور آدھی غلام کو سوار کرتے۔ جب منزل مقصود پر پہنچے تو غلام سوار تھا اور آپ پیدل تھے۔ دشمن نے جب پھٹے پرانے لباس میں خلیفۂ وقت کو اونٹنی کی مہار تھامے اور غلام کو سوار آتے دیکھا تو کسی سابقہ پیش گوئی کی مطابقت کی بنا پر بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لی۔ اگر آپ لباس فاخرہ پہنتے اور گھوڑے پر سوار ہوتے تو وہ جنگ کر کے شکست کھانے کے بغیر ہرگز اطاعت قبول نہ کرتے۔ اس فرمان کی حقیقت صاحب حال ہی کے لیے اچھی طرح عیاں ہو سکتی ہے۔

فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ يَا عُمَرُ وَ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اِشْبَاعُ الْجِیْعَانِ وَ کِسْوَۃُ الْعُرْیَانِ وَ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ	پھر فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ کہا تم نے اے عمرؓ اور پسند ہیں مجھ کو دنیا کی تین چیزیں۔ پیٹ بھرنا بھوکوں کا، اور کپڑے پہنانا ننگوں کو، اور پڑھنا قرآن شریف کا۔

تمام نیکیوں سے بڑھ کر اور سب سے نزدیک تر اور آسان تر خدا تعالیٰ کا قرب پانے کا راستہ یہی ہے کہ کسی حاجتمند کی حاجت کو پورا کر کے دل کو آرام پہنچایا جائے۔ انسان کے نفس کے لیے بھوک سے زیادہ تکلیف دہ اور کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ بندگان خدا کی تعریف میں سورۂ دہر میں مولیٰ کریم کا فرمان مبارک اظہر من الشمس ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ يَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۔	اور کھانا کھلاتے ہیں اس (خدا) کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

تو ثابت ہوا کہ فی سبیل اللہ کھانا کھلانا اعلیٰ ترین نیکیوں میں سے ہے۔

(۲) کپڑا پہنانا۔ گرمی اور سردی سے بچنے اور ستر کے ڈھانکنے کے لیے انسانی ضروریات میں کھانے پینے کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ اس لیے آپ نے انسانی ہمدردی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو پسند فرمایا۔

(۳) تلاوت قرآن۔ جس کی تلاوت کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے فرمان مبارک سے واقف ہو کر اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے نہایت ضروری امور میں سے ہے جو مسلمان کے لیے دینی و دنیوی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

فَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُثْمَانُ وَحُبِّبَ إِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اَلْخِدْمَۃُ لِلضَّیْفِ وَالصَّوْمُ فِی الصَّیْفِ وَالضَّرْبُ بِالسَّیْفِ۔	پھر فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سچ کہا تو نے اے عثمان۔ اور پسند ہیں مجھ کو دنیا کی تین چیزیں۔ خدمت مہمان کی اور روزہ رکھنا گرمی میں، اور مارنا تلوار کا۔ یعنی جہاد کرنا بیچ راہ اللہ تعالیٰ کے

خدمت مہمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ چنانچہ روایت ہے عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے کہا تحقیق صحابہ صفہ تھے فقیر لوگ اور تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس ہو طعام دو شخصوں کا پس چاہیے کہ لے جائے تیسرے شخص کو اور جس شخص کے پاس ہو طعام چار شخصوں کا پس چاہیے کہ لے جاوے پانچویں کو یا چھٹے کو۔ اور تحقیق ابوبکر لائے تین شخصوں کو اور لے گئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس شخصوں کو۔ اور تحقیق ابوبکرؓ نے کھایا کھانا رات کا نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھر ٹھیرے حضرتؐ کے پاس یہاں تک کہ پڑھی گئی نماز عشا کی پھر پھرے ابوبکر طرف گھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس ٹھیرے رہے یہاں تک کہ کھانا رات کا کھایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ پس آئے ابوبکرؓ گھر میں بعد گزرنے رات کے اس قدر کہ چاہا اللہ نے۔ کہا ابوبکرؓ سے ان کی بیوی نے کہ کس چیز نے باز رکھا تجھ کو تیرے مہمانوں سے؟ کہا ابوبکرؓ نے کیا نہیں طعام کھلایا تو نے مہمانوں کو؟ کہا بیوی نے کہ انکار کیا انہوں نے کھانے سے یہاں تک کہ آؤ تم۔ پس غصے ہوئے ابوبکرؓ اور کہا قسم ہے خدا کی کہ نہ کھاؤں گا میں اس طعام کو ہرگز۔ پس قسم کھائی ابوبکرؓ کی بیوی نے یہ کہ نہ کھائیں گے اس طعام کو اور قسم کھائی مہمانوں نے یہ کہ نہیں کھائیں گے اس کو۔ کہا ابوبکرؓ نے کہ یہ شیطان سے ہے پس منگایا ابوبکرؓ نے طعام اور کھایا انہوں نے اور ان کے اہل و عیال اور مہمانوں نے پس ہوگئے

ابوبکر اور ان کے مہمان کہ نہ اُٹھاتے تھے لقمہ مگر کہ بڑھ جاتا تھا طعام اس لقمے کے نیچے سے۔ پس کہا ابوبکرؓ نے اپنی بیوی سے' اے بہن بنی فراس کی! کیا ہے یہ امر عجیب۔ کہا ابوبکر کی بیوی نے قسم ہے اپنی ٹھنڈک آنکھ کی تحقیق یہ کھانا اب سہ چند زیادہ ہے اس سے کہ پہلے اس کے تھا۔ پس کھایا سبھوں نے۔ اور بھیجا ابوبکرؓ نے اس کو پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ پس روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھایا اس طعام میں سے (جلد ۴، باب الکرامات، فصل اوّل)

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مہمان کو کھانا کھلانا عین سنت حضور اور باعث برکت ہے۔ اور ایسی برکت نصیب ہوتی ہے کہ جو کھانا فی سبیل اللہ کھلایا جائے وہ دوگنا بلکہ سہ گنا ہو جاتا ہے۔ میرے حضور قدس سرّہٗ کی بھی اس سنت مبارک سے عین مطابقت تھی۔ مہمان آجاتے تو ان کو کھانا کھلانے میں آپ کو اس قدر فرحت ہوتی جو بیان سے باہر ہے۔ کئی مہمان اعلیٰ ترین کھانے دیکھ کر کہتے کہ آپ نے بڑا تکلف کیا۔ تو آپ فرماتے کہ تکلف دو وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک تو گھر میں چیز نہ ہو اور تکلف سے مہیا کی جائے۔ تو ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ دوسرا تکلف دل کا ہوتا ہے کہ چیز تو گھر میں موجود ہو لیکن کھلانے کو جی نہ چاہے۔ تو اس سے مولیٰ کریم نے مجھے بچا رکھا ہے۔ لہٰذا دونوں طرح کے تکلف سے میں بری ہوں۔

ایک دفعہ عاجز نے ایک وقت کا دودھ مہمانوں کو پلایا اور دوسرے وقت کا جما دیا۔ صبح جب بلویا گیا تو روزانہ دو وقتوں کے دودھ سے بھی زیادہ مکھن نکلا۔

ایک دفعہ ایک بیلی کے ہاں ایک مہمان آیا۔ ہم تین چار احباب اس کے ہمراہ گئے۔ جب وہ کھانا کھانے لگا تو اس نے مجبور کر کے ہمیں ساتھ بٹھایا۔ میزبان کا خیال تھا کہ کھانا محض ایک آدمی کے لیے ہے۔ لہٰذا اگر یہ نہ بیٹھیں تو بہتر ہے۔ لیکن مہمان کے مجبور کرنے کے باعث ہم شریک ہو گئے۔ ہم اس خیال سے آہستہ آہستہ کھاتے کہ یہ سیر ہو جائیں اور وہ بھی اسی خیال میں رہے۔ چنانچہ کھانا ختم ہونے تک ہم سبھی سیر ہو گئے۔

اس میں ایک ضروری شرط ہے کہ ایسا محض فی سبیل اللہ ہو اور ایک بھائی یہ خیال رکھے کہ دوسرا زیادہ کھائے تو ایسی برکت نصیب ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے برعکس یہ خیال ہو کہ میں زیادہ کھاؤں تو ایسا کھانا بے برکت، بے لذت بلکہ حرام ہو جاتا ہے۔

(۲) روزہ رکھنا گرمی میں۔ نفس کی زکیٰ کے لیے روزہ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی جو کوئی نفس کے بخل سے بچا وہ خلاصی پانے والوں سے ہوا۔ یا فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ یعنی جس شخص نے اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے کے خوف سے اپنے نفس کو خواہشات سے روک رکھا تو اس کا ٹھکانا جنت میں ہو گیا۔ تو روزہ سے چونکہ تمام خواہشات نفس کی مخالفت ہوتی ہے، اور گرمیوں میں روزہ نفس کے لیے سخت شاق اور روحانیت کی تقویت کا باعث ہوتا ہے اسی لیے آپ کا اس پر محبت سے عمل ہے۔ کیونکہ آپ شاہِ ولایت تھے اور ہمہ تن روحانیت کے چاہنے والے۔ برادرانِ طریقت اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ گو عوام کو صرف تکلیف ہی محسوس ہو لیکن خاصانِ خدا اس نعمت سے حظ اُٹھاتے ہوئے ایسے عمل کو باعثِ غذائے روحانی سمجھتے ہوئے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن اس نعمت کو عوام نہیں سمجھ سکتے۔

(۳) مارنا تلوار کا۔ اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جو عین رضائے الٰہی اور رضامندی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ جہاد اور کوشش محض اسلام اور صراط المستقیم پر چلنے کے لیے تھی۔ آپ کے اس جہاد ہی کی برکت سے تا قیامت اسلام جو ظاہری اور باطنی نعمات سے مالا مال کرنے والا ہے، قائم ودائم رہے گا۔ ورنہ کفار کی تو یہ کوشش تھی کہ اسلام کا نام ونشان ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے اور تمام دنیا پر مطابقت کی وجہ پر کفر ہی کفر ہو۔ اسلام کی ترقی چونکہ جہاد میں تھی اس لیے شاہِ ولایت کرم اللہ وجہہٗ کے لیے موجبِ راحت تھا۔

فَبَيْنَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ جَآءَ جِبْرِيْلُ	اس خیال میں تھے کہ آئے جبریل علیہ السلام اور کہا بھیجا
وَقَالَ اَرْسَلَنِيَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمَّا	مجھ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب کہ سنی گفتگو تمہاری۔
سَمِعَ مَقَالَتَكُمْ وَاَمَرَكَ اَنْ تَسْئَلِنِيْ	اور حکم کیا تم کو کہ سوال کرو مجھ سے کہ کیا پسند کرتا ہیں
مَمَّا اُحِبُّ اِنْ كُنْتُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا۔	جو ہوتا اہل دنیا سے۔ فرمایا حضرت نے کہ کیا پسند
فَقَالَ مَا تُحِبُّ اِنْ كُنْتَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا	کرتا تو جو ہوتا اہل دنیا سے، تب کہا راہ بتانا بھولوں

فَقَالَ اِرْشَادُ الضَّآلِّیْنَ وَمُوَانَسَۃُ الْغُرَبَآءِ کر اور محبت کرنی غریب عبادت کرنے والوں سے اور

الْقَانِتِیْنَ وَمُعَاوَنَۃُ اَھْلِ الْعِیَالِ الْمُعْسِرِیْنَ مدد کرنی عیالدار مفلسوں کی۔

راستہ کا بتانا دو وجہ سے ہے۔ پہلا ظاہر صورت میں اگر کوئی مسافر سفر میں ناواقفی کی وجہ سے راستہ بھول جائے تو اس کے لیے سخت ترین بے قراری کا موجب ہوتا ہے۔ اگر اس وقت کوئی واقف اس کو راستہ بتادے تو اس کے لیے عین فرحت اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے اور منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے آسانی کا سبب۔ دوسرا صراط المستقیم سے گم گشتہ کو باطنی طور پر امداد کر کے راہ راست پر لانا۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل دنیا کو اس وقت جبکہ عین گمراہی کے بھنور میں مستغرق تھے، سراجاً منیراً کے نور سے سیاہ شدہ ضمیروں کو منور فرماکر صراط المستقیم پر چلنے کے قابل بنادیا۔ اسی کے متعلق مولیٰ کریم نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ مَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا یعنی جس نے ایک نفس کو زندہ کیا گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا۔ تو اس سے مراد فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً کے مطابق پاک زندگی ہے، جو نسبت نبوی کے حصول سے پیدا ہوتی ہے۔ تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ یعنی آپ پر سلسلۂ نبوت ختم ہے اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے، اس لیے آج اس نعمت کا حصول اور اس گم گشتگی کی غرقابی اور اس راستہ کی خرابی کا علاج ان بندگان خدا کی غلامی میں مضمر ہے جنہوں نے اتباع حضور کے طفیل آپ کی نسبت حاصل کی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

زین خرابی گر تو می خواہی کہ آبادے شوی ‌‌ جہد کن تا بندۂ فرمان آزادے شوی

در دل پر نور مردے جائے گیر و غم مخور ‌‌ کز دل پُر نور او ناگاہ دل شادے شوی

در وفائے کاملاں چوں کوہ ثابت کن قدم ‌‌ ورنہ اندر راہ شاں چوں کاہ بربادے شوی

مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں: وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ یعنی جس کا رجوع میری طرف ہے اس کی اتباع کرو۔ تو ان بندگان خدا کی اتباع کو لازم پکڑے اور ان کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائے، اور ان کا فرمان عین شفا اور ان کی صحبت کو دل کے مرضوں کی دوا جان کر دونوں جہانوں سے اعراض کرتے ہوئے اپنے مقصود میں محو و مستغرق ہو کر من دون اللہ خیالات کو راستہ کا حجاب سمجھ کر اپنے

کام میں کوشش کرتا ہوا ان بندگان خدا کی نظر رحمت اور شفقت کے سہارے پر چلے۔ اگر فضل ایزد متعال یاوری فرمائے اور گم گشتگی راہ سے بچ کر یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کے مطابق اپنے نور سے ہدایت فرماویں تو بعید از رحمت نہیں۔ اور دونوں جہان میں راحت و اطمینان کا موجب بن کر رضائے الٰہی کو پا کر یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ کی آواز سے محظوظ اور مسرور ہو۔

(۲) محبت کرنی غریب عبادت کرنے والوں سے۔ عوام کی محبت کسی غرض کی بنا پر ہوتی ہے۔ لیکن غریب سے محبت کسی غرض کے ماتحت نہیں ہوتی بلکہ خالصۃً فی سبیل اللہ ہوتی ہے۔ بمصداق ؎

ہر کہ کارش از برائے حق بود کار او پیوستہ با رونق بود

ایسی محبت عین باعثِ خوشنودیِ مولیٰ کریم ہوتی ہے، اور مولیٰ کریم کی رضامندی سے بڑھ کر نہ کوئی درجہ ہے نہ کوئی حصول۔

(۳) مدد کرنی عیالدار مفلس کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوی جن کو اس کے افلاس کی وجہ سے تکلیف ہے اور بیچارے بےکس و بےبس ہیں، مالدار جس کو مولیٰ کریم نے اپنے فضل و کرم سے غنی فرمایا ہے، اس کا حق ہے کہ ایسے آدمی کی حاجت کو پورا کر کے ان کے قلبوں کو مطمئن کرے اور ؎

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا ہر چہ داری صرف کن در راہ او

کر کے مِمَّا تُحِبُّوْنَ کے مدارج کو پہنچے جو عین رضامندی اور محبت الٰہی کا راستہ اور عین مقصود ہے۔

وَقَالَ جِبْرِیْلُ یُحِبُّ رَبُّ الْعِزَّةِ جَلَّ	اور کہا جبریل نے پسند رکھتا ہے اللہ صاحب بڑائی
جَلَالُهٗ مِنْ عِبَادِہٖ ثَلٰثُ خِصَالٍ بَذْلُ	کا بڑی ہے بزرگی اس کی اپنے بندوں سے تین خصلتیں
الْاِسْتِطَاعَةِ وَالْبُكَآءُ عِنْدَ النَّدَامَةِ وَ	خرچ کرنا طاقت کو اور رونا نزدیک ندامت کے اور
الصَّبْرُ عِنْدَ الْفَاقَةِ۔ (منبہات ابن حجر)	صبر کرنا نزدیک فاقہ کے۔

(۱) خرچ کرنا طاقت کا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں طاقت کا صرف کرنا۔ تو یہ ظاہری اور باطنی دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ظاہری صورت میں جہاد کرنا یعنی تلوار اور آلاتِ حرب سے کفار کے ساتھ

جنگ کرنا اور اسلام کی مدد کرنا۔ یا کسی عاجز نیک مسلمان کی ظاہری قوت سے مدد کرنا، قرآن و حدیث کے مطابق عوام کو تبلیغ کر کے راہ راست پر لانا، مسجد کی تعمیر میں قوت بازو کا صرف کرنا، نماز کا ادا کرنا، حج بیت اللہ شریف کو جانا، یا کسی اللہ کے بندے کی خدمت میں حاضر ہونا اور قوت جسمانی سے اس کی خدمت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اور باطنی صورت میں اپنی سعی یا ہمت کو من دون اللہ سے پھیر کر اپنے مولیٰ کریم کی طرف لگانا، اور مردان خدا کے فرمان مبارک کے مطابق باطنی ہمت کے ساتھ رجوع الی اللہ کر کے حجابات سے خلاصی پا کر قرب خداوندی کو پانا ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث شریف سے علم حاصل کرنا۔ یا اگر مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے اپنا عرف عطا فرما کر اپنا بندہ بنالیں اور یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ سے ہدایت فرما دیں تو اپنی صحبت سے عوام کو مستفیض کر کے راہ راست پر لانا وغیرہ ہو سکتا ہے۔

(۲) رونا نزدیک ندامت کے۔ اگر گنہ گار گناہ کے بعد ندامت کے ساتھ بارگاہ ایزد متعال میں حاضر ہو کر روئے تو مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرما کر معاف فرما دیتے ہیں۔

مولانا روم مثنوی شریف میں ایک حکایت لاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ایک بوڑھا تھا جو کہ اپنے جوانی کے وقت میں نہایت باکمال گویا تھا اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں چنگ کے ساتھ گا کر گرانقدر انعام حاصل کرتا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا اور آواز خراب ہو گئی تو اس کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ ایک دن اسے خیال آیا کہ اب دنیا کے بادشاہوں اور امرا نے تو مجھے کمزور اور بوڑھا ہونے کی وجہ سے نکال دیا ہے۔ اب دربار الٰہی میں حاضر ہونا چاہیے۔ چنانچہ علی الصبح شہر سے دور قبرستان میں جا کر ندامت کے ساتھ رو کر بارگاہ ایزد متعال میں مناجات کرنے میں مصروف ہوا۔ تو ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیند آ گئی۔ آپ سوئے تو بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ قبرستان میں میرا ایک خاص مقرب بندہ بیٹھا ہے اس کو بیت المال سے اتنی رقم دو کہ اس کے ضروریات پورے ہوں۔ آپ بہت سی رقم لے کر اس قبرستان میں گئے تو اس کو ایک قبر میں لیٹے ہوئے پایا۔ آپ متعجب ہوئے کہ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ مولانا روم لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ؎

پیر چنگی کے بود مرد خدا حبذا اے سر پنہاں حبذا

کہ چنگ بجانے والا بوڑھا مردِ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس خیال سے اور تلاش کیا۔ جب اور کوئی متنفس نظر نہ آیا تو معلوم ہوا کہ یہی ہے۔

یہ ہے ندامت سے رو کر بارگاہ ایزد متعال میں حاضر ہونے کا فائدہ۔ مولی کریم نے ایک دم میں اتنے بڑے گنہ گار کو اپنا خاص الخاص بندہ بنا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر مردِ خدا کو اس کی حاجت روائی کے لیے روانہ فرمایا۔ تو آج بھی مولی کریم اپنی اسی شانِ کریمی سے حاضر و ناظر موجود ہیں۔ لہٰذا آج بھی اگر ہم ندامت اور خلوص سے عجز کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں، اور اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ کے مطابق مضطرب ہو کر عرض کریں تو مولی کریم ایک آن میں ہمارے ضمیر کو اپنی مہربانی سے پاک و صاف کر کے اپنا بندہ بنا لیں تو بعید از رحمت نہیں۔ کیونکہ یہ فعل اس ذات پاک کی بارگاہ میں نہایت پسندیدہ ہے۔

(۳) صبر کرنا نزدیک فاقہ کے۔ تنگی اور فراخی سب اس ذات پاک وحدہٗ لاشریک ہی کی طرف سے ہے جس وقت من اللہ تنگی اور فاقہ آتا ہے اس وقت آدمی دو حال میں سے ایک سے خالی نہیں رہتا۔ یا تو بے صبر ہو کر ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے جس سے مولی کریم کی ناراضگی ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا ایمان محکم ہوتا تو اس سے ایسے فعل کا ظہور نہ ہوتا۔ تنگی اور فراخی کو مولی کریم کی طرف سے جانتا اور تنگی سے اسی کی بارگاہ میں ملتجی ہو کر فراخی کا سوال کرتا، یا صبر کرکے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کے مطابق معیت مولی کریم حاصل کرتا جو اعلیٰ ترین قرب کا باعث ہوتا۔ جیسا کہ مولی کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ	اور البتہ آزمائیں گے ہم تم کو ساتھ کسی چیز کے ڈر سے
نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ	اور بھوک سے اور نقصان مالوں کے سے اور جانوں اور
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ	پھلوں کے سے اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو
مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ	وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے ان کو مصیبت کہتے ہیں تحقیق ہم
اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ	واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اسی کے پھر جانے والے
رَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝	ہیں۔ یہ لوگ اوپر ان کے ہے درود پروردگار ان کے سے
(پ۲۔ ع۳)	اور رحمت اور یہ لوگ وہی ہیں راہ پانے والے

تو معلوم ہوا کہ ان تمام تکالیف سے مولیٰ کریم اپنے بندوں کو آزماتے ہیں کہ کیا ان تکالیف میں میرا بندہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ پھر صبر کرنے والوں کو مولیٰ کریم اپنی محبت کی نوید سے نوازتے ہوئے ان پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرما دیتے ہیں۔

پانچ چیزوں سے محبت اور پانچ سے تغافل

قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ سَیَأْتِیْ عَلٰی اُمَّتِیْ زَمَانٌ یُحِبُّوْنَ الْخَمْسَ وَیَنْسَوْنَ الْخَمْسَ یُحِبُّوْنَ الدُّنْیَا وَیَنْسَوْنَ الْاٰخِرَةَ وَیُحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ وَیَنْسَوْنَ الْمَوْتَ وَیُحِبُّوْنَ الْقُصُوْرَ وَیَنْسَوْنَ الْقُبُوْرَ وَیُحِبُّوْنَ الْمَالَ وَیَنْسَوْنَ الْحِسَابَ وَیُحِبُّوْنَ الْخَلْقَ وَیَنْسَوْنَ الْخَالِقَ۔ (منبہات ابن حجر)

۔فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے شتاب آوے گا میری اُمت پر ایک زمانہ کہ دوست رکھیں گے پانچ کو اور بھول جائیں گے پانچ کو دوست رکھیں گے دنیا کو اور بھولیں گے آخرت کو اور دوست رکھیں گے زندگی کو اور بھولیں گے موت کو اور دوست رکھیں گے محلوں کو اور بھولیں گے قبروں کو اور دوست رکھیں گے مال کو اور بھولیں گے حساب کو اور دوست رکھیں گے خلق کو اور بھولیں گے خالق کو۔

(۱) دوست رکھیں گے دنیا کو اور بھول جائیں گے آخرت کو۔ دوست رکھنے سے مراد ہے ان کی سعی اور ان کی طاقت یعنی ان کی ظاہری اور باطنی قوت اور ہمت کا حیوٰۃ الدنیا کے اسباب میں متصرف ہو کر آخرت کی طرف سے محروم ہو جانا ہے۔ جیسا کہ مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں: کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (مگر (لوگو) تم تو دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو ترک کیے دیتے ہو)۔

حضرت مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیوی اسباب دنیا نہیں ہیں، بلکہ ہمہ تن ان میں جذب ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے تغافل کا نام دنیا ہے جن بدبختوں کی تمام تر ہمت باطنی اور ظاہری کوشش خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام سے غافل ہو کر اسباب دنیا کے حصول میں مصروف ہو گئی، ان کے حق میں مولیٰ کریم دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (الدہر)

یہ لوگ چاہتے ہیں شتاب ملنے والے کو اور چھوڑ رکھا ہے ایک دن بھاری

تو ایسے لوگوں کی فرحت اور اطمینان محض دنیا سے ہے، اور دنیا کی حقیقت کو کسی صاحب نے ان الفاظ میں واضح کیا ہے ؎

چیست دنیا؟ خاکدانِ کہنۂ، ویرانۂ — غصہ جائے محنت آبادِ ے، ملامت خانۂ

حالِ دنیا سر بسر پرسیدم از فرزانۂ — گفت یا بادیست، یا خوابیست، یا افسانۂ

یا مثالِ تودۂ برف است در فصلِ بہار! — ہیچ عاقل بر چنیں جائے نہ سازد خانۂ

باز گفتم حالِ آں کس گو کہ دل درو ے ببند — گفت یا غولیست، یا دیویست، یا دیوانۂ

ہر حریص ناسزائے ترکِ دنیا کے کند

شیر مردے باید و دریا دلے، مردانۂ

عقلمند انسان کے لیے ان اشعار میں کافی نصیحت ہے۔ یہ چند روزہ دنیا کا غنیمت وقت جس نے آخرت کے لیے صرف کیا اور خدا تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک کے مطابق گزارا اور اپنی ہمت اور سعی کو راستہ پر لگایا وہ بامراد ہو گیا۔ اور جس نے دنیا میں دل لگا کر اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیا، مرنے کے بعد افسوس کرے گا لیکن بے سود۔

ایک نیک دل بادشاہ کا کسی جگہ سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ ایک بے نوا فقیر سڑک پر بیٹھ کر سردی میں رات بسر کر چکا ہے۔ بادشاہ نے اس کی حالت پر افسوس کیا اور اس سے دریافت کیا کہ تمہاری رات کیسے گزری؟ فقیر صاحب نے فرمایا کہ کچھ تیرے جیسی اور کچھ تجھ سے بہتر۔ اس نے کہا یہ کیسے؟ تو فقیر صاحب نے فرمایا کہ جب میں سو گیا تو میرا اور تیرا سونا برابر تھا، اور جب بیدار ہوا تو میں نے یادِ الٰہی میں وقت گزارا اور تو دنیوی تفکرات میں مبتلا۔ بادشاہ نے کہا واقعی آپ کا فرمان صحیح ہے۔ اسی لیے بندگانِ خدا دنیوی زیب و زینت سے متنفر ہو کر فرماتے ہیں ؎

ما غریباں را تماشائے چمن درکار نیست — داغہائے سینۂ من کمتر از گلزار نیست

ان کے دل دنیا سے نفور اور خدا کی یاد میں مسرور اور ذکر اللہ کی کیفیت سے مستفیض ہو کر دنیاوی تماشوں سے بیزار ہوتے ہیں، اور دنیا کے چاہنے والوں کا اطمینان بمصداق:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا	جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ	زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری
هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ	نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانا
مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝	(ان اعمال) کے سبب جو وہ کرتے تھے دوزخ ہے۔

حیاتِ دنیا اور اس کی لذات کے ساتھ ہے۔ تو اس اطمینان کی بدولت آخرت کی طرف رجوع کرنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ جس چیز کی دل میں تمنا ہو اس کی بازیاب کے لیے ہمہ تن کوشش کرتا ہے۔ اور اگر اس کی تمنا ہی نہ ہو تو اس کی سعی کے قدم کٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان کا اطمینانِ قلب ہی دنیا کے ساتھ تھا جو ان کو مل گئی تو آخرت میں ضرور ہے کہ بموجب فرمان مولیٰ کریم دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہو۔ آج وقت ہوا سے تیز جا رہا ہے جس کی قدر و منزلت موت کے بعد یاد آئے گی، لیکن بے سود۔ اس لیے ضروری ہے کہ آج دنیا سے دل کو ہٹا کر آخرت کی یاد کو مقدم سمجھے اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان مبارک کے مطابق چل کر اپنی آخرت کو سنوار لے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اس کے لیے بالکل تیار ہے۔

(۲) محبت کریں گے زندگانی سے اور بھلا دیں گے موت کو۔ فرمان مولیٰ کریم ہے

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ	پیدا کیا ہے موت کو اور زندگانی کو تاکہ آزمائے تم کو کہ
اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (پ ۲۹ - ۱)	کونسا تم میں سے اچھا ہے اعمال میں۔

اس آزمائش میں فیل ہو کر احسن اعمال کے خلاف اس چند روزہ زندگانی میں اپنے ضمیر کو مجبور کر کے موت کو جو ایک اٹل امر ہے بھول کر سراسر گھاٹے میں پڑ گئے۔ چاہیے تھا کہ اس محدود وقت میں خداوند کریم اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک پر عمل پیرا ہو کر جاودانی زندگی حاصل کرتے۔ بمصداق:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ	مسلمانو! خدا اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جبکہ رسول
لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ	خدا تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی جاوداں

(پ - ۳) بخشتا ہے

حصول زندگی کے بعد (جو اطاعت اور اتباع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثمر ہے) موت ان کے لیے باعثِ فرحت ہوتی۔ بمصداق فرمان مولیٰ کریم قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ کا فرمان اس کے لیے خوشی کا باعث ہوتا اور اس تھوڑے سے عرصہ میں اپنی ہمیشہ کی زندگی سنوار لیتا۔ اور اگر اسی دنیا میں دل کو لگایا اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی پرواہ نہ کی، اور نافرمانی کرکے شیطان لعین کی اتباع پر قائم رہا، تو اس کے لیے موت کے وقت بمصداق:

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ غَمَرٰتِ	اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں
الۡمَوۡتِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوۡۤا اَیۡدِیۡہِمۡ	ہوں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو
اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ	اپنی جانیں، آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔
الۡہُوۡنِ بِمَا کُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ غَیۡرَ	بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی
الۡحَقِّ وَکُنۡتُمۡ عَنۡ اٰیٰتِہٖ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ۝	آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ (پ - ۷)

فرشتے نہایت سختی سے پیش آتے ہیں اور عذاب کی دھمکی دیتے ہیں۔ تو یہ عذاب اور خواری ان کو محض خلاف اللہ اور خلاف رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کرنے کی وجہ سے آئی۔ اگر ایسا نہ کرتے اور موت ان کو یاد ہوتی تو ضرور تھا کہ ان کے دل دنیا میں نہ لگتے۔ اور بندگانِ خدا جو نسبت نبوی سے مستفیض ہیں ان کی غلامی میں معیت حضور کے نور کو حاصل کرکے دونوں جہان میں فخر و عزت پاتے۔

(۳) دوست رکھیں گے محلوں کو اور بھول جائیں گے قبروں کو۔ اعلیٰ ترین مکانات جو صرف حیاتِ دنیا میں چند روز گزارنے کے لیے تھے ان سے جی کو لگا کر انہی پر مطمئن ہو گئے۔ اور قبریں جن میں قیامت تک کی مدت کے لیے قیام کرنا ہے اور جو دنیا کی زندگی کے قیام سے کئی گنا زیادہ ہے ان کو بھول گئے۔ اگر ہم اسی دنیا میں اپنی ہمت اور سعی کو لگا کر اسی کو اصل حصول جان کر مسرور ہو گئے، اور غفلت و گمراہی کی وجہ سے اصل مقصود سے دور رہ کر اپنے ضمیر کو محجوب کیا جو کَلَّاۤ اِنَّہُمۡ عَنۡ رَّبِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۝ کے مطابق اصل دوزخ ہے تو ان کے لیے قبر بمصداق فرمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حُفۡرَۃٌ مِّنَ النَّارِ

ہو گی۔ اور اگر دنیا میں رہ کر چاہے اعلیٰ ترین مکانات کا مکین ہو لیکن اپنے دل کو خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کے جیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں لگا کر اور اتباع کے مقام میں عمل کر کے بمصداق قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ محبوب خدا کے مقام میں مقیم ہوا تو ضرور ہے کہ اس کے لیے قبر رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ یعنی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن کر قیامت تک کے لیے موجب راحت و اطمینان ہو گی۔

(۴) محبت رکھیں گے مال سے اور بھول جائیں گے حساب کو۔ فرمان مولیٰ کریم ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	مال اور بیٹے زینت ہیں زندگانی دنیا کی اور باقی رہنے
وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ	والی نیکیاں ہیں ان کا تمہارے رب کے نزدیک ثواب او
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ (پ - ۱۵)	امید بہتر ہے۔

وہ مال جو محض حیات دنیا کی زینت ہے۔ اور آخرت میں سوائے اس کے کہ اس کو راہ خدا میں خرچ کرے کوئی فائدہ مند ثابت نہ ہو گا۔ بعض اشخاص اس مال دنیا کے ساتھ اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ جو قلیل حصہ مولیٰ کریم نے ان کے مالوں میں سے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا تھا یعنی زکوٰۃ، اس کو بھول گئے۔ یا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے مطابق مناسب جگہ پر اس کو خرچ نہ کیا تو اس حساب کو بھول جانے کے باعث عذاب کے مستحق ہو کر قارون کے ساتھی بن گئے۔ اور اگر اس مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے تو ان کے لیے آخرت کے گھر کا توشہ بنتا۔ جیسا کہ فرمان مولیٰ کریم ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝	ہرگز نہ پاؤ گے تم نیکی کو جب تک کہ خرچ نہ کرو تم جس سے
(پ۴ - ۱۷)	محبت کرتے ہو۔

تو ثابت ہوا کہ وہ چیز جس کو اپنے نفوس کے نزدیک اعلیٰ ترین اور قابل محبت سمجھتا ہے اس کو جب تک خدا کے راستہ میں نہ لٹا دے اصل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔ خرچ کر کے اَلسَّخِيُّ حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَوْ كَانَ فَاسِقًا کے مطابق خدا کا محبوب بن کر نجات کا مستحق ہوتا اور فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کے مطابق اسے

انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی معیت حاصل ہوتی جو دونوں جہان میں اس کے لیے راحت کا موجب بنتی۔

(۵) محبت کریں گے خلقت سے اور بھول جائیں گے خالق کو۔ فرمان مولیٰ کریم ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (پ ۲ - ع۴)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک (خدا) بناتے اور ان سے خدا کی سی محبت کرنے لگتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا ہی کے سب سے زیادہ دوستدار ہیں۔

شرک دو وجہ پر ہوتا ہے۔ ایک جلی اور دوسرا خفی۔ شرک جلی تو کسی غیر خدا کو سجدہ کرنا ہے، اور شرک خفی جس طرح کہ مولیٰ کریم سے محبت چاہیے تھی ویسی اس کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ۔ اور اہل ایمان کی تعریف مولیٰ کریم نے یہ فرمائی ہے کہ وہ اشد محبت اس رحیم الودود ہی سے کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے ساتھ اشد محبت کرنا شرک ہے جس کو اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ فرمایا گیا ہے اور جو مطابق اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ کے ناقابل عفو جرم ہے۔ اس محبت کا تعلق قلب کی ہمت اور سعی پر موقوف ہوتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمان ہو رہا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ (پ ۶ - ع۱۲)

مومنو! تمہارے دوست تو خدا تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (خدا کے آگے) جھکے رہتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ مولیٰ کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن سب ہی ہمارے دوست اور قابل محبت ہیں۔ تو بظاہر ان دونوں آیات میں کچھ تضاد سا معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے مقام پر فرمان ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔ انسان کے لیے سب سے زیادہ عزیز اور قابل محبت چیز اپنی جان ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق جان سے بھی بہتر اور اولیٰ فرمایا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت بھی فرض عین ہے چنانچہ حدیث شریف میں اسی چیز کو واضح کیا گیا ہے:

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الایمان۔ فصل اوّل

اور روایت ہے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کامل مومن ہوتا کوئی تم میں سے یہاں تک کہ زیادہ محبوب ہوں میں طرف اس کی اس کے والد سے اور بیٹے سے، اور تمام لوگوں سے (بخاری و مسلم)

حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہوا کہ مومن کامل تب ہی ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب متعلقین سے زیادہ محبت کرے۔ حالانکہ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ سے سب کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کا حل یہ ہے کہ ہر محبت جو فی سبیل اللہ ہو وہ جائز اور خدا تک پہنچنے کا اور خدا کی یاد کا ذریعہ ہے۔ چاہے مومن سے ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ہی کے ماتحت ہے اور یہ جائز بلکہ فرض ہے۔ اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ محبت حرام اور شرک اور ظلم عظیم ہے۔

اس جگہ یُحِبُّوْنَ الْخَلْقَ وَیَنْسَوْنَ الْخَالِقَ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ محبت جس کا نتیجہ یَنْسَوْنَ الْخَالِقَ ہے یہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہے جو عین شرک ہے۔ قرآن پاک میں فرمان مولیٰ کریم ہے:

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(پ ۲۸ - ع ۶)

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔ یہ لوگ بدکردار ہیں۔

یہاں مولیٰ کریم نے یَنْسَوْنَ الْخَالِقَ کی تعریف فرمائی کہ ایسے آدمی جو خدا کو بھول جاتے ہیں وہ بدکردار ہیں۔ تو اب برادران طریقت اصل معانی سے واقف ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا اس چند روزہ زندگی کو غنیمت جان کر کسی صاحب نسبت اللہ کے بندے سے تعلق قائم کر کے اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لازم پکڑ کر جو محبت کے سوا حاصل نہیں ہوسکتی، یَنْسَوْنَ الْخَالِقَ کی برائی سے بچ کر اور یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ کی دولت سے مالا مال ہو کر، صراط المستقیم پر چل کر مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ ورنہ دونوں جہان میں باعث خسران اور ذلت و رسوائی ہے۔

اخلاص

مولیٰ کریم ذوالجلال والاکرام نے انسان کو:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ	فطرت خدا کہ بنایا اوپر اس کے آدمیوں کو۔ نہیں
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ	بدلنا واسطے پیدائش خدا کی کے۔ یہ ہے دین درست
الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝	اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔ اس کی طرف رجوع
مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ	لاتے ہوئے، اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے
وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (پ ۲۱ - ۷)	نہ ہو۔

کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔ اس جگہ فطرت بمعنی سرشت ہے۔ یعنی جس طرح مولیٰ کریم کے سات صفات ذاتیہ حی، مرید، قدیر، علیم، سمیع، بصیر، کلیم ہیں۔ اسی طرح انسان کو مولیٰ کریم نے انہی سات صفات سے مزین فرمایا ہے۔ یہی فطرت جو کسی طور سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ گو بظاہر آلہ کے بگڑ جانے کی وجہ سے کسی صفت میں کمی محسوس ہو لیکن فطرت انسانیہ جو روحانیت کے مترادف ہے اس میں ہرگز کمی نہیں ہو سکتی اور انہی صفات کو دین القیم سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور انہی صفات سے منیبین کے عمل کا ظہور رہتا ہے جس سے چل کر انسان اپنے مقصود تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے سوا انسان کی فطرت میں اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں جس سے دین القیم کے لیے سعی اور رجوع کر کے منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ دوسری جگہ مولیٰ کریم نے انسان کی تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے تین، زیتون، طور سینین اور بلد الامین کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ کہ تحقیق ہم نے انسان کی تخلیق کو احسن تقویم بنا کر پھر اسفل سافلین میں پھیر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ روحانی تخلیق کو ہی فطرت اللہ اور احسن تقویم سے نامزد فرما کر ہمیں اس اسفل مقام یعنی عالم دنیا میں بھیج کر اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قید لگائی کہ جو ان اوصاف سے متصف ہو گا وہی اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کا مستحق ہو گا۔ ان تمام نعمات کے باوجود اس ذات وحدہٗ لاشریک لہ نے آسمان و زمین و ما بینہما کے سامنے بمصداق اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ

بار امانت کو پیش فرمایا تو سبھی ڈر گئے۔ لیکن باوجود کمزور، ظالم اور جاہل ہونے کے اس عاجز انسان کو حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ کا مصداق ٹھیرا کر اس بے بہا نعمت سے سرفراز۔

گو مفسرین نے امانت کی تفسیر میں مختلف اقوال بیان فرمائے ہیں لیکن اس امانت کے وجود پر سوائے محبت کے کوئی چارہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اور صاحب تفسیر حقانی اور روح البیان نے بھی اس بار امانت سے مراد محبت ہی کے لیے ہیں۔ اس محبت سے لاعلمی کی بنا پر انسان جاہل اور غلط راستہ پر لگانے کی وجہ سے ظالم ہے چنانچہ لغت میں ظلم کی تعریف فرمائی گئی ہے وضع الشیٔ فی غیر محلہ یعنی کسی شے کو اس کے محل کے سوا دوسری جگہ پر رکھنا۔

اب جب کہ انسان کی فطرت فطرت اللہ اور احسن تقویم کے مطابق ہے اور یہی بار امانت کا حامل تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کونسا مقصود ہے جس کے لیے ہماری اس طور پر آفرینش ہوئی اور اعلیٰ ترین نعمات سے سرفراز فرمایا گیا؟ مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو کوئی پھر جاوے گا تم میں سے
عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ	دین اپنے سے پس البتہ لاویگا اللہ ایک قوم کو کہ محبت
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (پ - ع۱۲)	کرتا ہے وہ ان کو اور محبت کرتے ہیں وہ اس کو۔

یعنی کہ جس مقصود کے لیے تمہیں عالم دنیا میں بھیجا گیا ہے اگر تم اس پر عمل پیرا نہ ہوئے تو تمہاری جگہ ایسے آدمی پیدا کروں گا کہ وہ مجھ سے محبت کریں گے اور میں ان سے محبت کروں گا۔ اور دوسری جگہ صاحب ایمان کی تعریف میں وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کا ارشاد فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ مقصود انسانی اور تعریف ایمان صرف محبت الٰہی ہے، جس کا حصول انسان کے لیے ازبس ضروری بلکہ فرض عین ہے۔

محبّت الٰہی کے حصُول کا طریقہ

ابتدائے آفرینش میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جب ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا، تو ملائکہ نے مولیٰ کریم کے فرمان کے مطابق سجدہ کیا، مگر ابلیس ملعون اکڑ بیٹھا۔ تو ذات پاک نے نافرمانی کے باعث اس کے گلے میں اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ کا طوق ڈال دیا۔ ابلیس نے قیامت تک کی مہلت مانگی

تو عزت کی رو سے مولیٰ کریم نے اس کو اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ تک مہلت دے دی تو اس ملعون نے دشمنی کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کو گمراہ کرنے کا مصمم عزم کر کے بارگاہِ ایزد متعال میں صاف کہہ دیا کہ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی تیری عزت کی قسم! البتہ ضرور ان تمام کو گمراہ کروں گا، مگر تیرے مخلص بندوں کو۔ چونکہ معلم الملکوت تھا، اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ صاحب اخلاص پر میرا فریب نہ چل سکے گا اس لیے ان کو مستثنیٰ کر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اخلاص ایک ایسی اہم ترین نعمت ہے کہ اس کے حصول کے ہوتے ہوئے انسان فریب شیطانی سے کلیۃً بچا رہتا ہے اور مقصود تک پہنچنے کے لیے یہ سب سے بڑا سبب ہے۔

(۲) فرمان مولیٰ کریم ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ یعنی اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی امت کے لوگوں کو فرما دو۔ سنا دو کہ اگر خدا تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو جو اصل مقصود ہے تو میری اتباع کو لازم پکڑو، مولیٰ کریم تم کو اپنا محبوب بنائے گا اور تمہارے گناہ میری اتباع کے سبب بخش دے گا۔ تو قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ اخلاص اور اتباع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو چیزیں مقصود تک پہنچانے کے لیے نہایت ضروری امور میں سے ہیں۔

اخلاص کے حصول کا طریقہ

(۱) سورۂ لقمان میں مولیٰ کریم کا فرمان مبارک ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ یعنی جس شخص کا رجوع میری طرف ہے اس کی اتباع کو لازم پکڑو۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ یعنی اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور اس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اس وسیلہ سے بھی مراد یہی ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب اخلاص مردِ خدا کی غلامی اختیار کر کے اس کے ذریعے اخلاص کو حاصل کر کے مقصود کی طرف گامزن ہوں۔

(۳) مولیٰ کریم اپنے کلام پاک میں دو دن میں آسمان اور دو دن میں زمین اور دو دن میں مابینہما کو تخلیق فرمانے کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرماتے ہیں: اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ یعنی اس ذات پاک

کے متعلق علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی صاحب خبر یعنی خدا کے مخلص بندہ سے دریافت کرو۔

تو ان تینوں آیات سے ثابت ہوا کہ اخلاص کے حصول کے لیے کسی مرد خدا کی غلامی کا اختیار کرنا نہایت ضروری ہے اور نہ اخلاص کا حصول اس کے سوا نا ممکن ہے۔ جب ہم کسی صاحب اخلاص کے ساتھ (جو نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمور اور سراجاً منیرا سے منور ہو اس کی صحبت حاصل کر کے) تعلق پیدا کرتے ہیں، تو وہ اخلاص کا بیج ہمارے ضمیر میں ڈال دیتے ہیں، اور اس بیج کی پرورش فَاتَّبِعُوْنِیْ کے نور سے کرتے ہیں، تو وہ بیج مطابق کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ انگوری کی طرح نکلتا ہے اور اس بامقصود مرد خدا کی غلامی اور صحبت، اور اتباع کے طفیل ہمارے نور ایمانی کی کھیتی کو انوار کی بارش سے خوراک ملتی ہے۔ اس وقت کبھی قبض اور کبھی بسط کے مدارج سے گزرنا ہوتا ہے۔ گو قبض مبتدی کے لیے خطرناک ہوتی ہے لیکن مخلص کے لیے باعث ترقی بھی ہے کیونکہ جب اپنے حصول کی سیرابی میں خشکی محسوس کرتا ہے تو اس وقت اس کی طلب کا منہ بارگاہ ایزد متعال میں ملتجی اور طالب ہوتا ہوا کھلتا ہے تو مولیٰ کریم اس کی استقامت اور سچی طلب کو دیکھ کر از حد مہربان ہوتے ہوئے اپنی خاص رحمت کی بارش سے اس کی پیاس کو بجھا کر سیراب فرما دیتے ہیں۔ اسی لیے کسی مرد خدا نے کیا خوب فرمایا ہے

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست

کہ پانی کم تلاش کر، پیاس پیدا کر تا کہ پانی جوش میں آکر نیچے اور اوپر سے آجائے۔ یعنی رجوع صحیح اور درست پیدا کر، کیونکہ رجوع کی انتہا ہی عروج کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور مولیٰ کریم جب سچی طلب کو دیکھتے ہیں تو اپنے فضل و کرم سے انسان کے خلوص کو دیکھ کر جو اس کے نزدیک نہایت مقبول اور بڑی پسندیدہ چیز ہے، اوپر بلکہ نیچے سے بھی ابر رحمت کے چشمے جاری فرما کر اس کو اطمینان اور سکون عطا کر کے، فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ سے اس کا سینہ کھول دیتے ہیں۔ اس حالت میں بڑی سخت احتیاط اور مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی حالت لوّامہ کی سی ہوتی ہے۔ حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں اس حالت کے متعلق بیان فرماتے ہیں

گاہے در جنت روی اے خوش خرام گاہے در دوزخ روی سازی مقام

جانِ من با من بگو اسرارِ خویش چشمِ دل روشن کن از دیدارِ خویش

آپ نے رجوع الی اللہ کو جنت سے تعبیر فرمایا اور من دُونِ اللہ خیال یا غفلت کو دوزخ سے تعبیر فرمایا ہے۔ صحبتِ بد کے اثرات اور خلاف شریعت محرمات کی طرف نظر کرنے سے طبیعت میں وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا کا تصرّف ناراضگی کی وجہ سے ہو کر طبیعت میں قبض پیدا ہو جاتی ہے۔ جو مبتدی کے لیے خرابی کا باعث بن جاتی ہے۔ پھر اس مخلص مردِ خدا کی صحبت اور رجوع الی اللہ سے خداوند کریم ذوالجلال والاکرام کی بارگاہِ عالی میں گڑگڑا کر التجا سے طبیعت درست ہو کر طریقت میں چلنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس حال میں اپنے اعمال اور خیالات کی نگہداشت نہایت ضروری ہوتی ہے۔ اس صورت میں خدا کے فضل و کرم سے طبیعت ترقی کی جانب مبذول ہوتی ہے۔ اس حال میں غیر خیالات کی نفی کا خیال دامنگیر ہوتا ہے اور جس حد تک نفی ہوتی ہے اتنا ہی مولیٰ کریم کی یاد کا اثبات ہوتا جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

نیستی ہستی ہے یارو اور ہستی کچھ نہیں ! بیخودی مستی ہے یارو اور مستی کچھ نہیں

جس کو کہتے ہیں وہ ہونا ہے کی ستی کچھ نہیں کچھ نہیں ہونا ہی کچھ ہے اور کچھ ہونا کچھ نہیں

اس حال میں ترقی کرتا ہوا کبھی کبھی قرب کی لذت قلب سے اپنے ضمیر میں ٹھنڈک محسوس کرتا ہے تو ایسے آدمی کا ضمیر دنیا بلکہ آخرت کے خیال سے بھی سرد ہو جاتا ہے اور اس کی فرحت خدا کی یاد ہی میں ہوتی ہے۔ اور بمصداق وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ۝ تمام دنیاوی بکھیڑوں اور دھندوں سے جدا ہو کر خدا کی یاد میں محو و مستغرق ہو جاتا ہے۔ جب اس حال میں استقامت حاصل ہو جاتی ہے تو وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ سے خاص رحمت اور مہربانی فرما کر انوار و تجلیات سے بمصداق اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ اور یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ کے مطابق محظوظ ہوتے ہیں جب کبھی اس حال سے کمی ہو کر ان کی حالت اس فرحت اور نور سے محجوب ہو تو بے قرار ہو جاتے ہیں اور اپنے پہلے حال کی طلب میں کوشاں۔ بمصداق ؎

تمنا تیری کیا ہے محزوں کبھی نہ پوچھا یہ دل جلوں سے

جو نیم بسمل تڑپ رہے ہیں حجاب کیوں ہے دکھا دکھا کر

اپنے مقصود کے لیے بارگاہ ایزد متعال میں ملتجی ہوتے ہیں۔ حافظ شیرازی ایسے حال والوں کو تسلی کے طور پر فرماتے ہیں ؎

یوسفِ گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

گر دو روزے دَورِ گردوں برمرادِ ما نگشت دائما یکساں نباشد کارِ دوراں غم مخور

میرے حضور قدس سرہ فرماتے کہ اس حالت میں سالک کے لیے قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ ہزارہا نئے وجود (یعنی حالت) بنتے اور فنا ہوتے ہیں اور ہمہ تن اپنے مقصود اور اطمینان اور سکون کی خاطر اپنی توجہ باطنی اور رجوع الی اللہ کرتا ہے لیکن مقصود سے باریاب ہونے میں توقف ہوتا ہے تو اپنی زندگی سے بیزار اور بے قرار اور اپنی سعی سے اپنے مقصود کو پہنچنے سے مایوس ہو کر ملتجی ہوتا ہے تو مطابق اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ اور فرمان بو علی قلندر کے مصداق ؎

ہر کہ او از خویشتن بیزار گشت بیشک او از محرمِ اسرار گشت

جب طالب صادق اخلاص کے امتحان میں پورے طور پر کامیاب ہو کر وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ سے ظاہری باطنی صورت میں اعراض کر لیتا ہے، اور توفیق سرشتی سے اتباع کی صورت میں جذب قلب سے اپنے اعمال کو مزین کر لیتا ہے تو اپنی خاص رحمت اور فضل سے توفیق اضافیہ کے تصرف کا اجرا اس کے ضمیر میں فرما کر اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ کے مطابق نسبت محمدی سے مست و سرشار فرما کر ظاہری اور باطنی نعمات سے مالا مال کر کے بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ کا مالک بنا دیتے ہیں، اور فَاتَّبِعُوْنِیْ کی بدولت یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کی مہر ثبت فرما کر اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کا فرمان اس پر صادق فرما دیتے ہیں۔ ایسے صاحبان اس نعمت عظمیٰ سے مستفیض ہو کر اپنے ضمیر کے جذبات کو کیا خوب بیان فرماتے ہیں۔ میرے حضور اکثر نہایت فرحت کے عالم میں شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے یہ شعر پڑھا کرتے ؎

ما در دو جہاں غیرِ خدا یار نداریم جز یادِ خدا ہیچ دگر کار نداریم

درویش و فقیریم دریں گوشۂ دنیا با نیک و بدِ خلقِ جہاں کار نداریم

با جامۂ صد پارہ و با خرقۂ پشمیں	بر خاک نشینیم و ازیں عار نداریم
ما مست صبوحیم ز مے خانۂ توحید	حاجت بہ مے و بادہ و خمار نداریم
ما شاخ درختیم پر از میوۂ توحید	ہر راہ گذر سنگ زند عار نداریم
گر یار وفادار نداریم عجب نیست	ما یار بجز حضرت جبار نداریم
ما تم زدگانیم دریں گوشۂ دنیا	چوں زاغ صفت بر سر مردار نداریم

بنگر تو دل خستۂ شمس الحق تبریز

ما جز ہوس دیدہ و دیدار نداریم

اس وقت اس کے ضمیر کی وسعت لا یسعنی ارضی و لا سمائی و لکن یسعنی قلب عبد مومن کے مطابق لامکانی ہو جاتی ہے اور سالک توحید کا تاجور اور بامقصود ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے اخلاص کا شجر پوری طرح بار آور ہو کر شیطان کی آمیزش سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت کا بیان تحریر و تقریر سے مبرّا ہوتا ہے۔ "ایں جہاں جہان دگر است، ایں مکاں مکان دگر است، ایں عیاں عیان دگر است ایں نہاں نہان دگر است" کا مصداق ہوتا ہے۔ گو شیطان اپنے کام میں پورے طور پر پھر بھی کوشش کرتا ہے لیکن بمصداق:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ	اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر جب
وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	وہ کوئی خیال کرتا تھا شیطان اس کے خیال میں (وسوسہ)
فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ	ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسے) شیطان ڈالتا ہے، خدا
ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ	ان کو دور کر دیتا ہے پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا
حَكِيْمٌ ۙ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ	ہے اور خدا علم والا اور حکمت والا ہے۔ غرض (اس سے)
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ	یہ ہے کہ جو (وسوسے) شیطان ڈالتا ہے ان کو ان لوگوں
قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ	کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت
بَعِيْدٍ ۙ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	ہیں ذریعۂ آزمائش ٹھہرائے۔ بیشک ظالم پرلے درجے کی

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (پ ۱۷ - ع ۱۴)

مخالفت ہیں ہیں۔ اور یہ بھی غرض ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل خدا کے آگے عاجزی کریں۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں خدا ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے

صاف عیاں ہے کہ انبیائے کرام از راہ عنایتِ الٰہی اس بلا سے معصوم اور قبل از حائل اس القا سے منزہ ہیں، اور مومن اولوا الالباب اس میں تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جن کے دل میں مرض ہے ان کے لیے آزمائش۔ تو ثابت ہوا کہ شیطان اپنے فعل سے کمی تو نہیں کرتا، لیکن ایسے مردانِ خدا شیطان کے القا میں تمیز کر کے اس کی آمیزش سے محفوظ ہوتے ہیں۔

آپ کا ایک فرمان مبارک

میرے آقا و مولیٰ بعض اوقات اس فرمان مبارک کو پڑھ کر متعلقین کو مستفیض فرمایا کرتے جن پر عمل کرنے سے طریقت میں آسانی سے مقصود پر پہنچ سکتا ہے ؎

با۱ وضو رہ، بول۲ تھوڑا، کر۳ ذکر ربط۴ دل رکھ پیر سے، کھو۵ دے خطر
رہ۶ جدا لوگوں سے، تھوڑا۷ کھا طعام اعتراضی۸ چھوڑ، آٹھوں ہیں تمام

حضور کا فرمان مبارک گویا کوزہ میں دریا والی بات ہے۔ عاجز بقدر استطاعت ان کی شرح کرتا ہے

(۱) با وضو رہ: مولیٰ کریم قرآن پاک میں فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ چونکہ مولیٰ کریم کی ذات پاک ہے اسی لیے مطابقت کی بنا پر طہارت کو پسند رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے الطهور شطر الایمان یعنی طہارت نصف ایمان ہے۔ ہر نیک عمل، درود شریف، قرآن شریف اور نماز وغیرہ عبادات کے ادا کرنے کے لیے وضو فرض اولین ہے کیونکہ وضو کے بغیر کوئی عمل درست نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے حدیث پاک میں طہور کو نصف ایمان فرمایا گیا ہے۔ تو اس سے بھی مراد اصل میں وضو ہے۔ آدمی کے وضو

کرنے کے بعد شیطان کی مداخلت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مولیٰ کریم کی ذات پاک ہے اور پاکی رکھنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اسی طرح شیطان چونکہ ناپاک ہے، ناپاک رہنے والے کو پسند رکھتا ہے اور مطابقت کی بنا پر اسی کا دوست ہوتا ہے۔ اکثر خلاف سنت نسبت والے جو دیکھنے میں آئے ہیں اگر وہ صرف استنجا کر بیٹھیں تو ان کے حال میں کمی واقع ہو جاتی ہے، اور جس قدر اپنے آپ کو ناپاک اور غلیظ رکھیں، ان کے حال میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے ہر طرح کی طہارت سے اجتناب رکھتے ہیں تاکہ حال میں کمی نہ ہو۔ بلکہ غلاظت کو اپنے وجود پر لگا لیتے ہیں، منہ کالا کر لیتے ہیں۔ اور نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا سبق ہی وضو سے شروع ہوتا ہے۔ اگر کسی عمل کو وضو کے بغیر کیا جائے تو وہ برکت اور وہ رحمت جو وضو کے ساتھ ہوتی ہے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ دین کی بنا ہی پاکیزگی پر ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک روز روشن کی طرح عیاں ہے بنی الدین علی النظافۃ یعنی دین کی بنا پاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔ دوسری حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر مہربانی فرما کر وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا ادلکم علی ما یمحوا اللہ بہ الخطایا ویرفع بہ الدرجات قالوا بلی یا رسول اللہ قال اسباغ الوضوء علی المکارہ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الطہارت فصل اوّل)	روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا نہ خبر دوں میں تم کو اس چیز سے کہ دور کرے اللہ تعالیٰ بہ سبب اس کے گناہ اور بلند کرے بہ سبب اس کے درجے عرض کی صحابہ نے کہ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا پورا کرنا وضو کا وقت مشقت کے

اللہ اکبر! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک کیا جامع ہے کہ جو وضو رکھتا ہے تو اس کے لیے اس میں دو مفاد ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک تو اس کے گناہ کو دور کر دیتے ہیں، دوسرا اس کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔ کیونکہ پاک ہو جانے سے خواہ مخواہ شیطان اس سے بھاگتا ہے اور اس کی طبیعت چونکہ معیت شیطان سے صاف ہوتی ہے اور اس وجہ سے اس کا رجوع مولیٰ کریم کی طرف زیادہ ہوتا ہے اس لیے مولیٰ کریم اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں۔

عن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ	روایت ہے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول خدا
علیہ وآلہ وسلم من توضأ فاحسن الوضؤ	صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے جو شخص کہ وضو کرے پس اچھا
خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج	وضو کرے، نکلتے ہیں گناہ اس کے بدن اس کے سے
من تحت اظفارہ ۔ متفق علیہ	یہاں تک کہ نکلتے ہیں نیچے ناخن اس کے سے ۔

اچھا وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ سنت کے مطابق کرے ۔ اور سنت وضو میں یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین بار دھوئے ۔ پھر تین بار پانی منہ میں ڈالے اور مسواک کرے ۔ پھر تین بار پانی ناک میں ڈالے اور ناک صاف کرے پھر تین بار تمام منہ دھوئے ۔ پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے ۔ پھر مسح تمام سر کا ایک بار کرے اور دونوں کانوں کا بھی سر کے ساتھ مسح کرے ۔ اس کے لیے نیا پانی لینا شرط نہیں پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئے ۔ اور اگر پاؤں میں موزے ہوں اور پورے وضو کے بعد پہنے گئے ہوں، تو مقیم کو حدث کے وقت سے ایک رات دن تک اور مسافر کو تین رات دن تک ان پر مسح کر لینے کی اجازت ہے ۔

یہ ہے ترکیب وضو جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمائی اور بہ نفس نفیس اس پر عمل مبارک فرمایا اس میں تمام فرائض وسنن اور مستحبات آجاتے ہیں اور مطابق فرمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں ۔ چنانچہ دوسری حدیث شریف میں ہے :

عن حمران مولیٰ عثمان ابن عفان ان عثمان	روایت ہے حمران مولیٰ (غلام آزاد) عثمان رضی اللہ تعالیٰ
رضی اللہ عنہ دعا بوضوء فافرغ علی یدیہ	عنہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کا پانی
من اناءہ فغسلھما ثلث مراۃ ثم ادخل	منگایا ۔ پھر برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا پس
یمینہ فی الوضوء ثم تمضمض واستنشق	دونوں ہاتھوں کو تین بار دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ پانی
واستنثر ثم غسل وجھہ ثلثا ویدیہ	میں داخل کیا، پھر کلی کی، پھر ناک میں پانی ڈالا اور ناک
الی المرفقین ثلثا ثم مسح براسہ ثم	جھاڑا، پھر اپنے منہ کو تین بار دھویا اور دونوں ہاتھ بھی
غسل کلتا رجلیہ ثلثا ثم قال رایت	کہنیوں تک دھوئے، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر دونوں
النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توضأ نحو	پاؤں کو تین تین بار دھویا ۔ پھر فرمایا میں نے آنحضرت

وضوئی ھذا ثم قال من توضا نحو	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ میرے اس وضو کی طرح وضو
وضوئی ھذا ثم صلی رکعتین لایحدث	کیا، پھر فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے
فیھما نفسہٗ غفر اللہ لہ ما تقدم	پھر دو رکعت پڑھے اور ان میں اپنے جی سے باتیں نہ کرے
من ذنبہ۔	(یعنی وسوسہ اور خیالات سے بچا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے
(کتاب الطھارۃ۔ زبدۃ المرام)	پہلے سب گناہوں کو بخش دیتا ہے

۲۔ بول تھوڑا:۔ مولیٰ کریم قرآن پاک میں اپنے بندوں کے صفات میں فرماتے ہیں: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ یعنی میرے بندے لغو اور بیہودہ باتوں سے منہ موڑتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف، باب حفظ اللسان، فصل ثالث میں فرماتے ہیں: السکوت خیر من املاءِ الشر۔ یعنی چپ رہنا بہتر ہے سکھلانے برائی سے۔ دوسری حدیث میں ہے:

وعن عمران بن حصین ان رسول اللہ	روایت ہے عمران بن حصین سے کہ تحقیق رسول خدا صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال مقام	علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مرتبہ آدمی کا بہ سبب چپ رہنے
الرجل بالصمت افضل من عبادۃ	کے افضل ہے ساٹھ برس کی عبادت سے
ستین سنۃ۔	

اور ایک روایت میں ہے:

وعن انس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نقل کی رسول
آلہ وسلم قال یا اباذر الا ادلک	اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، فرمایا کہ اے اباذر! کیا
خصلتین ھما اخف علی ظھرہ واثقل	نہ بتلاؤں میں تجھ کو دو خصلتیں کہ وہ بہت ہلکی ہیں پشت پر
فی المیزان قال قلت بلیٰ قال طول الصمت	اور بہت بھاری ہیں میزان اعمال میں، کہا ابوذر نے کہ کہا
وحسن الخلق والذی نفسی بیدہ ما	میں نے کہ ہاں فرمائیے۔ فرمایا درازی چپ رہنے کی
عمل الخلائق بمثلھما	اور خوش خلقی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جان میری اس کے

ہاتھ میں ہے نہیں عمل کیا خلق نے مانند ان دو خصلتوں کے (یعنی کوئی کام بہتر ان دو کاموں سے نہیں ہے)۔

اچھا ہونا ان دو صفتوں کا اس سبب سے ہے کہ خاموش رہنے میں محنت اور مشقت نہیں، اور زبان ہلانے اور بات کی ترتیب دینے میں ظاہر اور باطن کی تکلیف ہے۔ اس کی خوشی خوش خلقی میں ہے کہ اس میں نرمی اور آسانی ہے بخلاف سخت خوئی اور جدال اور نزاع کے کہ سراسر محنت اور مشقت ہے ان میں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو بات زبان سے نکلتی ہے، اچھی ہو یا بری، آدمی کے ضمیر پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہر بات کا بطن ہوتا ہے، جس میں نورانیت یا ظلمت ہوتی ہے۔ قرآن پاک، حدیث پاک اور ذکر الصالحین، یہ تینوں اذکار نورانیت سے مزین ہوتے ہیں، اس کے سوا ہم نفسانی اشخاص کی ہر بات ظلمت ہی ظلمت ہے۔ ضرورت کے سوا ہماری سب قیل و قال لغو ہی ہوتی ہے جس سے بچنا مطابق قرآن پاک اور حدیث پاک ہمارا فرض اولین ہے۔ شیخ عطار علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

یعنی زیادہ باتیں کرنے سے دل بدن کے اندر مر جاتا ہے، خواہ اس کی باتیں عدن کے موتیوں جیسی ہوں۔ تو وہ برادرانِ طریقت جو ابھی مبتدی ہیں ان کو ہر حال میں اپنی حفاظت لازم اور اپنے پیر کے فرمان مبارک کی طرف خیال رکھنا اور اس پر عمل کرنا یعنی خاموش رہنا ہر طرح سے مفید اور بہتر ہے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف کا استدلال محض عوام کے اطمینان کے لیے تحریر کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص ان کے مطالعہ سے مستفید ہو اور صراط المستقیم پر چلنے کے لیے ان سے مشعل راہ کا کام لے۔

۳۔ کو ذکو:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد خداوندی فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرو رات دن، خشکی تری، سفر و حضر، تونگری اور فقر، تندرستی اور مرض، ہر حالت میں خفیہ اور علانیہ۔ اور بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہر فرض، عبادت کی حق تعالیٰ نے کوئی حد اور انتہا ضرور مقرر فرمائی ہے، اور عذر کے وقت معذور بھی رکھا ہے، لیکن ذکر کے لیے کوئی بھی حد نہیں جہاں پہنچ کر ختم ہو جائے، اور کوئی بھی عذر قابل سماعت نہیں۔ کیونکہ بجز مجنون کے اس میں کوئی معذور نہیں۔ اور اگر کسی کو معذور قرار دیتے تو وہ حضرت زکریا علیہ السلام ہوتے کہ باوجود بڑھاپے اور ضعف و ناتوانی کے مطابق آیت اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا زبان بندی بھی

کردی گئی۔ کہ تین دن تک کسی آدمی کے ساتھ بات کرنے کی طاقت نہ رہی۔ لیکن بایں ہمہ انہی ایام میں ساتھ ہی حکم ہو رہا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ یعنی خدا تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرتے رہنا۔ اسی طرح اگر اور کسی کے لیے ذکر کے ترک میں کوئی عذر قابل لحاظ ہوتا تو غازی ومجاہد کے لیے اس کی اجازت ہوتی۔ مگر ان کے لیے بھی جنگ کی مشقت کے باوجود یوں حکم ہو رہا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ کہ اے ایمان والو! جب کافروں کے ساتھ جنگ کیا کرو تو پاؤں جمائے رکھو اور اللہ کا ذکر بہت کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ نیز قیامت کے دن ساری عبادتیں نماز روزہ وغیرہ موقوف ہو جائیں گی، کیونکہ عالم آخرت میں بندے مکلّف نہ ہوں گے۔ لیکن ذکر آخرت میں بھی زائل نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر جہاد اور صدقات اور خیرات سب سے افضل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ ہر نیک عمل کا بدلہ نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا خیرات، حج ہو یا زکوٰۃ، تبلیغ ہو یا جہاد، مولیٰ کریم کی طرف سے مستحق اجر وثواب ضرور ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ برابر کا جواب ملے۔ مثلاً ہم اگر نماز پڑھتے ہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ مولیٰ کریم بھی ہماری نماز پڑھیں۔ لیکن صرف یہی ایک ایسا عمل ہے کہ جیسا ہم کریں گے ویسا ہی اس کے بدلے میں مولیٰ کریم بھی اپنی رحمت سے جواب دیں گے۔ جیسا کہ فرمایا ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝ کہ یاد کرو تم مجھ کو، یاد کروں گا میں تم کو اور شکر کرو تم میرا اور نہ ناشکری کرو۔ اللہ اکبر! اگر مولیٰ کریم کو اخلاص سے ہم یاد کریں تو مولیٰ کریم اپنے فضل سے ہم کو یاد فرماتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا مہربانی اور عنایت ہو سکتی ہے۔ مولیٰ کریم کا یاد فرمانا ہی عین مقصود اور بھلانا عین گمراہی ہے۔ بمصداق فرمان مولیٰ کریم وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (پ۲۸۔ ر۶) اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے تئیں بھول گئے، یہ بدکردار لوگ ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ جنہوں نے مولیٰ کریم کی یاد کو بھلایا تو وہ رحمت اور وہ مہربانی جو فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کی بنا پر ہونی تھی اس سے محروم ہو کر مولیٰ کریم کے فضل اور مہربانی سے حجاب میں ہو کر بدکردار ہو گئے۔ تو اب ناظرین کو خدا کی یاد کی خوبی اور بھلا دینے کے عذاب سے اچھی طرح آگاہی ہو چکی ہوگی کہ خدا کی یاد ہی مقصود تک لے جانے کا راستہ اور خدا کی یاد سے غفلت ہی

سب برائیوں اور بدکرداریوں کی جڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اور اولیائے عظام اسی مقصود پر گامزن رہے، اور اسی پر عمل کرانے کے لیے سعی کرتے رہے، اور یہی صراط المستقیم ہے۔ دوسری جگہ مولیٰ کریم تمام اُمت محمدیہ کو آگاہ فرمانے کے لیے بڑے پُرزور الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کہ خبردار! خدا کی یاد ہی سے دل آرام پکڑتے ہیں۔ اگر دونوں جہان میں آرام کا نسخہ یا طریقہ ڈھونڈو تو سوائے خدا کی یاد کے نہ پاؤ گے، اور اطمینان قلب حاصل نہیں ہوگا جو انسان کا اعلیٰ ترین مقصود ہے۔ ان کے انعام میں مولیٰ کریم فرما رہے ہیں: يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (پ۳۰۔ سورۂ فجر) کہ "اے نفس مطمئنہ! (یعنی اے اطمینان پانے والی رُوح) اپنے پروردگار کی طرف چل، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا"۔ تو ثابت ہوا کہ چونکہ اطمینان سوائے خدا کی یاد کے حاصل نہیں ہوتا تو یہ صاحب جو خدا کے ممتاز بندے ہیں یہ اہل الذکر ہی ہیں۔ اور جس کو مولیٰ کریم میری جنت فرما رہے ہیں، یہ جنت فردوس ہی ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو فرمایا کرتے کہ جنت فردوس کے لیے بارگاہِ ایزد متعال میں التجا کیا کرو۔ یہ خاص جنت صرف دیدار الٰہی کا مقام ہے جو انہی لوگوں کا حصہ ہے۔ دیکھیے! مولیٰ کریم قرآن پاک میں انہی کو صاحب عقل شمار کرتے ہیں:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝	آنے جانے میں عقل والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ	کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے
عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور کرتے (اور
وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا	کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بیکار
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝	نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے (تو قیامت کے دن) ہمیں
(پ۴۔ ع۱۱)	دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھیو۔

تو ثابت ہوا کہ اصل میں صاحبِ عقل وہی لوگ ہیں جو اس ذات پاک کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں یاد کرتے

ہیں، اور ہر چیز کی تخلیق میں غور و تفکر کرنے والے اور اس کی حقیقت سے شناسا اہل الذکر ہی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اس کے برعکس جو خدا کی یاد نہیں کرتے، مولیٰ کریم کے نزدیک وہی اصل بے وقوف، گمراہ اور خدا تعالیٰ کے نشانات کی حقیقت سے اعمیٰ اور بے خبر ہیں۔

ذکر کے متعلق بے شمار احادیث مبارک مروی ہیں۔ ذیل میں ایک حدیث شریف درج کی جاتی ہے:

وعن ابی ذر قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الحدیث بطولہ الی ان قال قلت یا رسول اللہ اوصنی قال اوصیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ، قلت زدنی قال علیک بتلاوۃ القران وذکر اللہ عز وجل فانہ ذکر لک فی السماء ونور لک فی الارض۔ (مشکوۃ شریف، باب حفظ اللسان، فصل ثالث)

اور روایت ہے ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ داخل ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، پس ذکر کی حدیث دراز۔ یہاں تک کہ کہا ابو ذر نے کہ کہا میں نے یا رسول اللہ! نصیحت کرو مجھ کو، فرمایا کہ نصیحت کرتا ہوں میں تجھ کو ساتھ تقویٰ اللہ کے، اس لیے کہ تحقیق تقویٰ بہت زینت دینے والا ہے واسطے سب کاموں تیرے کے۔ کہا میں نے زیادہ کرو مجھے، فرمایا اپنے لازم ہے تجھ کو تلاوت قرآن پاک کی اور ذکر خدائے عز وجل کا، اس لیے کہ تحقیق تلاوت قرآن پاک کی اور ذکر اللہ تعالیٰ کا سبب ذکر کرنے کا ہے تجھ کو آسمان میں اور سبب نور کا ہے تیرے لیے زمین میں۔

امید ہے کہ اب قرآن پاک اور حدیث اقدس سے ناظرین کو ذکر کی خوبیوں سے آگاہی ہوگئی ہوگی۔ تمام دین و دنیا کی بھلائیاں اور خدا تعالیٰ کی مہربانیوں کا خزانہ اس ذات پاک کے ذکر میں پنہاں ہیں۔

میرے حضور رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی سید حسین شاہ صاحب نے ایک مرتبہ ایک سی حرفی نظم کی تو ی کا شعر ان سے نہ بن سکا۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے ان کے شعروں کے وزن کے مطابق ی کے یہ دو بند نظم فرمائے:

ی یاد دی ہئی ایہہ یاد رکھیں اییہ یاد ہنگی رحمان دی ئے
ایہو یاد کامل جے کر یاد ہووے لہے یاد نہ ہوش جہان دی ئے

سب یاد بھلا اس یاد کارن کارن یاد نہ لوڑ سامان دی ئے
ھُو تقاضائی دی یاد وسارنا ہیں بس یاد تھیں یاد سبحان دی ئے

جنہاں مت پائی سو یو مت والے ہوون متوالے مت والیاں دے ہی یاد والی مت مت بھلیں سخن یاد رکھیں مت والیاں دے

مت ماریاں وانگ مت مرتضائی مت لگ پچھے دنیا والیاں دے تارک ہو فانی باقی نال باقی، ایہ کم وڈے ہمت والیاں دے

۴۔ ربطِ دل دکھ پیر سے :۔ ربط کے معنی تعلق کے ہیں۔ یعنی وہ تعلق جو مرید کا پیر کے ساتھ ہوتا ہے یہ وہی تعلق ہے جس کے لیے کفار کے متعلق مولیٰ کریم قرآن پاک میں متنبہ فرما رہے ہیں کہ یا رسول اللہ!:

وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۝

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے، اگرچہ وہ بھی نہ دیکھتے ہوں

اس سے مراد یہ ہے کہ بعض آپ کے ظاہر کی طرف تو دیکھتے ہیں، لیکن آپ ایسے لوگوں کو کیا راہ دکھائیں گے جو حقیقتِ حضور سے اندھے ہیں۔ یہ وہی اعمیت ہے جس کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے: فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۔ یعنی ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ یعنی جن کو بصیرت قلبی ہی نہیں وہ حضورؐ کی حقیقت نور کو کیا دیکھ سکیں گے ؛ یہی وہ نور ہے جو مومنین کو اس تعلق کی بنا پر بصیرت قلبی سے دکھائی دیتا ہے۔ اسی نور سے پیر بھی منور ہوتا ہے اور تعلق کی رو سے بصیرت قلبی سے اپنے پیر کی طرف دیکھنے کو ہی ربطِ دل کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا۔ قسم کھاتا ہوں میں آفتاب کی کہ اپنے زمانے کے پیغمبر کے دل کی مانند ہے، اور قسم کھاتا ہوں میں اس کی روشنی کی کہ نبوت کے نور کی روشنی کی مانند ہے سب مخلوقات پر وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا۔ اور قسم کھاتا ہوں میں چاند کی کہ مرشد طریقے والے اور استاد تعلیم کرنے والے کی مانند ہے، اور پیغمبر کے قائم مقام ہے بعد پیغمبر کے یعنی بعد وصال ہونے پیغمبر کے، إِذَا تَلَاهَا جب پیچھے چلے اس کے یعنی ماہتاب آفتاب کے اور اس شرط کو یعنی پیروی کو اس واسطے لائے ہیں کہ مرشد کی حرمت مشروط ہے نور نبوت کی پیروی پر، اور کمال پیروی کے سبب سے اس کو خلافت کا منصب نصیب ہوا۔ اور ماہتاب کا پیروی کرنا آفتاب کا کئی وجہوں پر ہے۔"

تو حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی عبارت سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مانند آفتاب کے ہیں، اور نور نبوت کی کمال پیروی کرنے والا پیر طریقت مانند قمر کے ہے۔ ایسے پیر طریقت کی پیروی متبعین کے لیے

مطابق الشیخ فی قومہٖ کالنبی فی امتہٖ فرض اولین اور اس کے قلب کی طرف اپنا ربط قائم کرنا ہی موجب ہدایت و رحمت ہے۔ جیسا کہ تفسیر عزیزی میں شاہ صاحب اسی سورۃ کی تفسیر میں ایک جگہ لائے ہیں: النظر علیٰ وجہ علی عبادۃ یعنی دیکھنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے منہ کی طرف عبادت ہے۔ سو اس وقت میں وجودِ شریف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثل وجود شریف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھا۔ اس واسطے کہ اس وقت میں تشنگان اُمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی چشمۂ خاص سے سیراب ہوتے تھے اور ہر حاجت ظاہری اور باطنی کو اس وقت میں بہ سبب تمام ہونے جمع صفات کمال بشری کے وہ ذات مبارک کفایت کرتے تھے۔ چنانچہ منبہات ابن حجر کی حدیث شریف جو پہلے گزر چکی ہے، اس کے ایک حصے کا ترجمہ یہ ہے کہ کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے:

"پسند ہیں مجھ کو دنیا کی تین چیزیں۔ (۱) دیکھنا طرف منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (۲) اور خرچ کرنا مال اپنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (۳) اور میری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بی بی رہے۔"

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ کی طرف دیکھنے سے اسی آفتاب حقیقت اور سراجاً منیرا کے نور کی طرف دیکھنا مراد ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے منہ کی طرف دیکھنا عبادت سے مراد بھی حقیقت نبوی سے مستفیض ہونے کی بنا پر ہی تھا۔ اور اسی صورت میں اتباع نبوت والے پیر کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ کیونکہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ سلسلہ سینہ بسینہ بفضلہٖ تعالیٰ ہوتا آیا ہے اور قیامت تک ہوتا چلا جائے گا۔ کوئی زمانہ بھی اس سے نہ خالی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ تو حضور کے فرمان مبارک سے مراد یہی ہے کہ ایسے اولیاء اللہ کے نورِ حقیقت کی طرف ربطِ دل رکھ کر اپنے خطرات دل کو دور کر کے اس سہارے پر چل کر منزل مقصود پر پہنچنے میں نہایت آسانی ہو گی۔

۵۔ کھود سے خطر سے مراد یہ ہے کہ جس وقت مبتدی طریقت میں داخل ہوتا ہے، اور اس کا رجوع مولیٰ کریم کی طرف ہوتا ہے تو شروع ہی میں خدا کے فضل و کرم سے اس کی طبیعت میں احساس پیدا ہونے لگتا ہے اور اس کو بھلائی اور برائی کی تھوڑی بہت تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے چونکہ اس طرف سے بالکل بے بہرہ تھا اور اسے احساس تک نہ تھا، اس لیے جب خدا کا فضل شامل حال ہوتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ

میری نماز بغیر خیال کے ہو۔ میں نے بارہا کئی احباب کو دیکھا کہ جب تعلق پیدا ہونے کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کو یہی شکایت ہوتی کہ جناب! مجھے نماز میں بہت خیال آتے ہیں۔ چونکہ وہ کسی وقت ایسی نماز ادا کرتا ہے اور اس لذت سے آشنا ہوتا ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ یہ لذت مجھے ہر وقت نصیب ہو، چنانچہ وہ اس کوشش میں ہوتا ہے کہ میری نماز بلکہ میرا ہر وقت کا حال بے خیال ہو۔ اس وقت وہ نفس امارہ سے نفس لوامہ کی حالت میں منتقل ہوتا ہے اور اسی میں مجاہد ہوتا ہے۔ تو جب متعلقین میرے حضور کی خدمت میں خیالات کی کثرت کی شکایت کرتے تو حضور فرمایا کرتے کہ میاں! کھانے پر مکھی ضرور آتی ہے لیکن کھانا کوئی نہیں، اس کو اڑا دیا جاتا ہے۔" ایسے حال میں نفس اور شیطان جو قدیمی دشمنوں میں سے ہیں ان کو بھی نامطابقت دیکھ کر فکر دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں یہ شکار ہمارے قبضے سے نکل کر راہ راست پر نہ آجائے۔ چونکہ یہ ہمارا پیرو تھا، اور مدت مدید سے ہمارا ہم صحبت تھا، ہمارے ہاتھوں سے جا رہا ہے۔ تو مطابق فرمان:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ	(اور دیکھنا) شیطان کا کہنا نہ ماننا (وہ) تمہیں تنگدستی کا
بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً	خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور
مِّنْہُ وَفَضْلًاؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔	خدا تم سے بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے، اور خدا
(پ ۳ - ع ۵)	بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تنگدستی کا خوف اور خطرہ طبیعت میں ڈالتا ہے کہ نمازیں پڑھنے، نیکی کے کاموں میں حصہ لینے اور اللہ کے بندوں کی خدمت میں جانے سے تمہارا وقت ضائع ہوگا اور تم کو رزق کی تنگی ہو جائے گی۔ ایسے خطرات دل میں ڈال کر اس آدمی کے رجوع الی اللہ کو ہٹانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ بعض تو اس کشمکش اور امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں، اور بعض جو خلوص درست اور اتقار صحیح ہونے کی وجہ سے پوری استقامت رکھتے ہیں، وہ (مطابق وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ) شیطان کے فریب سے بچ نکلتے ہیں۔ تو ہمارے حضور کے فرمان مبارک "کھودے خطر" سے مراد ان خطرات کو نکال کر دل کا رجوع مولیٰ کریم کی طرف کرنا ہے۔ تاکہ مولیٰ کریم کی طرف سے بخشش اور رحمت کا جو وعدہ فرمایا گیا ہے اس کے قابل ہو جائے جب یہ ان شیطانی خطرات سے بے پرواہ ہو کر اپنے رجوع میں استقامت رکھنے سے اس آزمائش

میں پاس ہو جاتا ہے تو مولی کریم اس پر فضل اور رحمت کے دروازے کھول کر اپنے وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ہونے کی بنا پر مغفرت اور فضل سے مالا مال فرما دیتے ہیں۔

۶- رہ جدا لوگوں سے: تو اس سے مراد صحبتِ بد سے بچنے کے ہیں۔ ورنہ خدا کے نیک بندوں کی صحبت سے تو بے حد فائدہ پہنچتا ہے۔ جس کے لیے کسی اللہ کے بندے نے فرمایا ہے ؎

غنیمت جان رَل مِل بیٹھنے کو   جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

چونکہ یہاں صحبت بد کی وضاحت مطلوب ہے اس لیے عاجز اسی طرف لوٹتا ہے۔ فرمان مولیٰ کریم ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پ - ۱۴)	اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اسی آیت مبارک کے مطابق ایک حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو:

وعن عمران ابن حطان قال اتیت ابا ذر فوجدته فی المسجد محتلسا بکساء اسود وحده فقلت یا ابا ذر ما هذه الوحدة فقال سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول الوحدة خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدة۔	روایت ہے عمران بن حطان سے کہ کہا عمران نے آیا میں ابوذر کے پاس پس پایا میں نے اس کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ایک کملی سیاہ سے تنہا بیٹھے ہوئے۔ پس کہا میں نے اے ابوذر! کیا ہے یہ تنہائی؟ پس کہا ابوذر نے کہ سنا میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے تنہا بیٹھنا بہتر ہے صحبت بد سے، اور بیٹھنا ساتھ ہمنشین نیک کے بہتر ہے تنہا بیٹھنے سے

قرآن پاک اور حدیث شریف کے مطالعہ سے ناظرین پر عیاں ہو چکا ہے کہ ہر حال میں صحبت بد یعنی خدا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نافرمانوں سے دور رہنا اور ان کی صحبت سے بچنا نہایت ضروری ہے، ورنہ

تباہی کا باعث ہے۔ مولیٰ کریم نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ جس صحبت میں بیٹھے، طبیعت بلاارادہ اثر پذیر ہوتی ہے۔ یہی اس کی ترقی کرنے کی طاقت ہے اور یہی تباہی کا باعث۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک آدمی گلاب کے پھولوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھا ہے۔ خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے، خوشبو کا آنا ضروری ہے۔ اور اگر پاخانہ کے ڈھیر کے نزدیک خواہ کتنا ہی عطر سے معطّر ہو کر اور اس کی بدبو سے بیزار ہو کر بیٹھے تو بھی بدبو اس کو ضرور ہی آئے گی۔ یہی حال صحبت بد اور نیک کا ہے۔ خواہ وہ بیزار ہو یا خوش، جس صحبت میں بیٹھے گا بہرصورت اس سے ضرور پذیر ہوگا۔ جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

پسرِ نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحاب کہف روزے چند پئے مرداں گرفت مردم شد

یعنی بُروں کی صحبت میں بیٹھنے سے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیٹا کافر ہو کر لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ کے فرمان کے تحت میں آگیا اور اصحاب کہف کا کتا مردوں کی اتباع سے آدمی ہو گیا۔ تو غرض یہ ہے کہ طریقت میں بُری صحبت سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ جو چیز اس کو بندگان خدا کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے طبیعت لطیف ہونے کے باعث بُری صحبت میں بیٹھنے سے خواہ مخواہ وہ اثر زائل ہو کر باعث خسران ہو جاتا ہے۔ بمصداق ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند
یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ جو کہ چوتھی صدی ہجری میں گزرے ہیں اپنی تصنیف، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ آج کل دنیا والوں کا عجیب حال ہے۔ چاہ کو مینارہ اور مینارے کو چاہ سمجھ رہے ہیں۔ آج چودھویں صدی میں جبکہ ہزار سال اس کے بعد بھی گزر چکے ہیں، اسلام صرف نام کا باقی رہ گیا ہے۔ میرے حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے "مسلمانی در کتاب و مسلماناں در گور" والی بات بن چکی ہے۔ مسلمان اسلام سے اس قدر دور اور بیگانے ہو چکے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے صحابہ کرام میں سے کوئی صاحب اس وقت زندہ ہو کر آجائیں تو آج کل کے مسلمانوں کو دیکھ کر کافر کہیں اور یہ انہیں مجنون"۔ پھر اس وقت میں اہل دنیا کے ساتھ ذکر

اپنے اسلام اور ایمان کو بچائے رکھنا اور اس پر کسی قسم کی آنچ نہ آنے دینا قطعاً محال ہے۔ کسی صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہٖ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اخیر زمانہ آئے گا تو اندھا اندھیر پڑ جائے گا اور بھیڑ بکریوں کا چرانے والا یا لوگوں سے الگ تھلگ کسی پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والا ایمان سلامت لے جائے گا

۷۔ **تھوڑا کھانا طعام:** فرمان مولیٰ کریم ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ کیونکہ مولیٰ کریم دوسری جگہ فرماتے ہیں اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ۔ تو کھانا اور پینا اس لیے ہے کہ زندگی اور صحت کو قائم رکھے۔ زیادہ کھانا حکمت کے لحاظ سے بھی بہت برا ہے اور صحت کے سخت خلاف۔ زیادہ کھانے والا چارپایوں کی طرح ہے۔ اور لَا تُسْرِفُوْا کا فرمان زیادہ کھانے والوں پر بالکل درست واقعہ ہوتا ہے۔ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ کے مطابق زیادہ کھانا موجب ناراضگی مولیٰ کریم بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس نے جو زیادہ کھایا وہ اس کا دوسرا بھائی کھاتا اور نیکی اور دین و دنیا کی بھلائی کا باعث ہوتا۔ پہلے تو اس نے اپنی صحت پر برا اثر ڈال کر گناہ حاصل کیا، دوسرے اس نیکی سے جو دوسرے کو کھلا کر حاصل ہونی تھی، اس سے محروم رہا۔ زیادہ کھانا اصل مقصود (جو ذکر مولیٰ کریم ہے) کے بیے بھی باعث حجاب ہے۔

میرے حضور اکثر فرمایا کرتے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ بھوک لگانے پر متعین ہوتا ہے اور ایک سیر ہونے پر بند کرانے والا۔ تو جب انسان پورا جتنا کہ چاہیے کھا لیتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ اب کھانا ختم کر دینا چاہیے۔ خدا کے نیک بندے تو اس پہلے اشارہ پر ہی بند کر دیتے ہیں، لیکن تن پرور اور حریص آدمی کھائے جاتے ہیں۔ پھر شکم پُری پر وہ فرشتہ دوسری دفعہ بند کرنے کو کہتا ہے۔ اگر دوسری بار بھی بند نہ ہو تو وہ ناراض ہو کر کہتا ہے کہ کھائے جاؤ۔ تو ایسے آدمی مانند چارپایوں کے ہوتے ہیں جو بلا تحاشا کھائے جاتے ہیں۔

احیاء العلوم میں امام غزالی قدس سرہٗ نے ایک حدیث شریف بیان فرمائی ہے کہ فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاھدوا انفسکم بالجوع والعطش فان الاجر فی ذلک کاجر المجاھد فی سبیل اللہ وانہ لیس من عمل احب الی اللہ من جوع وعطش۔ یعنی جہاد کرو اپنے نفسوں سے بھوک اور پیاس

سے کہ ثواب اس میں ایسا ہے جیسے جہاد کرنے والے کا خدا کی راہ میں۔ اور کوئی عمل خدا کے نزدیک زیادہ محبوب بھوک اور پیاس سے نہیں"۔ اس حدیث شریف سے ناظرین کو تھوڑا طعام کھانے کی اہمیت کا اندازہ خوب ہو چکا ہو گا۔ جو عمل مولیٰ کریم کے نزدیک اتنا محبوب ہو کہ جہاد کے برابر ثواب رکھتا ہو جو کہ اعلیٰ ترین عبادتوں میں سے ہے، تو آپ اپنے ضمیر میں اندازہ لگانا چاہیے کہ یہ چیز کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ کسی خدا کے بندے نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

عمر خوش در قرب جاناں بودن ست عمر زاغ بہر سرگیں خوردن ست

چوں خوری یک بار زیں ماکول نور خاک ریزی بر سر نان تنور

بھوک تمام ظاہری اور باطنی بیماریوں کی دوا ہے، اور حاجت سے زیادہ کھانا تمام بیماریوں کا باعث ہے۔ کلیات قانون میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو بھوک کے برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو اسے دو روز میں تین دفعہ سے زیادہ کھانا نہ چاہیے"۔ ایک خدا کے بندے نے فرمایا ہے کہ اتنا کھانا فرض ہے کہ جس سے آدمی ہلاک نہ ہو، اور اتنا مستحب ہے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور روزہ رکھ سکے۔ اور اس قدر سیر ہو کر کھانا مباح ہے جس سے عبادت کی طاقت پیدا ہو۔ اور سیری کی حد سے زیادہ کھانا حرام ہے۔ ہاں اگر مہمان یا دوسرے دن کے روزہ کی خاطر سے کھایا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اگر سیری کی حد سے زیادہ کھائے اور اسے حلال سمجھے تو کافر ہے۔

۸۔ اعتراض چھوڑ:۔ اعتراض کے معنی ہیں کسی کے کام یا کلام میں عیب ظاہر کرنا جس میں سوائے دوسرے کی تحقیر اور اپنی تفضیل کے اور کوئی مطلب نہ ہو۔

فرمان مولیٰ کریم ہے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو۔ تو اگر کسی میں واقعی خلاف اللہ و خلاف رسول کوئی حرکت دیکھے تو مطابق اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ کے ایسے طریقہ سے سمجھائے جس میں اس کی تذلیل نہ ہو۔ اور اگر مقصود ہی دوسرے کی تحقیر اور اپنی تفضیل ہو تو یہ شیطانی فعل ہے۔ جیسا کہ مولیٰ کریم نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے شیطان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے جواب دیا تھا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ یعنی میں اس سے بہتر ہوں۔ اور ساتھ ہی اس اعتراض کا ثبوت پیش کر دیا

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۔ کہ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے۔ تو شیطان نے جو آدم علیہ السلام پر اپنی تفضیل ظاہر کی، مولیٰ کریم نے اس کے جواب میں اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ کا فرمان صادر فرما کر ہمیشہ کے لیے اسے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا۔ تو اب جو شخص اس فعل کا مرتکب ہوگا۔ حقیقت میں وہ شیطان کی مطابقت کر کے اسی صلہ کا حق دار ٹھیرے گا۔ اور مولیٰ کریم کا فرمان مبارک ہے کہ لوگوں کے ساتھ نیک بات کرو۔ تو اعتراض کی صورت میں نیک بات ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس آیت شریف پر عمل بالکل مشکل بلکہ مخالفت کی صورت پیدا ہو کر عذاب کا مستحق ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر خدا کی مخلوق میں سے کوئی تم کو سلام کرے تو اس کے جواب میں تم بھی اسے سلام کرو اگرچہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ۔ اور جب تم کو کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو۔ اور مجھ کو تو اگر فرعون بھی اچھا کلمہ کہے تو اس کا ویسا ہی جواب دوں (احیاء العلوم)

دوسری جگہ مولیٰ کریم نے ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ فرمایا ہے۔ تو ہم متبعین حضور کو آپ کی ہر ادائے پاک کی اطاعت اور اتباع لازم ہے۔ نسبت حضور سے ہمیں اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جو ہمارے لیے اصل مقصود کا باعث ہے۔ اور اگر تھوڑی سی بھی مخالفت ہو جائے تو ضروری ہے کہ شیطان کی مطابقت ہو کر اصل مقصود سے محرومی کا باعث ہو، اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو۔ تو ایسے وقت میں جبکہ شیطان اور نفس ہر وقت ہماری تاک میں کمر بستہ ہیں کہ کہیں اس کا رجوع تھوڑا سا بھی اتباع حضور سے پھسلے اور اس کو قابو کیا جائے۔ تو ہمیں ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ اگر صرف اس ایک صفت پر ہی ہم کاربند رہیں تو پہلی سات چیزیں جن کے متعلق کم و بیش عرض کیا جا چکا ہے ان کا عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ ہوشیار رہنا چاہیے اور شیطان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اپنے آپ کو اصل مقصود کی طرف گامزن رہنے کے لیے اس سراج منیرا کی روشنی کے سہارے سے چل کر فضلاً کبیرا سے محظوظ ہو کر اپنے مقصود کی طرف کوشاں رہنا چاہیے۔ تاکہ اس بے وفا دنیا کے پنجہ میں پھنس کر کہیں اصل مقصود میں خرابی نہ ڈال لے کیونکہ صبح جس کو نوازتی ہے شام کو گرا دیتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ احیاء العلوم میں حدیث شریف نقل فرماتے ہیں لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَ لَا تُمَازِحْهُ ..... وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتَخْلُفَهُ ۔ یعنی اپنے بھائی کی بات مت کاٹ، اور نہ اس سے ٹھٹھہ کر، اور نہ ایسا وعدہ اس سے کر جس کا تو خلاف کرے۔

تو فرمان مولیٰ کریم اور حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صاف عیاں ہو گیا کہ اعتراض کرنا یعنی دوسرے بھائی کی تحقیر و تذلیل کرنا کس قدر برا کام ہے۔ اس سے بچ کر ہی صراط المستقیم پر چلا جا سکتا ہے ورنہ خرابی کا باعث ہے ۔

مجذوبوں کے واقعات

حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ "شرق پور شریف میں دوسرے فقراء کے علاوہ تنتیس صرف عربی حضرات سے جو صاحب جذب تھے، ملاقات ہوئی۔ کئی صاحب ایک دن ٹھیرے، کئی ایک گھنٹہ۔ اور کئی صاحب ایسے تھے جو صرف میرے ساتھ تھوڑی سی گفتگو کر کے حضرت اعلیٰ کی ملاقات کیے بغیر تشریف لے گئے۔"

حقیقت یہ تھی کہ سبھی حضرات نسبت نبوی کے خلاف آپ کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کے لیے تشریف لاتے، لیکن ہمارے حضور جو کہ سراجاً منیرا کے نور سے منور ہو کر نسبت نبوی سے محظوظ تھے، کب ان کے قابو میں آنے والے تھے؟ ہم متعلقین کے لیے خاص طور پر یہ سبق ہے کہ نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا خواہ کوئی کتنا سر دو کھائے اور خواہ کتنے اعلیٰ ترین کمالات دکھائے، اگر تھوڑا بہت بھی سنت حضور اکرم کے خلاف ہو تو اس کے نزدیک نہ پھٹکنا چاہیے۔ میرے حضور فرمایا کرتے کہ ہاتھی کتنا بڑا ہے لیکن حرام ہے، اور بکری چھوٹی سی ہے مگر حلال ہے۔ قیاس بریں وہ نسبت جو سنت حضور کے خلاف ہو، خواہ اس نسبت والے کتنے ہی صاحب کمال نظر آئیں، ان سے بچنا فرض اولین سمجھے اور وہ صاحب جو سنت کے مطابق حال رکھتا ہو، خواہ تھوڑا ہی صاحب حال ہو وہ اکسیر احمر کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن نسبت کا علم بہت ہی مشکل ہے اس لیے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ تمام متعلقین کو سوائے اپنے شیخ کے دروازہ کے دوسری طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہاں جو کوئی

نسبت حضور سے مالا مال ہو اس کے پاس حاضری کا کوئی حرج نہیں۔ لیکن جو اس کی طرف سے فیض ہو اس کو اپنے شیخ ہی کے طفیل جانے، ورنہ خرابی ہی خرابی ہے۔ لیکن وہ نسبت جو خلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو اس سے ہر طرح بچنا عین دین ہے۔ ورنہ دونوں جہان میں رسوائی کا باعث ہے۔ بمصداق فرمان مولیٰ کریم:

یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ وَیَقُوْلُ	اور جس دن ظالم (شخص) اپنے ہاتھ کاٹے گا (اور)
یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ٥	کہے گا کہ اے کاش میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ
یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ٥	اختیار کیا ہوتا۔ اے شامت، کاش میں نے فلاں شخص
لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ	کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ٥	کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا، اور شیطان انسان
(پ ۱۹ - س ۱)	کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔

فرمان مولیٰ کریم خاص طور پر اس موقع پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور یہاں ذکر بھی خاص طور پر خلاف سنت نسبت والوں کا ہے۔ اس دن جبکہ ہر ایک شخص کو اپنی حالت اور اپنی نسبت کی حقیقت عیاں ہو جائیگی تو ظالم تاسف کی وجہ سے اپنے ہاتھ کاٹے گا کہ افسوس! میں نے معیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ کیوں نہ اختیار کیا۔ ظلم کی تعریف ہے بے محل تصرف۔ تو وہ طاقت اور وہ ہمت جس سے خلاف سنت نسبت کا حصول کیا تھا، اس ہمت اور اس طاقت کو راستہ پر لگا کر مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا کے مطابق معیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والا راستہ اختیار کر کے سراجاً منیرا کے نور سے منور ہو کر فَضْلًا کَبِیْرًا سے محظوظ ہوتا۔ چونکہ اس نے اس شخص کو دوست بنایا اور اس شخص کی اتباع کی جسے معیت اور نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہ تھی اور باوجود نصیحت کے آنے اور حقیقت کے جاننے کے شیطانی تصرفات کے ظاہری فریب میں پھنس گیا۔ تو جب حقیقت مجسم ہو کر سامنے آجائے گی تو کف حسرت مل کر رہ جائے گا۔

برادران طریقت! یہ مقام خوف ہے، اور خصوصاً صاحبان طریقت اور نسبت والوں کے لیے خطرِ عظیم ہے۔ کیونکہ دوسروں کے لیے وہ یہ ہتھیار استعمال نہیں کرتا۔ نیکوکاروں اور سعید طبیعتوں کو نیکی ہی کی طرف سے دغا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ مثال کے

طور پر پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا صاحب نسبت کو ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "من آں خدائے را پرستادم کہ رب محمدؐ است" تو اس سے مراد وہ تعلق ہے جو مولیٰ کریم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ کیونکہ مولیٰ کریم رب العٰلمین ہیں ان کا تعلق ہر ایک کے ساتھ اس کے حال کے مطابق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبوبیت ۔۔۔۔ اور سراجاً منیرا کا تعلق ہے۔ خدا کرے کہ ہمارا تعلق اور نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور ان کے طفیل اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ہو جن کی وجہ سے ہم نے اس نسبت نبوی کو حاصل کیا۔

ہر حال میں اپنے رابطہ شیخ کو مضبوط پکڑتے ہوئے اپنے عزیز خیال کو حضور رحمۃ للعالمین کی طرف لگا کر ڈرتے کانپتے وقت پورا کرنا چاہیے کہ موت نزدیک آ رہی ہے۔ کہیں اپنی نسبت کو خراب کر کے اس دن اپنے بازوؤں کو کاٹ کر افسوس نہ کرنا پڑے۔ خدا کرے کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ کے حضور میں باعزت پیش ہو کر شرمساری سے بچ جائیں۔ جہان میں ہر دو نسبتیں جاری ہیں اور تا قیامت جاری و ساری رہیں گی۔ مطابقت کی وجہ سے جس کے ساتھ جو کوئی الحاق چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ نسبت نبوی کے رہنما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور مخالف نسبت کا رہنما شیطان لعین۔ ہر زمانہ میں ہر دو نسبتوں کے ہادی و پیشوا ہوتے آئے اور ہوتے جائیں گے۔ اور ہر ایک کا یہی خیال ہوتا ہے کہ میری جماعت زیادہ ہو۔ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کے مطابق جس جماعت میں ہوتا ہے اسی میں شاداں و فرحاں ہوتا ہے۔

نواب الدین جوکالوی کا واقعہ

ہمارا ایک بیلی نواب الدین نامی جو موضع جوکالیاں ضلع گجرات کا رہنے والا ہے، اس نے اپنا ایک واقعہ مجھے سنایا کہ جب میں گوجرانوالہ میں مولوی بشیر حسین صاحب کے پاس تعلیم حاصل کیا کرتا تھا، ان دنوں مولوی صاحب جمعہ شریف کی نماز قبرستان والی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔ میں ایک دوکان سے ہر جمعہ شریف کو کرایہ پر سائبان لاتا۔ اس دوکان پر رات کو ایک مجذوب صاحب تشریف فرما ہوتے اور میں بھی ان کی کچھ خدمت کیا کرتا۔ ایک رات خواب میں میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجذوب صاحب مجھے اپنے زمرہ میں داخل کرنے

کی کوشش کرتے ہیں۔ اتنے میں ہمارے حضور بھی وہاں پہنچ گئے اور آپ نے فرمایا کہ سائیں صاحب! یہ ہمارا بچہ ہے، آپ اس کو مت چھیڑیں ——— ایک دن پھر وہ مجذوب صاحب مجھے ملے تو کہنے لگے کہ بھائی تمہارے پیرومرشد ہم سے طاقتور ہیں، وہ تم کو ہمارے زمرہ میں داخل نہیں ہونے دیتے۔

اللہ اکبر! حضور کو متعلقین کی حفاظت کا کس قدر پاس ہے، اور اُدھر مخالف کس قدر زور مارتے ہیں۔ یہ نہایت پرخطر مقام ہے۔ ہر حال میں ہر وجہ پر خیال سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضروری ہے، اور اپنے پیرومرشد سے ربط۔ ورنہ دشمن ہر وقت گھات میں ہیں اور موقع ملنے پر کسی طرح سے بھی کمی نہیں کرتے

غلام رسول جوکالوی کا واقعہ

غلام رسول نامی زمیندار جوکالیاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ہمارے گاؤں کے نزدیک ایک موضع کوٹ فتح دین ہے، وہاں ایک ہندوستانی مجذوب فقیر رہتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ تم میرے پاس ہی رہا کرو، روٹی وغیرہ کا فکر نہ کرو، مل جایا کرے گی۔ میں نے کہا کہ حضرت کیلیانوالہ میں ہمارے حضور کے پاس تشریف لے جا کر ان سے اجازت حاصل کر لو۔ اگر آپ نے اجازت دے دی تو میں تمہارے پاس ہی رہا کروں گا۔ تو وہ مجذوب صاحب کہنے لگے کہ ان کے پاس تو میں نہیں جاؤں گا، وہ ننگوں کو مارتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جناب! پھر ہمارا بھی آپ کو سلام ہے۔ اس دن کے بعد وہ فقیر صاحب ناراض ہو گئے۔

برادران طریقت کے لیے مثال کے طور پر یہ دونوں واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔ لہٰذا ان واقعات سے سبق حاصل کر کے خلاف نسبت سے بہرحال بچنا لازم ہے۔

سائیں شہاب الدین صاحب سے ملاقات

ایک دفعہ حضور موضع بھوہن کلاں (تحصیل حافظ آباد) میں بہ کرم شاہ صاحب کے پاس تشریف لے گئے حضور فرمایا کرتے کہ موضع بھوہن میں میری طبیعت نہیں لگتی تھی۔ برادرم سراج دین اور کرم شاہ صاحب نے عرض کیا کہ یہاں ایک سائیں شہاب الدین صاحب مجذوب رہتے ہیں، آپ ان کو دیکھیں تو سہی۔ چنانچہ حضور ان دونو

کے ہمراہ سائیں صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔

سائیں صاحب اچھے خاصے عالم اور اس حال سے پہلے کہیں امام مسجد تھے۔ اب اپنی چارپائی اور سامان سر پر اُٹھائے پھرتے اور جس جگہ بیٹھتے اپنے گرد حصار کھینچ لیتے۔

جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اس وقت ان کے پاس ایک اور آدمی بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے کہ "دیکھو جی! سارا قرآن شریف ختم کر کے دعا مانگتے ہیں وار زقنی دیہہ روٹی ماجھلت ماں میری جاہل لتی"۔ حضور نے ان باتوں کو سن کر فرمایا کہ روٹی گندم کی بھی ہوتی ہے، مکی کی بھی اور باجرے کی بھی، آپ کی ان باتوں سے کونسی روٹی مراد ہے"؟ اس وقت سائیں صاحب کو کچھ احساس ہوا اور فرمانے لگے کہ آپ تو کہیں سے "داتری واہڈواں" عشق پڑھ کے آئے ہیں۔ چنانچہ مجلس کا رنگ بدل گیا اور سائیں صاحب آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس خیال سے کہ حضور کو اپنی طرف کھینچا جائے آپ سے گفتگو شروع کی۔ چنانچہ حضور کو فرمایا کہ میں تُو اور تُو میں کر کے بات ہو گی۔ یعنی جس وقت میں کہوں تو حضور کی بات ہو گی اور جب تو کہا تو اپنی بات کروں گا۔ اس کے بعد کہا کہ آج ہم تمہارے مہمان ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ سائیں صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا مظہر العجائب والغرائب کو پکارنا شروع کیا "ماں بل شیر خدا، ماں بل مرتضیٰ، مدد مداح کرنی پر شام ڈیلے کرنی"۔ سائیں صاحب کا اصل مطلب حضور کو توجہ دے کر اپنے زمرہ میں لانے کا تھا۔ چنانچہ جب نماز کا وقت ہوا تو سید کرم شاہ صاحب اور بھائی سراج الدین صاحب نے کہا کہ چلیے جناب! نماز ادا کریں۔ تو سائیں صاحب بولے کہ پڑھا سکتے ہو تو پڑھا لو۔ حضور نے فرمایا نہیں صاحب! آپ ہی پڑھائیں۔ حضور فرماتے مجھے اس وقت خیال آیا کہ اگر عین نماز کے وقت میں رفع حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو بھی نماز کو ذرا دیر ہو ہی جاتی ہے لہٰذا سائیں صاحب کو توجہ دے لینا چاہیے۔ چنانچہ برادرم سراج الدین صاحب اور کرم شاہ صاحب تو نماز کے لیے چلے گئے اور حضور وہیں بیٹھے رہے۔ عین نماز کے وقت کے قریب سائیں صاحب نے فرمایا کہ جاؤ نماز ادا کر آؤ۔ حضور فرماتے کہ میں جلدی سے وضو کر کے پہلی رکعت جماعت میں شریک ہو گیا۔

رات بھی سائیں صاحب کے پاس بسر کی۔ سائیں صاحب کو کچھ ناز تھا کہ توجہ سے بے ہوش کر دیں گے لیکن ان کو یہ علم نہ تھا کہ یہ شہباز طریقت ہیں، میرے قابو میں آنے والے نہیں۔ صبح کو کچھ حیران سے ہو گئے اور فرمانے

لگے کہ ہمارے پاس تو اتنا ہی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ پھر ہمارا بھی سلام ہے۔

اس واقعہ کے بعد پھر ایک دفعہ حضور موضع بھوہن میں تشریف لے گئے تو سائیں صاحب بھی کہیں سے آ نکلے اور کرم شاہ صاحب کے مکان کے نزدیک آ کر کسی سے کہا کہ شاہ صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں انہوں نے بلایا ہے تو حاضر ہو گیا ہوں۔ کسی نے کہا کہ وہ تو آپ کو نہیں ملنا چاہتے اور فرماتے ہیں کہ سائیں صاحب اگر نماز پڑھیں تو ملاقات کر سکتا ہوں، ورنہ نہیں۔ یہ سن کر سائیں صاحب اسی وقت اُٹھے اور نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ چند لمحے مغرب کی طرف رُخ کیے رہے، پھر جنوب کی طرف، پھر مشرق اور پھر شمال کی طرف، اس کے بعد آسمان کی جانب ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ اب تو ملیں گے کہ نہیں؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ نہیں۔ یہ سن کر چلے گئے۔ اس کے بعد بھی حضور کئی مرتبہ بھوہن تشریف لے گئے لیکن سائیں صاحب کو نہ ملے۔

سید غضنفر علی شاہ صاحب اہل رموز سے ملاقات

لاہور میں شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سید غضنفر علی شاہ صاحب کا مقام تھا جو کہ اعلیٰ زین اہل رموز میں سے تھے۔ ہمارے حضور ایک دفعہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ شاہ صاحب بہت اچھی طرح سے پیش آئے۔ حضور فرماتے کہ چار آدمی ان کے پاس نوکر تھے جو ہر وقت ان کو مالش کرتے رہتے تھے۔ دَورانِ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے پاس اقبال ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر علامہ اقبال ان کے مرید تھے۔

حضور فرماتے، دوسری دفعہ جب ملاقات ہوئی تو توجہ کے متعلق بات چیت شروع ہوئی۔ غضنفر علی شاہ صاحب فرمانے لگے کہ فلاں آدمی ہمارے پاس باشریعت آیا لیکن اس کو کوئی ہوش نہ رہا۔ وزیر آباد کے ایک مولوی صاحب آئے تو استرا ساتھ لے آئے اور کہا کہ لو جناب! میری ڈاڑھی مونڈ دو۔ کئی ایک اس طرح کے واقعات سنائے۔ حضور فرماتے مجھے خیال آیا کہ شاہ صاحب مجھے توجہ دیں تو انہوں نے اپنے مشرب کے مطابق جو کچھ توجہ دے سکتے تھے دی، لیکن ہوش و حواس کچھ خراب نہ ہوئے۔ خیر انہوں نے اجازت دے دی اور میں صوفی عبد الرحمٰن صاحب گھڑی ساز کے ہاں آ ٹھیرا۔ صرف اتنا محسوس ہوا کہ عشاء کے بعد سونے تک عشق و محبت کے اشعار پڑھتا رہا۔ صبح کو طبیعت اپنے حال پر تھی۔

صبح پھر شاہ صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے تو شاہ صاحب آپ کو دیکھ کر کچھ تعجب میں ہوئے، اور فرمانے لگے کہ ہم نے کچھ آپ سے کہنا ہے۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر بادشاہ ہیں تو آپ وزیر ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرتے رہے، اور فرمانے لگے کہ مجھ پر ایک حال ہوتا ہے، اس وقت میں کسی کو پہچانتا نہیں۔ چنانچہ ایک دن پھر حضور وہاں تشریف لے گئے تو ان پر حالت جذب طاری تھی۔ دیکھ کر فرمانے لگے کہ اندر جا بیٹھو، آپ کو پہچان تو لیا ہے لیکن گفتگو کرنے کے قابل نہیں۔

ایمن آباد کے ایک خوشنویس صاحب بھی ان کے پاس تھے، جو ان کی نسبت میں پوری طرح مستغرق تھے چنانچہ اس واقعہ کے کئی سال بعد جب عاجز بھی آپ کے ہمراہ تھا، حضور شرق پور شریف سے واپس تشریف لاتے ہوئے داتا گنج بخش قدس سرہٗ ٹھیرے تو غضنفر علی شاہ صاحب کے وہ خوشنویس مرید بھی داتا صاحب تشریف فرما تھے۔ حضور سے ملے۔ شکل و صورت سے باشریعت معلوم ہوتے تھے اور نماز بھی ادا کرتے تھے۔ آنکھوں سے زار زار آنسو ٹپک رہے تھے، اور حضور کی خدمت میں بیٹھے ہوئے فرماتے دعا فرمائیے کہ اسلام ہی اسلام ہو جائے۔ جب داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اُٹھ کر حضور چلے تو وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ تھوڑی دور جاتے اور حضور کو مل کر رخصت ہوتے لیکن پھر ساتھ ہوتے۔ پھر ملتے اور پھر ساتھ میل ڈیڑھ میل تک ساتھ چلے گئے اور کئی مرتبہ ایسا کیا۔ آخر جب واقعی چلے گئے تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھا ہے؟ عاجز نے عرض کیا کہ ہاں جناب دیکھا ہے۔ ان کی نسبت تو ان کے اطوار سے خلاف شریعت ہی معلوم ہوتی تھی اور دعا اسلام کے لیے کرواتے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ ان کا اسلام بھی اور ہی ہوتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلاف شریعت نسبت سے دو دفعہ آپ نے توجہ لی، لیکن اس کا اثر آپ کو نہ ہوا۔ غرض یہ ہے کہ منتہی کو جب کہ نسبت مکمل ہو جاتی ہے تو پھر اس کو کسی قسم کی غیر نسبت سے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ "ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد" والی بات ہے۔ میرے حضور اس کے متعلق بیان فرمایا کرتے کہ مرغ چاہے سانپ ہی کھا جائے، زہر کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ذات پاک نے اس کا معدہ ہی ایسا بنایا ہے کہ جب چاہے زہریلی غذا کھائے۔ لیکن ہضم ہونے کے بعد وہ زہر اس کو کسی طرح کا نقصان نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے معدہ میں جا کر خوراک بن کر باعث تقویت ہوتا ہے۔ لیکن اگر منتہی کے فعل کو دیکھ کر مبتدی اس طرح

ہر کہ ومہ سے توجہ حاصل کرے تو اس کے لیے موجب نقصان اور اعثت ہو کر خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ بلکہ مبتدی کو ہر نامطابق صحبت سے بچنا لازم ہے۔ مبتدی کے لیے پیر طریقت کے سوا یا پیر طریقت کی اجازت کے بغیر کہیں نظر تک بھی کرنا باعث گناہ ہے۔ کیونکہ طفل مکتب ہے، اس کو ابھی دوست و دشمن اور نفع و نقصان سے واقفیت نہیں ہے۔

سائیں الہ داد صاحب بُرجوی کا واقعہ

قبل ازیں حضور کی حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضری کے ضمن میں سائیں الہ داد صاحب سکنہ موضع بُرج کا کچھ ذکر گزر چکا ہے۔ یعنی جب حضور حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سائیں الہ داد صاحب ساتھ ہی تھے۔ بلکہ ان کے ہی یہ کہنے پر کہ یہاں ایک مرد خدا ہیں، ان کے پاس چلیں حضور حضرت اعلیٰ کی خدمت میں تشریف لے گئے تھے۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سائیں صاحب کو بابا گلاب شاہ صاحب (سول نگری سے فیض تھا جو کہ بڑے بلند پایہ کے مجذوب تھے)، اور باوجود شریعت کے مطابق شکل وصورت نہ رکھنے کے حضرت اعلیٰ نے انہیں دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔ جب حضرت اعلیٰ کی صحبت میں بیٹھے تو بلند آواز سے ہُو ہُو کرنے لگے۔ حضرت اعلیٰ نے سُن کر فرمایا کہ ذکر بھی بغیر طریقہ کے مذموم ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد سائیں صاحب نے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ حالانکہ قبل ازیں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہمارے حضور سے فرمانے لگے کہ آپ کے پیر نے مجھے کعبۃ اللہ میں نمازیں پڑھائی ہیں۔ دوسرے آدمیوں کو بھی نماز کی تلقین کیا کرتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد نماز چھوڑ دی اور ایک دن حضور سے ملے تو بتایا کہ سیالکوٹ سے ایک فقیر نے آواز دی ہے کہ اب مُرغوں کی طرح اذانیں دینا شروع کر دیا ہے؟

اس اتنے اشارہ پر ہی نماز روزہ چھوڑ بیٹھے۔ چونکہ پہلے سے ہی نسبت خلاف سے رنگین تھے پھر اسی میں لوٹ آئے۔ شریعت کا ان کو بالکل خیال ہی نہیں ہوتا بلکہ خلاف کرتے ہیں۔ سائیں صاحب زمین غیرہ رگروی لیتے اور بالکل خلاف شریعت نسبت میں مستغرق تھے۔ ویسے صاحب تصرف بھی تھے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ جنگ عظیم کے دنوں میں جب ہر ایک کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ اب جرمن آیا

یہ جرمن آیا، ایک دن سائیں الہ داد صاحب کو دیکھا کہ ایک چھڑی لیے زمین پر مار رہے ہیں، پھر دو تین قدم دائیں طرف چل کر ایسا کرتے ہیں۔ پھر بائیں جانب، اور مُنہ سے کچھ جھڑکیں دے رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمانے لگے کہ جرمن آرہے تھے، ان کو پیچھے ہٹایا ہے۔ اس واقعہ سے دوسرے دن بعد ہی سُن لیا کہ جرمنی کو شکست ہو گئی ہے۔

ایک دفعہ موضع مدرسہ چٹھہ کے ایک چوہدری صاحب مسمّی حیات محمد چٹھہ جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے لیے اُمیدوار کھڑے ہوئے تو سائیں صاحب کی خدمت میں آکر دُعا کے لیے عرض کیا۔ سائیں صاحب نے فرمایا کہ ہم نے ممبر تم کو کر دیا ہے۔ دوسری طرف ان کے مدِمقابل سابق ممبر چوہدری سردار خاں صاحب ذیلدار ساکن موضع کوٹ ہرا تھے جن کو شرقپور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف حاصل ہے، اور حضور کی خدمت میں بھی اکثر آیا جایا کرتے نہایت شریف النفس آدمی ہیں۔ حضرت کیلیانوالہ شریف کے بعض چوہدری صاحبان جو سردار خاں صاحب کے ساتھی تھے، حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حالات سے آگاہ کر کے عرض کیا کہ اگر حیات محمد ممبر ہو گیا تو مرزائی کہیں گے کہ اپنے مذہب کی صداقت کے سبب سے ہم ممبر ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمیں سخت بے عزّتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر ہم تو مرزائی ہو جائیں گے۔ حضور کو بھی خیال آیا کہ واقعی اگر ایسا ہؤا تو اچھا نہ ہوگا۔ ساتھ ہی بابا الہ داد صاحب کا فرمان سُن کر حضور نے فرمایا کہ سائیں جی کی بات یونہی تو نہیں، واقعی انہوں نے کام تو کروا لیا ہے، مگر جو میرے مولیٰ کو منظور ہو۔ چنانچہ حضور نے سردار خاں کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کر دیا۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ خلافِ شریعت تو ایسی بڑ مار دیتے ہیں، لیکن اہل شریعت نسبت والے چاہے کام ہو جائے، نام تک نہیں لیتے۔ شیخ شیراز نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز — کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند! — کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

آخر پولنگ شروع ہؤا۔ دوپہر کے بعد سائیں صاحب کو کسی نے یاد دلایا تو سائیں صاحب نے فرمایا

کہ میں نے کب کہا تھا؛ اُدھر احمدی صاحبان نے قادیان تاریں دے دیں (ابھی اس وقت تک پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا)۔ جو آدمی بھی پونگ سٹیشن سے آتا یہی کہتا کہ اس دفعہ تو بابا سردار خاں رہ ہی جائے گا۔ آخر شام کو حضور کی دُعا سے بابا سردار خاں صاحب کامیاب ہو گئے۔

تو عرض یہ ہے کہ گو خلافِ شریعت والوں کا تصرف بھی بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے، تاہم شریعت والوں کی زیادہ مانی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر دو نسبتوں کا تصرّف جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ مطابق فرمان مولیٰ کریم وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ (اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے رواں کیے دو سمندر، یہ میٹھا ہے نہایت شیریں، اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ۔ اور ان کے بیچ میں پردہ رکھا ہے اور روکی ہوئی آڑ)

حقیقت میں ہر دو نسبتوں کے دو سمندر رواں ہیں۔ ایک تو میٹھا ہے اور نہایت شیریں جس سے نسبت نبویؐ مراد ہے اور بے شمار انسان اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے سیراب ہو رہے ہیں، اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ یہ سمندر سراجاً منیرا کا سمندر ہے، اور اس سے اولیائے کرام کی انہار جاری ہو کر قلوبِ مومنین کو فَضْلًا كَبِيْرًا سے فیضیاب فرما کر ایمان کی انگوری کو سیراب فرما رہی ہیں۔ دوسری جانب نسبت ابلیس لعین ہے جس کی مثال مولیٰ کریم نے کھاری پانی کی دی ہے۔ اور ہر دو سمندروں کے درمیان پردہ اور روکی ہوئی آڑ ہے۔ واقعی نسبت نبویؐ اور نسبت ابلیسی کے درمیان بڑا سخت حجاب اور آڑ ہے۔ اس کی حقیقت کا علم صحیح طور پر نسبت والوں کو ہی معلوم ہو سکتا ہے اور بظاہر نسبت ابلیس کا تصرف نسبت نبویؐ سے بھی بڑھ چڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔ مطابق فرمان مولیٰ کریم:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ	اے آدم کی اولاد! خبردار، تمہیں شیطان فتنے میں نہ ڈالے
اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا	جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا۔ اتروا دیا ان کے
لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ	لباس کو تاکہ ان کی شرم کی چیزیں ان کے نظر پڑیں بیشک
يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ	وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ	نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست

لَا یُؤْمِنُوْنَ ۰ (پ - ۸)   کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے

مولیٰ کریم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو متنبہ فرما رہے ہیں، دیکھنا، ہوشیار رہنا کہ جس طرح شیطان نے تمہارے ماں باپ کو ان کے لباس اتروا کر بہشت سے نکلوا دیا تھا، کہیں تم کو بھی نہ نکال دے۔ تو اب دیکھنے والوں پر صاف طور سے ظاہر ہے کہ جو بھی اس نسبت سے حصہ رکھتا ہے باطنی لباس تو درکنار ظاہری لباس بھی ان سے اُتر چکا ہوتا ہے۔ اور بعض تو منہ تک کالا کر چکے ہوتے ہیں۔

آگے چل کر مولیٰ کریم نے صاف طور پر عیاں فرما دیا کہ بے شک وہ اور اس کے کنبہ کے لوگ تم کو وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ بعض اوقات اس نسبت والے کچھ غیر معمولی باتیں کر کے عوام کو حیرانگی میں ڈال دیتے ہیں اور عوام ان شعبدوں کو دیکھ کر ان کو ولی اللہ سمجھ لیتے ہیں اور ان کے دام تزویر میں پھنس جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ بے دین ہوتے ہیں اور ان کو بھی نماز روزہ سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، اس لیے مطابقت کی بنا پر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اس عقیدت کی بنا پر ان دنیا داروں کا کوئی دنیوی کام تو ہو جاتا ہے لیکن دین سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔

شروع شروع میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کئی مجذوب آتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ہم صبح کی نماز کے بعد شماروں پر درود شریف پڑھ رہے تھے کہ ایک مجذوب باہر سے آ کر مسجد کے ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئے۔ جب درود شریف سے فارغ ہوئے تو حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ہم میں سے ایک خادم کو فرمایا کہ جاؤ گھر سے دہی کی لسی بنوا کر لے آؤ۔ چنانچہ وہ ایک سیر دہی کی لسی بنوا کر لے آیا۔ سردی کا موسم تھا۔ حضور نے فرمایا کہ ان بیچاروں کو بہت پیاس ہوتی ہے چنانچہ وہ تمام لسی پی گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ چار پانچ تو میں نے بھی دیکھے ہیں۔ ایک مائی خود حضرت کیلیانوالہ شریف ہی کی رہنے والی تھی۔ آپ کی خدمت میں اکثر آتی جاتی رہتی تھی۔ حضور نماز کے متعلق فرماتے تو پڑھنا شروع کر دیتی۔ لیکن پھر جب وہ اپنے جوش میں ہوتی تو چھوڑ بیٹھتی۔ بہرصورت

حضور کی کسی کے ساتھ مطابقت نہ تھی۔ بلکہ بیزار ہی ہوتے۔ ویسے کھانا وغیرہ کھلا دیتے۔ اور بیلیوں کو فرماتے کہ ان کو کچھ نہ کہو اور بیلی بھی نہ ہو۔

ان مجذوبوں کی بہت سی قسمیں ہیں چنانچہ تذکرہ غوثیہ میں سے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔ اُمید اغلب ہے کہ مفید ثابت ہوگا:

ایک روز ارشاد کیا کہ جب حضرت عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں حدیث ختم کر چکے تو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان جاکر علم حدیث کی اشاعت کرو تاکہ لوگ فیضیاب ہوں لیکن خاکساران ہند سے بھی ملتے رہنا۔ آپ نے عرض کیا کہ یارسُولُ اللہ! بغیر حضوری آستانہ مبارک میری زندگی کیسے کٹے گی؟ حکم ہوا کہ تم رات کے وقت مراقب ہو کے بیٹھا کرو، ہمارے پاس پہنچ جایا کرو گے۔ جب بیدار ہوئے تو بہ تعمیل حکم ہندوستان کی راہ لی۔ جس وقت سُورت سے ہندوستان کو روانہ ہوئے تو جا بجا فقرا سے ملنا شروع کیا۔ ایک جگہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی فقیر ہے؟ کسی نے نشان دیا کہ فلاں محلّہ میں ہے۔ فجر کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھتے ہی فقیر بولا کہ "مولوی عبدالحق صاحب! آپ کا بڑا انتظار تھا"۔ آپ چُپ بیٹھ گئے۔ بعد مزاج پرسی فقیر صاحب نے جام وصراحی نکال کر ایک ساغر نوش کیا۔ دوسرا جام لبریز کر کے مولوی صاحب کو دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ "میں تمہارے فعل پر معترض نہیں لیکن میرے واسطے حرام ہے"۔ تین بار انکار کیا۔ اس نے کہا "پی لے، ورنہ پچھتائے گا"۔ جب رات کو مراقب ہوئے تو دیکھا کہ جہاں خیمۂ دربار رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استادہ ہے اس سے سَو قدم آگے وہ فقیر لٹھ لیے کھڑا ہے۔ ہر چند مولوی صاحب نے آگے جانے کا قصد کیا۔ لیکن فقیر نے جانے نہیں دیا۔ ناچار واپس آئے۔ صبح کے وقت پھر اسی فقیر کے پاس پہنچے۔ اس نے پھر جام پیش کیا۔ آپ نے نہ لیا کہ "میرے واسطے حرام ہے۔ تیرے حکم سے خدا و رسول کا حکم افضل ہے"۔ فقیر نے کہا "پی لو، ورنہ پشیمانی اُٹھاؤ گے"۔ رات کو پھر وہی معاملہ پیش آیا۔ نہایت حیران ہوئے۔ تیسرے روز پھر اسی فقیر کے پاس پہنچے۔ اس نے پھر وہی پیالہ پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ چوتھی شب جو مراقب ہوئے تو پھر فقیر کو سدِّ راہ پایا، اور لٹھ لے کر ان کی طرف دوڑا۔ کہ خبردار!

جو اس طرف قدم اُٹھایا۔ اس وقت اضطراب میں آپ کی زبان سے نکلا یَارَسُولَ اللّٰہِ اَلْغِیَاث۔ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ "عبدالحق چار شب سے حاضر نہیں ہؤا۔ دیکھو تو، باہر کون پکارتا ہے؟ بلاؤ۔ انہوں نے دونوں صاحبوں کو حاضر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ "عبدالحق! چار رات سے تو کہاں تھا؟" انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے اس فقیر کی نسبت فرمایا "اُخرج یا کلب"۔ (نکل جا کُتے)۔

صبح کے وقت پھر شاہ صاحب فقیر کے پاس پہنچے۔ اس کا حجرہ بند پایا۔ دو چار مرید بیٹھے ہوئے تھے۔ پوچھا کہ "کیا سبب ہے کہ پہر دن چڑھا اور دروازہ نہیں کھولا۔ دیکھو تو کہ ہے بھی یا نہیں"۔ دروازہ کھولا تو پیر ندارد۔ حیران ہوئے۔ شاہ عبدالحق نے فرمایا کہ "کوئی جانور یہاں سے نکلا ہے یا نہیں"؟ وہ بولے کہ "ایک کالا کُتا تو ہم نے یہاں سے جاتا ہؤا دیکھا تھا۔ فرمایا کہ "بس وہی تمہارا پیر تھا۔ کیونکہ رات یہ معاملہ پیش آیا۔ اب چاہے تم بیعت رکھو یا فسخ کرو، تمہارا پیر کُتا ہو گیا"۔

بعض فقراملامت کو اپنا راستہ اختیار کیے ہوتے ہیں مگر شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ لیکن آج کل بہت نایاب وقت جا رہا ہے۔ کیونکہ شریعت کے مطابق اعمال ہی اعلیٰ ملامت ہیں۔ سنّت کے مطابق شکل ہی استہزا کا باعث بننے کے لیے کافی ہے۔ دوسرے فقرا جن کے متعلق قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ کا قول مبارک ہماری تسلّی کے لیے کافی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"جو شریعت کی حدّوں کو فنا کرے، لوگوں کے نزدیک ولی ہوتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک شیطان ہے"۔

اس چیز کے ثبوت کے لیے قرآن پاک کی آیات مبارک ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ مولیٰ کریم اپنے کلام پاک میں فرما رہے ہیں:

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ	اور بعضا شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ	کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔ اور خدا بھی
بِالْعِبَادِ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	بندوں پر بہت مہربان ہے۔ مومنو! اسلام میں
فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ	پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے

الشَّیْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (پ۲-ع۹)

نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر تم احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ، تو جان رکھو کہ خدا تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

مولیٰ کریم اپنے خاص بندوں کی تعریف فرماتے ہیں کہ وہ میری خوشنودی کی خاطر اپنی جان جو آدمی کو ہر ایک چیز سے زیادہ عزیز ہے فروخت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ اسی فرمان مبارک کی تائید اور تصدیق میں فرمایا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ یعنی تم لوگ جب تک راہِ خدا میں وہ چیزیں صرف نہ کروگے جن کو تم عزیز رکھتے ہو، ہرگز نیکی کو حاصل نہیں کرسکوگے۔ کسی خدا کے بندے نے کہا ہے ؎

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا ہرچہ داری صرف کن در راہِ ھُوْ

وہ ذات پاک اپنی خوشنودی کے راستہ اور مقصود سے مومنین کو آگاہ کرنے کے لیے صاف طور پر عیاں فرما رہے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (پ۶-ع۱۲)

مومنو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیگا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہو اور جسے وہ محبت رکھتے ہوں اور جو مومنوں کے ساتھ نرمی کریں اور کافروں پر سختی، خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ذرا نہ ڈریں۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور خدا بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔

تو اس آیت کریمہ سے بالکل عیاں ہوگیا کہ مولیٰ کریم نے خوشنودی کا راستہ یہ فرمایا ہے کہ اگر تم

اپنے دین سے پھر گئے تو میں ایسے آدمی پیدا کروں گا کہ وہ مجھ سے محبت کریں گے اور میں ان سے محبت کروں گا۔ تو اصل خوشنودی کا راستہ محبت مولیٰ کریم ہے۔ جس کے بدلے وہ مردانِ خدا اپنی جان تک جو زندگی کا اصل سرمایہ ہے فروخت کر دیتے ہیں۔ اور ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ مومنوں کے ساتھ نرمی کرتے ہیں اور کافروں کے ساتھ سختی یعنی جہاد کرتے ہیں۔ تو جب اپنی عزیز سے عزیز تر چیز خدا کے راستہ میں دے دیتے ہیں تو مولیٰ کریم اپنے فضل سے مہربان ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مومنوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ اے مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ خدا کی محبت اور خوشنودی حاصل کرنے کا واحد راستہ اسلام ہی ہے۔ اور اگر اسلام کے راستہ کے سوا کسی راستہ پر چلو گے تو گویا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کے حسب ارشاد یہ راستہ شیطان کا راستہ ہو گا۔ اور شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور اگر اسلام کے راستہ پر یعنی احکامِ روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ، تو جان رکھو کہ خدا تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ تو اب روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اصل مقصود محبت ہے اور صحیح راستہ اسلام ہے۔ اور بندگانِ خدا اس راستہ پر خدا کی خوشنودی کے لیے جان تک دے ڈالتے ہیں۔ اور کسی کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے۔ اور اگر اس اسلام کے راستہ کے سوا کسی راستہ پر چلا تو وہ شیطان کی اتباع کرے گا۔ چنانچہ مولیٰ کریم نے صاف فرما دیا ہے کہ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ یعنی اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔"

اُمید اغلب ہے کہ پہلے بھی تسلّی تو ہو ہی چکی ہو گی تاہم زیادہ اطمینان کے لیے فرمان مولیٰ کریم پھر عرض کر دیا ہے جس سے عیاں ہو جائے گا کہ مولیٰ کریم کے نزدیک قابلِ قبول دین صرف اسلام ہی ہے اس کے سوا کوئی دین ہو قابل قبول نہیں، بلکہ آخرت میں سخت گھاٹا کھانے والوں میں ہو گا۔ کیونکہ اس کا غیر اسلام دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

جس کو مولیٰ کریم ہدایت فرماتے ہیں اس کو کس راستہ پر چلاتے ہیں؟ فرمان مولیٰ کریم ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ (پ - س)	تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے گا اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا رستہ ہے۔

تو اب روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا ہے کہ مولیٰ کریم جس کو ہدایت بخشنا چاہتے ہیں اس کو اسلام پر چلاتے ہیں۔ اور ٹیڑھا راستہ اسلام کے سوا ہے جن پر مولیٰ کریم کی ناراضگی ہوتی ہے ان کو چلاتے ہیں، اور یہی اصل صراط المستقیم کے مترادف ہے۔

قرآن پاک کی آیات مبارک سے روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ خواہ کس قدر کوئی صاحب حال ہو، جب تک خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع نہ کرے اور دین اسلام پر نہ چلے خدا کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں اور نہ آخرت میں حصہ۔ لہٰذا برادران طریقت اگر کسی ایسے شخص کو پائیں تو اس کے نزدیک تک نہ جائیں۔ لیکن یاد رہے کہ ہمیں ہر حالت میں چاہے کیسا ہو، بمصداق ؎

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی! بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

ادب ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے اور اپنے مشرب پر قائم رہتے ہوئے اپنے پیرومرشد کی طرح ان سے خاطر و مدارات سے پیش آنا چاہیے۔ کیونکہ جتنے مجذوب حضور رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے، حالانکہ آپ اتنے اعلیٰ مقام کی ہستی اور قطب زمان تھے، ان کی خاطر مدارات کی، کھانا کھلایا اور ادب سے الوداع کہا۔ تو ہمیں اپنے پیرومرشد کے طریقے کو کسی حال میں بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ادب کو ملحوظ رکھو اور بیلی کسی کے مت بنو۔"

ایک حوالدار اہل رموز سے ملاقات

ایک دفعہ جبکہ شیعہ صاحبان سے مقدمہ تھا حضور رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے علاقہ کے تھانہ (علی پور) میں جانا پڑا۔ وہاں پر ایک حوالدار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انھیں دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ یہ اہل رموز میں سے ہیں۔ باتوں باتوں میں حوالدار صاحب نے کہا کہ صاحب شریعت کی مثال تو اس ضرب المثل کی طرح ہے کہ "ڈولی چڑھ کے آئیوں نی پھکے کھاندی"۔ اور ہمارا (جو شریعت کے سوا ہیں) یہ حال ہے کہ "گندھ پٹی تے یار جپھی"۔ یہ بات سن کر حضور کو خیال ہوا کہ کیسی واہیات مثال اس نے دی ہے اور باطنی طور پر ناراضگی ہوئی تو اس حوالدار کی طبیعت خراب ہو گئی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد پھر ایک دفعہ جب حضور سے اس کی ملاقات ہوئی تو مقام ملاقات پر ایک بہت خوشنما پھولوں کا پودا گملے میں دیکھ کر حضور نے فرمایا "یہ کونسا پودا ہے"؟ (غالباً وہ پوست کا پودا ہوگا۔ کیونکہ) حضور کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر اس نے فوراً اہل کاروں کو حکم دیا کہ "اس پودا کو اکھاڑ کر پھینک دو"۔ حضور کو خیال مبارک ہوا کہ بیچارا بہت تنگ ہے۔ چنانچہ آپ نے خیال فرمایا اور اس کی قبض جو حضور کی ناراضگی کے سبب سے تھی، دور ہو گئی۔

جنوں کے واقعات

جیسے کہ سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے، حضور کی مسجد مبارک جو کہ حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کی بنی ہوئی ہے، مدت سے غیر آباد پڑی تھی، اور صرف محرم الحرام میں شیعہ صاحبان وہاں مجلس وغیرہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ رات کو ڈر کے مارے کوئی اکیلا آدمی مسجد کی طرف سے گزرنے کی جرأت نہ کرتا کیونکہ جنات مسجد میں خاص طور پر آباد تھے۔ جس وقت ہمارے حضور نے آکر مسجد کو صاف کرا کے نماز پنجگانہ ادا کرنی شروع کی تو بعض نمازیوں نے آپ سے عرض کیا کہ مسجد میں جن اکثر شرارتیں کر کے نمازیوں کو ستاتے ہیں۔ حضور نے سید برکت شاہ صاحب کو نماز تہجد کے وقت مسجد میں بھیجا اور فرمایا کہ ہماری طرف سے

جنّوں کو کہہ دو کہ اب یہاں سے چلے جائیں اور ہمیں نہ ستایا کریں۔ سید برکت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد میں جا کر حسب فرمان بلند آواز سے پیغام دے دیا اور خود وضو کر کے نوافل تہجّد ادا کرنے شروع کیے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرے آگے پیچھے کئی نفوس دوڑ دوڑ کر گزر رہے ہیں اور کچھ کنکر وغیرہ دیواروں پر مارتے ہوئے جنوبی دروازہ سے باہر نکل رہے ہیں چنانچہ سبھی نکل گئے اور ذرا سے وقفے کے بعد خاموشی ہوگئی۔ یہ سارا ماجرا حضور سے عرض کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بس چلے گئے اور ان شاء اللہ تعالیٰ اب کبھی نہیں ستائیں گے۔ چنانچہ اس دن سے کبھی کسی نے شکایت نہیں کی۔

۲: ویسے تو کئی آدمی جن کو جنّ تنگ کرتے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضور پانی دم کر کے دیتے۔ تو بفضلہٖ تعالیٰ کسی کو ایک دفعہ پینے سے اور بعض کو دو تین مرتبہ پلانے سے آرام ہو جاتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محمد حسین رنگریز جو کالری کے بہنوئی ساکن موضع ارجانی ضلع گجرات کو جنّوں نے آدبوچا۔ ہمشیر نے اپنے بھائی کو پیغام بھیجا اور محمد حسین اس بیمار کے بھائی مسمی قمرالدین کے ہمراہ جو کہ موضع جو کالیاں ہی میں سکونت پذیر تھا، موضع ارجانی میں گیا۔ قمرالدین اپنے بھائی کی حالت دیکھ کر قصبہ رسول نگر میں حافظ علم الدین صاحب کی خدمت میں جو کہ ایک سو تیس سال کے عمر رسیدہ بزرگ تھے حاضر ہوا اور کوئی چیز دم کرا کے لے گیا۔ اس جنّ نے حافظ علم الدّین صاحب کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ناچار دوسرے دن محمد حسین حضرت کیلیانوالہ آیا تو حضور نے اسے کسی چیز پر خدا کا نام لے کر دم کر دیا۔ چنانچہ محمد حسین مذکور جب واپس پہنچا تو وہ جنّ اس کے ساتھ بڑے ادب لحاظ سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ حضرت کیلیانوالہ والوں کا ہمیں بہت ادب ہے جس طرح کہو ہم کرنے کو تیار ہیں اور اگر کوئی نشانی چاہو تو ہم دکھا کر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ محمد حسین نے کہا کہ ویسے ہی چلے جاؤ ہمیں نشانیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضور کے کئی درویشوں کے نام بھی وہ جنّ بتاتا۔ جاتی دفعہ محمد حسین کی بیوی کو بھی اس نے بطور مذاق کچھ کر دیا۔ محمد حسین نے کہا کہ اب میرے ساتھ بھی خرابی شروع کر دی ہے تو انہوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت چھوڑ کر چلے گئے اور پھر کبھی آ کر نہ ستایا۔

۳ : ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ موضع وَنی کے نارڑ سے دو آسیب زدہ نوجوان زمیندار لڑکیاں اپنے والدین کی معیت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان جنّوں سے فرمایا کہ ان غریبوں کو چھوڑ دو۔ وہ جن کچھ اکڑے تو حضور کی طبیعت میں کچھ جلال آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا بھئی تمہاری مرضی۔ اور بیٹھک میں تشریف لاکر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ آپ کا بیٹھک میں آنا تھا کہ اندر جنّوں نے بہت واویلا کیا اور بہت بلند آواز سے منت سماجت شروع کر دی کہ خدا کے لیے ایک دفعہ معافی دے دیں، آپ کی ناراضگی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ نے معاف کر دیا اور وہ چلے گئے۔ لیکن جب وہ وَنیکے واپس گئے تو پھر وہی حالت ہو گئی۔ ان چوہدری صاحبان نے آکر بتایا کہ ایک طرف سے ہم ان جنّوں کی آواز سنتے تھے کہ "ان بیبیوں نے ہمارے مکان میں پیشاب وغیرہ کر کے ہمیں دکھ دیا ہے"۔ اور دوسری طرف بعینہٖ حضور کی آواز سنائی دیتی تھی اور آپ بڑی زوردار آواز سے ان جنّوں کی باتوں کا جواب دیتے تھے کہ ان کا کیا گناہ ہے جب کہ تم ان کو دکھائی ہی نہیں دیتے"۔ پھر وہ چوہدری صاحبان ان لڑکیوں کو ہمراہ لائے اور حضور کے فرمان مبارک کی برکت سے وہ جن ہمیشہ کے لیے چلے گئے۔

۴ : ایک دفعہ حضور عصر کی نماز ادا کر کے مسجد سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک باحیا بی بی (جس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا) اور دو آدمی (ایک اس کا خاوند اور ایک بھائی) باہر کھڑے تھے۔ آپ بیبیوں کے آنے سے اکثر ناراض ہوا کرتے اور فرماتے کہ کوئی آدمی بھیج کر کوئی چیز دم کرا لیا کرو، عورتیں ساتھ مت لایا کرو۔ چنانچہ ان کو دیکھ کر بھی آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ اس بی بی کو نو دس مہینوں سے جنّوں نے بہت ستا رکھا ہے۔ اور وہ یہاں آنے پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ ہماری برادری کے ایک آدمی نے کہا کہ یہ تو فریب ہے۔ یہ سن کر رات کو جن اس کے گرد ہو گئے اور اس کو خوب ستایا۔ صبح اس نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ فریب نہیں۔ اور ان جنّوں کے مجبور کرنے پر ہم حاضر ہو گئے ہیں۔ حضور نے ایک الگ مکان میں ان کو رات بسر کرنے کا سامان پہنچا دیا۔

حضور عشا کی نماز کے بعد بدن پر مالش کرایا کرتے تھے۔ ہم مالش کر رہے تھے کہ وہ بی بی بیٹھک شریف کے بیرونی دروازہ سے باہر آکر کھڑی ہو گئی اور وہ جن بول کر کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اندر آجائیں۔ حضور رُومال اوڑھ کر اور سر پر ٹوپی رکھ کے دروازہ کے قریب جا کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اس وقت کیوں آیا ہے؟ جن نے عرض کیا کہ حضرت میں تو اللہ اللہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ بتا دیں تو ابھی چلا جاؤں گا۔ حضور نے اس کو حسبِ معمول ہر نماز کے بعد سورۂ اخلاص پڑھنے کے لیے فرمایا۔ جن نے عرض کیا کہ حضور! بار بار تو اس صورت سے حاضر ہو نہیں سکتا، باقی سبق بھی آپ بتا دیں۔ کیونکہ آپ منع فرما رہے ہیں کہ اس کو چھوڑ دوں۔ تو حضور نے درود شریف بھی بتا دیا۔ اسی وقت وہ جن سلام عرض کر کے چلا گیا، اور وہ لڑکی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ صبح تندرست ہو کر چلی گئی۔ کوئی دس پندرہ دن ہی گزرے تھے کہ پھر وہ بی بی آگئی اور اس کے وارثوں نے آکر عرض کیا کہ جنابِ عالی! پھر جنوں نے مجبور کیا ہے کہ حضور کی خدمت میں چلو۔ لہٰذا ہم حاضرِ خدمت ہو گئے ہیں۔ پھر اس بی بی کی وہی حالت ہوئی۔ تو حضور نے فرمایا کہ بھئی تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ پھر نہیں آؤں گا۔ اب اس غریب کو کیوں ستایا؟ وہ جن بولا کہ حضور میں وہ نہیں ہوں بلکہ اس کا چھوٹا بھائی ہوں۔ اتنی بات کہہ کر بڑی خوشی کا اظہار کر کے بولا کہ آہا! حضور کی صحبت میں کس قدر برکت اور لذت ہے۔ اور عرض کیا کہ میں صرف اللہ کا نام پوچھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میری نانی بھی میرے ساتھ اسی کام کے لیے حاضر ہوئی ہے۔ چنانچہ حضور نے ان کو داخلِ طریقت کر کے اللہ اللہ کا طریقہ بتایا اور وہ رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد پھر اس صورت میں وہ نہیں آئے۔

اس جگہ ایک جن کا واقعہ تفسیرِ عزیزی سے نقل کرتا ہوں تاکہ قارئین کے لیے مفید اور ہمارے لیے باعثِ برکت ہو:

بیہقی نے سواد بن قارب سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ ایامِ جاہلیت میں ایک جن میرا آشنا تھا اور ہونے والی چیزوں کی مجھ کو خبر دیا کرتا تھا۔ میں اس کے کہنے کے موجب لوگوں سے کہا کرتا تھا اور وہ خبریں اکثر سچی ہوا کرتی تھیں۔ اس سبب سے نذر و نیاز مجھ کو بہت ملا کرتی تھی۔ ایک رات

کو میں سویا تھا کہ وہ جن آیا اور کہا اُٹھ اور بوجھ۔ اگر تجھ کو کچھ عقل اور شعور ہے۔ کہ ایک آدمی لوی بن غالب کی اولاد سے پیدا ہوا ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھے ؎

عَجِبْتُ لِلْجِنِّ وَاَرْهَاسِهَا وَشَدِّ هِنَّ الْعِيْسَ بِاَحْلَاسِهَا

تَهْوِىْ اِلٰى مَكَّةَ تَبْغِى الْهُدٰى مَا مُؤْمِنُوْهَا مِثْلَ اَرْجَاسِهَا

فَانْهَضْ اِلَى الصَّفْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ وَاسْمُ بِعَيْنَيْكَ اِلٰى رَاسِهَا

یعنی "تعجب آتا ہے مجھ کو جنّات کے احوال اور ان کی بے قراری سے، کجاوے اور زین باندھنے سے ان کے اُونٹوں پر سفر کرنے کے واسطے جاتے ہیں مکّہ کی طرف ہدایت کی تلاش میں ایماندار اور جنّات نہیں ہیں مانندان کے ناپاکوں کے۔ تو بھی اُٹھ اور چل اس کی طرف جو چُنا ہُوا ہے بنی ہاشم سے اور بلند کر اپنی دونوں آنکھوں کو قبیلے کے سرداروں کی طرف"۔

مطلب اس کا یہ تھا کہ "ہماری قوم اور سب سردار مکّہ معظمہ کو جاتے ہیں ایمان لانے کو۔ تو بھی جا اور ایمان لا"۔

کہتے ہیں کہ ان شعروں کے سننے سے میری نیند کھل گئی اور تمام رات اسی تشویش میں گزری کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ پھر دوسری رات کو بھی اسی طور سے آکر مجھ کو جگا کر وہی شعر پڑھے اور چلا گیا۔ اسی طرح تیسری رات کو بھی۔ جب تین رات پے درپے یہی ماجرا گزرا تو میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اور مکّہ معظمہ کی طرف روانہ ہُوا۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری میں حاضر ہُوا اور آپ کے جمال باکمال سے مشرّف ہُوا تو مجھ کو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا "مرحبا اے سواد بن قارب! مجھ کو معلوم ہے جو چیز تجھ کو یہاں لائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے کچھ اشعار آپ کی مدح میں کہے ہیں، پہلے آپ ان اشعار کو مجھ سے سُن لیجیے۔ آپ نے فرمایا پڑھ۔ سواد بن قارب نے قصیدہ بائیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں کہا تھا، پڑھا۔ اس قصیدے کا آخری شعر یہ ہے ؎

وَكُنْ لِّىْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَاذُوْ شَفَاعَةٍ بِسَوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبٍ

ترجمہ اور ہونا تو واسطے میرے شفیع جس دن نہ ہوگا کوئی صاحب شفاعت کا تیرے سوا کوئی کام آنے والا سواد بن قارب کے۔

عاجز نے اپنی حاضری کے دوران میں کئی ایک ایسے واقعات دیکھے جن میں سے تین چار تحریر کردیے گئے ہیں اور ساتھ ہی برکت کے لیے ایک واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک صحابی کا عرض کردیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض جنّ بھی مسلمان ہیں۔ اور جس طرح انسان اپنے وقت کے اولیائے کرام کے ساتھ تعلّق قائم کرکے مستفیض ہوتے ہیں، اسی طرح مسلمان جنّ بھی طریقت میں داخل ہوتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی ایک ایسے واقعات حدیث پاک میں ثابت ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہمارے حضور کی عظمت صرف آدمیوں تک محدود نہ تھی، بلکہ جنّوں کے لیے بھی ہادی و رہنما تھے اور وہ بھی آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ بقول شخصے ؎

ہر کہ عارف شد جمال ذات را اوست سیّد جملہ موجودات را

تمام موجودات کے وہ سردار ہوتے ہیں اور مولیٰ کریم ہر ایک چیز کو اپنے پیارے سے مطلع کردیتے ہیں اور جملہ موجودات کو اس کے عارف ہونے کا علم ہوتا ہے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

متفرّقات

عالمِ رؤیا کی کیفیّت

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے عالمِ رؤیا میں ایک[1] آدمی دیکھا جس کا منہ کتّے کی طرح ہے، اور ایک[2] عورت جو کہ لباس اور زیورات سے مرصّع ہے شکل و صورت میں گگھڑوں کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ اور ایک[3] بوتل میں خنزیر کا خون، اور ایک[4] برتن میں پیشاب اور ایک[5] میں خشک پاخانہ رکھا ہے۔ اسی حالت میں میں خیال کرتا ہوں کہ الٰہی میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ تو ایک کہنے والے

نے کہا کہ "کُتّے کے منہ سے گانے بجانے والے کا منہ مراد ہے۔ اور یہ عورت جو بظاہر زیورات سے مرصّع اور عمدہ لباس سے مزیّن ہے یہ شادی کا کھانا ہے۔ اور یہ جو بوتل میں خنزیر کا خون دیکھ رہے ہو شراب ہے۔ اور پیشاب سے مراد بھنگ اور خشک پاخانہ افیون ہے"۔

گویا حضور کو مولیٰ کریم نے ان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ فرما دیا۔

۲: ایک دفعہ حضور نے فرمایا کہ ہم نے عالم رؤیا میں دو کشتیاں دیکھیں۔ ایک میں نیچے کی طرف سے پانی داخل ہو رہا ہے اور اس کا مالک پانی نکال رہا ہے۔ دوسری بظاہر دیکھنے میں بالکل صحیح و سالم نظر آئی لیکن ہاتھ لگانے سے معلوم ہوا کہ بالکل کمزور اور بھر بھری ہے۔ دعا مانگی، الٰہی! یہ کیا بھید ہے؟ تو کسی نے کہا کہ یہ دونوں کشتیاں صاحبِ تعلّق کے حال ہیں۔ ایک تو اپنے کام کا پکّا ہے کچھ تھوڑے بہت گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں تو یہ توبہ استغفار کرتا ہے اور اپنے پیر کے فرمان میں کمی بیشی نہیں کرتا دوسری کشتی جو بالکل گل سڑ چکی ہے، ہے تو وہ بھی صاحبِ تعلّق۔ لیکن اس نے فرمان پر عمل کرنے میں سُستی کی ہے، اس لیے اس کی یہ حالت ہے۔

سیّد باغ علی شیعہ کا واقعہ

ایک دن سیّد باغ علی شاہ صاحب پٹواری جو کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ دار بھی ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تین چار یوم ہوئے ایک رسالہ میں میں نے ایک واقعہ پڑھا جس کی وجہ سے میری طبیعت سخت پریشان ہے۔ حضور نے فرمایا کہ کونسا ایسا واقعہ ہے؟ تو شاہ صاحب نے بیان کیا:

"لندن میں ایک انگریز کو (جو کسی کالج میں پروفیسر تھا) اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی۔ قضارا وہ بیمار ہو کر مر گئی۔ پروفیسر محبت کی وجہ سے پاگل ہو گیا۔ دو سال کے بعد اس کا دماغ کچھ درست ہوا تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ کسی طرح سے (خواب میں ہی سہی) ایک دفعہ مجھے اپنی بیوی سے ملاقات ہو اور میں اس کے ساتھ چند باتیں کر لوں۔ اس خیال سے اس نے اپنے پادریوں کی طرف رجوع کیا

انہوں نے کچھ عمل وغیرہ بتائے لیکن اس کا مطلب حل نہ ہو سکا۔ پھر اس نے اور کئی مذاہب کی طرف رجوع کیا۔ مگر ناکام ہی رہا۔ آخر وہ مسلمانوں کی طرف آیا تو انہوں نے بھی کئی عملیات بتائے لیکن پھر بھی مطلب برآری نہ ہو سکی۔ کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ کسی مسلمان اللہ کے بندے کے پاس جاؤ، وہاں تمہارا مقصود پورا ہوگا۔ چنانچہ کسی اللہ کے بندے کے پاس حاضر ہوا تو اس نے فرمایا کہ پہلے مسلمان ہو، پھر تم کو کچھ بتاؤں گا۔ آخر وہ مسلمان ہو گیا تو اس اللہ کے بندے نے فرمایا کہ بیوی کی قبر پر جا کر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ کا وظیفہ کر کے مراقب ہو جایا کرو۔ پندرہ دن تک تمہیں ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ ایک دن اسے معلوم ہوا کہ بیوی میرے سامنے سے تیزی سے گزر گئی ہے۔ دوسرے دن ذرا آہستگی سے اور تیسرے دن اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور بولی کہ تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ پروفیسر نے کہا کہ میں تو تمہارے عشق و محبت میں دو سال پاگل رہا ہوں اور تو مجھے پہچانتی ہی نہیں؟ اس نے ذرا سوچ کر جواب دیا کہ ہاں! عالَمِ دنیا میں کچھ عرصہ تیرا اور میرا تعلق رہا تو ہے۔ اتنی بات سننے سے پروفیسر صاحب کی محبت کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر پوچھا کہ مجھے یہ تو بتا کہ تم عالَمِ برزخ میں کیا کام کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو سمجھا تھا کہ تو صاحبِ عقل ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ تجھے کوئی سمجھ نہیں۔ تم اس عالم کو کیا سمجھو۔ پروفیسر صاحب نے کہا کچھ جتنا سمجھ میں آ سکتا ہے اتنا ہی بتا دو۔ تو اس نے کہا کہ ہمیں مولیٰ کریم کی طرف سے ایک کتاب ملی ہوئی ہے جس کے ایک صفحہ پر ہماری نیکیاں درج ہیں اور دوسری طرف بُرائیاں۔ اور ہم کو وہ روزانہ پڑھنی ہوتی ہے، خواہ ہمارا جی چاہے یا نہ چاہے۔ جب نیکیاں پڑھتے ہیں تو طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی ہے اور جب بُرائیاں پڑھتے ہیں تو سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ جب یہ کتاب پڑھ کر ہم فارغ ہوتے ہیں تو بلند آواز سے پکارتے ہیں کہ "اے دنیا کے رہنے والو! ہم بھی تمہاری طرح دنیا میں رہ کر آئے ہیں۔ ہوش میں آؤ اور خدا کو یاد کرو"۔ لیکن افسوس کہ ہماری آواز کو تم لوگ سُن نہیں سکتے۔ بس اب آپ جائیں اور آئندہ کبھی مجھے تنگ نہ کریں۔ پروفیسر صاحب مطمئن ہو کر چلے آئے"۔

یہ قصہ سُن کر حضور رحمۃ اللہ علیہ نے سید باغ علی شاہ صاحب سے فرمایا کہ اس میں پریشانی اور تعجب

کی کونسی بات ہے ؟ اسلام میں کونسی بات ہے جس کی مولیٰ کریم نے وضاحت نہیں فرمائی۔ کیا آپ نے قرآن شریف نہیں دیکھا۔ سُنیئے! مولیٰ کریم نے کیسے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (پ ۱۵ - ۱۸)	اور عملوں کی کتاب کھول کر رکھی جائے گی۔ تو تم گنہ گاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا، اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے وائے! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو۔ کوئی بات بھی نہیں مگر اسے لکھ رکھا ہے۔ اور جو عمل کیے ہوں گے سب حاضر پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (پ ۱۵ - ۲)	(کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے، تو آج اپنا آپ محاسب کافی ہے۔

قرآن پاک کی یہ آیات اور ترجمہ سُن کر باغ علی شاہ صاحب کی آنکھیں کھُل گئیں اور اطمینان حاصل ہوگیا۔

دوسرا واقعہ

ایک دفعہ یہی سید باغ علی شاہ صاحب حاضر ہوئے۔ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مذہباً شیعہ تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کے احباب میں سے کوئی سیاہ فام بھی ہو تو اس سیاہی میں سے بھی سفید شعاعیں نکلتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہمارے مذہب کا سفید رنگ کا بھی ہو تو بھی اس کے چہرہ میں سیاہی جھلکتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ میں سے کوئی رحلت کر جائے تو جی چاہتا ہے کہ اس کو گلے لگا لیا جائے، اور ہم میں سے کوئی چل بسے تو ڈر لگتا ہے۔ حالانکہ صراط المستقیم پر بھی ہم ہی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اس بات کا فیصلہ آپ خود ہی کر لیں۔

حضورؒ کی زبان مبارک سے ایک عجیب واقعہ

ایک دن حضورؒ نے فرمایا کہ ایک صاحب حضرت اعلیٰ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے یہ واقعہ حضرت اعلیٰ کی خدمت سنایا کہ جس وقت نہر لوئر چناب کی کھدائی شروع ہوئی تو سرکاری طور پر قیدیوں کو نہر کھودنے کے لیے وہاں لایا گیا، اور میں قیدیوں پر محافظ تھا۔ ایک دن نہر کھود رہے تھے کہ سامنے ایک قبرستان آ گیا اور وہاں سے ایک تابوت برآمد ہوا جس کو کھول کر دیکھنے سے صرف مٹی سی معلوم ہوئی۔ صرف یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی نعش ہو گی۔ قیدیوں میں سے ایک آدمی صاحب نظر تھا، اس نے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص جو بظاہر بزرگ بنا ہوا تھا حقیقت میں بہت گنہگار تھا، اس لیے سخت عذاب میں گرفتار ہے۔ اگر میرے کہنے پر چلو تو جو عذاب اس کو ہو رہا ہے اس سے افاقہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تمام قیدیوں نے اس کے کہنے کے مطابق وضو کر کے تابوت کے گرداگرد کھڑے ہو کر کلمہ طیبہ کا ذکر کر کے اس کی روح کو بخشنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ پڑھ کر بخشتے، ایسا معلوم ہوتا کہ وہ مٹی مردے کی طرح بنتی جاتی ہے۔ اور ایک چھوٹا سا مکڑی نما چیونٹا بڑی تیزی سے اس کے تمام بدن کے گرد ہوتا ہوا ماتھے کے مقام پر ڈنک مارتا ہے اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ میت ذرا سا کانپ اٹھتی ہے۔ پھر وہاں سے چلتے چلتے پاؤں کی طرف سے ہوتا ہوا تمام جسم کے گرداگرد گھوم کر پھر ماتھے کے مقام پر پھر کر ڈنک مارتا ہے۔ وہ قیدی پھر کہتا کہ ابھی اور پڑھو۔ رفتہ رفتہ وہ چیونٹا نما کیڑا موٹا ہوتا جاتا تھا، اور اس کی تیزی کم ہوتی جاتی تھی۔ بالآخر وہ بہت موٹا ہو گیا اور نہایت آہستگی سے چلنے لگا۔ حتیٰ کہ آخر کار ڈنک مار کر گر پڑا اور مر گیا تو مٹی سی معلوم ہوتی تھی چنانچہ میت کی طرف نگاہ کی تو وہ صاف معلوم ہونے لگی۔ اس قیدی نے کہا کہ اب میرے نزدیک اس کی بخشش ہو چکی ہے۔ چنانچہ جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا گیا۔

اسی طرح پھر ایک دن نہر کھودتے کھودتے کچھ قبریں آ گئیں اور ایک قبر سے عورت کی صحیح و سالم میت برآمد ہوئی جس کا کفن بھی درست تھا۔ لیکن ہاتھ لگانے سے بھر جاتا تھا۔ اس قبرستان کے

نزدیک والے گاؤں سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بھنگیوں یعنی چوہڑوں کی قبریں ہیں۔ چنانچہ ان کو بلایا گیا اور کہا گیا کہ اس میت کو پہچانو۔ مگر کوئی بھی نہ پہچان سکا۔ بالآخر ایک بہت بوڑھے کو سوار کر کے ہمراہ لائے۔ اس نے اس میت کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیوی کی نعش ہے۔ ہم نے اس کے اعمال کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ بڑی نیک کردار بی بی تھی اور بالعموم مسلمانوں ہی کے گھروں میں دن گزار دیتی تھی۔ بعض آدمیوں نے ہمیں بتایا تھا کہ یہ مسلمانوں کی طرح نماز بھی پڑھتی تھی۔ ہمارا بھائی نامرد تھا لیکن اس نیک بخت نے ہمیں خبر تک نہ ہونے دی۔ کئی سال تک اولاد نہ ہونے کے باعث ہم نے اپنے بھائی کو دوسری شادی کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے بہت انکار کیا، لیکن ہم نے زبردستی اس کی شادی کر دی۔ اس نئی عورت نے تھوڑے ہی دنوں میں یہ مشہور کر دیا کہ میرا شوہر نامرد ہے۔ یہ سن کر اس بی بی نے دعا مانگی کہ الٰہی! میرے لیے اب زندہ رہنے سے موت اچھی ہے کیونکہ پہلے اس بات کا کسی کو علم نہ تھا لیکن اب سب آدمی اس بھید سے آگاہ ہو گئے ہیں اور خاوند کی یہ ذلت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اس کے چند ہی دنوں بعد ایک دن اسے معمولی بخار ہوا اور تین چار روز کے بعد جاں بحق تسلیم ہو گئی۔

اس سے ثابت ہوا کہ موتیٰ کو کوئی کلمہ کلام پڑھ کر ایصال ثواب کیا جائے تو ان کو نفع بخشتا ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ۷۵ ہزار کلمۂ طیب پڑھ کر اس کا ثواب موتیٰ کو بخشا جائے تو خدا کے فضل و کرم سے عذاب سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تخفیف صاحبِ ایمان کے لیے مخصوص ہے۔ ورنہ جس کے ایمان میں خرابی ہو اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ قرآن پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ مومن کا بخشش مانگنا موتیٰ کے لیے باعث بخشش ہے، اور اس کے لیے صدقہ یا خیرات کیا جائے تو اس کا ثواب اس کے لیے باعث آرام و تسکین ہوتا ہے۔ فرمان مولیٰ کریم ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ	کہ جو مسلمان پہلے مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ	ہیں وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان
سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ	بھائیوں کو بھی بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ (پ۲۸ - ۴)

اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے لیے کدورت نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! تو بڑا ہی شفیق اور رحیم ہے۔

دیکھو! خداوند تعالیٰ نے اُن مسلمانوں کی تعریف کی جو اپنے سے پہلوں کے لیے مغفرت مانگتے ہیں۔ اور بخاری شریف میں حدیث مبارک ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ تُوُفِّیَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَاَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا فَهَلْ یَنْفَعُهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّیْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِیَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَنْهَا ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی ماں مرگئی اور وہ غیر حاضر تھے پھر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں میری غیر حاضری میں مرگئی ہے تو اگر میں اس کی طرف سے وکیل بن کر صدقہ کروں تو کیا اس کو اس سے کچھ فائدہ ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں فائدہ ہوگا۔ پھر سعد نے فرمایا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا بار آور باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

بندگانِ خدا کی حفاظت من اللہ کی دو۲ مثالیں

ہمارے اعتقاد کے بموجب انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ محفوظ۔ مولیٰ کریم اپنے بندوں کی ہر حال میں حفاظت فرماتے ہیں۔

ہمارے حضور بالعموم نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد باہر تشریف لے جایا کرتے۔ بعض دفعہ تھوڑی دور جاکر طبیعت رُک جاتی تو واپس تشریف لے آتے۔ باہر جاتے وقت کچھ مطابقت والے احباب بھی ساتھ جاتے اور جن کی وجہ سے کچھ طبیعت رُکتی اُن کو آپ فرماتے کہ جاؤ مسجد میں آرام کرو۔ ایک دن آپ باہر تشریف لے گئے تو برادرم محمد یوسف خوشنویس جو حضرت کیلیانوالہ ہی کے

رہنے والے ہیں، وہ بھی ہمراہ تھے۔ ایک جگہ پر پہنچ کر حضور نے فرمایا "اس سے آگے تو آگ کی طرح گرمی محسوس ہوتی ہے لہٰذا واپس ہی چلو"۔ ان کے دل میں خیال گزرا کہ گرمی تو ایک ہی جیسی ہے، پھر آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں۔ دوسرے دن پھر برادرم محمد یوسف ہمراہ تھے تو پھر ایک جگہ پر پہنچ کر حضور نے اسی طرح فرمایا۔ اس دن برادرم محمد یوسف کو بھی یہ گرمی اچھی طرح محسوس ہوئی۔ وہ بے ساختہ بول اُٹھے کہ واقعی اس سے آگے تو آگ کے شعلوں کی طرح گرمی محسوس ہوئی ہے۔

میرے حضور ایسے موقع پر اکثر حقیقت کو ان الفاظ میں عیاں فرماتے:

ایں جہاں جہاں دگر است، ایں زماں زمان دگرست، ایں مکاں مکان دگرست، ایں
عیاں عیان دگرست، ایں نہاں نہان دگرست، ایں بیاں بیان دگرست۔

حقیقت یہ ہے کہ بندگانِ خدا کی دنیا ہم دنیا داروں سے الگ ہوتی ہے۔ اور ان کا تعلق اور طرح سے ہوتا ہے۔ ان کا ہر فعل گو دیکھنے میں ہمارے فعل کی طرح ہو لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ان کی نماز گو بظاہر ہماری نماز کی طرح ہوتی ہے، لیکن ہماری نماز؎

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد که مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

کا مصداق ہوتی ہے، اور بندگانِ خدا کی نماز اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کے مطابق ہوتی ہے۔

۴: ایک دن سید رحمت شاہ صاحب ساکن بڈورتہ جو کہ صاحبزادگان کے ماموں ہیں انہوں نے حضور کے سامنے تمنا ظاہر کی کہ آپ اپنی زمین تو دکھائیں۔ حضور نے خیال مبارک فرمایا کہ عصر کے بعد چاہ "درویش کا" پر جو حضرت کیلیانوالہ سے مغرب کی جانب ہے چلیں گے۔ چنانچہ حضور نماز عصر کے بعد اُدھر تشریف لے گئے تو جوہڑ (ڈھاب) پر پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ بھائیا واپس چلو، طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہیں سے واپس لوٹ آئے۔

اس موقع پر میں ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں جو حضور کئی مرتبہ خوش وقتی میں بیان فرمایا کرتے تھے اور جو اسی موضوع کے موافق ہے:

حضرت خواجہ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ دونوں صاحب اپنے

اپنے وقت میں بادشاہ گزرے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو تو خیال تھا کہ بادشاہی فقیری میں حجاب نہیں ہوتی، لہٰذا اگر بادشاہی بھی رہے اور فقیری بھی تو اس میں کیا حرج ہے۔ تو ایک دن اپنے محل میں سوئے پڑے تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ مکان کے اندر کوئی آدمی چل پھر رہا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں ساربان ہوں، میرا ایک اُونٹ گم ہو گیا ہے، اسے تلاش کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، بیوقوف! یہ اُونٹ تلاش کرنے کا کونسا میدان ہے؟ تو اُس نے کہا اے عقلمند! شاہی محلوں میں فقیری ڈھونڈنے کا کونسا مقام ہے؟ یہ کہہ کر گم ہو گیا۔ غرض شاہی چھوڑ کر ہی فقیری دی۔ اور حضرت محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ کو جب درد پیدا ہوا اور آپ نے بادشاہی اور تاج و تخت چھوڑ کر جنگل کی راہ لی تو آپ کی طبیعت منقبض ہو گئی۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ مولیٰ کریم! جو چیز باعثِ حجاب تھی میں نے تیرے لیے اُسے ترک کیا ہے تو پھر یہ حال کیوں ہوا؟ ندا آئی کہ تم تخت پر جا کر بیٹھو، تم سے کام لینا ہے، اور تجھے تاج و تخت کوئی نقصان نہیں دے گا۔

بمصداق فرمان مولیٰ کریم:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى	نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ چھوڑ دے مومنوں کو اُوپر
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ	اس حال کے کہ ہو تم اُوپر اس کے۔ یہاں تک کہ جُدا
مِنَ الطَّيِّبِ ۗ (پ۴۔ ع۹)	کر دے پلید کو پاک سے۔

چونکہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بادشاہی کی تمنّا باقی تھی تو یہ خیال اُن کے وجود سے نکال کر چھوڑا، تاکہ یہ خیال ان کو نقصان نہ دے۔ اور خواجہ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہی کو باعثِ حجاب سمجھتے ہوئے اس سے بیزار ہو کر اس کو خیر باد کہا، تو ان کو پھر واپس کر دیا گیا۔ مولا کریم کا مقصود تو مطابق فرمان مومنوں کی حفاظت ہے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا ہے کہ "ولی محفوظ ہوتا ہے"۔ اور جب تک خبیث کو طیب سے الگ نہ کر دیں مومن کو نہیں چھوڑتے۔ مولیٰ کریم کا مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ مومن کے دل میں سوائے میری محبت کے کسی چیز کی محبت نہ رہے، اور اسی لیے اس کی خاص طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ ایسے حال والے صاحب بادشاہ بھی ہوں تو ان کو اپنے ضمیر اور طبیعت ہی کا ہر وقت خیال دامنگیر رہتا ہے۔

وہ لذت اور وہ سرور جو دنیا سے ہم دنیا دار لیتے ہیں ان کو نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ عاجز قبل ازیں تحریر کر چکا ہے، وہ "ایں جہاں جہانِ دگرست" کے مطابق الگ دنیا میں مقیم ہوتے ہیں جس کا علم سوائے حال کے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ فَهِمَ مَنْ فَهِمَ!

حکیم نیرؔ واسطی صاحب کا ایک مراسلہ اور حضور کا جواب

ایک دفعہ حکیم سیّد علی احمدؔ صاحب نیرؔ واسطی لاہوری نے (جن کا تعلق باطنی حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے) ایک مراسلہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ جس میں صرف یہ ایک شعر تحریر تھا ؎

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل!
مے بینمت عیان و ثنا مے فرستمت

اس کے جواب میں حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک شعر ہی میں جواب لکھا جو درج ذیل ہے:

اے غنچۂ طریقت!

اے کاشفِ حقیقت! کردی عیاں ھدیٰ را
ارشاد حضور اصح، نسبت چہ زیں گدا را

کشف و کرامات اور تصرّف

کشف کیا چیز، کرامت کیا ہے!

استقامت ہے ولایت ساری

جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعض حالات اور ضروریات کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے خاص خاص نشانات عطا فرمائے جن کو عرف عام میں معجزہ کہا جاتا ہے، اسی طرح ان کے متبعین کو بھی حسب مدارج کچھ آیات عنایت فرمائیں جن کو کرامت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معجزہ پیغمبروں کے بس کی چیز نہ تھی اور نہ وہ اس کے اظہار پر قادر ہوتے بلکہ مشیّت خداوندی کے ماتحت کبھی کسی نبی سے ایک آدھ مرتبہ کسی معجزہ کا ظہور ہو جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض معجزے ایسے بھی ہوں۔ لیکن تمام معجزوں کو ایسا ہی سمجھنا میرے خیال میں تنگ نظری ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ معجزہ محض ایک عنایت الٰہی ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی طاقت نہ ملے، از خود کوئی ایک ذرہ برابر بھی قوّت یا اختیار نہیں رکھتا۔ لیکن اس عالم ابتلاء میں اللہ تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ جب ایک چیز کسی کو عنایت فرما دیتے ہیں تو اس کے استعمال میں اُسے مختار بھی فرما دیتے ہیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیکھنے سُننے کی، چکھنے سُونگھنے کی، کھانے پینے کی اور چلنے پھرنے کی وغیرہم کئی طاقتیں عطا فرمائی ہیں، تو جب تک یہ طاقتیں ہم میں اس کی طرف سے ودیعت ہیں، ان کے استعمال میں بھی ہمیں پُورا پُورا اختیار دیا گیا ہے، اسی طرح جو معجزہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا رسول کو عطا فرما دیا، اس کے استعمال میں بھی اُسے اختیار دے دیا گیا کہ جب چاہے اس کا اظہار فرما دے۔

مثال کے طور پر:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ کے مطابق نو نشانات عطا فرما کر فرعون کی طرف بھیجا۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس ارادہ سے

اپنے عصا کو پھینکیں کہ وہ سانپ بن جائے اور اس کا ظہور نہ ہو۔ یا

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دعویٰ فرماتے ہیں کہ:

اِنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ	میں تمہارے سامنے بہ شکل پرند مٹی کی مورت بناتا ہوں
الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا	پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے
بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ	(سچ مچ کا) جانور بن جاتا ہے۔ اور مادر زاد اندھے اور
الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِۚ	کوڑھی کو خدا کے حکم سے تندرست کر دیتا ہوں اور
وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ	مُردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے ہو
فِیْ بُیُوْتِكُمْؕ (پ ۳ - ۱۳)	اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو وہ بتا دیتا ہوں

اب یہ ناممکن ہے کہ علی الاعلان دعویٰ کے بعد ان میں سے وہ کسی معجزے کے ظہور کا ارادہ فرمائیں تو وہ نہ ہو سکے۔ یا:

(۳) سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن و شیاطین پر حکومت دے کر اور ہوا کو مسخر کر کے فرمایا کہ فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (پ ۲۳ - ۲) یعنی خواہ انہیں چھوڑ دے یا بند رکھ کسی قسم کی باز پرس نہیں ہے۔ اب یہ محال ہے کہ سلیمان علیہ السلام ہوا کو تخت اٹھانے کا حکم دیں تو کسی وقت وہ انکار بھی کر دے۔

اسی نہج پر کرامت کا بھی حال ہے اور حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الانسان فی القرآن" میں "کرامت اور استدراج میں فرق" کے عنوان کے ماتحت ایک مقالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں آپ نے کرامت کی چند قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ یعنی اضطراری، اختیاری اور استقراری۔ ان کے علاوہ ایک قسم جو حفاظت من اللہ کے طور پر ظہور میں آتی ہے، اس کا بھی اشارہ فرمایا ہے۔ جن کی پوری توضیح وہاں پر دیکھی جا سکتی ہے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق صرف یہ ہے کہ معجزہ انبیاء کو نشان کے طور پر دیا جاتا ہے، جس کو وہ علی الاعلان منکروں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اور کرامت انبیاء علیہم السلام کی اتباع کے ماتحت

اولیائے کرام کو مولیٰ کریم کی طرف سے عنایت ہے۔ لیکن انہیں اس کے ظہور کے دعویٰ سے ممانعت ہے۔ بلکہ دعویٰ سے نقصان اور مؤاخذہ ہوتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ نبوّت میں دعویٰ ہوتا ہے اور ولی بھید میں جاتا ہے۔

لیکن بایں ہمہ انبیاء کو بھی نہایت اشد ضرورت کے ماتحت کوئی معجزہ دیا گیا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باوجود اس کے کہ سیکڑوں معجزے ظہور میں آئے لیکن ناظرین سارے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی میں آپ کی زبان مبارک سے کسی ایک معجزہ کا بھی دعویٰ نہیں دیکھ پائیں گے۔ بلکہ کفارِ مکہ نے جب مختلف بڑی بڑی خرقِ عادات کا مطالبہ کیا تو خداوند کریم کی طرف سے ان کے لیے صرف یہی جواب دیا گیا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ یعنی آپ کہہ دیں کہ سبحان اللہ! میں تو بنی آدم میں کا ایک رسول ہوں۔ تم اس چیز کی طرف دیکھو جسے میں پیش کر رہا ہوں۔ اور ان سطحی باتوں کی طرف دھیان نہ کرو۔ بلکہ اصل مقصود کی طرف دیکھو۔ اور جب یہود نے کہا کہ ہمارے ساتھ خدا کا یہ عہد ہے کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں تاوقتیکہ وہ قربانی لائے اور اسے آگ کھا جائے۔ تو ان کا یہی مطلب تھا کہ آپ یہ معجزہ دکھائیں۔ ان کو بھی یہی جواب دیا گیا کہ اس کا تجربہ پہلے ہو چکا ہے۔ کئی پیغمبر یہ معجزہ اور اس سے بھی بڑھ کر بیّنات لے کر آئے۔ مگر تم نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ لہٰذا اب اس کی ضرورت نہیں۔

اسی لیے اولیائے کرام بھی کرامت کو مستحسن خیال نہیں کرتے۔ بلکہ حضرت محی الدین کا قول ہے کہ اَلْكَشْفُ حَيْضُ الرِّجَالِ وَالْكَرَامَةُ نِفَاسُ الرِّجَالِ۔ یعنی کشف مردوں کا حیض ہے اور کرامت مردوں کا نفاس۔ حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ دگو اس میں کراہیت ہے لیکن جیسے حیض عورتوں کے لیے نشانِ بلوغ ہے اسی طرح کشف سالک کے لیے علامت بلوغ ہے۔ اور جیسے نفاس بعد ولادتِ فرزند ظاہر ہوتا ہے اسی طرح کرامت بعد حصول یقین ظہور پکڑتی ہے۔ یعنی جیسے حیض و نفاس کے درمیان ایک نتیجہ ہے ایسا ہی کشف کرامت کے درمیان یقین ہے۔ اور بغیر یقین کامل کے کمال ایمان واطمینانِ قلب نہیں ہوتا۔ اسی واسطے

مردانِ خدا نتیجہ کو اصل سمجھتے ہیں، نہ کہ اس کے اطراف کو۔ یعنی کشف و کرامات راہِ سلوک میں وہ مقام ہیں نہ کہ اصل مقصود۔ اور اولیا، اللہ ورا، الورا میں قدم رکھتے ہیں اور حصول معرفت میں ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا دم بھرتے ہیں۔" اور آپ دیکھیں گے کہ جس قدر کوئی اللہ کا بندہ متبع سُنّت ہوگا اسی قدر کرامت کے ظہور اور اس کے دعویٰ سے اجتناب کرے گا۔ البتہ سنت کے خلاف نسبت والے بڑے وثوق سے کسی بات کا دعویٰ کر دیتے ہیں جو بالعموم پورا بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن بندگانِ خدا سوائے عجز کے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کرتے۔

نقل ہے کہ حضرت ابو بکر واسطی جو بڑے عالم تھے حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سال بھر تک ساکت و خاموش وہاں کی صحبت کا رنگ ڈھنگ دیکھتے رہے۔ جب کوئی کشف و کرامت حضرت جُنید کی جو پابند شرع تھے نہ دیکھی تو دل برداشتہ ہو کر حضرت سے رخصت چاہی۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ بھلا مولوی صاحب! آپ برس دن تک یہاں رہے، نہ اپنی کہی نہ ہماری سُنی، یہ کیا بات ہے؟ اس وقت موقع پا کر ابو بکر واسطی نے عرض کیا کہ حقیقت میں بات تو یہ ہے کہ میں بیعت کے ارادہ سے حاضر ہوا تھا۔ سال بھر رہ کر دیکھا گیا مگر آپ سے کوئی کشف و کرامت ظاہر نہیں ہوئی، وہی عالموں کا سا طور و طریق ہے۔ نماز، روزہ، تہجد و اشراق، چاشت اور درس و تدریس۔ جب آپ میں اور عالموں سے کوئی فوقیت نہیں پائی، ناچار اجازت چاہی۔ حضرت نے یہ سُن کر فرمایا کہ بھلا اس سال بھر میں جُنید سے کوئی امر خلاف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سرزد ہوا؟ ابو بکر نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ جھٹک کر فرمایا کہ "جا! جُنید کی یہی کرامت ہے۔" ہاتھ جھٹک کر یہ کہنا تھا کہ ابو بکر نے کپڑے پھاڑ کر جنگل کی راہ لی۔ بعد چھ مہینے کے پھر آئے تو حضرت نے مثل سابق وہی ارشاد فرمایا اور جواب پا کر پھر ہاتھ جھٹکا۔ ابو بکر نے نعرہ مارا اور بیابان کا رستہ لیا۔ غرض تیسری دفعہ چھ مہینے کے بعد آئے تو حضرت نے ہاتھ پکڑ کر وہی ارشاد کیا۔ تو ابو بکر نے کہا کہ میں آپ میں کوئی امر خلاف سنت رسول اللہ نہیں پاتا۔ مگر[1]..... یہ کہنا تھا کہ حضرت

[1] یہ کہنا چاہتے تھے کہ رسول علیہ السلام نے کسی کا ہاتھ جھٹک کر چند بار کب خراب کیا تھا؟ یہ بات تو خلاف سنت پائی ۱۲

نے چھاتی سے لگایا اور اس حاضر جوابی سے خوش ہو کر خرقۂ خلافت عطا فرما کر رخصت کیا۔

بہرکیف خواہ کہیں دعویٰ ہو یا نہ ہو معجزہ اور کرامت ایک ایسی حقیقت ہے جس کے وجود سے کسی کو انکار کی گنجائش نہ ہو سکی۔ بس زیادہ سے زیادہ پہلے منکروں نے انبیاء علیہم السلام کے بڑے بڑے معجزوں کو دیکھ کر جادو کہہ دیا، اور اس زمانہ کے انکار کرنے والے کسی ولی کی کرامت کو سن کر یا دیکھ کر یا تو اس واقعہ کا بطلان کر دیتے ہیں اور یا اسے حُسنِ اتفاق سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح خوش عقیدہ لوگ ہر معمولی واقعہ کو کرامت پر محمول کر لیتے ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے

کسے بدیدۂ انکار گر نگاہ کند! نشان صورت یوسف دہد بنا خوبی
وگر بچشم ارادت نگہ کند در دیو فرشتہ اش بنماید بچشم محبوبی

اور حقیقت کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں میں افراط اور تفریط سے کام لیا گیا ہے، جو بعید از انصاف ہے۔ راقم الحروف عقیدت کو برطرف رکھ کر حضور رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و تصرف کے چند عینی مشاہدات ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہے، جن میں ان شاء اللہ مبالغہ کا شائبہ تک نہ ہوگا۔

اپنے ان چند واقعات کے لکھنے سے پہلے میں ایک یہ عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میرے آباؤ اجداد کوئی دو پشت سے غیر مقلدانہ عقائد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر میں سارے حالات کو تفصیل کے ساتھ قلمبند کروں تو وہ ایک طولانی تمہید والا قصہ ہے، اس لیے اختصار کے پیش نظر اصل مدّعا کو بیان کرتا ہوں۔

(۱) جب میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے بنظر شفقت مجھے طریقت میں داخل فرمالیا تو اس بات کا علم ہو جانے پر ہمارے بزرگوں نے اسے ایک بہت بڑی غلطی تصوّر کیا اور کہا کہ اگر تم نے ضرور کسی سے بیعت کرنی ہے تو لاہور میں مولوی احمد علی صاحب سے کر لو۔ الحاصل رفتہ رفتہ انہوں نے مجھے آپ کی طرف سے برگشتہ کر لیا۔ چنانچہ جب میں نے مولوی احمد علی صاحب کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو اس سے دو دن پیشتر حضور رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مطالعہ کے لیے ایک کتاب عنایت فرمائی تھی۔ ابھی میں نے اس کے چند صفحات ہی دیکھے تھے کہ ارادہ تبدیل ہو گیا۔

ارادہ کا بدلنا تھا کہ چند لمحات کے بعد برادرم سراج الدین صاحب مرحوم تشریف لائیے اور فرمایا کہ حضور نے کتاب واپس طلب کی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی تو میں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔ تو کہا کہ آپ نے فرمایا ہے اگر دیکھنے کا خیال ہوا تو پھر لے لینا، مگر فی الحال واپس دے دو۔ میں چونکہ اس کے مطالعہ کا ارادہ ہی ترک کر چکا تھا، اس لیے بغیر کسی ملال کے کتاب لوٹا دی۔ اور یہ بات بھی صرف رسمی طور پر کہی تھی۔

آخر جس روز لاہور جانے کا ارادہ تھا، معلوم نہیں کونسی طاقت نے مجھے مجبور کیا کہ میں ایک دفعہ حضور کی خدمت میں ہو آؤں چنانچہ چلا گیا اور ابھی بیٹھک شریف میں قدم رکھا ہی تھا کہ میری صورت دیکھتے ہی کوئی کلام کیے بغیر آپ اندر تشریف لے گئے۔ میں نے کوئی گھنٹہ بھر انتظار کر کے ہم نشین برادرانِ طریقت سے دریافت کیا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ باہر خلوت میں حجامت بنوا رہے ہیں۔ مجھے چونکہ جلدی تھی، ناچار وہاں پہنچا۔ تو آپ نے دیکھتے ہی نہایت کبیدہ خاطری اور رُکھائی سے دریافت فرمایا کہ "کیا لاہور جانے کا ارادہ ہے"؟ عرض کیا "جی ہاں"۔ فرمایا کہ "مولوی احمد علی کے پاس"؟ چونکہ انکار کی گنجائش نہ تھی اس لیے اقرار کر لیا، تو فرمایا کہ "جاؤ"، پھر یہاں کیا کام ہے؟ خدا کی زمین پہ چلو پھرو اور سیر کر لو"۔

میں بھی پوری طرح اعراض کر کے بڑبڑاتا ہوا واپس لوٹا اور دل میں سوچا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ مجھے پوری طرح وثوق تھا کہ میں نے کسی آدمی سے اپنے اس ارادہ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ پھر اپنے دل کو اس خیال سے تسلّی دے لی کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں، آخر پیر بنے بیٹھے ہیں، ان میں بھی کوئی بات تو ہوگی۔ آخر جوگی بھی تو کئی دل کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔

اس لاہور کے سفر میں جس قدر میں خراب ہوا اور بھٹکتا پھرا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ مگر اس کو بھی میں نے سُوء اتفاق ہی سے تعبیر کیا —— حُسنِ اتفاق سے اسی دن لاہور مسجد وزیر خاں میں دیوبندیوں اور بریلویوں کا فیصلہ کُن مناظرہ تھا، جو دو دن طے ہوتا رہا۔ میں نے اس کی ساری کارروائی دیکھی۔ دونوں طرف سے تمام ہندوستان کے چوٹی کے علماء آئے ہوئے تھے ایک طرف سے مولانا

حامد رضا خاں صاحب بریلوی کو اور دُوسری طرف سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو مدعو کیا گیا تھا۔ آخر مولانا حامد رضا خاں صاحب تو پہنچ گئے لیکن مولانا اشرف علی صاحب نہ پہنچ سکے۔ اس پہ بریلویوں کی طرف سے تالیاں بجائی گئیں۔ اور مناظرہ کے لیے دیوبندیوں کو بلایا گیا لیکن کوئی سامنے نہ آیا۔ آخر مناظرہ کیے بغیر دیوبندیوں کو شکست فاش ہوئی۔ مجھے پھر بھی سمجھ نہ آئی۔ بلکہ اس شکست کو بھی بریلویوں کی چالاکی پر محمول کیا۔

آخر مولوی احمد علی صاحب سے ملا اور انہوں نے ایک وظیفہ بتلا دیا میں نے پُوچھا کہ اگر پہلے کسی سے کچھ پُوچھ رکھا ہو تو اس کو چھوڑ دوں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر خلاف شرع ہے تو چھوڑ دو ورنہ کیے جاؤ۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت تک مجھے صرف سورۂ اخلاص کا وظیفہ بتایا تھا چنانچہ میں نے اسے بھی جاری رکھا اور واپس آ گیا۔ لیکن آتے ہی ایسا بیمار ہؤا کہ بخار اُترنے پر نہ آتا تھا۔ سردی کا سارا موسم داخل العرُوق بخار میں گزر گیا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مجھے تپ دق ہو گیا ہے۔ اور اس کے علاج کے لیے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر آرام نہ آیا۔ بالآخر میرے ایک چچا حافظ عبدالحی صاحب مجھے اپنے پاس لے گئے اور علاج معالجہ کرتے رہے۔ بارے کچھ آرام ہؤا تو میں وزیر آباد میں آیا یہاں میری ایک پھوپھی رہتی تھی جس کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ پھوپھا نے مجھے اپنی تنہائی کم کرنے کے لیے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ اور میں تقریباً ڈیڑھ دو سال وہاں رہا۔

اس دَوران میں شہر کے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست ہو گئی جو مادّہ پرست تھے اور بالعمُوم فلسفیانہ باتیں کیا کرتے تھے۔ دُوسرے میں نے حکیم محمد اسحاق صاحب سے قانون شیخ الرئیس بُو علی سینا کا سبق شروع کر دیا۔ جس میں اسی قسم کا عالمِ اسباب کے متعلق کافی مواد ہے۔ چنانچہ ان صحبتوں سے متاثر ہو کر میں بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگا، اور اسلام سے تقریباً منحرف ہو گیا۔ البتہ نماز پڑھ لیا کرتا تھا، اور حضور کا بتایا ہؤا وظیفہ بھی نہ چھوڑتا۔

مولوی احمد علی صاحب کے پاس دوبارہ جانے کا تو کبھی خیال بھی نہ آیا۔ البتہ ایک دفعہ میں اپنے گاؤں آیا تو علی محمد شیخ (جو اوائل شباب میں میرا ایک گہرا دوست تھا) مجھ سے ملا۔ میں نے اس کے

ساتھ کچھ اظہارِ خیال کیا۔ چونکہ وہ بھی حضرت قبلہ کا عقیدت مند تھا، میری باتیں سُن کر بہت پریشان ہُوا آخر اس نے کہا کہ ایک دفعہ حضور کے پاس تو چلو۔ چونکہ میرے دل میں اس وقت حضور کی عظمت باقی نہ تھی اس لیے کوئی شرم و حجاب نہ تھا۔ لہٰذا تفریحاً چلا گیا۔

جب میں حضور کی مسجد میں پہنچا تو عصر کا وقت تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ میری طرف متوجہ ہوئے خیریت پُوچھنے کے بعد میرے مشاغل دریافت فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ وزیر آباد میں کتابت کرتا ہوں اور طبّ کا سبق بھی شروع کر رکھا ہے۔ فرمانے لگے کہ ایک فلسفہ کا علم بھی ہوتا ہے اور فلسفی یوں کہتے ہیں اور یُوں کہتے ہیں۔ خدا شاہد ہے کہ جو جو کچھ میں بکواس کیا کرتا تھا عن و عن بیان فرما دیا۔ پھر فرمایا کہ عزیزا! یہ فلسفہ نہیں "یہ پھسل پا" ہے۔ پھر ان باتوں کے ایسے مُسکت جواب دیے کہ مجھے ہوش آ گیا۔ اس وقت میں نے عرض کیا کہ "حضرت! میں تو گیند بنا ہُوا ہوں اور جدھر کوئی ٹھوکر مارتا ہے اسی طرف کو لُڑھکتا جاتا ہوں"۔ یہ سُن کر آپ نے پھر نظرِ شفقت فرمائی اور الحمد للہ کہ میں پھر آپ کی طریقت میں منسلک کر لیا گیا ـــــ شاید قسمت نے اس لیے دوبارہ موقع دے دیا کہ میں نے آپ کا بتایا ہُوا وظیفہ ترک نہیں کیا تھا۔ اور آپ نے بھی فرما دیا کہ بہتیرا خراب ہو لیا اور کافی سزا بُھگت لی۔

اب یہ ناظرین کے انصاف پر چھوڑتا ہوں کہ یہ سب کچھ آپ کا کشف و تصرّف تھا یا محض اتفاقات تھا؟

۲: ایک دفعہ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے گھر سے نکلا تو میرے ایک عم زاد برادرم عبدالستار نے دریافت کیا کہ کہاں چلے ہو؟ میں نے بتایا اور اس کو بھی ہمراہ چلنے کی دعوت دی۔ وہ ساتھ ہو لیا اور راستہ میں مجھ سے کہا کہ تم جو کہا کرتے ہو کہ حضور دل کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ بھلا آج کوئی بات سوچ رکھو تا کہ میں بھی دیکھ لوں کہ کیا واقعی مطلع ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ کسی اللہ کے بندے کے پاس امتحان کے لیے نہیں جانا چاہیے بلکہ طالبِ ہدایت بن کر جانا چاہیے یہ بُوجھنا بُجھانا تو جوگی بھی کر لیتے ہیں۔ خیر! وہ خاموش ہو گیا۔ جب خدمتِ اقدس میں پہنچے تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ میرا چچا زاد بھائی ہے۔ تو آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عزیزا! جب کسی کے پاس جائیں تو امتحان کے لیے نہیں جانا چاہیے۔ یہ بُوجھنا بُجھانا

کیا ہوتا ہے، یہ تو جوگی بھی کر لیتے ہیں"۔ عبدالستار ابھی نو عمر ہی تھا۔ یہ سُن کر متعجب ہو کر ہنسنے لگا۔

۳ : انہی دنوں برادرم مولوی محمد سلیمان صاحب نے (جو آج کل جامع مسجد علی پور کے خطیب ہیں) مجھ سے پوچھا کہ کیا تم پھر شاہ صاحب کے پاس آنے جانے لگے ہو؟ میں نے اقرار کیا تو کہنے لگے کہ تم استخارہ تو کر لیتے۔ میں نے کہا یُوں نہیں، تم بھی کرو اور میں بھی کرتا ہوں۔ ظہر کے بعد یہ گفتگو ہوئی اور عصر کی نماز میں نے حضور کی مسجد میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ خلاف معمول وہیں بیٹھے بیٹھے میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کے جانور زندہ کرنے کا قصہ تمہیں یاد ہے"؟ میں نے عرض کیا "جی ہاں"۔ پھر فرمایا اور "عزیر علیہ السّلام کا"؟ عرض کیا "وہ بھی"۔ پھر فرمایا "اور اُن بنی اسرائیل کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ظاہر طور پر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی"؟ اس کا بھی اقرار کیا تو فرمایا کہ مولیٰ کریم نے دونوں صاحبوں کو اُن کے حسب حیثیت مشاہدہ کرایا ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام کو تو معمولی باز پرس کے بعد مشاہدہ کرا دیا۔ اور عزیر علیہ السّلام کو دکھا تو دیا لیکن سَو سال کی موت دینے کے بعد۔ اور بنی اسرائیل پر بجلی گرا کر انہیں ہلاک کر دیا۔ تو ہر ایک کا یہ منصب نہیں کہ اسے مشاہدہ کرایا جائے۔ اور نہ اس صورت میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی شرط قائم رہتی ہے۔ تو ایک دفعہ تم آزمائش کر چکے ہو۔ ہوش کرو، اب اگر پھر تم نے کوئی لغزش کھائی تو اچھا نہ ہوگا"۔

یہ سُن کر میں نے اپنے دل میں استخارہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس دن جمعرات تھی۔ چونکہ مولوی محمد سلیمان صاحب سے پختہ عہد و پیمان تھا، سونے کے وقت وعدہ یاد آ گیا۔ نفل تو نہ پڑھے لیکن دُعائے استخارہ پڑھ کر سو گیا تاکہ محض وعدہ خلاف نہ رہوں۔ اس رات جو عجیب و غریب خواب میں نے دیکھا وہ آج تک کسی سے بیان نہیں کیا۔

صبح برادرم محمد سلیمان نے دریافت کیا کہ استخارہ کیا تھا؟ میں نے کہا کہ پہلے آپ بتائیں۔ تو کہنے لگے کہ میں کیا بتاؤں، بہت پریشان ہوں کہ اب کیا کروں۔ کیونکہ استخارہ کے جواب میں شاہ صاحب دکھائے گئے ہیں۔ لیکن تم تو اس بوجھ کو اُٹھا چکے ہو، مگر چونکہ میرے والد صاحب اور چچا صاحب دونو سخت مخالف ہیں، لہٰذا میں اس بوجھ کا متحمّل نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا تمہاری مرضی۔

۴ : ایک مرتبہ میں اور برادرم مولوی محمد سلیمان اور محمد ادریس صاحبان قرآن مجید کی کسی آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں برادرم محمد ادریس نے کہہ دیا کہ "بھائی صاحب! آپ نے کس کو اپنا مرشد بنا رکھا ہے۔ علم تو شاہ صاحب کو کچھ ہے نہیں"۔ یہ بات سن کر مجھے دکھ تو بہت ہوا مگر سوچا کہ یہ ظاہری علم ہی تو ان کے لیے باعثِ حجاب بنا ہوا ہے اور اسی لیے ان کو آپ سے عقیدت نہیں۔ لہٰذا میں نے اظہار نہ کیا۔ البتہ اتنا کہا کہ اگر آپ ان کا علم دیکھنا چاہتے ہیں تو ان سے اسی آیت کو سمجھ کر موازنہ کریں۔ چنانچہ محمد ادریس صاحب تو چونکہ ڈاڑھی کترا تے تھے اس لیے آپ کے سامنے جانے سے گھبراتے تھے، البتہ مولوی محمد سلیمان صاحب میرے ہمراہ چلے گئے۔ جب حضور کی خدمت میں پہنچکر آپ کے رُوبرُو بیٹھے، تو آپ نے بغیر کسی استفسار کے ہمارے قریب بیٹھ کر از خود اسی آیت شریف کا مفہوم سمجھانا شروع کر دیا۔ میں نے بے خود ہو کر محمد سلیمان صاحب سے کہا کہ یہ اسی آیت کا جواب ...... یہاں تک کہنے پایا تھا کہ آپ نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس آیت شریف کا مطلب ایسا صاف کر دیا کہ مولوی محمد سلیمان صاحب حیران رہ گئے۔ اور رخصت ہونے کے بعد میرے سامنے آپ کے کشف اور فہمائش دونوں چیزوں کا اعتراف کیا۔

۵ : ایک دفعہ میں اپنی مسجد سے عصر کی نماز پڑھ کر نکلا تو یکلخت طبیعت میں حضور کی خدمت میں جانے کی آرزو پیدا ہوئی اور چند قدم آپ کی جانب چلا۔ لیکن راستے میں پھر کوئی اپنا دُنیوی کام یاد آ گیا تو وہیں سے واپس گھر لوٹ آیا۔ دوسرے روز جب حضرت قبلہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے خوب سرزنش کی اور فرمایا کہ اگر اتنا بھی ربط اور مطابقت نہ ہو تو تعلق کا فائدہ کیا ہوا؟ کل عزیز کو یاد کیا تھا اور اسے اطلاع بھی ہوئی لیکن پھر بھی پرواہ نہ کی اور واپس چل دیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے بعد جب کبھی خیال آتا تو چلا جاتا اور آپ دیکھ کر اکثر فرمایا کرتے کہ "عزیز کو یاد کیا تھا آ تو گیا ہے"۔ —— کیا یہ تصرّف نہیں؟

۶ : ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ مکان پختہ ہونا چاہیئے۔ اور نہیں تو کم از کم

بیٹھک تو ضرور پختہ ہونی چاہیے۔ اور خیال ہی خیال میں اس کے متعلق تدبیریں سوچتا رہتا۔ کبھی خیال آتا کہ ایک بھینس لے لینی چاہیے۔ انہی دنوں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو بغیر کسی اظہارِ خیال کے ایک عام خطاب میں آپ یوں گویا ہوئے:

"جس طرح تھوڑے پانی میں کشتی کو چلنے میں دقت ہوتی ہے اور اسے کھینچ کھینچ کر لے جانا پڑتا ہے۔ اور اس کے برعکس گہرے پانی میں خوب آرام سے چلی جاتی ہے، لیکن وہی پانی اگر کشتی کے اندر چلا جائے تو کشتی ڈوب کر ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح مال دنیا کا حال ہے۔ اگر تھوڑا ہو تو ہر وقت تشویش رہتی ہے اور زیادہ ہو تو بے فکری اور آرام سے بسر ہوتی ہے۔ لیکن پانی کی طرح وہ باہر ہی باہر رہے تو مفید ہے۔ اگر آدمی کے دل کے اندر جاگزیں ہو جائے تو اس کی رُوحانی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

بطخ کو دیکھو، پانی میں تیر کر کس قدر خوش ہوتی ہے۔ اس کا تعیش پانی ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن جب اس سے باہر نکلتی ہے۔ تو نیچے کے چھوٹے اور نرم پر تو درکنار باہر کے بڑے پر بھی خشک ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے سالک کو بھی دنیا کے اندر رہنا چاہیے اور مال دنیا اور سامان دنیا کو دل کے اندر ہرگز جگہ نہ دینا چاہیے۔ اگر ایسا حال ہو تو (ان الفاظ پر پہنچ کر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا) پھر خواہ بیٹھک چھوڑ مکان بھی پختہ بنائے، اور ایک چھوڑ کئی بھینسیں خرید لے۔ لیکن دل کے اندر جگہ نہ دے۔

یہ ہے مرشد کامل کی نگہداشت اور یہ ہے بزرگان دین کا طریقۂ تعلیم۔

۷: آپ کا طریقۂ تعلیم یہ بھی تھا کہ اگر کوئی کام کسی کے حق میں مُضر ہوتا اور وہ اس کے کرنے پر مُصر ہوتا تو آپ بظاہر اس کے ہمنوا ہو جاتے، لیکن باطنی طور پر اس کے دل سے وہ خیال نکال دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ ایک آئل انجن خرید کر کسی گاؤں میں آٹا پیسنے کی چکی اور چاول نکالنے کی مشین لگا لینی چاہیے۔ اور اس کے لیے ایک موزون جگہ بھی منتخب کر لی۔ لیکن اس قدر خرچ کے لیے رقم اپنے پاس نہ تھی۔ اس لیے ایک عرصہ تک اپنے اس خیال کو دل میں چھپائے

رکھا اور اس خیال سے کسی پر ظاہر نہ کرتا کہ ایسا موزون محل وقوع دیکھ کر کہیں کوئی اور شخص سبقت نہ کر لے۔ آخر دو ایسے آدمیوں کو شریک کار بنایا جو مالدار تھے۔ جب ہر طرح سے تجویز مکمل ہو گئی تو پھر حضور کو سارے حالات سُنا کر آپ سے مشورہ لیا۔ آپ نے بظاہر پسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کوئی حرج نہیں۔ کام اچھا بھی معلوم ہوتا ہے اور منفعت بخش بھی۔ لہٰذا اگر ہو سکے تو کر لو۔ بس اجازت لے کر باہر نکلا تو اسی وقت اس کام میں کچھ قباحتیں اور نقص نظر آنے لگے۔ غرض گھر پہنچنے تک اس کام سے پوری طرح دل برداشتہ ہو گیا اور پورے طور سے ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن سوچتا تھا کہ ساجھیوں کو کیا جواب دوں۔ آخر دو تین روز کے بعد جب وہ ملے تو دونوں نے کہہ دیا کہ حالات سازگار نہیں اور روپیہ کا بندوبست نہیں ہو سکا۔ حالانکہ پہلے کوئی روکاوٹ نہ تھی ——— کیا یہ تصرف نہیں؟

۸: شروع شروع میں جب مَیں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو آپ اکثر خطراتِ قلب کا از خود جواب فرما دیا کرتے۔ رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی گئی۔ بالآخر اکثر باتوں کے متعلق دریافت کرنا پڑتا۔ ایک دن حضور کے سامنے بیٹھے بیٹھے مجھے خیال گزرا کہ خدا جانے اب آپ از خود کیوں بیان نہیں فرماتے۔ معاً حضور نے فرمایا کہ:

شروع شروع میں حضرت اعلیٰ احباب کو ان کے واردات اور حالات سے مطلع فرما دیا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ پر سارے حالات بالکل ہی منکشف ہو گئے تو آپ نے کسی پر ظاہر کرنا ترک فرما دیا۔ یہ ارشاد سُن کر میں سمجھ گیا کہ آپ یہ مجھے ہی تعلیم فرما رہے ہیں۔ نیز اب آپ پر پہلے سے بھی زیادہ حالات منکشف ہیں۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات گزرے جن کو طوالت کے خوف سے درج نہیں کیا گیا۔ نیز چونکہ تمام برادران طریقت کے دل میں اس قسم کے واقعات کا ایک دفتر موجود ہے۔ لہٰذا مزید تفصیل کی ضرورت بھی نہیں۔ والسّلام

محمد یوسف خوشنویس ساکن حضرت کیلیانوالہ

مولوی حافظ محمد سلیمان صاحب انبالوی کا واقعہ

مولوی حافظ محمد سلیمان صاحب انبالوی نابینا ہونے کے باوجود ماشاء اللہ دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور ساتوں قرأتوں میں قرآن مجید کے حافظ اور قاری ہیں۔ قرآن پاک چھاؤنی انبالہ میں حفظ کیا اور قرأت پانی پت میں پڑھی۔ مولٰینا حسین احمد صاحب مدنی کے خاص الخاص شاگردوں میں سے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد موضع لالو پور متصل منڈی کاموں کے میں سکونت اختیار کی۔

حافظ صاحب کا بیان ہے کہ "مجھے ہمہ اوست یا ہمہ از وست، امکان کذب باری تعالیٰ، عصمت انبیاء اور تقدیر۔ ان چار مسائل میں کچھ الجھن تھی۔ چنانچہ ان چاروں مسائل کو سمجھنے کے لیے سارے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء سے گفتگو کی، لیکن کہیں سے اطمینان نہ ہوا۔ آخر لالو پور میں آنے کے بعد کسی نے کہا کہ تم حضرت کیلیانوالہ میں شاہ صاحب کے پاس جاؤ۔ میری طبیعت کا رجحان شروع ہی سے خاندان نقشبندیہ کی طرف تھا۔ چنانچہ اس غرض کے لیے بھی کئی مقامات پر گھوم کر کئی بزرگوں سے مل چکا تھا، لیکن کہیں تسلّی نہ ہوئی تھی۔ آخر حضرت کیلیانوالہ کا نام سن کر ایک ساتھی کے ہمراہ جمعرات کو یہاں پہنچا۔ جمعہ شریف کی مصروفیت کی وجہ سے جمعہ کے دن ملاقات نہ ہو سکی۔ ہفتہ کے روز ناشتہ کے بعد حضور نے بیٹھک شریف میں بلایا اور دریافت فرمایا کہ آپ کیسے تشریف لائے؟ میں نے مذکورہ چاروں مسائل عرض کیے۔ آپ نے فرمایا کہ فی الحال مسجد میں چلو، بیلیوں کو رخصت کر کے آپ سے گفتگو ہو گی۔ چنانچہ بیلیوں سے فارغ ہو کر مجھے طلب فرمایا اور گفتگو شروع ہوئی دو روز تک ان مسائل پر گفتگو فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ میرا اطمینان ہو گیا اور حضور رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے رخصت فرما دیا۔

جب میں اپنے گاؤں میں پہنچا اور رات کو سویا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع صحابہ کرام تشریف فرما ہیں اور ہمارے حضور بھی وہاں پر تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے آقا و مولیٰ کو ایک چغہ دیا

اور فرمایا کہ حافظ صاحب کو پہنا دو۔ چنانچہ حضور نے اُٹھ کر مجھ کو پہنا دیا۔ اس واقعہ کے بعد میری طبیعت نے یکلخت پلٹا کھایا اور ایک انقلاب شروع ہو گیا۔

پھر ایک دفعہ حضرت کیلیانوالہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ جنوری کا مہینہ تھا۔ رات کو حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسئلہ استمداد موتیٰ کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ قریباً دو گھنٹہ تک بات چیت کرتے رہے۔ لیکن میری پوری طرح تسلّی نہ ہوئی۔ آخر سو گئے۔ رات کو اڑھائی بجے کے قریب میں اُٹھا۔ قضائے حاجت کے لیے جنوبی دروازہ کی طرف سے جو بہشتی دروازہ کے نام سے مشہور ہے باہر نکلا۔ اور اپنے ساتھی کو اس لیے نہ اُٹھایا کہ اسے تکلیف ہو گی۔ سُوءِ اتفاق سے رفع حاجت کے بعد واپسی پر راستہ بھُول گیا اور گھنٹہ بھر کے قریب بھٹکتا پھرا۔ بالآخر مسجد شریف سے مغرب کی جانب جو پُرانا کُنوآں (چاہ دربار والا) ہے، دھڑام سے اس میں گر پڑا۔ چونکہ کنوآں غیر آباد تھا اور آب کشی کا کوئی سامان اس پر موجود نہ تھا، اس لیے باہر نکلنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ گرتے گرتے ہی میں نے یہ سمجھ لیا کہ اب زندگی ختم ہے۔ سردی کا موسم ہے اور رات کا وقت۔ نہ کوئی اس وقت میری آواز کو سُن سکتا ہے اور نہ مدد کو پہنچ سکتا ہے لہٰذا میں نے گرتے گرتے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ باوجود اس کے کہ پانی بہت ہی گہرا تھا لیکن کمر تک پانی میں پہنچنے کے بعد میں رُک گیا۔ اور ایسا محسُوس ہوتا تھا کہ مجھے کسی چیز نے دونوں پہلوؤں سے پکڑ رکھا ہے جو ڈوبنے نہیں دیتی۔ کچھ وقت اسی حالت میں رہنے کے بعد مجھے رات والا مسئلۂ استمداد یاد آیا اور خیال کیا کہ اب استمداد کا وقت ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ جی صاحب روضہ والوں اور حضور کی طرف خیال کر کے امداد طلب کی۔ چنانچہ مجھے معلوم ہؤا کہ کسی چیز نے پکڑ کر مجھے باہر نکال دیا ہے۔ ہاتھ سے ٹٹولا تو کنوئیں سے باہر پڑا ہؤا تھا۔ ادھر مسجد شریف میں رمضان نامی درویش نے صبح کی اذان شروع کر دی۔ چنانچہ اذان کی آواز پر مسجد میں آ گیا اور رمضان کو کہا کہ میرے کپڑے نچوڑ دو۔ کپڑے نچوڑ کر مسجد کے اندر ہی ڈال دیے اور نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد صبح جب حضور کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ تو حضور مسکرا کر فرمانے لگے کہ "حافظ صاحب تو آج کنوئیں میں چھلانگیں لگاتے پھرے ہیں"۔ چنانچہ اس طرح سے میرا یہ استمداد کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

موضع کوٹ ہرا کا ایک واقعہ

مولوی امام الدین صاحب ساکن کوٹ ہرا بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گاؤں سے جنوب کی طرف کچھ فاصلے پر ایک کنُواں واقعہ ہے جو ایک آدمی نے جوتا ہُوا تھا اور خود پانی لگانے کے لیے کھیت کی طرف چلا گیا تھا کہ اتنے میں تین لڑکے جن کی عمر تخمیناً چار چار پانچ پانچ سال کی ہو گی کھیلتے کھیلتے کنوئیں پر پہنچ گئے اور اس کے ارد گرد کھیلنے لگے۔ اتفاق سے ان میں سے ایک جو مسمی محمد الدین قوم ترکھان کا لڑکا تھا، کنوئیں میں گر پڑا۔ دو تین آدمی کچھ دور فاصلے پر اپنے کام میں مصروف تھے۔ دونوں لڑکے ان کے پاس پہنچے اور انہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ لیکن انہوں نے کوئی خاص توجہ نہ کی۔ بلکہ ان سے کہا کہ اس کے والدین کے پاس جا کر ان کو بتاؤ۔ چنانچہ وہ لڑکے بھاگا بھاگ گاؤں میں اس لڑکے کے گھر پہنچے۔ سُوءِ اتّفاق سے اس کے والدین بھی اس وقت گھر پر نہ تھے۔ آخر مسمی حسن محمدؐ اور اللہ بخش ارائیں کنوئیں پر گئے۔ اور اللہ بخش نے کنوئیں میں اُتر کر پانی میں غوطہ لگایا۔ چونکہ کنوئیں میں نال لگی ہوئی تھی اور پانی دس بارہ فٹ گہرا تھا اس لیے ڈھونڈنے میں دِقّت ہوئی۔ ایک دو غوطوں کے بعد اس نے اپنے ساتھی کو بتایا کہ لڑکے کا پتہ تو چل گیا ہے لیکن چونکہ میری سانس ختم ہوگئی تھی اس لیے باہر نکل آیا ہوں۔ اب کی دفعہ ان شاء اللہ اسے نکال لاؤں گا۔

ناظرین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بچّے کے گرنے کے بعد اس کے ساتھیوں کے گاؤں جانے اور نکالنے والوں کے آنے میں کتنا وقت گزر چکا ہو گا۔ چنانچہ جب دوبارہ غوطہ لگا کر اللہ بخش نے لڑکے کو نکالا تو وہ کچھ بے ہوش سا تھا۔ اسی حالت میں اسے گھر پہنچا دیا گیا۔ یہ دن کے پہلے پہر کا واقعہ تھا، پچھلے پہر لڑکے کو ہوش آ گیا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ تم کس طرح کنوئیں میں گرے اور کیسے وہاں رہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک باباجی مجھے گود میں لے کر حلوہ کھلاتے رہے ہیں۔ اس کے سوا مجھے کچھ پتہ نہیں۔

لڑکے کے باپ محمد الدین بلکہ اس کے دادا مسمی قمبر کا بھی تعلق رُوحانی حضرت کیلیانوالہ میں ہمارے حضور کے ساتھ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ کے چند دن بعد محمد الدین مذکور لڑکے کو ہمراہ لے کر جمعہ پڑھنے کیلیئے حضرت کیلیانوالہ شریف میں آیا۔ لڑکے نے جب حضور کی زیارت کی تو اسی وقت کہنے لگا کہ یہ تو وہ باباجی

ہیں جو مجھے کنوئیں میں حلوہ کھلاتے رہے تھے۔

اللہ اکبر! حضور کی کیا شان تھی اور اپنے احباب کی کس قدر نگہداشت تھی۔

بابو خوشی محمد صاحب کے واقعات

۱۔ برادرم بابو خوشی محمد صاحب جو گوجرانوالہ میں ریلوے سٹیشن پر چیف پارسل کلرک تھے، اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہاں ایک مجذوبہ مائی پارسل آفس کے برآمدہ میں رہتی تھی۔ اپنا مختصر سامان پارسل آفس میں رکھا کرتی اور دو آنے روزانہ مجھ سے لیا کرتی تھی۔ ایک دن میں بازار کھنڈوالا میں جا رہا تھا کہ میرے ایک واقف کار ہندو نے مجھ سے کہا کہ بابو صاحب! میرے پاس ڈربی کی لاٹری کے ٹکٹ ہیں جس کا پہلا انعام چار لاکھ روپے ہے۔ آپ بھی ایک ٹکٹ خرید لیں، ممکن ہے کہ پہلا انعام آپ ہی کے نام نکل آئے۔ میں نے کہا کہ سوچ کر جواب دوں گا۔ چنانچہ میں نے اس مائی مجذوبہ سے مشورہ کیا اور کہا کہ مائی صاحبہ! میں نے آپ کو کبھی کسی کام کے لیے عرض نہیں کیا۔ یہ لاٹری کا ٹکٹ جس کی قیمت مبلغ دس روپے ہے، اگر آپ فرمائیں تو خرید لیا جائے۔ کیونکہ اس کا پہلا انعام چار لاکھ روپیہ کا ہے۔ مائی صاحبہ نے کہا کہ تم ٹکٹ خرید لو، دُعا کی جائے گی۔ چنانچہ ٹکٹ خرید لیا گیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد اس مائی مجذوبہ نے فرمایا کہ اس لاٹری کے متعلق پہلے انعام کی منظوری ہو چکی ہے، مگر مجھے بھی رہائش کے لیے ایک کمرہ تعمیر کروا دینا۔ میں اپنے دل میں اس روپے کے مصارف کی سکیمیں سوچا کرتا اور خیال کرتا کہ ایک لاکھ روپیہ تو حضور کی مسجد اور مکانوں کی تعمیر کے لیے حضور کی نذر کیا جائے گا اور باقی اپنے مصارف اور کاروبار میں خرچ کیا جائے گا۔

تھوڑے دنوں کے بعد شرق پور شریف کا عُرس مبارک تھا۔ میں چھٹی لے کر حضرت کیلیانوالہ شریف حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور وہاں سے آپ کی معیت میں شرق پور شریف چلا گیا۔ واپسی پر لاہور حضور نے مجھے ٹکٹ لانے کے لیے فرمایا اور خود گاڑی پر سوار ہو گئے۔ جب میں ٹکٹ لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے ایک بیلی کو اُٹھا کر مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آپ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے

ہیں۔ لیکن کسی وجہ سے کوئی بات نہ ہوئی۔ اس وقت میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اصل میں تو میری لاٹری کی منظوری یہاں سے ہوتی ہے۔ تاہم حضور نے کچھ نہ فرمایا۔ گوجرانوالہ میں پہنچ کر رات کو حضور نے سید حسین شاہ صاحب کے ہاں قیام فرمایا اور صبح کو غریب خانہ پر چائے نوش فرمائی اور رخصت ہو گئے۔ جب سٹیشن پہ پہنچ کر گاڑی میں سوار ہو گئے تو میں رخصتی سلام کے لیے گاڑی میں حاضر ہوا۔ تو حضور نے کچھ غضبناک لہجہ میں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگلے گھر کی فکر اور وہاں کے لیے تیاری چاہیے جہاں ہمیشہ ہمیشہ ابدالآباد تک رہنا ہے۔" جب گاڑی چل دی تو وہ مائی مجذوبہ شور مچاتی ہوئی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اب میں کیا کروں؟ وہ لاٹری والا حکم تو منسوخ کر دیا گیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا، کس طرح منسوخ ہوا؟ تو اس نے کہا کہ زبردستوں نے حکم منسوخ کرا دیا ہے۔ پوچھا کہ وہ کون ہیں تو اس نے کہا کہ وہی تمہارے پیر صاحب جو آئے ہوئے تھے۔

اللہ اکبر! حضور اپنے متعلقین کو ناجائز کاموں سے کس قدر محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اور اس واقعہ سے حضور کے علم اور تصرف کی وسعت کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

۲: بابو خوشی محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ چونکہ پارسل آفس میں صبح سات بجے سے رات کے نو دس بجے تک کام کرنا پڑتا اس لیے کام کرتے کرتے تھک جاتا اور گھر پہنچ کر کھانا کھانے کے بعد جلد ہی سو جاتا۔ چنانچہ عشا کی نماز اکثر بوقت تہجد ہی ادا کرتا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو بغیر کچھ عرض کرنے کے حضور نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ عشا کی نماز سونے سے پہلے اوّل وقت ادا کی جاتی ہے۔ سونے کے بعد سحر کے وقت قضا ہو جاتی ہے۔

۳: ایک واقعہ یہ ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے میں اکثر بسم اللہ شریف پڑھنا بھول جاتا اور دو تین لقمے کھا لینے کے بعد جب یاد آتا تو خیال آتا کہ شیطان کی مداخلت تو ہو ہی چکی ہے، اب کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بسم اللہ کے بغیر ہی کھانا تناول کر لیتا۔ جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بغیر کسی اظہار کے فرمایا کہ جس وقت بسم اللہ شریف یاد آ جائے اسی وقت پڑھ لیا کرو۔

اللہ اکبر! مرشد کامل وہی ہوتا ہے جو مرید کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی بھی نگہداشت رکھے اور

ان کی اصلاح کرے۔

۴: مجھے حقہ نوشی کی بہت عادت تھی۔ چنانچہ حضور کے وصال مبارک سے تھوڑا عرصہ پہلے میں حضوؒر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عصر کی نماز کے بعد باہر جاکر دو تین سگرٹ پیئے۔ سگرٹ پینے کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری طرف غصے سے دیکھ کر فرمایا" ذرا باہر ہی ٹھہرنا تھا اور اپنی پوری طرح تسلی کر لینی تھی"۔

اس کے بعد میں اپنے موضع چک نمبر ۲۶۸ رکھ برانچ ضلع لائل پور میں چلا گیا۔ اور رات کو سوتے وقت ارادہ کیا کہ صبح کو حقہ نوشی ترک کر دوں گا۔ لیکن صبح جب اُٹھا تو صرف ایک سگرٹ میری جیب میں بچا ہوا تھا۔ خیال آیا کہ اسے پی کر یہ سلسلہ ختم کر دینا چاہیے۔ یہ ارادہ کرتے ہی آواز آئی کہ "عقل کر"۔ اور آواز پہچاننے سے معلوم ہوا کہ بالکل حضور کی آواز تھی۔ چنانچہ اسی وقت اس عادت کو ترک کر دیا۔ یہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے

۵: میری لڑکی کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اور دونوں ماں بیٹیاں بیمار ہوگئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سے تعویذ لے کر گھر پہنچا اور لڑکی کو تعویذ دے کر پھر واپس حضرت کیلیانوالہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب پھر گھر پہنچا تو لڑکی نے بتایا کہ حضور اقدس خواب میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ چھوٹی لڑکی کا کُرتہ اتار دو۔ چنانچہ کرتہ اتارنے پر آپ نے لڑکی کو کچھ پڑھ کر دم کیا اس کے بعد فرمایا کہ تمہیں بھی دم کر دیا جائے؛ چنانچہ مجھے بھی دم کر دیا۔ اسی دن سے اللہ کے فضل سے ہم دونوں صحت یاب ہیں۔

سیّد برکت شاہ صاحب کیلانی کے واقعات

سیّد برکت شاہ صاحب ولد سیّد نادر شاہ صاحب ساکن موضع حضرت کیلیانوالہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے رشتہ دار بھی ہیں اور تعلق طریقت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ شروع ایام میں ایک دفعہ جب حضورؒ شرق پور شریف سے تشریف لائے تو سیّد برکت شاہ صاحب بعارضہ تپ محرقہ سخت بیمار تھے۔ حضور نے

از رہِ ہمدردی اس مرض کو ہمت باطنی سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ چنانچہ وہ تو تندرست ہو گئے اور حضور بیمار ہو گئے۔ آخر دو تین دن کے بعد سیاہ رنگ کی ٹٹیاں آئیں اور صحت ہو گئی۔ البتہ آپ کمزور بہت ہو گئے۔ صحت کے بعد شرق پور شریف حضرت اعلیٰ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر کسی عزیز کی مرض کو اس طرح اپنی طرف جذب کیا جائے تو اسے فوراً دفع کر دینا چاہیئے۔

عوام کو یہ ایک تعجب خیز امر معلوم ہو گا لیکن اولیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیرت سے انگشت بدنداں نظر آتی ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک برص والے مریض کا مرض ہمت باطنی سے اپنی طرف کھینچنا ثابت ہے۔ جس کے نتیجہ میں تھوڑا سا داغ بھی آپ کے جسم پر بطور نشان رہ گیا۔

۲: یہی برادرم سیّد برکت شاہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضور شروع ایام میں دوپہر کو ہمارے کنوئیں پُھلّو والہ پر اکثر تشریف لے جایا کرتے۔ ایک دن باتوں باتوں میں آپ نے فرمایا کہ فیض لینے والا ہی کوئی نہیں۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دینے والا بھی کوئی نہیں۔ معاً حضور نے فرمایا کہ جاؤ اور خیال کے ساتھ سو جاؤ۔ چنانچہ جب میں جا کر لیٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کے نیچے ایک تخت مرصع پر ایک بزرگ تشریف فرما ہیں، اور میری طبیعت بڑی تیزی سے یادِ الٰہی میں مستغرق ہو گئی۔ چنانچہ نماز ظہر کے وقت تک میری آنکھیں کھلی تھیں اور اسی کیفیت میں محو اور مستغرق تھا۔ آخر ظہر کے وقت حضورؒ نے فرمایا کہ اُٹھ کر اذان دو۔ چنانچہ اذان دی اور آپ نے فرمایا کہ کوئی دینے والا ہے یا نہیں؟ مزا تو تب تھا کہ اُٹھ کر نماز بھی ہوش کر کے ادا کرتے۔

۳: اپنے دُوسرے خاندان کی طرح میں بھی پہلے شیعہ مذہب رکھتا تھا اور نماز روزہ وغیرہ احکام سے بے پرواہ۔ حضور کی تشریف آوری پر آپ کی برکت سے نماز تو شروع کر دی لیکن روزہ رکھنا ایک پہاڑ معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ رمضان شریف آگیا اور پانچ روزے گزر گئے لیکن میں روزہ نہ رکھ سکا۔ حضور کو معلوم ہوا تو آپ نے سحری کے وقت بلا کر اپنے سامنے کھانا کھلایا اور فرمایا کہ اگر روزے نے تنگ کیا تو افطار کر لینا۔ چنانچہ روزہ رکھ کر کنوئیں پر چلا گیا۔ گرمی کا موسم تھا اور گندم کی کٹائی وغیرہ کے

دن۔ دس بجے کے قریب حضور بھی کنوئیں پر تشریف لے آئے۔ سارا دن کام کرتا رہا۔ اور باوجودیکہ سخت محنت کا کام تھا۔ لیکن شام تک روزہ کی ذرا بھی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

یہ تھا حضور کا تصرف جس آدمی نے عمر بھر روزہ کا ذائقہ چکھا تک نہ تھا اسے پہلے ہی دن محسوس تک نہ ہونے دیا۔

۴: ایک دن حضور یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس طرح ہر ایک چیز تسبیح بیان کرتی ہے حضور نے جس حد تک قال کا تعلق ہے، کافی سمجھایا لیکن میں نہ سمجھ سکا۔ آخر تنگ آکر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور جاکر آرام کرو۔ عشاء کے بعد کا یہ واقعہ تھا۔ چنانچہ میں جاکر چارپائی پر لیٹ گیا۔ اور سو گیا۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ اور کانوں میں کچھ آواز سنائی دی۔ غور سے سنا تو ہر چیز سے تسبیح کی آواز آرہی تھی۔ پہلے تو آہستہ آہستہ آواز آنا شروع ہوئی، رفتہ رفتہ بلند ہوتی گئی۔ چنانچہ صبح کی نماز تک مجھے یہ آواز سُنائی دیتی رہی۔ جب فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں گیا تو حضور نے فرمایا کیوں بھائی! مولیٰ کریم کا فرمان درست ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ واقعی آپ نے سچ فرمایا تھا۔ مولیٰ کریم کا فرمان صحیح بلکہ اصح ہے۔

پیراندتہ کشمیری کا واقعہ

پیراندتہ کشمیری ساکن موضع حضرت کیلیانوالہ شریف بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دھان کے فصل کی کاشت کر رکھی تھی۔ کھیت ابھی ہرا بھرا تھا کہ پانی کی میعاد ختم ہو جانے کی وجہ سے نہر بند کر دی گئی۔ فصل بہت عمدہ تھی لیکن اس کے پکنے تک کے لیے کافی پانی کی ضرورت تھی اور پانی کے بغیر فصل کا تباہ و برباد ہو جانا یقینی امر تھا۔ اس لیے سخت متفکر تھا۔ خیال آتا کہ غریب آدمی ہوں، بیل وغیرہ خریدنے اور بھی کافی رقم خرچ کر چکا ہوں۔ زمین کا ٹھیکہ بھی ادا کرنا ہے۔ اگر خدانخواستہ فصل برباد ہو گئی تو میرے لیے ناقابل برداشت نقصان ہوگا۔ انہی تفکرات کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا

کیا بات ہے؟ میں تو خاموش ہی تھا۔ کسی دوست نے عرض کر دیا کہ پانی بند ہو جانے کے باعث حیران ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہیڈ خانکے جاکر مہتمم نہر کے پاس درخواست دے دو۔ میں نے اسی روز ہیڈ خان کے جاکر درخواست پیش کر دی۔ مہتمم صاحب نے کہا کہ بنگلہ قلعہ رام کو رہیں سب ڈویژن کے پاس جاؤ، وہ تمہاری دادرسی کریں گے۔ وہاں گیا تو سب ڈویژن نے کہا کہ ایک دن کے لیے پانی کھول دیا جائے گا اور تم اپنا کام کر لینا۔ چنانچہ پانی آگیا اور میں اپنے کھیت کو پانی لگا ہی رہا تھا کہ ایک غریب کسان آگیا اور اس نے بہت منت سماجت کی کہ میرے کھیت بالکل خشک پڑے ہیں۔ اگر ایک دن کا بھی توقف ہو گیا تو بالکل تباہ ہو جائیں گے لہٰذا پہلے مجھے پانی لگا لینے دو۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آگیا اور میں نے اسے اجازت دے دی۔ جب اس نے اپنا کام کر لیا تو پانی ترم ہو گیا اور میرے کھیت خشک ہی رہ گئے۔ دوسرے دن پھر حضور کی خدمت میں اسی طرح متفکر حاضر ہوا۔ حضور نے دریافت فرمایا تو میں نے تمام واقعہ عرض کر دیا۔

دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ خوب تیز تھی۔ آپ نے برادرم سراج الدین صاحب مرحوم (اپنے خادم خاص) کو فرمایا کہ باہر نکل کر دیکھو! کیا آسمان پر کچھ بادل ہے؟ برادرم سراج الدین صاحب باہر نکلے اور پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ فی الحال تو سارے آسمان پر بادل کا نشان تک بھی نہیں۔ تاہم حضور نے مجھے فرمایا کہ اسی وقت جاؤ اور کھیتیوں کی مینڈھیں (بنیاں) اچھی طرح درست کر لو۔ میں کچھ ناامید سا ہو کر اٹھا اور کدال لے کر فصل کی طرف چل دیا۔ چنانچہ مینڈھیں درست کر ہی رہا تھا کہ شمال مغرب کی طرف سے بادل نمودار ہوا اور دیکھتے دیکھتے گھٹا چھا کر بارش شروع ہو گئی۔ خدا کے فضل اور حضور کی نظر کرم سے اس قدر مینہ برسا کہ فصل کے پکنے تک کے لیے پانی کافی ہو گیا۔ جب بارش تھم گئی تو میں گاؤں کی طرف چلا۔ تھوڑی دور آیا تو معلوم ہوا کہ زمین بالکل خشک ہے اور بارش صرف ایک مربع بھر رقبہ ہی میں ہوئی ہے۔ میں یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور الحمد للہ کہ کھیتیاں بخوبی پک گئیں۔

۲: ایک مرتبہ حضور کے حسب الحکم حضرت کیلیانوالہ سے شمال مغرب کی طرف دو میل کے فاصلے پر ایک درخت کاٹنے کے لیے ہم پانچ آدمی گئے ہوئے تھے۔ عصر کے بعد حضور بھی وہاں تشریف لے گئے۔ اتنے میں مغرب کی اذان کا وقت بالکل قریب ہو گیا۔ کوٹ ہرا وہاں سے ایک میل تھا۔ حضور کا تو

وضو تھا، باقی سب احباب نے ابھی وضو بھی کرنے تھے اور پانی کا وہاں کوئی انتظام نہ تھا۔ اس لیے خیال ہوا کہ موضع کوٹ ہرا ہیں چلنا چاہیے۔ نماز ادا کر کے حضرت کیلیانوالہ چلے جائیں گے۔ پھر خیال آیا کہ اذان میں صرف چار پانچ منٹ باقی ہیں، وہاں پہنچنے تک بھی دیر ہو جائے گی۔ آخر حضور نے فرمایا "اچھا! ہم آگے آگے چلتے ہیں اور تم ہمارے پیچھے پیچھے قدم بقدم دھیان سے چلے آؤ۔ چنانچہ ہم نے حسب ارشاد آپ کے پیچھے پیچھے حضرت کیلیانوالہ کا رُخ کیا اور ابھی اذان ہو ہی رہی تھی کہ مسجد شریف میں پہنچ گئے۔ چنانچہ اطمینان سے باجماعت نماز ادا کر لی۔

میاں امام الدّین صاحب مؤذّن کا واقعہ

میاں امام الدین صاحب وریاہ ساکن حضرت کیلیانوالہ جو کہ حضور کی مسجد میں اذان دیا کرتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم تین چار آدمی گندم کی کٹائی میں مصروف تھے۔ ذرا دم لینے کے لیے جو بیٹھے تو لغویات میں مصروف ہو گئے اور میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ شام کو حضور کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ نماز ادا کرنے کے بعد ذرا ٹھہر جانا۔ حضور اپنے وظیفہ سے فارغ ہوئے تو مجھے الگ بلا کر دریافت فرمایا کہ آج دن کو کس کام میں مصروف رہے؟ میں نے عرض کیا۔ آپ نے دو تین دفعہ تکرار سے پُوچھا۔ مجھے یہ خیال نہ تھا اس لیے حضور جس کام کے لیے تنبیہ کرنا چاہتے تھے، عرض نہ کر سکا۔ آخر حضور نے صاف الفاظ میں اظہار فرمایا کہ اپنا عزیز وقت جو ہوا سے تیز جا رہا ہے لغویات میں نہ گزارا کرو، اور اپنے کام کی فکر رکھا کرو۔"

اللہ اکبر! یہ ہے شیخ طریقت کا کام اور اپنے متعلقین کی نگہداشت۔

محمد رمضان درویش کا واقعہ

محمد رمضان درویش سکنہ کھیوے والی بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں اپنے گاؤں سے چل کر شام کی گاڑی پر منصور والی سے سوار ہو کر آستانہ عالیہ پر حاضری کے لیے آرہا تھا کہ گاڑی میں سوار ہوتے ہی نیند آگئی اور سو گیا۔ گاڑی علی پور سٹیشن پر پہنچ کر کھڑی ہو گئی لیکن میں نیند میں بے ہوش سوتا تھا۔ آخر ایک آدمی اس ڈبے میں سوار ہوا اور اس نے مجھے جگا کر پوچھا کہ کہاں جانا ہے؟ میں نے بتایا کہ علی پور سٹیشن پر اُترنا ہے۔ تو اس نے

کہا کہ آدھ گھنٹہ سے گاڑی یہاں کھڑی ہے۔ شاید تیری ہی وجہ سے رُکی ہوئی ہو، جلدی اُتر و۔ میں اُترا تو معاً گاڑی چل دی۔ جب حضور قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ میاں! ہوش سے سفر کیا کرو، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ اکبر! بندگانِ خدا اپنے متعلقین کی کس قدر حفاظت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں

مولوی غلام رسول صاحب کے واقعات

مولوی غلام رسول صاحب سکنہ آہدھی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات بیان کرتے ہیں کہ میں تحصیل پھالیہ کے ایک گاؤں میں امام مسجد تھا اور گاؤں کی لڑکیاں میری بیوی کے پاس قرآن پاک پڑھا کرتیں۔ ایک نوجوان لڑکی جو بڑی حسینہ و جمیلہ تھی مجھ پر گرویدہ ہوگئی اور اس نے اپنی مطلب برآری کے لیے کئی حیلے کیے۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ ایک دن میں ایک الگ مکان میں سو رہا تھا کہ اس نے موقع غنیمت جان کر مجھے آ جگایا اور اپنا مدعا ظاہر کیا۔ میری طبیعت میں کچھ ہیجان ہوا تو ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ دروازہ سے تشریف لا رہے ہیں اور آپ کے دست مبارک میں ایک تختی ہے۔ یہ تختی آپ نے میرے سامنے کر دی جس پر یہ آیت پاک تحریر تھی: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ایک لحظہ میں یہ برہان دکھا کر غائب ہوگئے۔ اس وقت میں جس طرف بھی نظر کرتا، در و دیوار اور چھت پر یہی تحریر نظر آتی۔ یہ دیکھتے ہی میں اپنا دامن چھڑا کر بھاگ اُٹھا اور اپنی عصمت بچائی۔

۲: ایک دفعہ میں حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر خدمت ہوا تو ایک بیلی نے مُرغا ذبح کرنے کے لیے مجھے بُلایا۔ چنانچہ گوشت بناتے ہوئے میرے ہاتھ پر چاقو سے زخم ہوگیا۔ دوسرے دن اجازت لے کر اپنے گاؤں جاتے ہوئے کشتی پر سوار ہوا تو زخم میں تکلیف زیادہ شروع ہوگئی۔ کسی نے کہا کہ ہاتھ کو پانی میں بھگو رکھو آرام ہو جائے گا۔ گرمیوں کا موسم تھا اور دریا اپنی پوری جوانی کے عالم میں تھا۔ جب میں ہاتھ ڈبونے کے لیے نیچے اُٹا تو دھڑام سے دریا میں گر پڑا۔ جب پانی کی تہ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور وہاں تشریف فرما ہیں۔ آپ نے مجھے بازو سے پکڑ کر کشتی میں پھینک دیا اور خود نظر سے غائب ہوگئے۔

یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر سب لوگ سخت متحیر ہوئے اور مجھے مبارکباد دینے لگے۔

۳: ایک دفعہ میں اور حافظ لال دین صاحب جو کہ ضلع جہلم کے رہنے والے تھے ہفتہ کے دن حضور سے اجازت لے کر موضع ڈنگہ جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز آخری وقت میں موضع پاہڑیانوالی میں جاکر ادا کی۔ خیال کیا کہ موضع ڈنگہ میں تو آج پہنچ نہیں سکتے، لہٰذا آج رات موضع لسوڑی خورد میں بسر کریں۔ جب نماز ادا کر کے چلے تو راستہ میں بڑے زور کی آندھی اور بادل آ گئے اور اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ راستہ بالکل سجھائی نہ دیتا تھا۔ ہم دونوں گھبرا گئے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کیا جائے۔ آخر حضور کی طرف خیال کر کے اعینونی یا عباد اللہ کہکر پکارنا شروع کیا۔ معاً ایک آدمی ظاہر ہو کر کہنے لگا کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟ ہم نے موضع لسوڑی کا نام لیا تو اس نے کہا کہ میں بھی وہیں جا رہا ہوں تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ چنانچہ ہم اس کے قدم بقدم ہو لیے۔ جب یہ گاؤں نزدیک آ گیا تو وہ آدمی ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔

برادرم عطا محمدؐ صاحب مدرّس کا واقعہ

برادرم منشی عطا محمدؐ صاحب اوّل مدرّس سکول حضرت کیلیانوالہ جن کی اصل سکونت میرا وطن مالوف یعنی موضع جو کالیاں ضلع گجرات ہے، اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

میں موضع ناؤ آنہ میں مدرّس لگا ہوا تھا۔ حضور کی شہرت سُن کر دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور حضورؒ کی طریقت میں منسلک ہونے کے ارادہ سے ایک دن چل پڑا۔ گرمی کا موسم تھا اور پیاس شدّت سے لگ رہی تھی۔ لیکن دل میں ارادہ کر لیا کہ اگر حضور اپنے دستِ مبارک سے پانی پلائیں گے تو پیوں گا ورنہ بغیر پیئے کے واپس چلا جاؤں گا۔ دل میں یہ بھی خطرہ تھا کہ شاید حضور مجھ گنہ گار کو اپنی غلامی میں قبول کریں یا نہ کریں۔ ظہر کے وقت یہاں پہنچا۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ) دُور سے حضرت صاحب نے مجھے دیکھ کر علی محمد شیخ کو جو آپ کے پاس کھڑا تھا، فرمایا کہ وہ "دو پہیے" والا کون ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ یہ ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔ میں سائیکل رکھ کر بیٹھک شریف میں جا بیٹھا۔ آپ اندر سے تشریف لائے اور میرے زانوؤں سے زانو ملا کر صف پر ہی جلوہ افروز ہو گئے اور چند سوالات دریافت فرمائے۔ مثلاً کہاں سے آئے ہو؟ کیا نام ہے؟ کیا کام کرتے ہو؟ کیسے آئے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ اتنے میں اندر سے دُودھ کی میٹھی لسّی آ گئی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے گلاس مجھے پکڑاتے ہوئے فرمایا "لو، پی لو، اگر تمہاری یہی مرضی ہے"۔ میں نے لے کر

پی لیا اور باغ باغ ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری آرزو پوری کر دی اور حضور پُر نور نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرما لیا۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی مہربانی سے میرا تبادلہ حضرت کیلیانوالہ شریف ہی میں ہوگیا، اور وہیں مع اہل و عیال یہیں رہنے لگا۔

ایک دفعہ میری اہلیہ سخت بیمار ہوگئی، تمام رشتہ دار آئے ہوئے تھے اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ اچانک گھر میں واویلا شروع ہوگیا اور سب کہنے لگے کہ جاں بحق ہوگئی ہے۔ میرے دونوں لڑکے شبیر احمد اور عبدالمجید روتے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ والدہ صاحبہ رحلت کر گئی ہیں۔ مغرب کا وقت تھا۔ حضور کوٹھے پر تشریف فرما تھے۔ میں نے لڑکوں سے کہا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں جاؤ اور ان سے عرض کرو۔ نالہ و بکا کی آواز حضور تک بھی پہنچ چکی تھی۔ دونوں لڑکے روتے ہوئے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ والدہ صاحبہ فوت ہوگئی ہیں۔ آپ نے فرمایا "نہیں بچو، تمہاری والدہ زندہ ہے۔ تم گھر جاؤ اور سب آدمیوں کو باہر نکال کر والدہ کو پنکھا کرو۔ چنانچہ لڑکے دوڑتے ہوئے گھر آئے اور سب آدمیوں کو زبردستی گھر سے نکال کر حسب ارشاد پنکھا کرنے لگے۔ چند ساعت کے بعد نبضیں چلنے لگیں اور سانس جاری ہوگیا۔ رفتہ رفتہ صحت ہوگئی۔ جو کہ خدا کے فضل و کرم سے اب تک زندہ سلامت ہے۔ سچ ہے ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا

رحمت خاں نمبردار کا واقعہ

رحمت خاں نمبردار سکنہ پُوپڑہ بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ شرق پور شریف کے ختم شریف کی شمولیت کے لیے حضور نے بندہ کو اجازت فرمائی اور فرمایا کہ جاؤ، ان شاء اللہ العزیز آج ہی پہنچ جاؤ گے۔ یہ تقسیم پاکستان کے تھوڑا عرصہ بعد کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر گاڑی بہت مشکل سے ملتی تھی۔ چنانچہ ہم رات کو دس بجے کے قریب لاہور پہنچے۔ ناامیدی تھی کہ اب ہم آستانہ عالیہ پر حاضر نہیں ہو سکتے۔ مولوی محمد سعید صاحب نے جو کہ ہمارے ہمراہ تھے فرمایا کہ خواہ موٹر ملے یا نہ ملے بہر کیف سرائے سلطان میں چلو۔ ہم سب جب وہاں پہنچے تو ایک موٹر ڈرائیور آواز دے رہا تھا کہ کوئی شرق پور شریف جانے والا ہے؟ تو ہم نے کہا

کہ ہم جانے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں فلم کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت وہیں تشریف لے آئے اور مجھ سے کہا کہ ہمارے کچھ آدمی شرق پور شریف جانے کے لیے سرائے سلطان میں کھڑے ہیں ان کو وہاں پہنچاؤ۔ میں نے کچھ سُستی ظاہر کی تو انہوں نے اچھی طرح سے جھنجوڑ کر مجھے وہاں سے اٹھایا اور میرے ساتھ یہاں تک تشریف لائے۔ لہٰذا میں محض تمہارے لیے آیا ہوں"۔ چنانچہ ہم کو موٹر پر سوار کر کے اسی وقت شرق پور شریف پہنچا آیا۔

اللہ اکبر! بندگانِ خدا کا تصرف کس قدر قوی ہوتا ہے۔ حقیقت میں ان کا تصرّف تصرّفِ خداوندی ہوتا ہے۔ بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ کے حامل ہو جاتے ہیں۔

ایک فوجی مفرور کا واقعہ

ایک دفعہ ایک آدمی جہانگیر نامی جو کہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا، حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کچھ دن قیام کرنے کے بعد اس نے عرض کیا کہ حضور! میں علیحدگی میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔ عاجز بھی ساتھ ہی تھا۔ حضور نے الگ ہو کر اس کی بات سنی۔ اس نے کہا کہ "میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے فوج میں ملازم تھا۔ جب جنگ کی افواہ سُنی تو میں مفرور ہو گیا۔ اب جنگ تو ختم ہو چکی ہے لیکن میں تا حال مفرور ہوں اور سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ ہر وقت یہی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ باپ بوڑھا ہے۔ گھر میں کبھی چوری چھپے جاتا ہوں لیکن ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ادھر گھر والوں کو پولیس سخت تنگ کرتی ہے عجیب طرح کی کش مکش میں مبتلا ہوں اور جس طرح حضور حکم دیں کرنے کو تیار ہوں"۔ حضور نے فرمایا کہ "تم جا کر پیش ہو جاؤ"۔ چنانچہ وہ حضور کے حکم کے مطابق پیش ہونے کا عزم کر کے اپنے گھر ضلع میانوالی میں چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر حضرت کیلیانوالہ شریف آیا۔ اور اس نے اپنا واقعہ یوں بیان کیا:

میں اپنے والد کو ہمراہ لے کر لاہور گیا اور دفتر میں پیش ہوا۔ دفتر والوں نے کہا کہ تم اپنی رجمنٹ میں جا کر پیش ہو جاؤ۔ بعض واقف کاروں نے کہا کہ کیوں پیش ہوتے ہو، تمہارے مفرور ساتھیوں کو چودہ چودہ سال قید کی سزا ہوئی ہے۔ لیکن میں نے کہا کہ مجھے ایک اللہ کے بندے نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا خواہ سزا ہو جائے میں اب رُک نہیں سکتا۔ چنانچہ میں دہلی جا کر اپنی رجمنٹ کے کپتان کو ملا تو وہ مجھے

کرنل کے پاس لے گیا۔ کرنل نے جرنیل کے سامنے پیش کیا تو اس نے حکم دیا کہ اس کا ڈاکٹری معائنہ کرنے کے لیے ہسپتال بھیجو۔ چنانچہ مجھے ہسپتال بھیج دیا گیا اور والد صاحب واپس گھر چلے آئے۔ ہسپتال میں داخل ہوتے ہی مجھے سخت بخار شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر کونین وغیرہ پلاتے رہے۔ بیس پچیس دن تک متواتر کونین پی پی کر میں تنگ آگیا۔ ایک دن میں نے کمپونڈر کو بڑی سختی سے کہا کہ اگر اب میرے پاس کونین لایا تو تیرا علاج ضرور کروں گا۔ وہ ڈر کر ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر خود آیا تو اس کو بھی میں نے کچھ سخت الفاظ کہے۔ ڈاکٹر مدراسی تھا، ان الفاظ سے ڈر گیا اور رپورٹ میں لکھ دیا کہ یہ مریض پاگل ہے۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے اس شدت سے دردِ سر شروع ہوا کہ الامان۔ چنانچہ ایک دن جرنیل ایک خاص ڈاکٹر کے ہمراہ مریضوں کے معائنہ کے لیے خود ہسپتال میں آیا۔ اس ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا اور کہا کہ واقعی اس کے سر میں نہایت شدت کا درد ہے اور دماغ میں خلل ہے۔ یہ سُن کر جرنیل نے میرا نام فوج کی ملازمت سے کاٹ دیا۔ اور مجھ کو محکمانہ طور پر اجازت مل گئی کہ بھئی تم اپنے کاغذ دفتر سے بنوا کر اپنا خرچ لے لو اور واپس گھر چلے جاؤ چنانچہ میں نے یکصد کے قریب کرایہ اور خرچ لے لیا۔ بعض افسروں نے جو میرے واقف تھے مجھ سے کہا کہ اگر تم تنخواہ کا مطالبہ کرو تو چونکہ تمہیں بیمار کر کے نکالا گیا ہے، تم کو پچھلی تنخواہ بھی مل سکتی ہے۔ چنانچہ میں اس مضمون کی درخواست دے کر بخیر و عافیت بے فکر ہو کر واپس گھر چلا آیا ہوں۔ یہ محض حضور کی کرامت تھی ورنہ میرے ساتھی بیچارے تو چودہ چودہ سال کے لیے جیل میں دھکیل دیے گئے ہیں۔

برادرم محمد رفیع صاحب وڑائچ کا واقعہ

ایک دفعہ برادرم چوہدری محمد رفیع صاحب وڑائچ ساکن موضع پاہڑیانوالی ضلع گجرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اللہ اللہ پوچھنے کے لیے عرض کیا۔ حضور نے کچھ پڑھنے کے لیے بتایا تو انہوں نے عرض کیا کہ عاصی سے ایک بہت بڑا کبیرہ گناہ سرزد ہو چکا ہے، بارگاہِ ایزدی میں معافی کے لیے عرض کیا جائے۔ دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ غصہ کی حالت میں بندوق کا فائر کرنے سے مجھ سے ایک قتل ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوں۔

اصل واقعہ یہ تھا کہ محمد رفیع صاحب نے خانگی جھگڑوں کی بنا پر غصہ میں آکر اپنے چچا اور چچازاد بھائی پر

بندوق سے فائر کر دیے۔ جس سے بھائی تو بچ گیا صرف چند چھرّے پاؤں پر لگے۔ لیکن چچا ہلاک ہو گیا۔ اور محمد رفیع صاحب مفرور ہو گئے۔ مفروری ہی کی حالت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضر ہونے کے بعد پھر تشریف لے گئے لیکن اس حالت کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے۔ ایک دن حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جناب عالی! اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں پولیس نہ پکڑ لے۔ ادھر بھائی صاحب نے کہا ہے کہ موجودہ سشن جج صاحب ہماری مدد کرنے کے لیے ہر طرح تیار ہیں۔ لیکن جب تک حضور کا فرمان نہ ہو میں حاضر ہونے کے لیے تیار نہیں۔

حضور نے بارگاہ ایزد متعال میں عرض کیا تو حکم ہوا کہ چونکہ اس نے قتل کیا ہے لہٰذا اس کی سزا موت ہے۔ تو حضور نے عرض کیا کہ معافی دے دی جائے۔ تو فرمان ہوا کہ سزائے موت معاف، مگر عمر قید۔ آپ نے پھر معافی کے لیے التجا کی تو ارشاد ہوا کہ اچھا معافی ہو جائے گی لیکن "تکلیف کافی ہو گی"۔ چنانچہ حضور نے محمد رفیع صاحب کو فرمایا کہ "سشن جج والی بات تو کوئی نہیں، تکلیف کافی ہو گی۔ مگر بہرکیف تم پیش ہو جاؤ، مولیٰ کریم فضل فرمائیں گے"۔

یہ سن کر محمد رفیع صاحب رات کی گاڑی پر علی پور سے سوار ہو کر گجرات پہنچے، رات اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرے اور صبح پیش ہو گئے۔ انہوں نے حوالات میں بھیج دیا اور مقدمہ اے، ڈی، ایم کی عدالت میں شروع ہو گیا۔ مقتول کے وارثوں نے مجسٹریٹ کے سامنے تمام گواہوں کے بیان قلمبند کرا کر مسل ڈپٹی کمشنر کے پاس بھیج رکھی تھی اور محمد رفیع صاحب کے بھائی جب بڑے بڑے وکلاء سے مشورہ لیتے تو سب یہی کہتے کہ بظاہر بچاؤ کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن دو ماہ کے بعد محمد رفیع صاحب بری ہو کر سیدھے حضرت کیلیانوالہ شریف حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

آپ انہیں دیکھ کر سخت متحیر اور متفکر ہوئے اور فرمایا کہ حکم تو سخت تکلیف کا ہوا تھا لیکن تکلیف تو مطلق ہوئی ہی نہیں، "یہ اچھا نہیں ہوا"۔ چنانچہ یہ فکر بالکل درست ثابت ہوا۔ محمد رفیع صاحب کے برادر اکبر چوہدری محمد اشرف صاحب سے ڈپٹی کمشنر کی (جو سکھ تھا) کسی وجہ سے مخالفت ہو گئی۔ اور اس نے مخالف فریق کو بلا کر مقدمہ کی نگرانی کے لیے ابھارا۔ اور نگرانی شروع ہو گئی ڈپٹی کمشنر نے خود جا کر سشن جج سے کہا کہ چونکہ

یہ میرے مخالف ہیں اس لیے ان کو سزا ضرور دینی ہے۔ چنانچہ مقدمہ بڑے زور شور سے شروع ہوا۔ سیشن نے ڈپٹی کمشنر کے کہنے کے مطابق خاص طور پر بحث وغیرہ میں حصہ لیا۔

شروع مقدمہ میں محمد رفیع صاحب کے وکیل نے یہ ثابت کیا تھا کہ بندوق دراصل فضل الٰہی مرحوم کی تھی۔ اس کے لڑکے نے محمد رفیع کو فائر کرنے کے لیے بندوق پکڑی تو محمد رفیع اس سے اُلجھ گیا اور بندوق اس سے چھیننے کی کوشش کی۔ اس کشمکش میں دونوں میں سے کسی ایک کا ہاتھ بندوق کے گھوڑے پر لگ گیا۔ بندوق چونکہ کارتوس سے بھری ہوئی تھی اس لیے وہ چل گئی اور متوفی کو جا لگی جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔

چونکہ اے، ڈی، ایم کی عدالت میں پہلے بحث ہو چکی تھی، اس لیے سیشن جج نے ناچار اسی بیان پر دوبارہ بحث شروع کی۔ اور جو کارتوس سرکاری طور پر پولیس نے پیش کیے تھے ان کو محمد رفیع کی ضبط شدہ بندوق میں ڈال کر چلانے کی انکواری کے لیے ایک خاص افسر کو جو سرکاری طور پر اسی بات پر متعین ہوتا ہے لاہور سے منگوایا۔ جب اس نے تجربہ کیا تو پیش شدہ کارتوس محمد رفیع کی بندوق میں نہ چل سکا۔ پھر متوفی کی بندوق میں تجربہ کیا تو اس میں صحیح بیٹھ کر چل گیا۔ گویا سیشن جج نے جو چیز ثابت کرنا چاہی تھی درست ثابت نہ ہو سکی۔ تاہم اس نے مخالفت کی بنا پر ایک کے قتل میں سزائے موت اور دوسرے کو زخمی کرنے کی بنا پر چودہ سال قید بامشقت کا حکم سنایا اور ساٹھ صفحات پر مشتمل فیصلہ لکھ کر بڑے تکبر سے کہا کہ "میرا یہ فیصلہ لاء یعنی قانون بنے گا"۔ چنانچہ محمد رفیع صاحب گرفتار ہو کر لاہور جیل میں بھیج دیے گئے۔

محمد رفیع صاحب کے بڑے بھائی چوہدری محمد اشرف صاحب نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے لیے عرض کیا تو حضور نے میرے سامنے فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ کوئی فکر کی بات نہیں۔ ان شاء اللہ العزیز تھوڑی ہی دیر ہے۔ مولیٰ کریم فضل فرمائیں گے۔ ادھر برادرم محمد رفیع صاحب کو حضور خواب میں ملے اور فرمایا کہ صرف دو ماہ کے لیے آپ کو تکلیف ہے مطمئن رہیں، مولیٰ کریم فضل فرمائیں گے۔

ہائی کورٹ میں اپیل داخل ہوئی اور دو ماہ سے ابھی چھ دن کم تھے کہ ہائی کورٹ کی جیوری نے بری ہونے کا حکم دے دیا۔ چوہدری محمد اشرف صاحب نے اپنے ہمراہیوں سے یہ کہا کہ پہلے اندوہگین صورت بنا کر چلو تاکہ اس کو زیادہ خوشی نہ ہو۔ محمد رفیع صاحب نے ان کو غمگین دیکھ کر کہا کہ تم خواہ حیران شکل بناؤ میں تو

بفضلہٖ تعالیٰ بَری ہو چکا ہوں۔ چنانچہ پھران سب نے انہیں بَری ہونے کا مُژدہ سنا کر مبارک باد دی۔
ادھر ہائی کورٹ سے یہ حکم سِشن جج کے پاس پہنچا تھا اور اس نے دستخط کر کے پھر جیل خانہ میں بھیجنا تھا تب کہیں جا کر جیل سے بَری ہونا تھا۔ چنانچہ وہ کاغذات گجرات گئے اور ڈاک خانہ والوں نے سِشن جج کے دستخط کروانے کے لیے چٹھی رسان کو دیے۔ اس نے کچھ تساہل سے کام لیا اور سِشن کے دستخط نہ ہو سکے۔ محمدؐ رفیع کا چھوٹا بھائی گھبرا کر ڈاک خانہ میں گیا اور کاغذات کے متعلق دریافت کیا۔ ڈاک خانہ والوں نے بتایا کہ کاغذات ہم نے چٹھی رساں کو دے دیے تھے چٹھی رساں سے باز پُرس کی تو وہ گھبرا گیا اور معذرت کرنے لگا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، معاف فرمایا جائے۔ اتنے میں سِشن جج جہلم چلا گیا تھا۔ چنانچہ کاغذات پھر ڈاک کے ذریعہ سے جہلم گئے۔ وہاں پر سِشن جج نے دستخط کیے اور پھر لاہور واپس ہوئے۔ جس دن شام کو لاہور پہنچے اس سے اگلی صبح کو محمدؐ رفیع صاحب کو جیل میں آئے پُورے دو مہینے ہونے تھے۔ مطلب یہ کہ حضور کے فرمان کے مطابق پُورے دو ماہ کے بعد ہی رہائی ہوئی۔ بمصداق

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

۲: اس کے بعد ایک دفعہ برادرم محمدؐ رفیع صاحب عصر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ قعدہ کی حالت میں ایک دشمن نے سامنے سے بہت قریب آ کر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں بندوق سے دو فائر کر دیے۔ ایک فیر سے پسلیوں اور معدہ میں چھرّے لگے اور دُوسرے سے بازو پر۔ چنانچہ وہ فائر کرتے ہی گھوڑا دوڑا کر چلا گیا۔ برادرم محمدؐ رفیع صاحب کو کار پر سوار کر کے اسی وقت گجرات ہسپتال میں لے گئے۔ پاہڑیاں والی سے بھی ایک آدمی حضور کی خدمت میں پہنچا۔ اور محمدؐ رفیع صاحب کو جب ہوش آیا تو انہوں نے بھی ایک آدمی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ محمدؐ رفیع صاحب کی حالت چونکہ زیادہ خراب تھی اس لیے ان کو لاہور میو ہسپتال میں لے گئے۔ حضور نے عاجز کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور ان کی صحت کے متعلق اچھی طرح دریافت کر کے آؤ۔ عاجز نے عرض کیا کہ بندوق کے دو فائر سخت طور پر لگے ہیں، بظاہر تو حالت خراب ہی معلوم ہوتی ہے۔ اگر حضور کی طرف سے کچھ تسلی ہو تو جا کر ان کو مطمئن کر دوں۔ حضور نے فرمایا کہ گو بظاہر صورت خطرناک ہے۔ لیکن ہمیں تو بفضلہٖ تعالیٰ اطمینان ہے۔ ان شاء اللہ مولیٰ کریم فضل ہی فرمائیں گے۔"

عاجز بموجب حکم حضور صبح کی گاڑی پر سوار ہو کر گجرات پہنچا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ لاہور میو ہسپتال میں چلے گئے ہیں۔ وہاں سے شام کو لاہور پہنچا اور مغرب کی نماز ادا کر کے میو ہسپتال گیا۔ عاجز کے ہمراہ دو تین اور بھی لاہور کے معززین اور ڈاکٹر ظفر علی صاحب سپرد تھے جو کہ ان دنوں اسی ہسپتال میں پروفیسر تھے۔ برادرم محمد رفیع صاحب کو مل کر تمام حالات معلوم کر کے جب واپس لوٹے تو ڈاکٹر ظفر علی صاحب سے میں نے ان کی حالت کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حالت خطرناک ہی ہے ۹۹ فیصدی صحت کی کوئی اُمید نہیں۔ تو عاجز نے عرض کیا کہ ہمیں تو سَو فی صدی بفضلہٖ تعالیٰ صحت کی اُمید ہے۔ چنانچہ دو مہینے زیرِ علاج رہنے کے بعد حضور کے فرمان کے مطابق بالکل تندرست ہو کر ہسپتال سے تشریف لے آئے۔

بعد میں مخالف فریق حضور کی خدمت میں راضی نامہ کے لیے حاضر ہوا۔ چنانچہ آپس میں راضی ہو گئے اور اب آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بابا کرم ترکھان کا واقعہ

بابا کرم صاحب ترکھان ساکن موضع رسول پور تارڑاں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ اپنے سفر کا کوئی عجیب واقعہ سناؤ۔ بابا صاحب خود بھی مدت سے حضور کے ارادت مندوں میں سے اور نہایت صالح آدمی ہیں۔ فرمانے لگے کہ ایک دن سحر کے وقت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے حضور سیدی و مولائی وہاں تشریف فرما ہیں۔ عاجز نے عرض کیا کہ ممکن ہے آپ کو مغالطہ ہوا ہو تو بابا جی نے فرمایا کہ بجلی کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ چیونٹی بھی چلتی دکھائی دیتی تھی۔ عاجز نے عرض کیا کہ حضور کس لباس میں تھے؟ تو فرمایا کہ اسی موجودہ لباس میں۔ اللہ اکبر۔

رجب علی سکنہ بیرانوالہ کا واقعہ

ایک دن برادرم رجب علی نے جو ذخیرہ بیرانوالہ متصل پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ میری سات لڑکیاں ہیں اور لڑکا ایک بھی نہیں۔ برادری کے آدمی مجبور کرتے ہیں کہ تم اور شادی کر لو۔ حتیٰ کہ کئی خیرخواہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ دینے پر بھی رضامند ہیں۔ آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی لڑکا بھی عطا فرمائیں۔ ورنہ پہلی بیوی سے تو لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ مولیٰ کریم اسی بیوی

سے لڑکا بھی عطا فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد مولا کریم نے اسی پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا بیک وقت عطا فرما دیے جو بفضلہ تعالیٰ اب جوان ہیں۔ کسی خدا کے بندے نے بالکل درست فرمایا ہے

اولیا را ہست قدرت از الٰہ   تیر جستہ باز گردانند ز راہ
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود!   گرچہ از حلقوم عبداللہ بُوَد

نظام الدین موچی سکنہ سہارن کا واقعہ

ایک دفعہ ہم ظہر کے بعد بیٹھک شریف میں حضور کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر کچھ شور و غل سنائی دیا۔ اور معلوم ہوا کہ کوئی پاگل ہے۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر بیٹھک شریف کے بیرونی دروازے کو اندر سے زنجیر لگا دی۔ وہ پاگل نظام الدین موچی سکنہ سہارن تھا۔ اس نے باہر سے دروازے کا کنڈا پکڑ لیا۔ اب نہ وہ کُنڈا چھوڑے اور نہ ہم باہر نکل سکیں۔ آخر پیر اندتہ کشمیری باہر سے آیا اور اس نے اسے ہٹایا تو ہم باہر نکلے۔ اس کے لواحقین سے دریافت کیا کہ اسے کیا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ یہاں حضور کی خدمت میں آیا جایا کرتا، اور بالکل خیریت سے تھا۔ یکلخت اس کی طبیعت خراب ہو گئی اور یہ ایک شیعہ سید صاحب کا مرید ہو گیا۔ اسی دن سے یہ پاگل ہو گیا ہے۔ اب اس شیعہ پیر کو گالیاں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے مجھے گمراہ کر دیا ہے یہ واقعہ حضرت کیلیانوالہ شریف میں عام آدمیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضور نے مہربانی فرمائی۔ چنانچہ وہ کچھ دنوں کے بعد بالکل تندرست ہو گیا۔ اور جب تک زندہ رہا حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔

امام الدین بھکھوی کا خواب

امام الدین ساکن بھکھی ضلع گجرات بیان کرتا ہے کہ کچھ عرصہ ہوا میں حضور کی موجودگی میں ایک بزرگ کے پاس گیا۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مجھے پھانسی کا حکم دے دیا گیا ہے اور دو آدمی مجھے پھانسی دینے کے لیے میرے گلے میں رسہ ڈالنے کو تیار ہیں۔ میں نے خواب ہی میں دعا شروع کی "یا اللہ! یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا حضرت صاحب! اتنا کہنا تھا کہ حضور تشریف لے آئے اور آپ کو دیکھتے ہی وہ دونوں پھانسی دینے والے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بدحواس ہو کر افتاں و خیزاں بھاگتے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر!

سید حضرت شاہ پشاوری کا خواب

ایک دفعہ سید حضرت شاہ صاحب پٹھان جو کہ پشاور کے علاقہ کے ہیں، حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو درود شریف پڑھنے کے لیے فرمایا۔ ایک دو دن درود شریف پڑھنے کے بعد عاجز کو الگ لے گئے۔ اور کہا کہ آج رات کو خواب میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں اور میرا بیٹا ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ ایک دریا عظیم الشان بہ رہا ہے۔ اس میں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف فرما ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور! یہ بڑا مسکین آدمی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس صحبت میں یہ ہیں ان کے لیے وہ کافی ہے۔ ذرا دیر ٹھیر کر حضور آگے تشریف لے گئے تو اسی دریا سے ہمارے آقا و مولیٰ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے، حضور کے ہمراہ آپ کے ہزاروں متعلقین پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ آپ نے میرے قریب آکر دریافت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرف تشریف لے گئے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ جناب اس طرف۔ چنانچہ آپ مع متعلقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تشریف لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے فرمان مبارک میں کس قدر برکت تھی کہ طالب کو ایک دو دن ہی میں منزل مقصود کا راستہ دکھا دیتے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ اتباع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نسبت نبوی سے پوری طرح منور تھے اور اپنے متبعین کو بھی اسی راستہ پر گامزن فرما رہے تھے۔

ایک پاگل کا حضور کی دعا سے شفایاب ہونا

ایک دفعہ موضع پھرے ضلع گجرات سے ایک آدمی اپنے نوجوان لڑکے کو جو کہ بالکل بے ہوش اور پاگل تھا، پاؤں میں زنجیر ڈالے ہوئے لے کر آیا۔ جمعہ شریف کا دن تھا۔ حضور نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم دعا گو ہیں، مولیٰ کریم فضل فرمائیں، اس کو لے جاؤ۔ چنانچہ رات رہ کر وہ چلے گئے۔ اپنے گاؤں جا کر اس کے والد نے اسے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ اس نے اس درخت کو ٹکر ماری تو اس کے ماتھے سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ اسی وقت مولیٰ کریم نے حضور کی دعا سے فضل و کرم فرما کر اسے شفا بخش دی اور وہ صحیح العقل ہوگیا۔

میاں ماہلا صاحب کا واقعہ

میاں ماہلا صاحب گوندل ساکن موضع سوئیاں والا بیان کرتے ہیں کہ شروع شروع میں ایک دفعہ جب میں جمعہ شریف ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا تو مسجد شریف میں سیکڑوں کی تعداد میں آدمیوں کو کھانا کھاتے دیکھ مجھے خیال آیا کہ کوئی چیز لاتے تو ہیں نہیں اور کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے کھانا نہ کھایا اور جمعہ شریف ادا کر کے خالی پیٹ ہی واپس چل دیا۔ مجھے کانوں میں حضور کی آواز آئی کہ "بھئی! ایسا تو نہیں چاہیے تھا۔ یعنی کھانا کھا کر جانا تھا۔ وہاں سے تھوڑی دُور آگے چلا تو ایک روٹی اور اس کے اوپر نہایت سفید گڑ پڑا ہوا پایا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں کسی آدمی کے آنے کا امکان نہ تھا۔ آخر روٹی میں نے اُٹھا کر کھالی۔

میاں محمد حسین جوکالوی کا واقعہ

میاں محمد حسین صاحب جوکالوی جو کہ میرے ہم وطن ہیں اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت کیلیانوالہ میں تشریف لانے کے اوائل میں آپ کی تعریف سن کر میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں کس لیے آئے ہو؟ مجھے آپ کا یہ ارشاد کچھ پسند نہ آیا اور میں اطلاع دیے بغیر واپس چلا گیا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ کسی اور اللہ کے بندے کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ گھر جا کر کچھ روپے بطور زادِ راہ لیے اور سندھ کے علاقہ میں ایک پیر صاحب کے پاس چلا گیا جن کی تعریف پہلے سے سُن رکھی تھی۔ جمعہ شریف کا دن تھا۔ دیکھا کہ وہ پیر صاحب ٹانگہ پر سوار ہو کر جمعہ شریف کی نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ باجے وغیرہ بجتے جا رہے ہیں۔ میں نے شرق پور شریف کا طریقہ دیکھا ہوا تھا، یہ کچھ دیکھ طبیعت سخت بیزار ہوئی اور وہاں سے شرق پور شریف چلا آیا اور پھر گھر آگیا"۔

ایک دن حضور نے برسبیلِ تذکرہ فرمایا کہ جوکالیاں سے ایک پاگل سا نیلاری (رنگریز) ایک دفعہ آیا تھا، پھر نہیں آیا۔ چنانچہ حضور کے خیال مبارک سے پھر محمد حسین آگیا اور آج تک بدستور آتا رہتا ہے۔

حضور کی طبیعت مبارک کا ایک خاصہ یہ تھا کہ جس کسی کے دل میں کوئی خیال ہوتا اسے اس سے روکتے نہ تھے بلکہ تجربہ کر لینے دیتے۔ اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان کے جو جذبات اس خیال کی وجہ سے

اس کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوتے ہیں وہ تجربہ کر لینے کے بعد ہی صحیح طور پہ درست ہوتے ہیں، ورنہ اس کے دل میں حسرت رہتی ہے جس سے نقصان ہوتا ہے۔ برادرم محمد حسین صاحب کے دل میں چونکہ اس پیر کا خیال تھا، لہٰذا اسے دیکھ لینے کا موقع دے کر ہی حضور نے انہیں درست کیا۔

برادرم سراج الدین صاحب مرحوم کی زبانی ایک واقعہ

ایک دفعہ برادرم سراج الدین صاحب مرحوم نے بیان کیا کہ حضرت اعلیٰ قدس سرّہٗ کے وصال مبارک کے بعد اوائل میں حضور شرق پور شریف تشریف لے گئے۔ جب اجازت لے کر حضرت کیلیا نوالہ شریف جانے کے لیے تیار ہوئے تو میں بھی آپ کے ہمراہ تیار ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کہ اچھا چلو۔ اس وقت حضور کے پاس کرایہ کے لیے صرف ایک روپیہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخوپورہ کی طرف چلتے ہیں۔ وہاں سے ایک روپیہ میں جہاں تک پہنچے وہاں سے پھر پیدل چلے جائیں گے۔ اور فرمایا کہ قبل ازیں حاجی صاحب یا میاں ابراہیم صاحب کرایہ کے لیے کچھ کر دیا کرتے تھے لیکن اتفاق کی بات ہے کہ اس مرتبہ کسی نے بھی خیال نہیں کیا جب شرق پور شریف سے توکل بر خدا چل پڑے تو ابھی تھوڑی دور ہی باہر نکلے تھے کہ ایک آدمی دور سے دوڑتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ کوئی واقف بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ آ کر کہنے لگا کہ میں آپ کو ملنے کے لیے آیا تھا۔ خیال آیا کہ حضور شاید شرق پور شریف ہی مل جائیں، الحمد للہ کہ آپ مل گئے۔ اور کرایہ کے لیے کافی رقم دے کر کہنے لگا کہ مجھے ایک بہت ضروری کام ہے، اگر اجازت ہو تو میں یہیں سے چلا جاؤں۔ چنانچہ اجازت لے کر چلا گیا اور آپ سیدھے اڈا موٹر پہ تشریف لیجا کر لاہور کے راستہ حضرت کیلیا نوالہ شریف پہنچ گئے۔

مولیٰ کریم اپنے ایسے ہی بندوں کو یَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے مطابق اس جگہ سے رزق پہنچاتے ہیں کہ ان کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

ایک دن ایک ہندو نے جو فقیر صورت تھا، حضور رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ "رزق عاشقاں بر شاخ آہو" کا کیا مطلب ہے؟ حضور نے فرمایا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر اس کے حاصل کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑیں تو وہ بھاگ جائے۔ اور اگر پرواہ نہ کریں تو شاید اسی جگہ ہی پھینک کر چلا جائے۔ یہ سُن کر وہ خوش ہو کر چلا گیا۔

بابو محمد ابراہیم صاحب کا واقعہ

ایک دفعہ بابو محمد ابراہیم صاحب لاہور سے تشریف لائے جو حضور کے خادموں ہی سے ہیں۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور مجھے کمزوری کی شکایت ہے اسی لیے بیوی کو طلاق دے دی گئی ہے۔ اب پھر برادری میں سے ایک صاحب رشتہ دینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اب نہ تو میں اپنی حالت کا اظہار کر سکتا ہوں اور نہ وہ رُکتے ہیں۔ حکیموں ڈاکٹروں کے پاس علاج کے لیے جاتا ہوں، تو وہ کہتے ہیں کہ تیرا علاج کیا کریں۔ علاج تو کسی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے، اور تیرے جسم میں مادہ تولید سِرے سے ہے ہی نہیں، اس لیے علاج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" حضور نے فرمایا کہ جاؤ اور اللہ کا نام لے کر نکاح کر لو، مولیٰ کریم فضل فرمائیں گے۔ اور ایک چھٹانک کھانڈ لے کر اس میں کوئی معمولی دوائی شامل کر کے اللہ کا نام اس پر دم کر دیا اور ان کے حوالے کر کے رخصت کر دیا۔ خدا کے فضل و کرم سے ان کے ہاں اس وقت تندرست و توانا سات لڑکے موجود ہیں اور کسی قسم کی کمزوری کی شکایت باقی نہیں رہی۔

موضع سوئیاں والہ کے میلہ کی عُرس میں تبدیلی

عنایت شاہ صاحب اور ولایت شاہ صاحب ڈوگر ساکنان موضع سوئیاں والہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد میں حضرت نوبہار شاہ صاحب ڈوگر بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں جو کہ چشتیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے دادا حاجی دیوان صاحب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک خانقاہ ڈوگراں میں ہے جو کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں بڑے مشہور و معروف بزرگ ہوئے ہیں اور نوبہار شاہ صاحب کا روضہ مبارک موضع سوئیاں والہ میں ہے جو کہ حضرت کیلیانوالہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ گرد و نواح کے لوگ حضرت نوبہار رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند ہیں اور ان کے مزار مبارک پر ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ جس کے متوتی عنایت شاہ صاحب اور ولایت شاہ صاحب ڈوگر ہیں۔

جب ان دونوں بھائیوں کا حضور کے ساتھ رُوحانی تعلق قائم ہُوا تو حضور کی نظر کیمیا اثر نے ان کی طبیعت کو یک لخت اَور اطراف سے ہٹا کر دین کی طرف مبذول کر دیا اور ان کو خیال پیدا ہُوا کہ یہ جو ہر سال

میلہ لگتا ہے اور میراثی، بھانڈ وغیرہ گاتے ہیں اور بھنگ کا دَور چلتا ہے، یہ سب خلاف اللہ و رسول کام ہوتے ہیں۔ تو حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے بزرگوں کے مزار پر میلہ لگتا ہے جس میں خلاف اللہ و رسول کام ہوتے ہیں، اگر حضور دُعا فرمائیں تو یہ خلاف شریعت کام بدل کر دین کے موافق عُرس مبارک کی صورت اختیار کر جائے۔ حضور نے فرمایا کہ اچھا جس طرح مولیٰ کریم کو منظور ہوا ہو جائے گا۔ چنانچہ میلہ کی معینہ تاریخ سے کچھ دن پہلے حضور نے علمائے کرام کو مراسلات لکھ دیے اور ان میں تاکید کر دی کہ چونکہ اس خلاف شریعت رسم کو بدلنا ہے، لہٰذا تساہل نہ کریں اور ضرور تشریف لائیں۔ عنایت شاہ اور ولایت شاہ صاحبان میلہ کے اخراجات کے لیے اہل دیہہ کے ہر گھر میں جا کر ہر سال جو پچاس ساٹھ من گندم وصول کیا کرتے تھے، اللہ کے توکل پر اس سال سے اس کو بھی ترک کر دیا گیا اور مولیٰ کریم کی مہربانی سے ان کے ساجھی بھائی بندوں نے بھی کوئی خاص مخالفت نہ کی۔ صرف اتنا کہا کہ ہم اخراجات میں حصہ نہیں دیں گے۔ چنانچہ مولوی صاحبان اور نعت خوان آ گئے اور اس دن سے ہر سال ختم مبارک پر حاضر ہو کر وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور سینکڑوں آدمی مستفیض ہوتے ہیں۔ کوئی خلاف شریعت کام نہیں ہوتا۔

اس چودھویں صدی میں یہ آپ کی کرامت ہے ورنہ آج جبکہ دین کا صرف نام رہ گیا ہے ایسی رسوم کا بدلنا نہایت ہی مشکل ہے۔

برکت شاہ صاحب ساکن کالا شادیاں کی انابت

سیّد برکت شاہ صاحب ساکن کالا شادیاں ضلع گجرات بڑے متعصّب شیعہ اور اہلسنت و جماعت کے سخت مخالف تھے۔ افیون، شراب، بھنگ، چرس سب نشوں کے عادی تھے کوئی نشہ یا خراب کام انہوں نے اپنی اوائل جوانی میں چھوڑ نہیں رکھا تھا۔ بڑی بڑی ہیبت ناک مونچھیں اور ڈاڑھی صفاچٹ۔ ہزاروں ملنگ انہوں نے بنائے اور کئی بڑے بڑے ذی اثر آدمی مرید کر کے اپنے مسخر کر رکھے تھے۔ دین کا نام تک سننا انہیں گوارا نہ تھا۔ جب کہیں کوئی ہمارے حضور کا نام مبارک ان کے پاس لیتا اور آپ کی تعریف کر کے آپ کے رُعب و جلال کا تذکرہ کرتا تو وہ نہایت حقارت سے کہتے کہ واہ! وہ بھی کوئی آدمی ہے جس کے سامنے بات نہیں ہو سکتی۔ ان کے چچا زاد بھائی سید طالب حسین شاہ جو بہت عرصہ حضور کی خدمت میں رہے، ان سے جب

کبھی ملاقات ہوتی تو کہتے کہ میاں! تمہارے پیر کو بھی ایک دفعہ ضرور دیکھوں گا۔

آخر ایک دن حضرت کیلیانوالہ شریف میں تشریف لے آئے، ایک دو دن ٹھیرے۔ شیعہ صاحبان نے ان کو کہا کہ تم جادوگروں کے پاس آ گئے ہو، دیکھنا! کہیں پھنس نہ جانا۔ برکت شاہ صاحب نے جواب دیا کہ میں ڈٹ کر بات چیت کروں گا اور اہل سنت و جماعت تو میں کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسرے دن ان کو حضور نے ملاقات کی اجازت دی اور برکت شاہ صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ "جس وقت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل پر جو کبھی کسی بڑے سے بڑے افسر کے سامنے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا، اس قدر رُعب چھایا کہ کسی قسم کا کلام نہ کر سکا۔ اور جب حضور نے ازرہِ شفقت میرے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں پکڑا تو میرا تمام جسم پانی پانی ہو گیا اور مجھے کسی قسم کا ہوش ہی نہ رہا"۔

اس پہلی ہی ملاقات میں شاہ صاحب بفضلہ تعالیٰ ایسے صراط المستقیم پہ آ گئے کہ پانچ وقت کے نمازی بن گئے اور شکل و صورت سنّت کے مطابق درست کر لی۔ خدا کے بندے کی ایک ہی نظر پاک سے ایسی استقامت نصیب ہوئی کہ وہ ضمیر جو سالہا سال سے خلاف شریعت اثرات کا حامل تھا ایک لحظ بالکل پاک صاف ہو کر ہمیشہ کے لیے دیندار بن گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی مسلمان خواہ کس قدر نیک ہو جائے جب تک کسی مردِ خدا کی غلامی میں داخل نہ ہو جائے خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ سنت اللہ ہے جو تاقیامت جاری و ساری رہے گی۔ بغیر اس سنت کے حقیقت اسلام سے واقف ہونا محال ہے۔ دیکھیے! کلام پاک میں مولیٰ کریم کا فرمان ہو رہا ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ یعنی جس کا میری طرف رجوع ہو اس کے سبیل (راستہ) کی اتباع کرو۔ کسی خدا کے بندے نے اس کی مثال کیا ہی عجیب انداز میں دی ہے ؎

کے بود نورِ خدا بے پیر حاصل بندہ را
آتشِ خورشید بے شیشہ رسد کے پنبہ را

مطلب یہ کہ بغیر پیر و مرشد کے نورِ خدا کا حصول بندہ کو کیسے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ بغیر شیشہ جلبی کے آتش خورشید رُوئی تک نہیں پہنچ سکتی۔ پیر کامل جس کو سلسلہ وار سینہ بسینہ نورِ خدا کا حصول ہو اس کے سوا

ذاتِ پاک کا حصول جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس سنت کے مطابق جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاری ہے تا قیامت بندگان خدا سراجاً منیرا کے نور سے منوّر ہو کر فیضیاب کرتے رہیں گے۔ اور اس کا انکار کرنے والے حقیقت اسلام سے محروم ہی رہیں گے۔ اس جگہ میرے حضور کے یہ اشعار صادق آتے ہیں ؎

اگر حاصل نہ باشد ہم یقیں را مدہ از دست ورنہ از جحودے

نداری گر یقیں انکار حق است یقیں داں بر دلت ظلمت فزودے

یعنی اگر تجھ کو حصول نہیں تو یقین کو ہاتھ سے نہ دے، ورنہ منکرین سے ہو جائے گا۔ اور اگر یقین نہ رکھے گا تو حق کا انکار ہے اور یقین رکھ کہ تیرے دل پر سوائے ظلمت کے کوئی زیادتی نہ ہوگی"۔ تو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز پر ایمان نہ ہو تو اس کی طلب ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اگر طلب نہ ہو تو اس کی یاب بالکل ہی لایعنی ہو جاتی ہے۔ جب تک پیاس نہ ہو، پینا تو درکنار، پانی ڈھونڈا ہی نہیں جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مقصود کے لیے پہلے ایمان ہونا لازمی شرط ہے۔ پھر اس ایمان کے سہارے دل میں طلب پیدا ہو اور اس ذاتِ پاک کا فضل یاوری کرے تو مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ ورنہ بصورت دیگر سنت اللہ کا انکار اس کے لیے آسان ہو کر اس کے ضمیر میں سوائے ظلمت کے کوئی چیز نہیں بڑھ سکتی۔ کیونکہ انسان کی فطرت اس امر کی مقتضی ہے کہ جس اثر سے یہ متاثر ہوتی ہے اس کو اور زیادہ چاہتی ہے۔ اور جو اثر اس کے ضمیر میں جاگزیں ہوتا ہے وہ اپنی مطابقت کی رُو سے اسی اثر کو اور مانگتا ہے۔ مثلاً جب انسان دنیا میں کسی مرغوب چیز کی طرف دیکھتا ہے تو قلب اس کو اور زیادہ چاہتا ہے خواہ وہ خلافِ شریعت ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کی نوبت عشق و محبت تک جا پہنچتی ہے۔ اور بعض تو ایسے متوالے ہو جاتے ہیں کہ اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ یہی فطرت اسے گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ کیونکہ اصل میں مطابق فرمان قرآن حکیم فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا اللہ تعالیٰ نیکی اور برائی کی سمجھ تو عطا فرماتے ہیں لیکن اس کے اعراض کے باعث مطابق فرمان مولیٰ کریم وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ ماسوا کی طرف رجوع کی وجہ سے یا آرام پکڑنے کے سبب شیطان اس کا ساتھی بن کر اس کو گمراہ کرتا ہے۔ اس صورت میں آہستہ آہستہ ترقی

کرتا ہوا سرشت سے گزر کر اضافیہ میں مقیم ہو جاتا ہے اور سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ میں داخل ہونے سے خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً کے مطابق اس کے کانوں اور دل پر مُہر لگ جاتی ہے آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور ہمہ تن اسی رنگ میں رنگین ہو کر پُورا گمراہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بصورت دیگر چونکہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کُھلا ہے اور مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے بوساطت قرآن پاک اور اپنے بندگان خاص اپنی طرف بُلا رہے ہیں۔ اگر کوئی ایمان لا کر اور اپنا رجوع درست کر کے اعمال صالحہ کا کاربند ہو اور ایسے بندگان خدا جو بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ کے حامل ہوتے ہیں ان کے دامن کو ہاتھ میں لے کر سچے دل سے توبہ کرے تو ایک ہی سیکنڈ میں نورِ ایمان و اسلام سے منوّر ہو جانا بعید از رحمت نہیں۔ جیسا کہ سیّد برکت شاہ صاحب کی نسبت ذکر ہو چکا ہے۔ اور چونکہ یہ با اثر آدمی تھے، ہدایت یافتہ ہونے کے بعد جب کبھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کے ساتھ اور بھی کئی آدمی ہوتے جو بفضلہ تعالیٰ اس سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہو کر جاتے۔ بعض دفعہ ان کے ہمراہ ایسے نا اہل آدمی نظر آتے جن کو دیکھ عاجز کو تعجّب ہوتا کہ کیا یہ بھی دیندار ہو سکتے ہیں؟ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضور کی نظرِ شفقت سے ان کی طبیعتوں میں خاصا اثر دیکھنے میں آتا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ کے بندے کی نظر کیمیا اثر سے پانچ وقت کے نمازی، تہجد گزار اور شکل و صورت مطابق سنت پر عاشق نظر آئے۔

ایسے سیکڑوں آدمی ہمارے سامنے اس ہدایت کے بحرِ ذخّار سے فیضیاب ہوئے ہیں، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اور ایک ولی اللہ کی مطابق سنت یہی سب سے بڑی کرامت ہے کہ گم گشتگان راہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہدایت نصیب ہو۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہی سب سے بڑا معجزہ ہے کہ تیئیس ۲۳ سال کی مدّتِ قلیل میں وہ کام کیا جو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے اُولُوا العزم رسول سے ساڑھے نو سو سال میں نہ ہو سکا۔ لہٰذا اس مضمون کو اسی حرفِ آخر پر ختم کیا جاتا ہے۔

معمولات

شبانہ روز کا معمول

حضور رحمۃ اللہ علیہ تقریباً پچیس سال کی عمر مبارک میں حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور فرماتے کہ شرق پور شریف رات کو مطابق حکم قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ نصف شب کے بعد بیدار ہوتے۔ آپ فرمایا کرتے کہ جب بھی آنکھ کھلتی طبیعت میں اپنے نفس پر غصہ ہی آتا کہ دیر ہو گئی ہے۔ وضو کر کے دو رکعت نفل تحیۃ الوضو ادا فرماتے اور آٹھ رکعت نفل تہجد ادا فرما کر درود شریف خضری تین ہزار دفعہ پڑھتے، پھر صبح کی نماز تک مراقب رہتے۔

حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھی آپ کا یہی معمول رہا اور اسی قدر درود شریف پڑھتے اور کچھ وقت مراقب رہنے کے بعد اگر وقت زیادہ ہوتا تو چونکہ آپ اکثر بیمار ہی رہتے تھے، ذرا استراحت فرماتے اور صبح نماز کے وقت بیدار ہو کر تازہ وضو کے ساتھ نماز فجر ادا فرماتے۔ وضو کرتے وقت علاوہ کلمہ شہادت کے سورۃ قدر اور یہ شعر بھی پڑھتے ؎

سرم خاکِ رہ ہر چار سرور ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

نماز ادا فرمانے کے بعد کھجور کی گٹھلیوں کے بیس پچیس ہزار کے قریب شمارے چادر پر ڈالے جاتے۔ جن پر وہی درود شریف خضری (صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمْ) تمام نمازیوں کے ساتھ پڑھا جاتا اور بعد میں یہ دعا کی جاتی:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَاۤ اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَاۤ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَاۤ اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰۤی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَاۤ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

خدایا بدہ شوق ذاتِ رسول بدردِ محمدؐ مرا کن قبول

شب و روز در عشق حضرت بدار | ہمہ وقت در وصل احمدؐ گذار
حیاتی، مماتی ہمہ وقت ما! | عطا کن وصال مرا مصطفیٰ
چو بلبل براں گُل فدائم بکن | چو پروانہ جلوہ نمائم بکن
ظاہر و باطن ہو برائے خدا | چاہیں خدا سے نہ سوائے خدا
دیدۂ و بینا ہو ہر اک موئے تن | محو تجلّی رہے روح و بدن
اے مرے مولیٰ مرے والی ولی! | کر عطا ہم کو یہ طفیل نبیؐ
خیال غیر از ما دُور گرداں | بعشق خود مرا رنجور گرداں

پھر وہی ابراہیمی درود شریف جس کے ساتھ دُعا کا آغاز ہوا ہے پڑھ کر سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ پر اختتام ہوتا۔

ہر نماز فریضہ کے بعد ۳۳ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰه، ۳۳ دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه اور ۳۴ دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَر اور دُعا کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝ گیارہ مرتبہ پڑھتے۔ ہر مرتبہ بسم اللہ اور لاحول کا التزام ضرور ہوتا۔

شمار سے پڑھ چکنے کے بعد فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۝ کے مطابق ایک رُبع پارہ قرآن پاک کی باترجمہ تلاوت فرماتے۔ قرآن پاک کھولنے سے پہلے گیارہ دفعہ بسم اللہ شریف اور سات مرتبہ سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ تلاوت فرما کر اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نذر کر لیتے۔ آپ کی اس تلاوت کے وقت سامعین پر جو عجیب و غریب کیفیت ہوتی وہ تحریر و تقریر سے باہر ہے۔

تلاوت کے بعد نماز اشراق ادا فرماتے۔ جو دو دو رکعت کر کے چار رکعت کھڑے ہو کر پڑھتے اور اخیر میں دو رکعت بیٹھ کر ادا فرما لیتے۔

اس کے بعد جو احباب مسجد شریف میں آپ کی ملاقات کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ان کو ایک ایک کر کے شرف باریابی بخشا جاتا۔ پہلے آپ دریافت فرماتے کہ کہاں سے تشریف لائے ہو؟ اور کیا کام

کرتے ہو؟ اگر کوئی شریعت غرا کے خلاف کام ہوتا تو آپ منع فرماتے۔ اور اگر کوئی کہتا کہ کوئی کام نہیں کرتا تو آپ فرماتے کہ میاں! کوئی نہ کوئی کام ضرور کرنا چاہیئے، بیکاری اچھی نہیں۔ شریعت کے مطابق رزق حلال کے لیے کوئی نہ کوئی کام ضروری ہے۔ دُعا کی قبولیت کے لیے رزقِ حلال اور صدقِ مقال دو پر ہوتے ہیں، جو آج کل مفقود ہیں۔ اگر ایک لقمہ بوجہ حلال مل جائے تو خون میں شامل ہو کر کشاں کشاں نیکی کی طرف لے جاتا ہے، اور اگر ایک لقمہ بوجہ حرام ہو تو وہ وجود میں خون بن کر بُرائی کی طرف ہی کھینچتا ہے۔ اس لیے تمام باتوں سے پہلے رزق حلال کی تلاش نہایت ضروری امور میں سے ہے۔" اس کے بعد فرماتے کہ "یہاں کس کام کے لیے آئے ہو؟" اگر کوئی کہتا کہ "زیارت کرنے کے لیے آیا ہوں"، تو آپ فرماتے کہ "اچھا میاں! تمہاری زیارت ہو گئی"۔ یا فرماتے کہ "زیارت تو مزارات (قبروں) کے لیے ہُوا کرتی ہے"۔ اور اگر کوئی کہتا کہ اللہ اللہ پوچھنے کے لیے حاضر ہُوا ہوں"۔ تو بعض سے فرماتے کہ پہلے کسی اللہ کے بندے سے فِفِرُّوْا اِلَی اللہ کا طریقہ نہیں پوچھا؟" اگر کسی باشریعت نسبت والے کے ساتھ تعلق ہوتا تو فرماتے کہ "میاں! جو کچھ اُن بزرگوں نے بتایا ہے وہی ہماری طرف سے سمجھ لو اور اسی پر کاربند رہو، تجدیدِ بیعت کی ضرورت نہیں"۔ اور اگر کسی خلاف شریعت سے پوچھا ہوتا تو تجدید بیعت فرما دیتے۔ کئی آدمی عرض کرتے کہ "ہمارے پیر صاحب فوت ہو چکے ہیں" تو فرمان ہوتا کہ خدا کے بندوں کو عوام کی طرح موت واقع نہیں ہوتی، بلکہ ان کی زندگی فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً کے مصداق ہوتی ہے۔ اور ان کے فیض رُوحانیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ ان کے فرمان مبارک کو بیج کی طرح سمجھو"۔ اس کی مثال آپ بیان فرماتے کہ بڑ کے بیج کو دیکھو! کس قدر چھوٹا ہوتا ہے، لیکن جب وہ اُگ کر درخت بنتا ہے تو کتنا تناور اور کس قدر بڑا ہو جاتا ہے۔ یہی مثال خدا کے بندوں کے ارشادات کی ہے۔ جب اس فرمان مبارک پر جو کہ بظاہر تھوڑا سا معلوم ہوتا ہے، عمل کیا جاتا ہے تو بڑھ کر اسی طرح تناور ہو جاتا ہے"۔

اگر کوئی نئے سرے سے اللہ کا نام پوچھنے والا ہوتا تو اس کو پہلے سنت کے مطابق شکل و صورت بنانے کی تلقین فرماتے۔ اور صاف طور پر فرمان ہوتا کہ "میاں! ہم تو مُلّا ہیں، اگر شکل و صورت میں سنت پر عمل کر سکتے ہو تو اللہ کا نام بتاتے ہیں۔ اگر وہ اقرار کرتا کہ اب ڈاڑھی سنت کے مطابق رکھ لوں گا۔ تو

دریافت فرماتے کہ نماز پنجگانہ ادا کرتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ نماز کو پورے التزام کے ساتھ ادا نہ کرتا ہوتا تو نماز پر پابندی کی ہدایت فرماتے اور تین بار کلمۂ طیب یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تیسری مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ) سونے کے وقت پڑھ کر سینے پر پھونک مار کر خاموشی کے ساتھ سونے کا فرمان ہوتا۔ اور ہدایت ہوتی کہ اگر کوئی بڑی ضرورت سے بُلائے اور بولنا پڑے تو خواہ دن کو سوتے ہو یا رات کو پھر اسی طریقہ سے کلمہ شریف پڑھ کر سو جاؤ۔

پھر جب دوسری دفعہ وہی شخص پابند نماز بن کر حاضر ہوتا تو گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص مع لاحول جیسے کہ پہلے مذکور ہوا ہے ہر نماز کے بعد پڑھنے کی ہدایت ہوتی اور نفل تہجد دو دو رکعت کر کے آٹھ رکعت تک پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ جب تہجد کا بھی پابند ہو جاتا تو اس کے بعد درود شریف خضری پانصد مرتبہ پڑھنے کا ارشاد ہوتا اور حکم ہوتا کہ اس طرح خیال رکھ کر پڑھو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا درود شریف بذاتِ خود سُن رہے ہیں۔ بعض کو فرماتے کہ اس خیال سے پڑھو کہ ہمارا درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ حدیث شریف سے یہ ثابت ہے اور اس میں شک کرنے والا صحیح الاعتقاد نہیں ہے۔ جب درود شریف پانچ تسبیح پڑھنے سے راہرو کو تسکین نہ ہوتی اور طبیعت زیادہ چاہتی تو استعداد کے مطابق رفتہ رفتہ دو ہزار تک بڑھاتے اور فرماتے کہ دیکھنا! کہیں ناغہ نہ ہو۔ ورنہ طبیعت خراب ہو کر باعثِ خسران بن جائے گی۔

اس کے بعد جب طبیعت اچھی خاصی ہو جاتی تو پھر سونے کے وقت اللہ کے نام کا ذکر اس طریقہ سے فرماتے کہ زبان نہ ہلے، بلکہ خیال سے یا کریم یا کریم کرتے کرتے سو جانا۔ اس کے بعد حسب استعداد مطابق فرمان مولیٰ کریم فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ہر وقت اسم ذات (اَللّٰہُ) یا یا کریم کے وظیفہ کا فرمان ہوتا کہ اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خداوند کریم کا ذکر رکھا کرو۔ اور ساتھ ہی یہ ہدایت ہوتی کہ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ پر عمل ہو۔ یعنی بلند آواز سے ذکر نہ ہو، بلکہ زبان تک کو حرکت نہ ہو۔ صرف خیال سے یادِ الٰہی ہو۔

اگر نابالغ بچے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتے تو فرمان ہوتا کہ ابھی بچہ ہے۔ تاہم ہر کام اور ہر حرکت کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کا ارشاد فرماتے احباب کو رخصت کرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ گھر میں حسب ضرورت بات چیت کر کے تھوڑا سا کھانا تناول فرما کر بیٹھک شریف میں تشریف لے آتے۔ چند منٹ ٹھیرنے کے بعد دربار حضرت شاہ جی عبدالسلام قدس سرہٗ میں تشریف لے جاتے اور چند منٹ باہر ہی کھڑے ہو کر نسوار وغیرہ لیتے اور جو احباب ہمراہ ہوتے ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور سادہ الفاظ میں اعلیٰ ترین مسائل طریقت و شریعت پر گفتگو فرماتے جو بہت ہی پُر لطف ہوتی۔ اس کے بعد دربار شریف میں مزار مبارک کے جنوب کی طرف تشریف فرما ہوتے۔ دو گھنٹے یا کچھ کم و بیش وہاں تشریف رکھتے۔ کبھی کبھی مزار مبارک پر جاتے وقت فرمان ہوتا کہ مُردوں کے پاس تو کافی بیٹھ لیا، اب ذرا چل کر زندوں کی صحبت میں بھی بیٹھ لیں۔ جس سے آپ کی مراد بندگان خدا کے مزار کی ہوتی۔ آپ فرمایا کرتے ہے

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق   ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

فرمان ہوا کہ ایک دفعہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ نے ہم پر سوال کیا کہ زندہ اور موتی میں فیض کے رُو سے کیا فرق ہے؟ عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اَوَمَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ وَجَعَلۡنَا لَہٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِہٖ فِی النَّاسِ کے مصداق اعلیٰ ترین نورانی زندگی کے ساتھ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت اعلیٰ نہایت خوش ہوئے اور مُہر ثبت فرمائی کہ تمام مسائل طریقت میں جو سمجھ آپ کو آئی ہے اور کسی کو نہیں آئی۔

اس کے بعد روضہ حضرت شاہ جی سے اُٹھ کر گھر میں جلوہ افروز ہوتے اور چند منٹ بیت الحرم میں ٹھیر کر پھر بیٹھک شریف میں آجاتے۔ ڈاک کا مطالعہ فرماتے اور ان کا جواب تحریر فرمایا جاتا۔ یا بعض اوقات کسی مسئلہ کو حوالۂ قرطاس فرماتے جن کا مجموعہ "الانسان فی القرآن" کے نام سے ظہور میں آیا ہے۔ بعدہٗ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو جاتا اور آپ کھانا تناول فرمانے کے بعد ذرا دیر ٹھیر کر قیلولہ فرمانے کے لیے لیٹ جاتے۔ ظہر کے وقت تک آرام فرماتے اور اذان کے بعد مسجد میں تشریف

لے جاتے۔ نماز ظہر ادا فرمانے کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ مسجد شریف میں مراقب رہتے اور پھر گھر تشریف لاتے۔ پیاس حضور کو بہت لگتی تھی اس لیے اس وقت بالعموم بادام گھوٹ کر پیتے۔ پھر بیٹھک شریف میں تشریف لاتے اور کسی مسئلہ قرآن پاک یا حدیث مبارک پر گفتگو ہوتی۔ اسی میں نماز عصر کی اذان ہو جاتی اور مسجد میں تشریف لے جاتے۔ عصر سے پہلے چار رکعت سنت ادا فرماتے اور نماز عصر کی امامت حضور خود کراتے عصر کے بعد بحالت تندرستی باہر تشریف لے جایا کرتے اور مغرب سے ذرا پہلے تک باہر سیر کر کے گھر تشریف فرما ہوتے۔ پھر نماز مغرب کے لیے مسجد میں تشریف لاتے اور نماز با جماعت ادا کر کے دو رکعت سنت اور دو نوافل کے علاوہ چھ رکعت نماز اوابین ادا فرماتے جو دو دو رکعت کر کے اسی اشراق کے طریقہ پر پہلی چار رکعت کھڑے ہو کر اور آخری دو رکعت بیٹھ کر ہوتی۔ پھر تقریباً نصف گھنٹہ مسجد میں مراقب رہتے۔ آپ فرمایا کرتے کہ ہمارا خاص وقت مغرب ہی کے بعد ہے۔ اس وقت آپ سورۃ فاتحہ کا وظیفہ بھی کیا کرتے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ کتنی دفعہ آپ پڑھتے اور نہ ہی کسی کو یہ جرأت ہوتی کہ دریافت کرے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ذرا سا بلند آواز سے پڑھتے۔ البتہ سیّد کرم شاہ صاحب ساکن موضع بھون تحصیل حافظ آباد جو کہ آپ کی برادری کے ایک فرد اور برادر طریقت بھی ہیں، ان کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ سات مرتبہ الحمد شریف پڑھتے تھے۔ اور برادرم حافظ محمد سلیمان صاحب انبالوی کو بھی مغرب کے بعد سات ہی مرتبہ الحمد شریف کا وظیفہ ارشاد فرمایا گیا

نماز مغرب کے بعد شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بھی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد گھر میں تشریف لاتے اور کھانا تناول فرمانے کے بعد بیٹھک شریف میں تشریف فرما ہوتے۔ اتنے میں نماز عشا کی اذان ہو جاتی۔ اور اذان سے پون گھنٹہ بعد جماعت کھڑی ہوتی۔

حضور ہر نماز کے لیے نیا وضو فرماتے۔ عشاء کے وقت بھی پہلے چار رکعت سنت ادا فرماتے اور جماعت سے پہلے تھوڑے سے شمار سے چادر پر ڈال کر درود شریف پڑھا جاتا۔ پھر صبح کی طرح دعا کر کے جماعت نماز کھڑی ہو جاتی۔ اور نماز کے بعد وتر بھی حضور ساتھ ہی ادا فرما لیا کرتے۔ ازاں بعد دو نفل

بیٹھ کر ادا فرماتے اور دُعا مانگ کر بیٹھک شریف میں تشریف لے جاتے۔

دُعا حضور کی نہایت مختصر ہوتی۔ اوّل آخر میں نماز کا ابراہیمی درود شریف پڑھا جاتا اور درمیان میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ صرف دو آیات اور سُوْرَۃ النَّاس تلاوت فرماتے جس میں سوائے اُخروی فلاح وبہبود کی طلب کے کسی دُنیوی حاجت کا ذکر تک نہ ہوتا۔ اوقات نماز کا خاص طور پر خیال فرمایا جاتا اور بالعموم نمازیں متوسط وقت میں ادا ہوتیں۔

حضور کو سوز کی وجہ سے خشکی اور پیاس کا غلبہ رہتا، اس لیے عشا کے بعد بیٹھک شریف میں جا کر جسم مبارک پر گھی کی مالش کی جاتی اور کسی ضروری مسئلہ پر گفتگو فرماتے۔ ورنہ خاموشی سے ذکر میں محو رہتے بے ضرورت کلام نہ کرتے اور فرمایا کرتے کہ جس نے ہماری خاموشی سے کچھ حاصل نہ کیا اسے باتوں میں بھی کچھ حصول نہیں۔ بالعموم گیارہ بجے رات تک یہ مجلس قائم رہتی اور اس کے بعد بیٹھک شریف ہی میں استراحت فرماتے۔ صرف برسات کے موسم میں ایک دو مہینے ایک مکان کی چھت پر مع خادموں کے آرام فرماتے، ورنہ سارا سال اسی بیٹھک شریف میں قیام رہتا۔ گیارہ بارہ بجے آرام فرما کر دو اڑھائی گھنٹے صبح سے پیشتر پھر بیدار ہو جاتے۔ دوپہر کے کھانے سے پیشتر بالعموم غسل بھی فرماتے۔

یہ تھا آپ کا اقامت کے دَوران میں شبانہ روز کا معمول جس میں بغیر کسی غیر معمولی حالات کے کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوتی۔

سفر کے معمولات

حضور رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اپنے زمانہ کے قطب تھے اس لیے ہمیشہ مقیم ہی رہتے اور سال بھر میں سوائے مکان شریف اور شرق پور شریف کے عُرس مبارکوں کی شرکت کے کسی دُنیوی غرض سے نہ کسی جگہ کا سفر کرتے اور نہ کر سکتے۔ شرق پور شریف میں چونکہ اژدحام بہت زیادہ ہوتا، اور ہر اہل و نااہل کو آپ کی جستجو ہوتی اس لیے حضور آبادی سے دُور کسی ایسے مقام پر قیام فرماتے جہاں عوام کو خبر نہ ہوتی۔ تاکہ نااہل یونہی تنگ نہ کر سکیں۔ ختم شریف کے موقع پر بھی عین وسط میں جہاں حضرت اعلیٰ کے دوسرے اکابر خلفا حضرات

تشریف رکھتے وہاں تشریف نہ لے جاتے۔ بلکہ ختم شریف کے شمال مشرق کی جانب عوام میں ایسی جگہ پر تشریف رکھتے جہاں کوئی پہچان نہ سکے۔ اس میں بھی انکساری کے علاوہ ایک یہ وجہ بھی تھی کہ عوام کے لیے ہرف نہ بن سکیں۔ چنانچہ ختم شریف کی دعا سے فارغ ہوتے ہی فوراً پھر کسی نامعلوم جگہ پر تشریف لے جاتے۔ صرف خاص خاص احباب کو آپ کی قیام گاہ کا علم ہوتا۔ جب ذرا ہجوم کم ہوتا تو حضرت اعلیٰ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوتے اور بالعموم گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مراقب ہو کر بیٹھتے۔

یہ دونوں سفر چونکہ مسافت کے لحاظ سے نماز قصر ادا کرنے کا حکم رکھتے ہیں لہٰذا آپ دوگانہ ہی ادا فرماتے لیکن سفر میں بھی جماعت کا خاص طور پر خیال رکھتے اور بالعموم صبح کی نماز کے بعد سفر شروع کر کے ظہر کی نماز کے وقت تک ختم کر دیتے۔ حتی الوسع نمازوں کے وقت میں گاڑی پر سوار نہ ہوتے۔ اور اگر کبھی مجبوراً ریل میں نماز کا وقت ہو جاتا تو ریل میں بھی ادا فرما لیتے۔ قصر صرف فرائض میں ہوتی باقی نماز پوری پڑھتے

شرق پور شریف سے واپسی پر لاہور میں حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر ضرور تشریف لے جاتے اور گھنٹہ دو گھنٹہ وہاں مراقب رہتے۔ کبھی کبھی شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بھی تشریف لے جاتے۔ اُٹھتے وقت مزار مبارک سے مغرب کی جانب کھڑے ہو کر ختم شریف پڑھتے لاہور میں آپ کے ورود کا صرف یہی مقصود ہوتا۔ غرض اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کے مطابق سوائے طلب مولیٰ کے آپ کا کوئی قدم نہ اُٹھتا۔

رمضان شریف

رمضان شریف میں اوقات کی صحت کی خاص طور پر نگہداشت کی جاتی اور حتی الوسع غروب دیکھ کر گھڑیوں کا وقت درست رکھا جاتا۔ غروب آفتاب سے دس منٹ بعد روزہ افطار فرماتے اور اس معاملہ میں نہایت محتاط رہتے۔ بلکہ اس موضوع پر آپ نے ایک مقالہ بھی تحریر فرمایا جس میں قرآن حکیم اور حدیث شریف کے رُو سے یہ ثابت فرمایا کہ روزہ کے افطار کا صحیح وقت قرص آفتاب کے غائب ہونے سے دس منٹ کے بعد ہی ہوتا ہے حضور نے یہ مقالہ "اتمام صیام" کے نام سے طبع فرما کر مفت تقسیم فرمایا۔ اور اب بھی ضرورتمند اصحاب محصول ڈاک کے لیے دو آنے کے ٹکٹ بھیجکر حضور رحمۃ اللہ علیہ کے دردولت سے مفت حاصل کر سکتے ہیں

تراویح کی نماز بیس رکعت ادا کی جاتی اور سوا پارہ روزانہ کے حساب سے بالعموم ایک قرآن مجید ہی ختم کیا جاتا۔ حافظ فضل کریم صاحب سکنہ بجری ضلع گجرات جو اعلیٰ ترین حافظ ہیں قرآن پاک سنایا کرتے حضور ان کی اچھی خاصی خدمت فرماتے۔ کپڑے اور نقد بھی خود اپنی گرہ سے دیتے، کسی اور نمازی سے ہرگز نہ لیا کرتے

نماز جمعہ شریف

جمعہ شریف کے دن یَأْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کے مصداق چاروں اطراف سے بے شمار طالبانِ حق حضور کے ارشادات سے مستفیض ہونے کے لیے دُور دُور کے اضلاع سے آتے۔ روٹی کا خاص طور پر اہتمام ہوتا۔ دن ڈھلتے ہی اذان ہو جاتی۔ اگر کوئی مولوی صاحب ہوتے تو حضور ان کو اذان کے ساتھ ہی وعظ کہنے کا حکم فرما دیتے۔ بعدہٗ حضور مکان پر ہی وضو فرما کر ادائے سُنن کے بعد مسجد شریف میں تشریف لاتے۔ اس وقت تشنگانِ چشمۂ معرفت کے لیے ایک ایسی عجیب و غریب کیفیت ہوتی جس کا بیان تحریر و تقریر سے نہیں ہو سکتا۔

جب حضور مصلیٰ پر جلوہ افروز ہوتے تو مؤذن اذان پڑھتا۔ اس کے بعد حضور کھڑے ہو کر دھیمی سی آواز میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک سے وعظ کا آغاز فرماتے۔ آہستہ آہستہ آواز بلند ہوتی جاتی۔ آپ کی آواز بہت بلند اور پُر تاثیر تھی۔ اس کے علاوہ آپ کے پند و نصائح میں خصوصیت یہ تھی کہ ہر شخص یہی سمجھتا کہ جو کچھ حضور بیان فرما رہے ہیں، میرے ہی حال کے عین مطابق ہے۔ تمام متعلقین کے عُقدے کھول دیتے تھے۔ آپ کسی خاص تیاری کے ساتھ مطالعہ کر کے نہ جاتے۔ صرف ایک کاپی پر آپ نے اپنے دست مبارک سے قرآن پاک کی چند مختلف آیات تحریر فرما رکھی تھیں، ان میں سے کوئی آیت شریف تلاوت فرما کر اس کی تفسیر بیان فرماتے۔

کبھی تو دنیا کی بے ثباتی پر مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ یعنی دنیا کی زندگی تو ایک کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر اصل زندگی ہے کی تفسیر بیان فرماتے، اور لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (افسوس کہ یہ جانتے) پر ہی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بھر کا وقت گزار دیتے۔

کبھی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ تلاوت فرما کر سارا وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گن گانے میں گزار دیتے۔ چار چار جمعہ شریف اسی پر ہی وعظ ہوتا رہتا۔ ادھر سِرَاجًا وَّهَّاجًا کی مثال بیان فرما کر تمام کائنات کی زندگی کا دارو مدار اسی پر ثابت فرماتے اور اُدھر عالم روحانیت کی جانی کا انحصار سِرَاجًا مُّنِیْرًا پر ثابت کر دیتے اور بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ تلاوت فرما کر تصرف حضور کو تصرف خداوندی ثابت فرماتے اور نسبت نبوی کو اصل مقصود اور صراط مستقیم ثابت کیا جاتا۔ اسی دوران میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی یہ نعت پڑھتے ؎

عرش است کمیں پایۂ ز ایوان محمدؐ
جبریلِ امیں خادم و دربان محمدؐ

آں ذاتِ خداوند کہ مخفی ست زِ عالم!
پیدا و عیاں گشت بچشمانِ محمدؐ

توریت کہ بر موسیٰؑ و انجیل بہ عیسیٰؑ
شد محو زِ یک نقطۂ فرقانِ محمدؐ

یوسفؑ کہ خریداست زلیخا بہ تمنّا!
بُوداست غلامے زِ غلامانِ محمدؐ

بخشندۂ بار مہر و سخا ملکے بہ سلیمانؑ!
شاہانِ جہان اند گدایانِ محمدؐ

از بہر شفاعت چہ اُولوالعزم چہ مرسل
در حشر زنند دست بدامانِ محمدؐ

یک جاں چہ کند سعدیؔ مسکیں کہ دو صد جاں
سازیم فدائے سگِ دربانِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ساتھ ہی کبھی نہایت دلکش آواز میں یہ شعر پڑھتے ؎

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ!
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

کبھی کبھی جوش میں آکر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ شعر زبان مبارک پر جاری ہو جاتے ؎

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا
یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ هَمٍّ مُّغْرَقٌ
خُذْ یَدِیْ سَهِّلْ لَنَا اَشْكَالَنَا

کبھی شَاہِدًا کی تفسیر فرماتے اور ساتھ ہی وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا کا وصف بیان فرما کر شاھد اور شہید دونوں صفتوں کے جمع ہونے پر آپ کے کمالِ علم کا اظہار فرماتے۔ شَاہِدًا کو صفاتِ فعلیہ سے بیان فرما کر شَہِیْدًا کو صفاتِ ذاتیہ سے تعبیر فرماتے۔ کبھی مُبَشِّرًا کی حقیقت کا اظہار ہوتا اور کبھی دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بِاِذْنِ اللّٰہِ روحانی کرشموں سے تطبیق دی جاتی۔ سِرَاجًا مُّنِیْرًا کی تفسیر پر ایسا معلوم ہوتا کہ مدینہ منورہ سے حضور کے قلب منور پر نور کی بارش ہو رہی ہے، اور وہاں سے سامعین کے پیاسے قلبوں کو نور سے سیراب فرما کر منور کر رہے ہیں۔ سامعین پر ایسی بے خودی طاری ہوتی کہ ساکت وصامت بت معلوم ہوتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ عالم دنیا ہے ہی نہیں بلکہ جنت فردوس میں بیٹھ کر جمالِ محمدی کی شراب اور انوار احمدی کے نشہ سے مخمور ہو کر عالم حیرت میں پڑے اس حیاتِ دنیا سے محو ہو کر عالم آخرت کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ پھر بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَہُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا سے مومنوں کو بشارت سناتے گھنٹے گزار دیتے۔ ایسا نورانی سماں ہوتا تھا جس کا بیان نہ تحریر سے ہو سکتا ہے نہ تقریر سے۔ ہفتوں اور مہینوں کے گناہوں سے زنگ آلود ضمیر اس تھوڑے سے وقت میں منور فرما کر درست کر دیتے۔

کبھی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ کی تفسیر فرماتے ہوئے قربِ حضور کا اظہار فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہاری جانوں سے بھی مقدم ہیں۔ چونکہ انسانی مقصود یُحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کے سوا نہیں اور اس مقصود کے حصول کا راستہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کے مطابق صرف اتباع حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہے اور یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کی دولتِ سرمدی آپ کی خاکِ نقش پا کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کے سوا حاصل نہیں ہو سکتی، اسی لیے مولیٰ کریم نے مومنین کو اس قرب اور خصوصیت سے آگاہ فرمایا کہ دیکھنا! کہیں اس ادب سے اور اس ایمان سے محروم رہ کر مقصود سے خالی نہ رہ جانا۔ دوسری جگہ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِہَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ (یعنی کہ اگر تم مولیٰ کریم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماسوا کی محبت کو زیادہ عزیز رکھتے ہو) فرما کر متنبہ فرمایا ہے (فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ) تو خدا کے عذاب کے منتظر رہو۔ تو ثابت ہوا کہ مولیٰ کریم اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ

محبوب دنیا کی کسی چیز کو نہیں سمجھنا چاہیے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۰ حدیث شریف پڑھ کر اس کی اہمیت سے آگاہ فرماتے کہ کوئی مسلمان اُس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والدین اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے۔ اس وقت حضور کے سینۂ مبارک میں محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیحد جوش ہوتا اور فرطِ محبت سے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے یہ شعر بھی پڑھتے ؎

همه انبیا در پناهِ تو اند مقیم درِ بارگاهِ تو اند
تو ماهِ منیری همه اختراند تو سلطان ملکی همه چاکر اند
تو عالم بعلمِ لدن آمده تو واقف باسرارِ کُن آمده
ترا علم مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ است تو بعد از خدا اکرم و اعلم است
ز تو مهر و ماه روشنی یافت است ز تو عرش و لوح و زمین تافت است

کبھی جمعہ شریف میں تصرف مولیٰ کریم پر فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ کَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۰ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ۔ تلاوت فرما کر فرمان ہوتا کہ اپنے ضمیر میں مولیٰ کریم کے فعل کی طرف غور کرو۔ اگر اپنے فضل و کرم سے مولیٰ کریم کا تصرف یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کی طرف ہے تو شکر سے سربسجود ہو کر وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ کے مطابق اس کے فضل کا سوال کرتے رہو۔ اور اگر اس کے خلاف مولیٰ کریم کا تصرف یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کی طرف ہے تو توبہ اور استغفار کر کے اس ذات کی طرف رجوع کرو۔ اور جن اعمال کی وجہ سے مولیٰ کریم کی ناراضگی سے ایسا تصرف ہوا ہے گڑگڑا کر ان سے معافی مانگو۔ اور خوف کرو کیونکہ اس رجس کا اطلاق لَا یُؤْمِنُوْنَ کے ساتھ مختص ہے۔ از سرِ نو ایمان لا کر اپنے رجوع کو درست کر کے اس ذات پاک سے یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کے تصرف کا سوال کرو۔ کیونکہ مولیٰ کریم کا اپنے بندوں کے لیے خاص راستہ یہی ہے۔ اور بندوں کا مولیٰ کریم کی طرف ایمان لانا اور یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ کے مطابق اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جیسا کہ مولیٰ کریم

قرآن پاک میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے متعلق فرماتے ہیں کہ میرا عذاب آکر کبھی نہیں ٹلا الّا قوم یُونسؑ سے۔ کیونکہ جب ان پہ عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے تو انہوں نے توبہ و استغفار کرنا شروع کر دیا اور کما حقہٗ اس کی طرف رجوع کیا تو مولا کریم نے جن کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ خاص محبت کا ہے فضل فرما کر عذاب کو دور فرما دیا۔ تو ایسے یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حقیقت میں فعل خداوندی عذاب ہی کے مترادف ہے۔ اگر ہم پورے طور پر رجوع الی اللہ کریں تو مولیٰ کریم کا تصرف بدل کر اپنی سنت کے موافق یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ سے بدل جائے تو بعید از رحمت نہیں۔

ایسے ہی کئی مختلف تقریریں فرماتے جن کا بیان وعظ و خطبات کے عنوان کے تحت میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

عادات و اطوار اور خصائل

حضور رحمۃ اللہ علیہ کا تمام عادات و اطوار اور خصائل میں سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ ہم تو فضلی ہیں۔ ہمیں جو کچھ اس ذاتِ اَحد سے ملا ہے صرف اس کے فضل و کرم ہی سے ملا ہے۔ ہمارے طریق میں کوئی بڑے وظائف نہیں۔ فضل و کرم کا بمصداق ؎

خدا بہا نہ می جوید، بہانہ می جوید

اگر کوئی بہانہ ہے تو صرف سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ہمارے کام، ہمارے مقصود اور ہمارے راستہ کا تمام تر دار و مدار آپ کی اتباع اور مہربانی پر موقوف ہے۔ بلکہ اکثر آپ کا فرمان مبارک ہوتا کہ:

من آں خدائے را پرستادم کہ ربِّ محمدؐ است

یعنی کہ مولیٰ کریم کا جونسا تعلق اور ربوبیت کا جونسا فعل سرکارِ دوجہان سے وابستہ ہے اور اس تعلق سے جو حبیب کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مولیٰ کریم کا ہے، ہم اپنے ضمیر میں اس فعل کے اجرا کے متمنی ہیں۔ اور اس کے سوا کو ہمہ تن گمراہی، افعال طاغوتی اور واردات شیطانی جانتے ہیں۔

کاغذ کا خاص طور پر ادب ملحوظ فرماتے اور جہاں کہیں زمین پر گرا ہوا کوئی پُرزہ نظر آتا، خود اپنے دست مبارک سے اُٹھا کر محفوظ جگہ پر رکھواتے۔ حکم ہوتا کہ میاں! اس پر بھی وہی حروف و الفاظ تحریر ہیں جو

قرآن مجید میں مکتوب ہیں۔

ہر بات میں وِتر کا خیال رکھتے اور فرماتے اَللّٰہُ وِتْرٌ وَّ یُحِبُّ الْوِتْرَ۔ کوئی چیز دیتے لیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتے اور فرمان ہوتا کہ طاق کی رعایت مستحب ہے۔ آج کل عوام تو برطرف علمائے کرام تک مستحب کا خیال نہیں کرتے اور نماز ادا کرتے وقت اکثر زائدہ سنت سے بھی لاپرواہی کرتے ہیں۔ لیکن ان کو اس کے عمل کی حقیقت سے عرفان نہیں کہ نورِ ایمانی کی حفاظت کے لیے فرائض ایک مستحکم قلعہ ہیں، اور فرائض کی حفاظت کے لیے واجبات کا ایک قلعۂ مضبوط۔ ان کے باہر سُنّت کا اور سنت کے گرد استحباب کا حصار۔ اگر کوئی دشمن ایمان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو سب سے پہلے اپنے راستہ میں استحباب کے حصار کو سدِّ راہ پائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ اس کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے تو سنت کی مستحکم دیوار حائل ہو گی۔ اگر بفرضِ محال اس پر بھی قابو پایا تو واجبات اور فرائض کے قلعے نورِ ایمانی کی حفاظت کا کام دیں گے اور اگر صرف فرائض ہی پر عمل ہو تو ہر وقت دشمن کے حملہ کا خطرہ ہے جس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اہلِ طریقت تو مستحب پر بھی اسی طرح پابندی کرتے ہیں جیسے فرائض کی۔ بلکہ مستحب کے عمل کا ثواب حصولِ مدارج کے لحاظ سے ایک طرح سے فرائض سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ فرائض کا عمل اطاعت کی وجہ سے طوعاً و کرہاً ضروری ہوتا ہے اور نہ کرنے سے مولیٰ کریم کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ لیکن مستحب پر عمل اتباع کی صورت میں جذبِ قلب اور محبت کی بنا پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا عمل رخصت میں ہے اور اس کی عدمِ ادائیگی میں نافرمانی کا خطرہ نہیں اس لیے اس کا درجہ حصولِ مدارج کی وجہ پر اتباع کی صورت میں اعلیٰ متصوّر ہو گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے مولیٰ کریم فرماتے ہیں کہ جب کوئی میرا بندہ نوافل پر کثرت اور مداومت کرتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں محبت کرتا ہوں تو اس کی ہر حرکت میرے ارادے پر صادر ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ سنتا ہے، میرے ساتھ دیکھتا ہے، میرے ساتھ چلتا ہے اور میری ہی قوت سے سب کام کرتا ہے ——— یہ ہے نوافل کا درجہ۔

اسی لیے حضور قدس سرہٗ ہر عمل میں مستحب پر عمل پیرا ہوتے اور کھانے پینے میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں اور سونے جاگنے میں بلکہ زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں سنت اور استحباب پر نظر رکھتے

اور اپنے متعلقین کو بھی اسی پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی جاتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی استنجا کرکے لوٹے کا منہ قبلہ رُخ نہ رکھتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور بیان فرماتے کہ ایک بزرگ کے مرید نے اسی طرح لوٹے کا رُخ غیر جانب رکھ دیا۔ جب آپ نے دیکھا تو لوٹے کا منہ خود بخود قبلہ کی جانب ہوگیا اور مرید کا حال بند ہوگیا۔ کیونکہ مرید کا حال شیخ کی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے۔

بعض دفعہ آپ مسجد شریف میں تشریف لاتے اور کسی آدمی کے پاپوش کا رُخ قبلہ رُو نہ ہوتا تو خود اپنے دست مبارک سے پکڑ کر قبلہ رُو رکھ دیتے۔

احباب کو رخصت کے موقع پر خاص طور پر تلقین ہوتی کہ پہلے دائیاں پاؤں جُوتے سے نکال کر صف پر رکھے۔ اگر اس کے خلاف کرتا تو ناراضگی کا باعث ہوتا۔

حضور مسجد شریف میں مراقب ہوتے یا باہر چلتے پھرتے، خود بائیں طرف تشریف فرما ہوتے اور دوسرے ہمراہیوں کو دائیں طرف رکھتے۔

سفر میں چلتے وقت بعض اوقات آگے چلنے کے لیے کسی دُوسرے آدمی کو حکم دیتے اور خود پیچھے چلتے۔ ناواقف آدمی پیش رو کو یہ سمجھ کر کہ یہی حضرت صاحب ہیں، آداب بجا لاتے۔

نعت خوانی سے چنداں خوش نہ ہوتے اور فرماتے کہ درود شریف سے بڑھ کر کوئی نعت خوانی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات حضرت علی ہجویری عُرف داتا گنج بخش قدس سرہٗ کا واقعہ بیان فرماتے کہ ابتدا میں آپ ایک دن پریشاں حالی میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا قوّالی سُننا چاہتے ہو؟ داتا صاحب نے عرض کیا کہ ہاں! یہی چاہتا ہوں۔ چنانچہ قوّالوں کو بُلا کر ان کے حسب منشا قوّالی سُنائی گئی اور آپ خوشحال ہوئے تو آپ کے شیخ طریقت نے فرمایا کہ گو آج تیرے لیے یہ باعثِ فرحت ہوئی، لیکن ایک دن ہوگا کہ کتّے کی کائیں کائیں اور قوّالی تمہارے حال کی فرحت کے لیے یکساں ہوگی۔ مبتدی کے لیے اشعار توحید اور نعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے جذبات اُبھر کر فرحت کا باعث بن جاتے ہیں لیکن بعد میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہمارا اعتقاد بموجب فرمان حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے ہے کہ:

"نہ ایں کار می کنم و نہ انکار می کنم"

کیونکہ "اہل سماع بسیار اند" کے مصداق ہے۔ عارف کے لیے ان چیزوں کی خاص ضرورت نہیں ہوتی چونکہ حضور اعلیٰ ترین عارف تھے اور عارف ہر چیز کی حرکات کو عُرف کی رُو سے معائنہ کرتے ہوئے محظوظ ہوتا ہے، اس کو ظاہر آواز وغیرہ کی سماعت اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہر ایک انسان کے ضمیر کا اثر عارف کی طبیعت پر مؤثر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے کہ عام طور پر نعت خوان اعمال کی رُو سے خراب حال ہی ہوتے ہیں۔

حضور کی صحبت مبارک میں یہ خاص اثر تھا کہ حاضر ہوتے ہی وساوس شیطانی ایسی تیزی سے بھاگتے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اور طبیعت میں انشراح پیدا ہو جاتا اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی۔

اکثر اوقات اگر کوئی آدمی کسی مقصد کے لیے حاضر ہوتا تو اس کے عرض کرنے سے پہلے ہی حضور حال بیان فرما کر اسے مطمئن کر دیتے۔

آپ کے وعظ مبارک میں یہ خاصیت تھی کہ ہر ایک یہی جانتا کہ حضور میرے ہی حال پر بول رہے ہیں۔

آپ کی رضامندی اور ناراضگی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے ماتحت ہوتی۔

حضور اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک تھے۔ ہر ایک بیلی کی استعداد کے مطابق گفتگو فرماتے۔ مراد بخش سکنہ چھنتی گھلہ جو ایک زمیندار تھا۔ حضور کا ایک خاص عقیدت مند تھا۔ پنجابی دیہاتیوں کو بالعموم ڈھولوں سے اُنس ہوتا ہے، چنانچہ اسے بھی کچھ شوق تھا۔ آپ نے خود ایک ڈھولہ اسے شعر کر کے دیا اور فرمایا کہ اس طرح پڑھا کرو

منگ دُعا فقیرا رب دیا شالہ تھیوے خیر پر دیسیاں

وطناں توں چُھٹے تے ہجراں دے کُٹھے ڈُبّے نے وچ اُداسیاں

حال کی جانن شوہ ڈبیاں دا جنہاں کدھی دریا تے واسیاں

حقیقت میں حضور نے اپنے حال کے مطابق

شب تاریک، بیم موج، گردابے چنیں حائل!

کجا دانند حال ما سُبکساران ساحلہا!

کا سادے لفظوں میں ترجمہ فرمایا۔

سخاوت، استغنا اور طبیعت کے دیگر اوصاف

حضور اپنی جیب میں روپیہ پیسہ نہ رکھتے تھے بلکہ جو خادم پاس ہوتا اُسی کے سپرد کر دیتے۔ بسفر میں جتنے احباب بھی ہمراہ ہوتے، سب کا کرایہ اور روٹی وغیرہ کے مصارف اپنی گرہ سے خرچ کرتے۔ اگر کوئی سوال کرتا تو حتی الامکان اس کی حاجت روائی فرماتے۔ بعض دفعہ کئی بیلیوں کو قرض اُٹھا کر بھی سیکڑوں روپے عطا فرما دیتے اور اکثر نادار بیلیوں کو کرایہ کے طور پر کافی رقم مرحمت فرماتے۔ اپنی ضروریات کو نظر انداز کر کے دوسروں کی ضرورت کو پورا کر دیتے۔ آپ کا لنگر بہت وسیع ہے۔ بالعموم چھ سات بوریاں گندم ہفتہ بھر میں خرچ ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ دوسرے لوازمات کے لیے دال کے علاوہ اکثر اوقات گوشت وغیرہ پُر تکلف کھانے بھی رکھے جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے مجھ سے اعتراض کے طور پر شکایت کی کہ حضرت صاحب کھانا کھلانے میں مساوات سے کام نہیں لیتے بلکہ امراء اور حکّام وغیرہ کو پُر تکلف کھانا کھلایا جاتا ہے اور غربا و مساکین کو معمولی اور سادہ غذا دی جاتی ہے، درویش کو یہ امتیاز نہیں رکھنا چاہیے، وغیرہ وغیرہ۔ اس کی یہ گفتگو سُن کر مجھے بھی کچھ خیال ہوا اور میں نے حضور سے عرض کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ "طالب مولیٰ کی تو لذائذ نفس پر نظر نہیں ہوتی اس لیے ان کے لیے تو کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اور علماء اور سیّد زادوں کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے احترام کیا جاتا ہے۔ دوسرے مجھے حضرت اعلیٰ کی طرف سے یہ فرمان بھی صادر ہوا تھا کہ ان دونوں گروہوں کی عزت کرنا۔ باقی رہے اہل دنیا، تو کُتے کو جب تک ہڈی نہ ملے وہ ساگ پات پر خوش ہو کر پیٹ نہیں بھرتا اور بھوکا ہم کسی کو نکال نہیں سکتے۔ پھر بھی کوئی تکلف نہیں کیا جاتا۔ بلکہ جو کچھ گھر میں موجود ہو یا آسانی سے جتنا ہو سکے کر لیا جاتا ہے، ورنہ خیر"۔

غریب طبقہ سے اگر کوئی آدمی کچھ رقم پیش کرتا تو فرمان ہوتا کہ ہم نے قبول کر لیا اور ہم تمہیں کو دے دیتے ہیں، اس سے اپنی ضروریات کو پورا کرو۔ اپنے خاص خاص بیلیوں سے اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا تو قبول فرما لیتے اور اگر ذرا سا بھی کوئی شریعت غرّا کے خلاف ہوتا تو خواہ کس قدر ضرورت ہوتی ہرگز قبول نہ فرماتے۔

ایک دفعہ جب کہ مسجد شریف کا کام شروع تھا، گوجرانوالہ سے ایک امیر آدمی نے کہلا بھیجا کہ اگر داڑھی

نہ رکھنے کی وجہ سے آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر خدمت ہو جاؤں اور مسجد کے لیے ایک ہزار روپیہ بھی پیش کروں۔ آپ نے سُن کر فرمایا کہ ہم اپنے فرض منصبی سے کسی صورت میں بھی نہیں رُک سکتے اور ایسے روپے کی ہمیں ضرورت نہیں۔

حضور اکثر فرمایا کرتے کہ فتوح جنی حرام ہے، فتوح مَلکی مکروہ اور فتوح انسی حلال ہے مگر اس میں تمیز کرنا لازم ہے۔ چنانچہ آپ تمیز کرنے کے بغیر ہاتھ تک نہ لگاتے۔ بلکہ پہلی دفعہ خدا کا نام بتانے کے موقع پر اگر کوئی ہدیۃً کچھ پیش کرتا تو آپ فرماتے کہ فی الحال تو نہیں، البتہ اگر ہدایت کے مطابق عمل کرو گے تو دیکھا جائے گا۔

آپ فرماتے کہ فقیر کو بالکل لا طمع ہونا چاہیے۔ اور اگر مولیٰ کریم کچھ بھیج دیں تو تمیز کے بعد لا جمع پر عمل کرے، لیکن پھر لا جمع کو بھی نہ بھولے، بلکہ جو کچھ آئے اسی کی راہ میں خرچ کر دے۔

بظاہر آپ کی طبیعت میں جلال معلوم ہوتا تھا اور عوام الناس پر آپ کا اس قدر رُعب تھا کہ خلاف شریعت آدمی کو حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور بعض حاضری کے وقت کانپتے نظر آتے تھے۔ لیکن جب آپ کی کمال مہربانی اور شفقت کو دیکھتے تو اس قدر صاحب جمال کوئی نظر ہی نہ آتا تھا۔

متعلقین کے تکلفات کو ذرا سا بھی برداشت نہ کر سکتے اور کمال مہربانی اور انتہائی شفقت سے اپنی ظاہری اور باطنی کوشش کے ساتھ اس کی مدد فرماتے۔ ہر ایک بیلی کو یہی معلوم ہوتا تھا کہ جس قدر حضور کا تعلق اور محبت میرے ساتھ ہے، اور کسی سے نہیں۔ بعض احباب شامتِ اعمال کی وجہ سے اپنے معاملہ اور تعلق میں خرابی کر بیٹھتے تو سخت ناراضگی کا موجب ہوتا، جو آخر میں اُن کے لیے صحت اور ترقی کا سبب بن جاتی۔ جس وقت کوئی دوست حاضر ہونے کا ارادہ کرتا تو آپ کے رُعب خداداد سے اپنے دل میں سخت خائف ہوتا کہ معلوم نہیں حضور ناراض ہوں گے یا خوش۔ لیکن جب سامنا ہوتا اور آپ مہربانی سے گفتگو فرماتے تو پھر جان میں جان آجاتی۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے عرض کیا "اکثر اُمرا چاہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفیض ہوں لیکن اس وجہ سے حاضر نہیں ہوتے کہ ڈاڑھی رکھنی پڑے گی۔ تو حضور نے فرمایا کہ جو سنت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متنفر ہے ہم بھی اس سے متنفر ہیں۔ ہمیں ایسی پیری مُریدی کی مطلقاً ضرورت نہیں جو خلاف سنت ہو۔

ہمیں تو مسکین ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں جو اپنی بھلائی سنّت حضور ہیں سمجھتے ہیں۔ اور ہم یہی چاہتے ہیں کہ مطابق فرمان حضور (اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْن) ہمارا جینا اور مرنا اور قیامت کے دن کا اٹھنا مسکینوں کے ساتھ ہو ——— اور مسکین کی تعریف فرماتے کہ بعض مالدار بھی مسکین ہوتے ہیں، اور بعض فاقہ کش بھی مسکین نہیں ہوتے۔ مسکین کے لفظ کا مادہ سکون ہے یعنی اطمینان۔ تو جن کا بمصداق اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ذکرِ مولیٰ کریم کے ساتھ اطمینان اور سکون ہے، حقیقت میں وہی اصل مسکین ہیں

آپ کی صحبت مبارک میں اس قدر رُعب الٰہی طاری ہوتا کہ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ آپ کی لب کشائی سے پہلے بول سکے۔ تمام خدمت نشین دوزانو مؤدب بیٹھتے

حضور کی گفتگوئے مبارک اکثر قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ ہی پر ہوتی اور آپ فرماتے کہ سوائے اس ذکر کے کسی بات میں بھی آرام نظر نہیں آتا۔ اسی میں طبیعت کا سکون اور فرحت ہے۔

گو بظاہر علم پر اتنا عبور نہ تھا لیکن بڑے بڑے ادقّ مسائل پر گفتگو فرماتے وقت وہ وہ نکات بیان فرماتے کہ بڑے بڑے علماء بھی دنگ رہ جاتے تھے مشکل ترین مسائل کو حل کرنا آپ کے لیے ایک معمولی بات تھی۔ چنانچہ آپ کی کتاب "الانسان فی القرآن" میں ردِّ امکانِ کذب باری تعالیٰ، خُلفِ وعید، امتناعِ نظیر اور حلف بالقرآن وغیرہ مضامین اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ حلف بالقرآن کے متعلق پہلے کچھ تفصیلی حالات عرض کر چکا ہوں، وہاں پر ملاحظہ فرما لیے جائیں۔

خواہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب نسبت اور صاحب تصرف بھی ہوتا لیکن اگر اس کی کوئی حرکت شریعت کے خلاف ہوتی تو اس کی شکل تک دیکھنا گوارا نہ فرماتے اور فرماتے اگر کچھ ہمّت رکھتا ہے تو مسلمانوں کے ضمیر کو سنّت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر چلانے میں صرف کرے۔ دنیا کے کاموں میں تصرّف کرنے سے کیا فائدہ، یہ تو چند روزہ قیام کا سامان ہے، "ہُوا، ہُوا، نہ ہُوا" نہ سہی۔ جو کچھ مولیٰ کریم نے ہماری قسمت میں لکھ رکھا ہے وہ تو بہرکیف ملنا ہی ہے اور اکثر فرمان ہوتا کہ ہاتھی بہت بڑا ہوتا ہے لیکن حرام ہے اور بکری چھوٹا سا جانور ہے مگر حلال۔ اسی طرح نسبت نبوی سے خواہ تھوڑا سا حصّہ ہی ہو، حلال طیب، باعث فرحت اور آخرت کی فلاح کا

سبب ہے۔ اور مخالف نسبت سے خواہ کتنا ہی بڑا ہو لیکن وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ کے مطابق آخرت میں اس ذاتِ اَحد کے نزدیک ہرگز مقبولیت نہ رکھے گا اور خاسرین کے زُمرہ میں داخل ہوگا۔ اپنے ہر قول و فعل میں سنّت حضور کی طرف حکم فرماتے، اور فرماتے کہ سنّت کے خلاف عمل ہی میں شیطان کا دخل ہوسکتا ہے اور نسبت کے لیے زہر ہلاہل۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ ایک صاحب نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ایک خلاف نسبت کی صحت نسبت کے متعلق قیل و قال شروع ہوگئی۔ مخالف نسبت والا بڑا تیز و طرّار تھا، گفتگو میں فوقیت لے گیا۔ نسبت نبویؐ والوں نے تنگ آکر یہ فیصلہ دیا کہ دو بوتلیں پانی سے بھر کر ایک میں مَیں اپنے خون کے چند قطرے ڈالتا ہوں اور دوسری میں تم، پھر انہیں چند دن رکھ کر نتیجہ دیکھ لو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ چند دن کے بعد دیکھا گیا تو نسبت نبویؐ والے کے خون والی بوتل سے خوشبو آتی تھی اور دوسری سے سخت ترین بدبُو ـــــ یہ ہے آخری فیصلۂ نسبت۔ حضور اپنے متعلقین کو اس خطرہ سے بالخصوص متنبہ فرماتے اور مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا کی خاص طور پر ہدایت ہوتی۔

روضہ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ میں مراقب ہوتے وقت اگر کوئی جاہل، نادان آکر مزار مبارک کو سجدہ کر دیتا تو آپ سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے اور فرماتے کہ مولیٰ کریم کے لیے تو نے اب کیا چھوڑ رکھا ہے؟ سجدہ تو محض اس ذات پاک کے لیے ہی مختص ہے۔

آپ کے متعلقین میں سے متعدد کو جذب ہو جاتا اور دیوانہ وار پھرتے۔ ایک بیلی مسمی عبدالمجید ساکن موضع چکریاں ضلع جہلم سے صحت ہونے کے بعد عاجز نے دریافت کیا کہ آغاز جذب میں تجھے کیا محسوس ہوا؟ تو اس نے کہا کہ میں موضع کوٹ ہرا میں مولوی امام الدین صاحب کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ جب حضرت کیلیانوالہ سے ہو کر واپس کوٹ ہرا میں پہنچا تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ میرا دل مثل خورشید کے روشن ہو گیا ہے۔ دس بارہ گھنٹہ تک تو اسی خیال میں محوِ حیرت رہا۔ بعد میں مجھے کچھ ہوش نہیں۔ عموماً عالم حیرت میں یہ شعر پڑھتا ؎

سوا نیزے پہ جبکہ خورشید ہوگا! تو دامن میں اُمّت چھپانی پڑے گی

ایک مہینہ تک اس کی یہی حالت رہی۔ اس کے بعد حضور کی نظر کرم سے اس کی حالت درست ہوگئی۔

آپ کی مجلس مبارک میں متعلقین کے ضمیروں پر توجہ فرماتے وقت کوئی اُف تک نہ کرتا تھا۔ اگر کوئی کم استعداد کچھ آواز وغیرہ نکالتا تو آپ کا فرمان ہوتا کہ میاں! اُبلنے سے ہانڈی میں جو کچھ پکتا ہو' باہر نکل جاتا ہے آواز کا نکلنا کم ہمتی اور کم ظرفی کی دلیل ہے ؎

اندروں شو آشنائے و زبروں بیگانہ وش این چنیں زیبا روش کم می شود اندر جہاں

اپنے دل کو خیال ذوالجلال والاکرام میں محو رکھو اور بظاہر تمہاری حرکات و سکنات سے کوئی محسوس تک نہ کرے کہ یہ ذاکر ہے۔ اس اعلیٰ ترین روش کو لازم پکڑنے کا اکثر فرمان ہوتا۔

اکثر علماء حضور پر تین چار امور میں اعتراض کرتے۔ ایک دفعہ اپنے گاؤں کے علمائے اہل حدیث ایک بڑے عالم کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے قاعدہ اور سنت کے مطابق ان کی مہمان نوازی کی جیسا کہ آپ کا دستور تھا کہ موافق یا مخالف جو کوئی بھی حاضر خدمت ہوتا، بغیر کھلانے پلانے کے جانے نہ دیتے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آپ پر علماء چار سنّت اُمور کے ترک کرنے کا الزام لگاتے ہیں: (۱) یہ کہ مریض کی عیادت نہیں کرتے۔ (۲) جنازہ نہیں پڑھتے۔ (۳) دعوت قبول نہیں فرماتے' اور (۴) مصافحہ نہیں کرتے۔

حضور نے فرمایا کہ: (۱) اپنے گاؤں میں متعلقین کی عیادت کے لیے جاتا ہوں۔ لیکن چونکہ آج کل شریعت کی مخالفت زوروں پر ہے اس لیے تمام مریضوں کی عیادت سے معذور ہوں۔ اور (۲) جنازہ میں بھی شامل ہوتا ہوں لیکن ہر کس و ناکس پر نہیں جا سکتا جس کے متعلق علم ہو جاتا ہے کہ شریعت کا پابند تھا اس کے جنازہ میں شریک ہو جاتا ہوں۔ (۳) دعوت کے شرائط چونکہ شریعت کے مطابق نہیں اس لیے معذور ہوں۔ اور (۴) مصافحہ کے متعلق جو آپ نے فرمایا ہے' اس کے کیا معنی ہیں؟ تو وہ صاحب خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ مصافحہ معانقہ کی جگہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ محبت ہے اور دیر سے ملاقات ہوئی تو بجائے معانقہ کے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بھینچ دیا۔ ہم بھی مطابقت کی رو سے جس کو قابل محبت سمجھتے ہیں اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ اور اگر خدا اور اس کے حبیب پاک کے فرمان کا مخالف نظر آئے تو جبکہ ہماری اس کے ساتھ بجائے محبت کے نفرت ہے' تو ایسے آدمی کے ساتھ مصافحہ نہیں کرتے۔ غرض ہم تو ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ پر کاربند ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سُن کر مولوی

صاحب نے فرمایا کہ آپ کا فرمان بالکل بجا و درست ہے اور کوئی چیز قابل اعتراض نہیں۔

حضور فاتحہ خوانی کے لیے ایک دفعہ ضرور تشریف لے جاتے اور تھوڑا سا وقت فرمان خدا و رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مطابق صبر کی تلقین فرماتے، اور فاتحہ شریف پڑھ کر واپس تشریف لے آتے۔

آپ امتیازی صورت کو ہرگز پسند نہ فرماتے۔ اگر آپ کی تشریف آوری پر مجلس سے کوئی آدمی ادب کے لیے کھڑا ہوتا تو سخت ناراضگی کا موجب ہوتا

اگر باہر کسی جگہ تشریف فرما ہوتے اور چارپائی پر بیٹھنے کا موقع بنتا تو پائنتی کی طرف خود تشریف فرما ہوتے اور جانب بالین دوسروں کو بیٹھنے کا حکم ہوتا۔

کھانا سنت کے مطابق تمام احباب کو مل کر کھانے کا حکم فرماتے، اور پہلے خود بھی دوسروں کے ساتھ مل کر تناول فرمایا کرتے۔ بعد میں جب آپ علیل الطبع رہنے لگے تو الگ تناول فرماتے۔ اور تندرستی میں بھی نصف روٹی جو کہ پوری آدھ پاؤ کی ہوتی گویا صرف ایک چھٹانک ایسے سالن کے ساتھ کھاتے جس میں نمک مرچ بہت کم ہوتا۔ نمکین چیز سے شروع فرماتے اور نمکین ہی پر ختم کرتے۔

کلام فرماتے وقت میں اور میرا کا لفظ ہرگز استعمال نہ فرماتے۔

عصر کے بعد عموماً ہلکا سا بخار ہو جاتا، مہینہ بھر میں بمشکل دو چار روز آرام سے گزرتے ہوں گے۔

لباس شریف

حضور رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی لباس سے سخت نفرت تھی۔ آپ باریک ململ کی سوا پانچ گز لمبی سفید دستار مبارک کپڑے کی سفید ٹوپی پر (جو کلاہ کی طرح بنی ہوتی) جمعہ شریف اور عیدین کے دن یا شرق پور شریف اور مکان شریف کے ختم کے موقع پر باندھتے۔ ورنہ سفر و حضر میں کپڑے کی پانچ کتروں سے بنی ہوئی ٹوپی پہن کر اس پر دو گز لمبا رومال جو آسمانی رنگ کا باریک لکیر دار کپڑا ہوتا باندھتے تھے۔ کرتہ تریزوں والا جس کے بازو کھلے ہوتے زیب تن فرماتے جو زانوؤں تک لمبا ہوتا، اور جمعہ شریف کے روز اس پر سفید چغہ پہنتے جو موٹی ململ یا ولائتی لٹھے کا ہوتا۔ تہبند تین گز لمبا سفید لٹھا کا استعمال فرماتے۔ ایک رومال لکیر دار (جیسا کہ سر مبارک پر ہوتا) شانہ پر رکھا رہتا۔ سردیوں میں گرم سرج کی بند گلے کی باسکٹ بھی پہنی جاتی۔ ایک چادر

سفید لٹھے کی جو تین گز لمبی اور پونے دو گز چوڑی ہوتی، بالعموم استعمال فرماتے اور سردی کے موسم میں ہلکا سا دُھسہ اُوپر لیا جاتا۔ جُوتا دیسی اور سادہ ہی عموماً استعمال ہوتا اور نیا جُوتا پاؤں مبارک میں ڈال کر دو نفل ادا فرماتے۔ نیا کپڑا دُھلا کر گیارہ مرتبہ بسم اللہ شریف اور سورۂ قدر پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس کو کپڑے پر چھڑکا جاتا، پھر استعمال میں لایا جاتا۔

کنگھی لکڑی کی استعمال کی جاتی اور جمعہ شریف کے روز غسل کے بعد جب وضو کی تیاری ہوتی، تو پہلے کنگھی استعمال فرماتے۔ سونے سے پہلے روزانہ رات کو سُرمہ لگایا جاتا اور حضور نسوار بھی استعمال فرماتے۔ آپ کا سبحہ مبارک (تسبیح) لکڑی کے باریک اڑھائی صد دانوں سے بنی تھی جس پر آپ تہجد کے بعد صرف درود شریف کا وظیفہ کرتے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ۔

حضورؒ کے چند اشعار

ذیل میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں جو آپ کے کسی خوش وقت میں زبان مبارک سے نکلے ؎

طلوعِ آفتابش گر نبودے — ہوائے معصیت دل را ربودے
شنیدم اولیا را ہست قدرت! — اگرچہ نار باشد نور بودے
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ عجب رمز است — میانِ امر و ذاتش فرق بودے
کسے طاقت نباشد ماسوی اللہ — درحقیقت اولیا اصلاً نبودے
بفرمودند سرورِ ہر دو عالمؐ — تصرفِ حق، قیامے او قعودے
نظر کن یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ را — درآں دید و کلامِ آں شنیدے
زامرِ حق شنو من صِبْغَۃَ اللّٰہ — دریں معنی صفاتِ ایشاں نبودے
صفاتِ اولیا، ہرگز نباشد — وجودِ ہست جودے نے وجودے

یکے است در حقیقت بس یکے است — میان فرق عبد و اللہ نبودے
بجز ایں علم و دانش ترک توحید است — نادیدہ بہ ہر آں دیدہ نبودے
حجاب اندر حجاب اندر حجاب است — دریں راہ گر نیابی شد رودے
اگر حاصل نباشد ہم یقیں را! — مدہ از دست، ورنہ از جحودے
نداری گر یقیں انکار حق است — یقیں داں بر دلت ظلمت فزودے

محزوں در طریقت نے حقیقت
بجز ایں در دو عالم ہیچ سودے

حضور کے یہ اشعار دیکھ کر آپ کے برادر اکبر سید حسین شاہ صاحب نے بھی دو شعر موزون کیے جو تحت میں درج کیے جاتے ہیں ؎

بہ طلب خود خدا یابی تو محزوں — دروں وقت عقدہ ہا کشودے
بحرمتِ مرتضیٰ بر ہر تقاضائی! — ترحم کن، کہ آں آمد سجودے

مندرجہ ذیل اشعار بھی حضور رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم ہیں جو آپکے بیاض شریف میں سے دستیاب ہوئے۔

اے غافل! ذرا ہوش کر دیکھ مالک — وہ رحمت پہ رحمت کیے جا رہے ہیں
گناہوں سے ترساں نہ ہو تو اے ناداں — کافی ہے توبہ! کیے جا رہے ہیں
ذرا آنکھ غفلت سے کو واکر — وہ رحمت پہ رحمت کیے جا رہے ہیں
اک جام بھر کر پلا میرے ساقی! — بہت ہیں پیاسے پیئے جا رہے ہیں

تڑپتے پڑے ہیں سسکتے، بلکتے
وہ فرقت پہ فرقت دیے جا رہے ہیں

رفیق اعلیٰ سے وصال مبارک

اَلْبَلَاءُ لِلْوَلَاءِ کے مطابق حضور رحمۃ اللہ علیہ اکثر بیمار اور کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہی رہتے۔ آپ کو کوئی عرصہ بیس سال سے جوڑوں میں درد بھی رہتا تھا لیکن حرفِ شکایت زبان مبارک پر نہ لانے کے سبب سے عوام پر ظاہر نہ تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے شدت اختیار کی اور آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو کر صاحب فراش ہو گئے۔

شروع شروع میں آپ نے سنت کے مطابق کچھ علاج معالجہ کیا لیکن جو دوا بھی استعمال میں لائی جاتی، بجائے فائدہ کے اُلٹ نقصان ہی کرتی۔ دو تین مرتبہ تجربہ کرنے کے بعد جب یہی نتیجہ برآمد ہوا تو آپ نے راضی برضا ہو کر قطعی طور پر طبیبوں کے مشوروں سے روگردانی فرمائی۔ اطبا دراصل ایک عام قاعدہ کے مطابق مرض کے اسباب و علل سمجھ کر علاج شروع کرتے تھے اور حضور کی طبیعت، لطافت اور مرض کے اصلی اسباب تک نظر نہ پہنچ سکنے کے باعث کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔

یہ وجع المفاصل کا مرض متواتر اڑھائی سال تک آپ کا دامنگیر رہا اور دمِ واپسیں تک آپ کا پیچھا نہ چھوڑا لیکن اس صبر آزما طویل زمانۂ علالت میں بھی آپ نے اپنے ورد و وظائف اور تبلیغ حق میں کسی طرح کی کوتاہی نہ ہونے دی جب بھی کوئی طالب حق حاضر خدمت ہوتا آپ اسے تعلیم فرماتے اور امر و نہی سے متنبہ فرماتے۔

گو مسجد شریف میں تشریف لیجانے سے معذور تھے لیکن بیٹھک شریف ہی میں خدام کے ہمراہ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے اور وضو کرنے سے مفاصل میں تکلیف زیادہ ہوتی تھی اس لیے تیمم فرما لیتے۔ کچھ عرصہ تک چارپائی مبارک پر بیٹھ کر سامنے تکیہ رکھ کر سجدہ کر لیا جاتا جب بیٹھنے سے بھی معذوری ہو گئی تو لیٹ کر اشارہ کے ساتھ نماز ادا کی جاتی۔

اس دوران میں حضور پر اکثر استغراق کی حالت طاری رہتی لیکن نماز کے وقت پر یہ کیفیت نہ رہتی اور آپ صحیح وقت پر نماز ادا فرما لیتے۔ کسی وقت اور کسی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہونے دی۔

چہرہ مبارک جو آفتاب رسالت کا مظہر تھا گلاب کے پھول کی طرح کھلا رہتا۔ ایسا ماہتاب جو نور نبوت سے منور ہو، اس چمن میں کوئی خال خال ہوتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتا ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بیماری کا اثر چہرہ مبارک پر مطلق نہیں تھا۔ جب کوئی خادم حاضر خدمت ہوکر طبیعت کا حال دریافت کرتا تو فرماتے کہ "مولیٰ کریم کا فضل ہے، دن بدن صحت ہو رہی ہے۔" گاہے زیادہ تکلیف ہوتی اور خادموں میں سے کوئی عرض کرتا اگر اجازت ہو تو کسی ڈاکٹر یا یونانی حکیم سے علاج شروع کرایا جائے تو آپ فرماتے کہ "میاں! ان حکیموں کے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، میرا علاج حکیم مطلق یعنی مولیٰ کریم کر رہے ہیں اس لیے ان دُنیوی حکیموں کی ضرورت نہیں۔" یہ ہے بندگانِ خدا کا مقامِ رضا، کہ ایسی سخت تکلیف میں بھی مولیٰ کریم کی رضا پر راضی ہو کر صابر و شاکر رہتے ہیں اور اپنی رضا کو مولیٰ کریم کی رضا کے تابع کر کے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا مصداق بن کر فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

حضورِ انور نسبت نبوی کا مکمل نمونہ تھے۔ چنانچہ جو کچھ زبان مبارک سے صادر فرمایا اس پر پوری طرح سے عمل بھی کر کے دکھا دیا اور اتنی سخت تکلیف کے باوجود کسی مستحب کو بھی ترک نہ ہونے دیا۔ زیادہ تکلیف کے دنوں میں کئی کئی دن تک کھانا تناول نہ فرماتے اور صرف شربت بزوری یا شربت رُوح افزا پلا دیا جاتا جس سے قدرے آرام رہتا۔

اس طویل علالت کے زمانہ میں آپ کہیں آنے جانے سے معذور تھے اس لیے شرق پور شریف یا مکان شریف کے عرس مبارکوں پر بھی تشریف نہیں لے جا سکتے تھے۔ مگر اپنے صاحبزادگان حضرت سید محمد باقر علی شاہ صاحب و سید محمد جعفر علی شاہ صاحب کو متعلقین کے ہمراہ ضرور روانہ فرماتے۔ چنانچہ آپ کے آخری ایام علالت میں بھی شرق پور شریف کا ختم شریف نزدیک آگیا تو حضور نے اپنے صاحبزادگان کو بلا کر فرمایا کہ ہفتہ کے روز ختم شریف ہوگا۔ آپ دونوں حضرات متعلقین کے ہمراہ جمعرات کے دن صبح کی گاڑی پر چلے جائیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ حاضری ضروری ہے۔

اس وقت حضورِ انور کی حالت بہت کمزور اور نازک تھی۔ آپ پر سب کچھ عیاں تھا اور اس بظاہر زندگی میں اپنے صاحبزادگان سے جدائی کا وقت تھا۔ با ایں ہمہ شرق پور شریف کے ختم شریف سے غیر حاضری گوارا نہ فرمائی۔

جمعرات کو عشاء کے وقت حضرت سید محمد جعفر علی شاہ صاحب نے عرض کیا کہ "ابا جان! آپ کو تکلیف زیادہ ہے اور میرا دل بے قرار ہے۔ سفر میں پریشانی رہے گی۔ اگر اجازت ہو تو ہم آپ کی خدمت میں ہی رہیں۔ حضورِ انور نے حوصلہ دلایا کہ بالکل فکر نہ کریں، مولیٰ کریم کا فضل ہے اور پہلے سے آرام ہے۔ ابھی تک کوئی بات بھی نہیں ہوئی اس لیے استقامت کے ساتھ جائیں۔ بلکہ اگر کوئی میرے متعلق پوچھے تو اس کو یہی جواب دیں کہ خدا کے فضل سے آرام ہے اور کوئی خاص تکلیف نہیں"۔

آخر جمعرات کو علی الصبح حضور نے سب کا سفر خرچ عاجز کے سپرد کیا اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا "اللہ کے حوالے"۔ پھر دونوں صاحبزادگان کو آخری الوداع کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را! تو دانی حساب کم و بیش را

دوسرے دن جمعہ شریف تھا۔ حضور کی حالت پہلے سے زیادہ کمزور ہوگئی۔ شب جمعہ کو شدتِ درد کی وجہ سے نیند نہ آتی اور آپ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب پہلو بدلتے تھے اور پھر چند منٹ کے لیے استغراق ہو جاتا تھا۔ سحر کے وقت آپ نے دریافت فرمایا کہ فجر کی اذان ہوئی ہے یا نہیں؟ خدام نے عرض کیا کہ ابھی نہیں۔ جب نماز کا وقت ہوا تو عرض کیا گیا کہ حضور اب وقت ہوگیا ہے اور آپ نے نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد صبح سے لے کر شام تک تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یہی آپ دریافت فرماتے رہے کہ "اب کیا وقت ہے"؟ "اذان ہوئی ہے یا نہیں"؟

اس دن گوجرانوالہ سے ایچ، وی، سی حضور کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور نماز جمعہ کے بعد خدام سے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ خدام نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کہہ دیں کہ طبیعت ناساز ہے اس لیے ملاقات نہیں ہوسکتی اور اس کو جانے کے لیے اجازت ہے۔ آخر وہ مایوس ہو کر چلا گیا۔ ابھی چند قدم ہی گیا تھا کہ حضورِ انور نے جو رحمۃٌ للعالمین کی نسبت سے متصف تھے خادم کو حکم دیا کہ ان کو جلدی واپس بلائیں تاکہ ملاقات سے خالی نہ جائے۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے دست مبارک آگے بڑھا کر اس سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ بات نہیں ہوسکتی تم کو جانے کے لیے اجازت ہے —— یہ اس کی آخری ملاقات تھی —— سبحان اللہ! اپنے غلاموں سے کتنی شفقت اور مہربانی فرماتے تھے کہ اتنی سخت تکلیف کے وقت میں بھی ان کی دلجوئی فرماتے

اس وقت حضور کی خدمت میں قاضی غلام محمدؐ صاحب جلال پوری، مراد بخش مرحوم، برادرم غلام حسین صاحب واصف، یار محمدؐ اور مولوی غلام رسول صاحب تھے۔ ان سات آٹھ دن میں زیادہ تکلیف کی وجہ سے اکل و شرب کے لیے صرف شربت رُوح افزا نیم گرم کرکے پلا دیا جاتا۔ اس کے سوا کوئی چیز تناول نہیں فرما سکتے تھے۔ ایک دفعہ کسی خادم نے شربت سرد ہی پلا دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب اگر پھر شربت سرد ہی پلا دیا گیا تو یاد رکھنا رُوح پرواز کر جائے گی۔ اس لیے آئندہ یہ غلطی نہ کرنا اور نیم گرم ہی پلانا۔

جب شام کا وقت ہوا تو حالت اور زیادہ دگرگوں ہو گئی۔ بس استغراق سا طاری رہتا۔ صرف نماز کے وقت ذرا افاقہ ہو جاتا۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ "شرق پور شریف کا ختم شریف طویل ہو گیا ہے، کیا اب کوئی گاڑی جانے والی ہے یا نہیں"؟ مولوی غلام رسول صاحب نے عرض کیا کہ حضور دس بجے ایک گاڑی جاتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ منشی عطا محمدؐ صاحب کو بلاؤ۔ جب منشی صاحب حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "خیال تو تھا، لیکن اب کوئی ضرورت نہیں، صبح دیکھا جائے گا"۔

جب عشاء کا وقت آیا تو آپ نے تیمم کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد شربت طلب فرمایا۔ مولوی غلام رسول صاحب نے تیار کرکے پیش کیا اور آپ نے نوش فرمالیا۔ جب گیارہ بجے تو آپ نے مراد بخش سے جو کہ آپ کے سر مبارک کی طرف بیٹھا تھا، دریافت فرمایا کہ کیا وقت ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضور گیارہ بجے ہیں۔ آپ نے پھر پیاس ظاہر کی تو مراد بخش نے جام پیش کیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے وقت پوچھا۔ مراد بخش نے عرض کیا کہ حضور گیارہ بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "اچھا! دُعا کریں کہ مولیٰ کریم مجھے اب نیند عطا فرما دیں، اور سحری کا خاص طور پر خیال رکھیں"۔

یہ الفاظ فرمانے کے بعد آپ نے پہلو بدلا اور رُوح مبارک اس دارِ فانی سے پرواز کرتی ہوئی جنتِ فردوس میں واصل بحق ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

یعنی وہی گیارہ بج کر پچیس منٹ تھے۔ اور اس دن جمعہ مبارک کا دن گزرنے کے بعد کی رات ۳ ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ ہجری مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۵۲ء تھا۔ اس وقت حضور کی عمر مبارک ۶۳ سال ۱۱ مہینے کی تھی۔ گویا ظاہری مدت العمر میں بھی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پائی جاتی ہے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کو اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں درجۂ کمال رکھنے کی وجہ سے مقام مطابقت حاصل تھا اور یہ مطابقت قلبی اور رُوحانی احوال کے علاوہ کئی ظاہری احوال سے مترشح ہے ۔ مثلاً

(۱) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعداز نبوت کی زندگی میں مصائب وآلام کی کثرت اور احباب کی قلت، صبرواستقامت کے ساتھ خاموش تبلیغ ۔ اپنوں کے ساتھ لطف وکرم، دشمنوں کے ساتھ تواضع وانکساری، بالآخر مدینہ منورہ میں جاکر جاں نثاران اسلام کا حشم وجاہ ۔

(۲) اپنی ہی برادری اور قوم کی طرف سے مخالفت وعداوت

(۳) چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائزالمرامی

(۴) دعوت وتبلیغ کی ۲۳ سال مدّت

(۵) ۶۳ سال کی عمر میں وصال بحق

(۶) ماہ ربیع الاول میں (ایک روایت کے مطابق ۳ ربیع الاوّل کو) وصال ۔ وصال شریف کی تاریخ کے تعین میں محدثین کا اختلاف ہے ۔

بعینہٖ اسی طرح :

(۱) ابتدا میں آپ کو بھی مصائب وآلام میں خاموش تبلیغ کرنا پڑی ۔

(۲) آپ کے دشمن بھی برادری والے ہی تھے

(۳) آپ منصب ولایت پر چالیس سال کی عمر میں فائز ہوئے ۔

(۴) آپ بھی دعوت وتبلیغ میں ۲۳ سال مصروف رہے ۔

(۵) آپ کی عمر بھی ۶۳ سال تھی ۔

(۶) وصال بھی ربیع الاوّل میں ہوا ۔

عمر، تاریخ وصال اور وقت وصال میں آپ کی مطابقت اپنے شیخ جناب قبلہ حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ انتہائے کمال پر ہے ۔ کہ اپنے مرشد کامل اکمل کی ظاہر وباطن میں ایسی اتباع کا نمونہ

عوام و خواص کے پیش کر کے دکھلایا جس کی مثال نہیں پائی جاتی۔ یعنی وصال کی تاریخ اور وقت میں ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں ہوا۔ عمر مبارک میں بھی مطابقت اور اقوال و اعمال میں بھی پوری مناسبت رکھتے تھے۔ اسی لیے تو حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے بظاہر زندگی میں حضور کے بارے میں فرمایا تھا کہ جس نے مجھے دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ آپ تو مراد تھے اور نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمور۔ چنانچہ اُدھر شرق پور شریف میں حضرت اعلیٰ کا ختم شریف ہو رہا تھا اور اِدھر محبوب الٰہی اپنے محبّ سے واصل ہو رہے تھے۔ جسم اطہر نورِ نبوت کی شعاعوں سے ایسا منور تھا کہ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا آپ استراحت فرما رہے ہیں اور عنقریب بیدار ہونے والے ہیں۔

صبح ہفتہ کے روز شرق پور شریف میں تار دیا گیا جو نو بجے ختم گاہ میں پہنچ گیا۔ ختم شریف ابھی شروع تھا کہ صاحبزادگان کو اطلاع مل گئی اور اسی وقت اکثر متعلقین سمیت حضرت سید محمد محفوظ حسین صاحب مکان شریف والوں کی معیت میں ٹیکسیوں پر سوار ہو کر ظہر کے بعد حضرت کیلیانوالہ شریف میں پہنچ گئے۔

ختم شریف کی دُعا کے ساتھ ہی حضور انور کے وصال شریف کا اعلان کیا گیا۔ بس سنتے ہی تمام متعلقین چل پڑے اور بیشتر احباب رات تک حاضر ہو گئے۔ عشا کے بعد بیٹھک شریف ہی میں آپ کو غسل دیا گیا۔ اس کے بعد چند آدمی بیٹھک شریف میں داخل ہوتے اور زیارت سے مشرف ہو کر دوسروں کے لیے جگہ خالی کر دیتے۔ تمام رات اسی طرح ہوتا رہا۔

اتوار کے دن دس بجے جنازہ اُٹھایا گیا اور گاؤں سے شمال کی جانب نماز جنازہ ادا ہوئی جس میں کم و بیش چار ہزار مسلمانوں نے شریک ہو کر یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت سید محمد اسماعیل شاہ صاحب حضرت کرمانوالے بھی شریک تھے لیکن پاس ادب سے حضرت سید محفوظ حسین شاہ صاحب سجادہ نشین مکان شریف کو نماز جنازہ کے لیے امام مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد تمام حاضرین قطار بن کر زیارت سے مشرف ہوئے۔

مرقد مبارک مسجد شریف سے مشرق کی جانب بنایا گیا ہے جہاں آپ حضرت شاہ جی صاحب قدس سرہٗ کے روضۂ اقدس کی طرف تشریف لے جاتے وقت اکثر کھڑے ہوا کرتے اور حقائق و معارف سے مستفیض فرمایا کرتے۔ کبھی کبھی یہ بھی فرمایا کرتے کہ یہ جگہ مکان کے لیے موزوں ہے۔ لیکن اس وقت کسی کے وہم گمان

میں بھی نہ ہوتا کہ کون سے مکان کی طرف جناب کا اشارہ ہے۔ بلکہ جب مزار مبارک کے لیے یہ جگہ تجویز ہوئی اس وقت بھی کسی کو یہ بات یاد نہ تھی۔

قریبًا ایک بجے اس آفتاب ولایت کو اس خاک کے پردہ میں پنہاں کیا گیا جو کہ عاشقوں کا مقام اسرار ہے ؎

تنم بخاک سپاری مگو فراق فراق — کہ خاک پردۂ اسرار عاشقاں باشد

ہمارے حجاب کی وجہ سے ہمیں نظر نہیں آتے ورنہ وہ تو ہر وقت ہمارے حال اور اقوال وافعال سے آگاہ ہیں ؎

ہیں تو نظروں میں میرے لیکن نظر آتے نہیں
مثل بوئے گل ہیں پنہاں صاف دکھلاتے نہیں

تاریخ وصال

(از جناب مولنا مولوی محمد عبد اللہ صاحب ساکن قصبہ کپڑا ضلع گجرات)

سید السادات، فرزند رسولؐ — جامع الحسنات، دلبند بتول
ماحی بدعات، ابن مرتضیٰؓ! — قرۃ العین شہید کربلا
راحت جان جناب شاہ حسنؓ — سیدی سندی شہ نور الحسنؒ
نور کامل زآفتاب شرقپور — بے شبہ بد ماہتاب شرقپور
نقشبندی، سہروردی، قادری — نیز ہر چشتی، نظامی، صابری!
در علوم معرفت گویند ایں — عروۃ الوثقیٰ وہم حبل المتین
بود غوث وقت، ہم قطب رشاد — ہر کہ آمد بر درش شد بامراد
مجمع البحرین والسعدین بود — جامع السبطین والقمرین بود

دیدِ او دیدارِ حق بے عیب بود　　گفتِ او گفتارِ حق لاریب بود
کرد رحلت از فنا سُوئے بقا　　مخلصاں را رنج و غم، آہ و بکا!
سینہ بریاں چشمِ گریاں ہر غلام　　بر وصالِ پیر کامل صبح و شام!
ماہ ربیع اوّل سوم تاریخ بود　　چوں بیامد رُوحِ پاکش در صُعود
گفت تاریخ وصالش مولوی!　　خادم شاہِ سُلیمان تونسوی
رفت خضرِ راہ دُعاگو در جناں　　پیرِ نورُ الحسن شاہ عارفِ زماں
۱۹۵۲　　۱۳۷۲
ذاکرِ حق پیر نور الحسن شاہ!　　رحمتِ حق صلہ یافت از بارگاہ
۱۳۷۲

یَغْفِرُ اللّٰہُ لَہٗ بِالْمَغْفِرَۃِ
یَرْحَمُ اللّٰہُ لَہٗ بِالْمَرْحَمَۃِ

برادرم غلام حسین صاحب واصف کنجاہی نے بھی الفاظ میں حضور کی تاریخ وصال پر چند اشعار اور رُباعیات تحریر کیں جو درج ذیل ہیں:

غوثِ وقتِ خویش و شمسِ علم و دیں　　حجتے بر منصبش تالیفِ او
قطبِ عالم سیّدی نورُ الحسن　　بے عدیلش راست گر خواہی بگو
وصل با حق کرد و تاریخش وصال
یک ہزار و سہ صد و ہفتاد و دو

تاجدارِ کشورِ تسلیم رفت　　یعنی شاہِ فقرِ ہفت اقلیم رفت
گفت با من سوم شب ماہِ ربیع!　　آفتابِ دینِ ابراہیم رفت

ایں چہ حشر اے گردشِ ایام رفت　　سیلِ غم بر ما چہ بے ہنگام رفت
اہلِ دیں گفتند با صد اضطراب　　سوئے جنت حجۃ الاسلام رفت

قاسم المقسوم والمرقوم رفت | بود تکیہ گاہِ ہر محروم، رفت
محرمانِ رازِ دیں گویند آہ! | آں مسیحِ اُمّتِ مرحوم رفت

لوحِ مزارِ اقدس

آفتابے کیں جہاں روشن بیک تنویر کرد | خاکِ دلہا راشعاعش پارس واکسیر کرد
ہم غیاث المستغیثین و ابوالوقتے کہ او | از تصرّف کائناتِ وقت را تسخیر کرد
ہم مسیحِ اُمّتِ عصرِ خود از امرِ خدا | زندہ دینِ مصطفیٰ در دَورِ پُر تکفیر کرد
ہم مجدّدِ عہدِ حاضر راکہ او تجدیدِ دیں | باعمل باحال وہم باقال دباتحریر کرد
نکتہ ہا را وانمود اندر کتابِ لاجواب | از کلام اللہ کلام اللہ راتفسیر کرد
کرد کارِ خود مکمّل چوں بایں دارالفنا | وصل باحق سیدی نُورالحسنؒ شاہ پیر کرد
مسند آرائے خلافت شد شہِ باقرعلی! | آنکہ او را حق عطا ایں منصب وتوقیر کرد
ذُوالفقارِ مرتضیٰ، شیرِ خدا باقرعلی! | اے خوش آں بسمل کہ وے زانگہِ او نخچیر کرد
کرد باقر را خدا معمارِ تقدیرِ جہاں | نیز جعفر را برائے ممبر و تدبیر کرد
داد عصمت را فراست را خدا اکرام ایں | "عظمتِ دارین" عظمت را عطا جاگیر کرد
ہر کہ آمد بر درِ ایشاں مرادِ خویش یافت | ہر گدا فیضانِ شاں حاصل بلاتاخیر کرد
ساخت از سوز و غمِ عشق بنیِ تقدیرِ من | اے خوشا بختم کہ دستِ پیر او تعمیر کرد

کردمولائم مراسیرت نگارِ مصطفیٰ
طرفہ خوش بختم کہ نامم واؔصفش[۱] تشہیر کرد

غلام حسین واؔصف کنجاہی

۱ے تبدیلِ تخلّص کا سبب شعر سے ظاہر ہے۔

نور شرقپور

مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب ساکن کنجاہ ضلع گجرات ایک مستند عالم اور مشہور و معروف شخصیت کے مالک ہیں اس لیے اکثر احباب ان سے واقف ہیں۔ جیسا کہ تاریخ وصال کے اشعار سے ظاہر ہے ان کا سلسلہ بیعت تو تونسہ شریف میں ہے لیکن حضور رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو پوری عقیدت تھی اور اکثر خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضور کی خدمت میں ایک منظوم مراسلہ لکھا جو کہ مندرج بالا عنوان سے معنون تھا۔ چونکہ یہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے تعریفی اشعار ہیں لہٰذا برادران طریقت کو ہدیۃً پیش کیے جاتے ہیں ؎

سید السادات نورِ شرقپور　　معدن الخیرات نورِ شرقپور
قبلۂ حاجات نورِ شرقپور　　جامع البرکات نورِ شرقپور
نورِ او ہر نور را نورے بداد　　چوں نگاہ نور بر نورِ او فتاد
نورِ او ہر نور را پُر نور کرد!　　از نگاہِ نور ظلمت دُور کرد
در زمانے ظلمت اندر ظلمتے　　ہست نورش رحمتے ہم نعمتے
انفجار فجر نورِ آفتاب　　ہم شعاع نجم و ضوءِ ماہتاب
نیز نورِ عرش نورِ عرشیاں!　　جملہ نورِ قدس نورِ قدسیاں
ہست نورِ نوریاں از نورِ او!　　نورِ قلب خاکیاں از نورِ او
نام نورِ شرق پور نُورُ الحسنؒ　　آفتاب نور، نورِ پنج تن!
شیرے از شیرِ محمدؒ آمدہ!　　اَسَد اَسَدُ اللہِ اَحمدؐ آمدہ!
ہست نورِ بصر او باقر علیؒ　　ہست نورِ نظر او جعفر علیؒ
سیدی باقر علیؒ، نورِ ہدیٰ　　سیدی جعفر علیؒ شیرِ خدا
زندگی خورسندگی تابندگی!　　بندگی و خواجگی پائندگی

از عدا یابند دائم ہر مراد عزت و عظمت الیٰ یوم التناد
در لطائف در معارف بے عدیل در شہود و در حقائق بے مثیل!
در معانی در مطالب لاجواب! در رموز اسرار بے لوح و کتاب
از شریعت از حقیقت، معرفت! از فصاحت از بلاغت مکرمت
جملہا یابند بے رنج و قلق از طفیلِ مصطفیٰ وز فضلِ حق
یا الٰہی! نور نورِ شرقپور! تا قیامت دار قائم بے فتور
ایں دعا در کنج آہ از مولوی لطف باشد گر ز فضلت بشنوی

سیدی! آقائی! سالارِ عجم! دست تو معمار تقدیرِ اُمم
می کشائی عقدہ ہا از یک نگہ از نگاہت آمدہ گمراہ براہ
از نگاہِ نور دل پُر نور کُن! سینہ سینا دار جاں مسرور کن
نظر را نظارہ دہ از نظرِ نور تا ببینم غیب را اندر حضور!
ہست تو فرزند شیرِ مصطفیٰ کن مرا ہم شیرِ ہر رزم و وغا
ہر عدو پامال کُن مقہور کُن! وز مسرت قلب را معمور کُن!
آل را اولاد را آباد دار از ہمہ عز و قدر دلشاد دار
اٰتِنَا فِی دَارِ دُنْیَا نَا حَسَنْ
اٰتِنَا فِی دَارِ عُقْبَا نَا حَسَنْ

دیگر

اے نور چشم مصطفیٰ	اے لختِ جگرِ علیؓ	فرزند آل مجتبیٰ	یک نظر کن نظرِ عطا
اے مظہرِ انوارِ حق	اے مصدرِ اسرار حق	اے مرآۃ دیدار حق	یک نظر کن نظرِ عطا

اے منبعِ صدق وصفا   اے مخزنِ جود وسخا   اے معدنِ مہر ووفا   یک نظر کن نظرِ عطا
اے آیۂ آیاتِ حق   اے سایۂ برکاتِ حق   اے پایۂ عرشِ ذاتِ حق   یک نظر کن نظرِ عطا
بے صورتے آید نظر   در صورتت عالی گہر   در مجلست عالی قدر   یک نظر کن نظرِ عطا
در چشمِ تو چشمِ شہاں   در دستِ تو دستِ جہاں   بر قدمِ تو بہائے جاں   یک نظر کن نظرِ عطا
اے اُسوۂ شاہانِ شاہ   شرعِ محمّدؐ مصطفیٰ   نازم بذاتت بے خطا   یک نظر کن نظرِ عطا
عشق ومحبت معرفت   شوکت شہامت مملکت   در زیرِ پائت سلطنت   یک نظر کن نظرِ عطا
اے زندگی دل مُردہ را   خورسندگی افسردہ را   دلبستگی دل خوردہ را   یک نظر کن نظرِ عطا
در آبِ تو آبِ حیات   در طورِ تو جملہ جہات   در ذاتِ تو ذات وصفات   یک نظر کن نظرِ عطا
من بندۂ بیچارہ ام   دل خستۂ ودلپارہ ام   آزردہ و ناکارہ ام   یک نظر کن نظرِ عطا
من تشنہ تو آبِ حیات   من مُردہ تو تابِ حیات   من خفتہ تو زابِ حیات   یک نظر کن نظرِ عطا
حیرت نہ بینم در مکاں   زکیں نیابم من نشاں   بہ مکان شد او لامکاں   یک نظر کن نظرِ عطا
گردیدہ ام در خارہا   در کوہ ودشت وغارہا   در شہرہا، بازارہا   یک نظر کن نظرِ عطا
آخر بدیدم من نشاں   آں لامکاں را در مکاں   بر آستانت بے گماں   یک نظر کن نظرِ عطا
از کنج آہ ایں التجا   در رنجہا ایں مُدّعا   از گنجہا کن بالقا   یک نظر کن نظرِ عطا
از نظر نظرے پاک دہ   از خبر خبر افلاک دہ   آں جلوہ برایں خاک دہ   یک نظر کن نظرِ عطا
ایں ساقی وایں ساغرے   میخانہ وہر مے خورے   یابد بقا از داورے   ایں از دلم ہر دم دُعا
ایں گلستاں باثمرہا   ایں آسماں با قمرہا!   ایں خانداں باذکرہا   دارد بقا روزِ جزا

مکتوب منظوم بزبان عربی

ایک مرتبہ یہ مکتوب بھی مولوی محمد عبداللہ صاحب نے نظم کر کے حضور کی خدمت میں ارسال کیا ؎

حَمِدتُ اللہ مَنْ جَعَلَ الوَسِیلَہ   لِنَیلِ الفَوزِ وَنِلتُ لِلوَصِیلَہ

وَمَنْ اَخَذَ الْوَسِيلَةَ فَازَ فَوْزًا عَلٰى طُرُقِ السَّوِيِّ فَجَازَ جَوْزًا
وَمَنْ تَرَكَ الْوَسِيلَةَ غَرِقَ بَحْرًا وَخَابَ خَائِبًا غَضْبًا وَّقَهْرًا
لَهُ الصَّلٰوةُ قَالَ لِكُلِّ حَوْمٍ اَلَا اَبْغُونِيْ فِيْ ضُعَفَاءِ قَوْمٍ
لَهُمْ رِضْوَانُ رَبِّ كُلِّ حِيْنٍ لِمَنْ اَخَذُوا الْوَسِيلَةَ عِزَّ دِيْنٍ
وَاَمَّا بَعْدُ يَا شَيْخِيْ مُطَاعِيْ اِمَامِيْ سَيِّدِيْ سَنَدِيْ خِزَاعِيْ
تَحِيَّاتِيْ سَلَامِيْ فِيْ جَنَابِكْ سَوَالِيْ اَوْمُنَاجَاتِيْ بِبَابِكْ
لِجِسْمِيْ اَنْتَ رُوْحٌ شَبْخُ اُمَّهْ لِعَيْنِيْ اَنْتَ نُوْرٌ مُحِيْ سُنَّهْ
لِقَلْبِيْ مِنْكَ تَنْوِيْرٌ جِلَاءٌ وَتَحْرِيْكٌ حَيٰوةٌ اَوْ لِقَاءٌ
لِرُوْحِيْ اَنْتَ رُوْحٌ اَوْ رِيَاحٌ وَرُوْحٌ رَاحَةٌ فَرْحٌ صَبَاحٌ
لِكُلِّ وَحْشَتِيْ اَنْتَ رَفِيْقٌ بِكُلِّ غُرْبَتِيْ اَنْتَ شَفِيْقٌ
لِكُلِّ مُؤْنَتِيْ اَنْتَ اَنِيْسٌ بِكُلِّ رِحَالَتِيْ اَنْتَ رَئِيْسٌ
مَلَاذِيْ اَنْتَ فِيْ مَرَضٍ وَسُقْمٍ مَعَاذِيْ اَنْتَ فِيْ قَرْضٍ وَنَقْمٍ
اِذَا عَجَزَ الْمَرِيْضُ عَنِ الْاَطِبَّاءِ فَاَنْتَ لَهُ حَبِيْبٌ مِّنْ اَحِبَّاءِ
فَيَشْفِيْ مِنْ جَنَابِكَ طَرْفَ عَيْنٍ يَذُوْقُ ذَوْقَ صِحَّتِهٖ بِغَيْنٍ
فَيُوْجَدُ مِنْ عِنَايَتِكَ الشَّرِيْفَهْ يُزَكّٰى مِنْ لَطَائِفِكَ اللَّطِيْفَهْ
وَيَخْلُصُ مِنْ نَوَائِبِهِ الشَّدَائِدُ وَيَنْجِيْ مِنْ مَصَائِبِهِ الشَّدَائِدُ

اِذَا الزُّرَّاعُ يَزْرَعُ بَذْرَ زَرْعٍ فَيَاتِي الْمَاءُ مِنْ اَبْوَابِ سَبْعٍ
فَيُعْطِيْ قُوَّةَ النَّبْتِ لِاَرْضٍ فَيُنْبِتُهَا بِطُوْلٍ اَوْ بِعَرْضٍ
فَيُعْطِي الْقَمَرُ لَوْنًا لِلنَّبَاتِ وَحُسْنًا كَامِلًا رُوْحَ الْحَيٰوتِ
فَيُعْطِي الشَّمْسُ طَبْخًا اَوْ تَمَامًا وَتُرْسِلُهَا مُرَادًا اَوْ حُطَامًا

وَاَنْتَ الْاَرْضُ وَالْمَطَرُ اَنَا الْبَذْرُ　　وَاَنْتَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اَنَا الثَّمَرُ
وَلِیْ مِنْکَ حَیٰوةٌ اَوْ نَبَاتٌ　　وَنُوْرٌ کَامِلٌ فَضْلٌ نَجَاتٌ

اَنَا صَدَفٌ فَاَنْتَ الْمَطَرُ مَطَرًا　　فَاَقْطِرْ جَوْفِیْ حَتّٰی یَکُوْنَ دُرًّا
لَا رِبْحَ فِیْ نُحَاسِ الْقَوْمِ رِبْحًا　　فَلَا یَنْظُرُهٗ نَقَّادُوْنَ قُبْحًا

رَبِیْعٌ اَنْتَ اِنِّیْ فِی الشِّتَاءِ　　فَقِیْرٌ اِنِّیْ اَنْتَ فِی السَّخَاءِ
فَذَیْلِیْ وَاسِعٌ طَلَبًا لِخَیْرٍ　　فَاَعْطِ فَاَغْنِ عَنْ اَبْوَابِ غَیْرٍ

رَأَیْتُ بِعَیْنِیْ وَقْتَ وِصَالِ شَجَرٍ　　فَیُوْضَعُ قِشْرَةٌ فِیْ جَوْفِ قِشْرٍ
فَیَعْمَلُ عَمَلَهٗ عَمَلًا سَرِیْعًا　　فَیَجْعَلُ مِثْلَهٗ شَکْلًا بَدِیْعًا
فَیَجْعَلُ مِثْلَهٗ فِی اللَّوْنِ وَالْجِسْمِ　　وَفِی التَّاثِیْرِ وَالذَّوْقِ وَفِی الْاِسْمِ
اِذَا الْقِشْرُ الْقَلِیْلُ یُفِیْدُ شَجَرًا　　فَیَجْعَلُ مِثْلَهٗ اَصْلًا وَثَمَرًا
نَکُنْ لِیْ مِثْلَ ظَاهِرِكَ الْمُزَکّٰی　　وَکُنْ لِیْ مِثْلَ بَاطِنِكَ الْمُصَفّٰی

عَرَضْتُ فِیْ جَنَابِكَ قَبْلَ هٰذَا　　وَنَادَیْتُ بِبَابِكَ قَبْلَ هٰذَا
لِیَشْفِ اِبْنِیْ مِنْ دَاءٍ خَبِیْثٍ　　وَیَسْکُنُ اِبْنِیْ مِنْ دَاءٍ وَثِیْثٍ

فَشَرَّفْنِیْ بِعَرْضٍ ثُمَّ عَرْضٍ　　وَاَکْرِمْنِیْ وَفَضِّلْنِیْ بِعَرْضٍ
وَوَاصِلْنِیْ اِلٰی اَسْرَارِ قُدْسٍ　　وَنَوِّرْ قَلْبِیْ مِنْ اَنْوَارِ قُدْسٍ
وَبَلِّغْنِیْ اِلٰی شَرَفَاتِ نُوْرٍ　　وَعَزِّزْنِیْ اِلٰی دَرَجَاتِ نُوْرٍ
وَاَرِنِیْ رُؤْیَةَ الْمَحْبُوْبِ فَحًّا　　کَرِیْمٌ اَنْتَ مَا اَذْکَرْتَ شَحًّا

فَهٰذَا غَائِتِیْ فِیْ کُلِّ حَالٍ
وَهٰذَا هَائِتِیْ فِیْ کُلِّ قَالٍ

معذرت نامہ

مولوی محمد نذیر صاحب برجوی کی شخصیت اور ان کے علم و فضل سے سب احباب واقف ہیں لہٰذا وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ایک مرتبہ کسی غلطی کی بنا پر حضور رحمۃ اللہ علیہ کی ان سے ناراضگی ہو گئی جس کی معافی کے لیے انہوں نے مندرجہ ذیل معذرت نامہ پیش کیا:

العذر عند کرام الناس مقبول

روئداد مفتقر مصاب مکتنف بحضرت عالیجناب سلمہٗ ربّ الارباب دامت معالیکم السامیہ

التسلیم و الآداب!

یا قبلہ ام مریضم، مار نفس گزیدہ　　　زہرش بمو و مو ام جانم بلب رسیدہ
بر آستانِ مہرت افتادہ ام غریبم　　　تریاق ایں مرض را جز تو کجا ندیدہ
در بارگاہِ ایزد عالی مقام تو شد!　　　ایں مفتقر بدر تو آمد حزیں نویدہ
آہ ایں سگِ جنابت درمان از عتابت　　　راندہ ز بارگاہت نالیدہ و غریدہ
شد مرغِ دل ز تیرِ خاموشی تو بسمل　　　چوں خاطرِ شریفت از من بشد رنجیدہ
وائے دریں زماں کہ فرخندہ شد ز نورت　　　کلبۂ قلبِ مسکین ویرانہ و رہیدہ
دیدم نہ دیدہ بودم چوں انقلاب ہٰذا　　　بیدار بخت وائے شد ناگہاں خوابیدہ
ہر آنکہ خیر دانم یابم از و خرابی　　　امرے کہ بود فخرم گشتم ز وہا ژوہیدہ
ہر آرزو کہ دارم باشد ز و نو امیدی　　　ہر آنکہ گل شناسم چوں خار شد خلیدہ
از ناز پروریدہ در اودیہ ویرانہ!　　　ناچار و زار گشتہ رنج و الم کشیدہ
لیل و نہار زارم بسیار اشکبارم!　　　سیراب شد بیاباں از آب ہر دو دیدہ
دردا کہ چوں سپندم سوزندہ ام کنم چہ!　　　ہر کہ دمہ ز تشنیع آمد بمن جہیدہ
از شامت امارہ بے چارہ ناتوانم!　　　نالم نصیبِ خود را درماندہ و نہیدہ
الغرض من غریبم تنگ آمدم چنانکہ!　　　گیتی نشاں ندادہ چوں حال من کالیدہ

مجروح معصیت را مرہم بنہ خدا را — فریاد مے کند ایں در خاک خوں طپیدہ
زندہ اگر نمانم چہ سود جز حسوداں — کہ قتل من بخواہند بر گفتہ و شنیدہ
خوش می شود عدو کہ چوں قطرہ ہائے خونم — بیند ز رگ بریدہ بر خاک دگل چکیدہ
چوں عندلیب بالم شد قید قفس دستت — زاغ و زغن کند چہ کہ باز آوریدہ
از من بشور بختی آہ ناگہاں خطا شد! — یاران و آشنایاں از نزد من رمیدہ
بیشک گناہ گارم شرمندہ و شرمسارم — پس ہر چہ شد خطا شد باشم مگر رہیدہ
اقرار من کنم کہ من واقعی اثیمم — باز آ بمہربانی بر حال سر خمیدہ
فَارْحَمْ وَلَا یَرُوْمُ قَلْبِیْ سِوَاکَ شَیْئًا — لَا اَسْتَطِیْعُ مِنْکَ اَنْ اَفْسَخَ الْعَقِیْدَہْ
بارے بدہ معافی یا صاحب کرامت — زندہ تا کے بماند تیغ ستم بریدہ!
یا پیر دستگیرا مارا بدستگیری! — برکن ز بحر عصیاں آہ گشتیم دریدہ
نبراس دل فروزا از نور عرف کہ باشم! — در بارگاہ ایزد مقبول و برگزیدہ
تُبْتُ مِنَ الْخَطِیْئَاتِ کُلِّهَا یَقِیْنًا — یَا سَیِّدِیْ لَا تَمْحُ اِسْمِیْ عَنِ الْجَرِیْدَہْ
مقبول گر نباشد فریاد ما غریباں — باشد نذیر مردہ و روحش براں پریدہ

من از صحیح عقیدہ تصدیق با تو کردم
کہ منکر تو کافر مجہول گردانیدہ

مولوی محمد نذیر صاحب نے حضور رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں کئی ایک نظمیں لکھی ہیں لیکن نہ تو یہاں ان کے درج کرنے کے لیے گنجائش ہے اور نہ یہ ان کے اندراج کا صحیح محل۔ اگر مولیٰ کریم کو منظور ہوا تو وہ کسی وقت الگ شائع کر دی جائینگی۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ظاہری علوم کے باقاعدہ مستند تھے لیکن اس کے باوجود بڑے بڑے علماء آپ کے حضور میں زانوئے ادب تہ کرتے تھے چنانچہ متذکرہ بالا مولوی محمد عبداللہ صاحب کنجاہی اور مولوی محمد نذیر صاحب برجوی کی یہ نظمیں اس حقیقت کی زندہ مثال ہیں۔

ترانۂ نور

دے مجھے بادۂ ذوقِ عاشقانہ نور کا　　ساقیا پی پی کے میں گاؤں ترانہ نور کا
آسماں پر ہیں ستارے یا بکھیرا نور نے　　نور کے خرمن سے اپنے دانہ دانہ نور کا
وسعتیں دونوں جہاں کی بھی ہیں تنگ اس کے لیے　　اللہ اللہ! کیا ہے بجربے کرانہ نور کا
نور کا دریا ہے دیں، منبع ہے ذاتِ مصطفیٰؐ　　بندۂ مومن کا دل کیا ہے؟ دہانہ نور کا
دولتِ نورِ نبی کا یہ بھی کیا اعجاز ہے　　جس قدر بٹتا ہے بڑھتا ہے خزانہ نور کا
پی لیا اک بار بھی جس نے شرابِ نور کو　　پا لیا اس نے سرورِ جاودانہ نور کا
ہے طلب صادق تو کر سینے میں اپنے جستجو　　ہے تیرے اس کوچۂ دل میں ہی خانہ نور کا
نور کرتا ہے تیری قسمت کی خود مشاطگی　　گیسوئے ہر الجھن کے سلجھاتا ہے شانہ نور کا
سجدہ ہائے پے بہ پے سے آ! کروں روشن تجھے　　اے جبینِ شوق! یہ ہے آستانہ نور کا
آؤ کر لیں ہم بھی روشن دل کو اس کے نور سے　　مطلعِ انوار ہے یہ آستانہ نور کا
سرزمینِ کیلیانوالہ ہے وادی نور کی　　ہے زیارت گاہِ عالم آستانہ نور کا
پڑھ رہا ہوں میں کتابِ زندگانی نور کی　　ساکنانِ عرش سنتے ہیں فسانہ نور کا
ہو رہی ہیں آج کیا جانیں باہم سرگوشیاں[1]　　ہے لحد سے ہم بغل نورِ یگانہ نور کا
نور ہے اولاد تیری نور جدِّ پاک بھی　　اے حسنؓ کے نور تیرا کل گھرانہ نور کا
نور سے اپنے منوّر تیرہ دل کرتا رہے　　اے خدا! تاحشر یہ نوری گھرانہ نور کا
آبِ عرفاں سے کرے سیراب دل کی کھیتیاں　　جاوداں یہ بحرِ فیض جاودانہ نور کا

عاقلانِ دہر کو ہے رشک تیرے نام پر
کہتا ہے واصفؔ جہاں تجھ کو دیوانہ نور کا

---

[1] قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی کو حضور قدس سرہٗ کی لحدِ مبارک سے ہم بغل دیکھ کر یہ شعر موزوں ہوا۔

ساقی

مستری عبداللطیف صاحب گجراتی ایک دفعہ حضور قدس سرہٗ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت مبارک سے مستفیض ہو کر یہ اشعار لکھے ۔

ساقی کو دیکھ آنکھوں میں آنکھوں کو ڈال کے ۔۔۔ دو جام ہیں جلال ہیں رنگِ جمال کے
ہے عیدِ فطر عید ضحیٰ سے ملی ہوئی ۔۔۔ مکھڑا ہے چاند سا تو ہیں ابرو ہلال کے
ادنیٰ سا التفات کہیں ان کا ہو گیا! ۔۔۔ تعمیر دل میں لاکھ محل ہیں خیال کے
اٹھتا ہے پاؤں ان کا دھڑکتا ہے دل مرا ۔۔۔ قربان ان کی چال کے اور اپنی ڈھال کے
دیکھا جو اُن کے لب پہ تبسم سا آگیا ۔۔۔ لاکھوں جواب ہو گئے میرے سوال کے
یوں گزرے پُل صراط سے دیوانہ آپ کا ۔۔۔ ہٹ جائیں خار راہ سے امن سنبھال کے

افضل کہیں سے پی کے کچھ آئے ہو آج کل
اب کی غزل میں رنگ نرالے ہیں حال کے

مناجات

تیری رحمت سے غنی درویش بے مایہ رہے
دین و دنیا کا میرا بڑھتا یہ سرمایہ رہے
رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ کے رحم، تیرے فضل سے
سایۂ نُوْرُ الْحَسَنْ مجھ کو ہما پایہ رہے

غلام حسین واصف

حضورؒ کی اولاد پاک

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی صُلبی اولاد کل چار نفوس ہوئی :

(۱) سیّد محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی۔

(۲) سید محمد جعفر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی۔

(۳) ثریا خاتون رحمۃ اللہ علیہا۔ آپ کا بچپن ہی میں وصال ہوگیا۔ مزار پُرانوار سے رُوح کو تسکین حاصل ہوتی ہے

(۴) بلقیس خاتون مدظلہا العالی۔ حضورؒ کی اولاد میں سب سے چھوٹے اور ابھی نا کتخدا ہیں۔

حضرت سید محمدؐ باقر علی شاہ صاحب مدّ ظِلّہُ العالی

حضرت سید محمدؐ باقر علی شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۱۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ ہجری مطابق ۲۴ر اسوج سمت ۱۹۸۷ بکرمی یعنی ۹ر اکتوبر ۱۹۳۰ء عیسوی کو بروز جمعرات اپنے ننہال موضع بدورتہ میں ہوئی۔ آپ کے متعلق حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ "بفضلہٖ تعالیٰ صاحب عبا و قبا اور صاحب طریقت ہوں گے۔ مولیٰ کریم نے قبل از پیدائش ہی ان پر فضل فرما دیا ہے"۔

بچپن میں اکثر رونے لگتے۔ پوچھا جاتا کہ کیوں روتے ہو؟ تو فرماتے کہ اللہ میاں کو ملنا چاہتا ہوں۔ ایک دفعہ بچپن میں حضور کی معیت میں باہر تشریف لے گئے اور تیتری کو اُڑتے دیکھا تو اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے لگے۔ لیکن جبھی اس کے نزدیک جاتے وہ اُڑ جاتی۔ تو فرمانے لگے کہ میں بھی تمہیں پکڑ کر ہی رہوں گا۔ حضور نے دیکھ کر فرمایا کہ "شکاری ضرور ہوں گے"۔

جب چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر کو پہنچے تو حضور نے خود آپ کو سبق دیا اور پڑھنا شروع کیا۔ مدرسہ میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد گھر میں مولوی امام الدین صاحب ہریکوٹی سے کتب فارسی کی گلستان بوستان تک سیر کی اور قرآن پاک کے ترجمہ اور صرف و نحو کے سبق شروع کیے۔ بعدہٗ مولوی غلام رسول صاحب سے بھی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

چھوٹی عمر ہی سے صوم وصلوٰۃ کے بڑی سختی سے پابند اور حضور رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان مبارک کے مصداق شکار کے از حد شوقین رہے۔ چنانچہ دس گیارہ سال کی عمر میں ہی اچھا خاصہ نشانہ تھا۔ بالعموم موضع نکّی چیچہ کے نواح میں جو حضرت کیلیانوالہ شریف سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے تشریف لے جاتے۔

ایک دفعہ باتوں ہی باتوں میں مجھ سے بیان فرمایا کہ اُن دنوں جنگل میں دوسرے شکاری ساتھیوں سے الگ جاکر محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رویا کرتے۔ خیال یہ ہوتا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ عرب شریف میں جلوہ افروز ہیں اور مجھے مولیٰ کریم نے ہندوستان میں پیدا کر دیا۔ اسی مجبوری کے عالم میں گھنٹوں اضطراب و بے قراری میں گزر جاتے اور رونا شروع رہتا۔ کبھی بلند آواز سے اور کبھی صرف آنسو بہتے رہتے لیکن دوسرے ساتھیوں کو محسوس تک نہ ہونے دیتے۔ اگر کبھی دریا کی طرف شکار کے لیے تشریف لے جاتے تو دوسرے ساتھیوں سے الگ ہوکر دریا پر وضو فرما کر کبھی کبھی محبت سے اذان دیتے اور فرحت کے عالم میں درود شریف پڑھتے رہتے۔ کبھی محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنسو جاری ہو جاتے اور کبھی حضرت خضر علیہ السلام کی یاد میں محو و مستغرق رہتے۔

اپنے والد ماجد کی خدمت میں سِن طفولیت سے لے کر عالم شباب تک جھُوٹ کو زبان پر نہ آنے دیا۔ اعلیٰ ترین خصائل کے مالک اور سخاوت میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی مثل ہیں حسین ترین شکل وصورت اور طاقت جسمانی کے لحاظ سے اپنے ہم عمروں میں لاثانی ہیں۔ ان اوصاف کے باوجود کبھی کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ ہُوا کہ حضور قدس سرہٗ کی خدمت میں کسی کو آپ پر شکایت کا موقع ملے۔ بلکہ آپ کے اوصاف حمیدہ کے دوست و دشمن سب مقر ہیں۔ رحم دل اس قدر کہ ایک دفعہ ایک عیسائی لڑکے کو روتے دیکھا تو قریب جاکر اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے بیان کیا کہ میں ایندھن کی جستجو میں گھر سے نکلا تھا اور جتنا ایندھن وغیرہ اکٹھا کیا فلاں زمیندار نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ آپ نے اس زمیندار کو بلا کر اس کا سب سامان واپس دلایا اور اسے خوش وخرم گھر بھیجا۔

ایک دفعہ ایک کام کا خیال پیدا ہُوا تو حضور نے فرمایا یہ خیال رضائے مولیٰ کریم کے خلاف ہے۔ گو بظاہر حکم کی تعمیل میں کسی چون وچرا کے بغیر عمل کیا لیکن دل میں ابھی کچھ خیال باقی تھا۔ رات کو عالم رؤیا میں

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ نے نہایت شفقت سے اس کام کی قباحت سے متنبہ فرما کر پوری طرح تسلّی فرمائی چنانچہ جو تھوڑا بہت خیال باقی تھا وہ نکل گیا۔

ایک دفعہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مبارک میں لیلۃ القدر کا ذکر ہو رہا تھا۔ کہ بعض آدمیوں کو وہ ایک خاص ساعت آشکار تو ہوتی ہے لیکن اس وقت دُعا کرنے کا ہوش نہیں رہتا۔ آپ نے حضور قدس سرّہٗ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اگر مجھے وہ وقت نصیب ہو تو میں ضرور دعائیں مانگ لوں۔ حضور نے فرمایا کہ اچھا مولیٰ کریم عنقریب ہی وہ وقت دکھائیں گے"۔ چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد عالم رؤیا میں لیلۃ القدر کی رویت نصیب ہوئی تو واقعی آپ نے اسی وقت پانچ دُعائیں جن کا خیال تھا مانگ لیں۔ جن میں سے ایک دُعا یہ تھی کہ جو بھی نیک دعا مانگوں اور جس وقت مانگوں بارگاہ ایزد متعال میں قبول ہو۔ صبح حضور کی خدمت بابرکت میں عرض کیا تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

شکار کا آپ کو بیحد شوق تھا لیکن حضور رحمۃ اللہ علیہ گاہے فرماتے کہ اچھا! کچھ دیر کھیل لیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یکلخت ہی چھوڑ دیں گے۔

سولہ سترہ سال کی عمر میں خیال پیدا ہوا کہ طریقت میں داخل ہو کر مستفیض ہونا چاہیے۔ اسی خیال میں تھے کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے خود بخود ہی بلا کر طریقت میں داخل فرما کر تمام وظائف فرما دیے اور فرمایا کہ اگر دریا پر شکار کے لیے جاؤ تو یہ اسم تلاوت کیا کرو۔ چنانچہ آپ جب کبھی دریا پر تشریف لے جاتے تو حسب فرمان وہ وظیفہ تلاوت فرماتے۔ اس کی برکت سے بہت ہی فرحت ہوتی اور پانی وغیرہ میں کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایام علالت میں ایک دن آپ کو طالبان راہ خدا کو خدا کا نام بتانے کی اجازت دے کر فرمایا کہ عزیزم! اب اپنا کام خود سنبھالو"۔ آخر شرق پور شریف میں عرس مبارک کی تاریخ قریب آ گئی اور جیسا کہ حضرت اعلیٰ قدس سرّہٗ نے اپنے وصال شریف سے پہلے حضور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھیج دیا تھا، اپنے شیخ محترم کی سنت کے مطابق حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو شرق پور شریف میں بھیج دیا اور جیسا کہ مذکور ہوا ہے حضور کا وصال شریف اپنے فرزند ارجمند کی عدم موجودگی میں ہوا اور عین ختم شریف کے وقت آپ کو تار ملا۔

باوجود اس کے کہ یہ سانحہ آپ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا لیکن آپ نے نہایت صبر و استقامت کا نمونہ دکھایا اور بڑے استقلال سے اس بارِ عظیم کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ اس چھوٹی عمر میں جبکہ دنیوی تکالیف کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا' یہ بارِ گراں اُٹھانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ دوست و دشمن اسی خیال میں تھے کہ یہ بارِ عظیم جس کے حضور رحمۃ اللہ علیہ متحمل تھے اس کا اُٹھانا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ ناتجربہ کار اور نوعمر جن کے شباب کا بھی ابھی آغاز ہے کیسے نباہیں گے؟ دوست متفکر تھے اور دشمن خوش۔ لیکن آپ نے جس صبر و استقلال' حسن تدبر اور خوش اسلوبی سے اس بار کو اُٹھایا' دوست تو دوست دشمن بھی تحسین و آفرین کہنے پر مجبور ہو گئے۔ گو یہ جو کچھ بھی ہوا' فضل ایزدی اور حضور قدس سرہٗ کی نظرِ کرم ہی سے تھا لیکن آپ کے استقلال و استقامت کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سب سے اہم کام طریقت کے اجرا کا تھا لیکن خدا کے فضل و کرم اور اس کے بندگانِ خاص کی نظرِ التفات سے اس چیز میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہونے پایا اور طالبانِ راہِ خدا اب بھی اسی طرح نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ مولیٰ کریم نے اپنے فرمان:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ	اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان
بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ	کے ساتھ ان کی پیروی کی' ہم نے ان کی اولاد کو
وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ	ان کے ساتھ ملا دیا اور ان کے عمل میں انہیں
شَيْءٍ (پ ۲۷ - ۳)	کچھ کمی نہ دی

کے مطابق اپنے والد ماجد کے مقام پر ہی پہنچا دیا۔ اور آپ نے بھی حضورؒ کی اتباع میں کمال کر دکھایا' اپنے ورد و وظائف' اپنی نشست و برخاست اور اپنے طرزِ تکلم میں حضور کے نقشِ قدم پر چلنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور حضور کے فرمان مبارک کے مطابق اسی دن سے سیر و شکار جس کے بیحد شوقین تھے یکلخت ترک کر دیا۔ چنانچہ لاہور کے ایک بڑے نیک متدین بزرگ کو حضور رحمۃ اللہ علیہ خواب میں ملے اور فرمایا کہ میرے فرزند ارجمند نے اس کام کو جو میں نے اس کے سپرد کیا تھا نہایت خوش اسلوبی سے اُٹھایا ہے۔ آپ نے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی روضہ شریف کا کام شروع کروا دیا اور ہزارہا روپے

صرف کرکے بفضلہ تعالیٰ بڑی پرشکوہ عمارت تعمیر کروائی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ گو ہم متعلقین متفکر تھے کہ اتنا بڑا کام کس طرح انجام پائے گا۔ لیکن آپکے اعلیٰ ترین عزم واستقلال اور بزرگانِ عظام کی رُوحانی امداد سے بہت بڑا کام ایک سال میں ہؤا جو دنیا کی عقل وفکر سے باہر ہے۔

خلق خدا کی آمد و رفت میں حضور قدس سرّہٗ کے وصال سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ لنگر شریف کا خرچ بھی آپنے بڑے حوصلہ سے برداشت فرمایا۔

کئی ایک تنازعات آپ کے پاس آئے تو آپنے اس خوبی اور انصاف سے فیصل فرمائے کہ عوام وخواص کی عقلیں چھوٹی عمر اور باریک بین بصیرت دیکھ کر حیران وششدر رہ گئیں اور دلوں میں آپکی عزّت و وقعت دوبالا ہوگئی۔

ختم شریف کے ہجوم مخلوقات کو دیکھ کر مخالف منتظر تھے کہ اتنا وسیع انتظام ان سے نہ ہوسکیگا، لیکن ہر طرح کا مکمل اور عمدہ انتظام دیکھ کر مایوس ہوگئے اور ان کے دلوں میں وہ اُمیدیں جو حضور کے وصال مبارک سے اُبھری تھیں خاک میں مل گئیں۔

ایک دفعہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عالم رؤیا میں ملاقات ہوئی اور آپنے کمال مہربانی اور شفقت سے پیار فرمایا۔

ایک دفعہ بموجب حکم حضور مکان شریف کے عرس مبارک پر تشریف لے گئے تو حضرت حاجی ثنا؁ حسین قدس سرّہٗ کے مزار پرانوار پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ "چونکہ حضرت والد کرم آپ کی ملاقات اور اجازت کے بغیر واپس تشریف نہیں لیجاتے اور اس دفعہ آپنے مجھے اپنی جگہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ لہٰذا آپ شرف ملاقات بخش کر اجازت دیں گے تب ہی واپس جاؤں گا۔" تو آپنے ملاقات سے شرفیاب کرکے کمال مہربانی اور شفقت سے اجازت بخشی۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی کے وقت ایک دفعہ عالم رؤیا میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا آپ کا خیال ہے کہ مزارات کے گرد ہم چاردیواری تعمیر کریں گے۔ تو ہمارے مزارات پر سے چونکہ اب راستہ گزرتا ہے اس وجہ سے ہمیں تکلیف ہے لہٰذا اس کی تعمیر بھی کروانا۔ آپنے عالم رؤیا ہی

میں عرض کیا کہ ہمیں اس کے نشانات کا علم نہیں" تو انہوں نے فرمایا کہ رات کو بارش ہوگی اور صبح آکر دیکھ لینا۔ چنانچہ رات کو خوب بارش ہوئی اور صبح اس جگہ پر تشریف لے گئے تو نشانات بالکل ظاہر تھے۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ بندگان خدا جو فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً سے زندہ ہوتے ہیں ان کا علم کس قدر وسیع ہوتا ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ تعمیر حضور کے بعد حضرت محمد باقر علی شاہ صاحب ہی کروائیں گے۔ اور رات کو بارش بھی ہوگی اور نشانات نظر آجائیں گے۔

آپ نے حضور کی خدمت میں یہ سب واقعہ عرض کیا تو آپ نے بھی تاکید کردی کہ یہ کام ضرور کرنا چنانچہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے وصال شریف کے بعد یہ تعمیر کردی گئی۔

آپ کے جو ظاہری اور باطنی اوصاف حضور کی نظر کرم سے ہویدا ہوئے اور ہو رہے ہیں عاجز کا علم و قلم ان کے احاطہ و تحریر سے عاجز ہے۔ صرف اپنے ظرف ضمیر کی وسعت کے مطابق چند سطور تحریر میں لائی گئی ہیں اور برادرم غلام حسین صاحب واصف کنجاہی نے مندرجہ ذیل اشعار آپ کی تعریف و توصیف میں لکھے ہیں:

حضرت قبلہ قیّوم العصر صاحب مدظلہ العالی

اے مسیحِ اُمّتِ مرحوم تو ۔۔۔ اے جہاں را فاسم مقسوم تو
شد مجدّدِ عصر و اصل باخدا ۔۔۔ جانشین و مظہرش قیّوم تو
برتر از ادراکِ من شانِ تو ہست ۔۔۔ جاہ سلطانی بہ دربانِ تو ہست
اے ابوالعظمت خدا دادہ ترا! ۔۔۔ عظمت و شانے کہ شایانِ تو ہست
مصطفیٰ و نورِ او نورُ الحسنؓ ۔۔۔ آں یکے جسم و یکے جانِ تو ہست
حیدرؓ و صدیقؓ و عثمانؓ و عمرؓ ۔۔۔ ہر یکے از پاسبانانِ تو ہست
ہست جدِ تو شہنشاہ قادریؒ! ۔۔۔ من چہ می گوئم کہ چہ شانِ تو ہست

ؒ حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

حضرتِ شبیر محمد مصطفیٰ — حامی و ناصر بہ ہر آن تو ہست
جملہ انداز مجازی بہ بینیت — شانِ محبوبی چہ قربانِ تو ہست
بر خودم نازم کہ اندر دستِ من — اے خوشا بختم کہ دامانِ تو ہست
در شبِ قدرت دعا شد مستجاب[1]! — بر چرا نائد کہ بزبانِ تو ہست
بہرۂ از فقر و دیں یابم مدام — کیں عطائے حق بہ فیضانِ تو ہست
عظمت و عصمت، فراست ہر یکے — دُرِ یکتائے بدخشان تو ہست
ہر کہ آید بر درت یابد مراد! — دُرِّ ہر مقصود در کانِ تو ہست
من بہ بحرِ غم صدف ساں لب کشا — دُر فشاں تا آنکہ بارانِ تو ہست
تا بہ کے مانند شبِ بختم سیاہ — چوں فروزاں مہرِ تابانِ تو ہست

لَا تَخَفْ واصف کہ باقرؔ پیرِ تو
خود مددگار و نگہبانِ تو ہست

مولیٰ کریم ذوالجلال والاکرام نے جس طرح آپ کو صغر سنی میں باطنی نعمات سے مالا مال فرمایا اسی طرح آپ کو نو عمری میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ہی دو فرزند عطا فرمائے اور ایک حضور کے وصال شریف کے بعد میں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) سید عظمت علی شاہ صاحب، (۲) سید عصمت علی شاہ صاحب، اور (۳) سید فراست علی شاہ صاحب

سید عظمت علی شاہ صاحب

کی ولادت باسعادت ۲۷ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ ہجری، ۵ رپوہ سمت ۲۰۰۶ بکرمی مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۵۰ء بروز پیر بوقت سحر ہوئی۔ آپ شکل و صورت اور عادات و اطوار میں زیادہ تر حضور رحمۃ اللہ کے مشابہ ہیں۔ اپنے دادا جان کو سوہنے آباجی فرمایا کرتے ہیں اور حضور سے از حد محبت رکھتے ہیں۔ حضور کی بظاہر موجودگی

[1] قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی کی لیلۃ القدر میں ایک دعا کی طرف اشارہ ہے۔

کے ایام میں بعض اوقات اندر سے بیٹھک شریف میں تشریف لاتے اور حضور کے قدمین مبارک کو چومنے لگتے۔ اس ادائے زیبا کو دیکھ کر سب متعجب ہوتے، آپ کی دادی صاحبہ اور حضور کے بڑے بھائی صاحب فرماتے کہ ہمارے بھی قدم چومو تو چونکہ ابھی زبان کلام نہ کرسکتی تھی اس لیے نفی میں سر ہلا دیتے۔ بعض اوقات حضورؒ کے دہن مبارک پر منہ رکھ کر بوسہ دیتے اور اگر کبھی حضور قدس سرّہٗ کسی وجہ سے ناراض ہوجاتے تو جب تک راضی نہ کرلیتے آرام نہ آتا۔ حضور آپ کی پیدائش سے چھ ماہ بعد علیل الطبع ہوگئے تھے۔ تو آپ سجدہ میں پڑ کر حضور کے لیے دعائیں مانگتے۔ اگر حضور کو دردوں کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوتی تو بے قرار ہوجاتے اور اس حال کو دیکھ نہ سکتے تھے۔

اگر گھر میں کوئی ان کو رُلاتا تو حضورؒ فرماتے "تم کو معلوم نہیں کہ یہ کیا چیز ہیں۔ ان کی قدر کرو۔ بلکہ بعض اوقات حضور کا ارشاد گرامی ہوتا کہ "یہ تو ہمارے باپو جی ہیں"۔ اپنے فرزند ارجمند کو فرماتے کہ ان کو بیٹا نہ سمجھنا بلکہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا' یہ بہت بڑی استعداد کے مالک ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کو بھی حضورؒ ان کے ادب کا حکم فرماتے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ایام رضاعت میں جب کبھی نیند کی حالت میں ہماری ان کی طرف پشت ہوجاتی تو سخت گھبراہٹ ہوتی اور فوراً نیند کھل جاتی۔ چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آتے ہیں۔

آپ کے کرامات کا آغاز بالکل ہی چھوٹی عمر میں ہوا۔ ابھی ایک سال کے ہی تھے کہ کھیلتے کھیلتے ایک دن فرمانے لگے "کاکا! کاکا! آجا"۔ حضور قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ اگر کاکا آگیا تو تم کو تکلیف ہوگی"۔ لیکن فرمانے لگے کہ "ناہ"۔ چنانچہ کچھ دن اس سبق کو خوب یاد کیا اور بعد میں خاموشی اختیار کرلی۔ چنانچہ آپ کے برادرِ خورد سیّد عصمت علی شاہ صاحب عالمِ ظہور میں تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ "کاکا آگیا" اور بے حد خوشی کا اظہار فرمایا۔

ایک دن مسجد شریف میں میرے قریب ہی تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے کہ "شاہ جی! میں بادشاہ ہوں"۔ میں نے عرض کیا کہ چلیں، سوہنے اباجی کو بھی بتائیں۔ چنانچہ حضور قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر فرمانے لگے کہ "سوہنے اباجی! میں بادشاہ ہوں"۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی یہ بادشاہ ہیں بعض

اہم امور میں جو کہ بڑے کٹھن ہوتے ہیں ہم ان کو اپنے ہمراہ ہی دیکھتے ہیں۔

حضور قدس سرّہٗ فرمایا کرتے کہ سید عظمت علی شاہ صاحب کو ہمارے ساتھ بہت محبت ہے۔ اگر ہمارا وقت آگیا تو یہ کیا کریں گے؟ لیکن جس رات حضور کا وصال شریف ہوا اس سے اگلے دن صبح سویرے بیٹھک شریف میں تشریف لائے اور حضور رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ سوہنے اباجی اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔ اور اس سخت ترین صدمہ میں صبر و استقامت کا ایسا نمونہ دکھایا کہ ہم سب حیران رہ گئے۔

ان کی گفتگو اور طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ان کے لیے بالکل ویسے ہی موجود ہیں۔ روضہ شریف پر جا کر بظاہر حیات کی طرح ہی پیار اور گفتگو فرماتے ہیں۔ خاص خاص متعلقین کے سامنے بیان فرماتے ہیں کہ رات کو سوہنے اباجی میرے پاس تشریف لاتے ہیں اور مجھے دودھ پلاتے ہیں۔

گھر میں بہت کم تشریف لیجاتے ہیں۔ اکثر خادموں کے ساتھ ہی نشست و برخاست رکھتے ہیں اور رات کو بھی حضور کی بیٹھک شریف ہی میں سوتے ہیں۔

ادب کا یہ عالم ہے کہ ایک دن اس ریت پر کھیل رہے تھے جو کہ روضہ شریف کی تعمیر کے لیئے منگوائی گئی تھی اور مزار مبارک سے بیس پچیس گز کے فاصلے پر ذرا اونچی پڑی ہوئی تھی۔ عاجز بھی جوتوں سمیت ان کے پاس چلا گیا تو فرمانے لگے کہ "اباجی سے تم نے جوتے اونچے کر دیے ہیں"۔۔۔۔ تین سال کے بچے سے ایسی بات سن کر میں سخت متحیر ہوا۔

ایک دن مسجد شریف میں استراحت کا عزم کیا تو فرمانے لگے کہ مشرق کی طرف تو سوہنے اباجی ہیں اور جنوب میں باباجی یعنی روضہ حضرت شاہ جی قدس سرّہٗ۔ اور مغرب کی طرف ماہی مدینے والے۔ آخر شمال کی طرف پاؤں کر کے لیٹ کر فرمانے لگے کہ "پٹّن والیاں ول" یعنی شیعوں کی طرف۔

ان کے چہرے سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ بچے ہیں۔ ہر ایک آدمی کے ساتھ اس کے مرتبہ اور عزّت کے لحاظ سے پیش آتے ہیں۔ جو عقیدت مند اچھی طبیعت والا ہو خواہ کتنی مدّت کے بعد حاضر ہو اس کے ساتھ مانوس ہو کر محبت فرماتے ہیں۔ برادری کا ایک خاص آدمی جو کہ عقیدۃً شیعہ ہے اگر کبھی بیٹھک شریف میں آجائے تو حضور کی موجودگی کے وقت سے یعنی بالکل بچپن کے وقت سے اسے دیکھ کر گھبرا کر بھاگ جاتے

اور باہر کہیں ایسے شخص ملیں تو جس خادم کے پاس ہوں اس سے فرماتے ہیں کہ چلو، یہاں سے دور چلیں ایسی حرکات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص کے ضمیر کا معائنہ کرتے ہوئے بیزار یا خوش ہوتے ہیں۔
ان کے کرامات جو دیکھنے میں آئے بے شمار ہیں۔ ایک دفعہ مستری محمد الدین ساکن گجرات حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ آٹھ نو سال سے میرے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی، دُعا فرمائیں کہ مولیٰ کریم اولادِ نرینہ عطا فرمائیں۔ فرمان ہوا کہ دو خُمرے لے آؤ، اللہ جی تم کو لڑکا عطا فرمائیں گے۔ اس نے دو خُمرے حاضر کر دیے تو کچھ عرصہ کے بعد اس نے خط تحریر کیا کہ مولیٰ کریم نے مجھے لڑکا عطا فرمایا ہے، سید عظمت علی شاہ صاحب اس کا نام بھی خود ہی تجویز فرمائیں۔ عرض کیا گیا تو فرمانے لگے کہ اس کا نام نور محمدؐ رکھو۔ چنانچہ حسب الحکم اس کا یہی نام رکھا گیا۔

ایک دن مولوی نذیر احمد صاحب کنجاہی نے جو ڈپٹی کمشنر کے ایچ، وی، سی ہیں خط لکھا کہ میرا تبادلہ میانوالی میں ہو گیا ہے، دُعا فرمائیں کہ یہ رُک جائے۔ آپ سے عرض کیا تو فرمان ہوا کہ اس کو کہو کہ ایک طوطا اور دو کبوترے آئے، اس کا تبادلہ اللہ جی نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے طوطا اور کبوتر حاضر کر دیے اور آپ کے فرمان کے مطابق ڈپٹی کمشنر کی مخالفت کے باوجود ان کا تبادلہ رُک گیا۔

بچپن ہی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے حد محبت رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ماہی مدینے والے رات کو تشریف لاتے ہیں، دن کو نہیں آتے۔ اور اکثر یہ نعت پڑھا کرتے ہیں: ؎

ماہی مدینے والا جگ سارا جاندا!
اکھیاں دی ٹھنڈ نالے چین ساڈی جان دا

کبھی کبھی مناجات بدرگاہِ مولیٰ کریم "میری بگڑی بنا دو یا مولیٰ"! پڑھتے ہیں جو چھوٹی عمر کے باعث عوام کو بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے۔

کبھی کبھی منبر شریف پر چڑھ کر وعظ فرماتے ہیں: "اللہ جی نوں یاد کریا کرو، ماجاں (نمازیں) پڑھیا کرو۔" اور نماز کے وقت وضو کر کے امام کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر نماز بھی ادا فرماتے ہیں۔

ایک دن گھر میں اپنے اماں جی صاحبہ کے پاس بیٹھ کر فرمانے لگے کہ سوہنے ابا جی کے پاس درویش

نیچے منہ کر کے بیٹھتے تھے، اب اُوپر منہ کر کے بیٹھتے ہیں۔

یہ تمام وہبی عنایات ہیں جو مولیٰ کریم نے اپنے برگزیدہ بندے کی اولاد میں اپنے فضل سے ودیعت فرمائے۔ ان سے آپ کی عظمت عیاں ہوتی ہے۔ اس وقت ان کی عمر مبارک ساڑھے چار سال ہے۔ مولیٰ کریم ان کی عمر دراز فرمائیں۔ برادرم غلام حسین صاحب واصف کنجاہی نے آپ کی شان میں کچھ اشعار تحریر کیے ہیں جو درج ذیل ہیں:

پیر کا چاند

رشکِ صد خورشید ہے اے ماہتابِ پیر تو
سیّدی نورُ الحسنؒ کے نور کی تنویر تو
اضطرابِ قلب کی تسکین کی تدبیر تو
ہے دلوں کے واسطے رکھتا نگاہ اکسیر تو

دل ہے آلودہ گناہ سے خوگرِ تقصیر ہوں
ظلمتِ عصیاں میں مَیں بھٹکا ہوا رہگیر ہوں

ظلمتِ دل کو ہے بس اے چاند اک تیری ضیا
تیرہ بختی پر میری بھی ہو تجلّی ریز آ!
جلوۂ خوش کُن سے میری شامِ غم کو جگمگا
معصیت کی ظلمتوں میں آ میرا بن رہنما!

روشنی ہے تیری دلکش اور دل آویز تو
میرے ظلمت خانہ میں آ۔ رہ تجلّی ریز تو

ننھے عظمت چاند ہم کو چاند سے پیارا ہے تو
باقر و جعفر کی چشمِ پاک کا تارا ہے تو
حُسن میں ہے دلرُبا سیرت میں دل آرا ہے تو
میں ہوں بے چارہ تیرا خادم میرا چارہ ہے تو

بے سہارا ہوں تیرا دامن سہارا ہے مجھے
تیری شفقت ہو تو ہر دُکھ بھی گوارا ہے مجھے

ہے ابھی کم سن اگرچہ عمر کا ہے اقتضا!
لذّتِ گفتار سے لب ہیں تیرے نا آشنا
تیری ہر حرکت میں پنہاں ہے تکلّم کی ادا
بے زبانی پر تیری لاکھوں زبانیں ہیں فدا

حرفِ مقصد کو اشاروں میں ادا کرتا ہے تو
جانیں کیا معصوم سجدوں میں دُعا کرتا ہے تو

تیری استعداد میرے فہم سے گو دُور ہے! صاحب العظمت تیری عظمت سے دل معمُور ہے
تیرے چہرے پر ہویدا معرفت کا نور ہے! تیرے سینے میں خدا معلوم کیا مستُور ہے

دل ہے سجدہ ریز انعامِ خدائے پاک پر
عقل ہے حیران تیرے جوہرِ ادراک پر

تیری چشمِ معرفت میں پر عیاں ہر راز ہے انتہا ہے عارفوں کی جو تیرا آغاز ہے
کائناتِ دہر میں تو فقر کا اعجاز ہے تیرے مستقبل کا تیرا حال خود غمّاز ہے

گوہر یکتا! بنے گا گوہرِ نایاب تو
آسمانِ فقر پر چمکے گا اے مہتاب تو

چومنا قدموں پہ وہ رکھنا تر ا رخسار کا کس قدر دلکش تھا یہ انداز تیرے پیار کا
اوٹ سے چلمن کی وہ آنا تیرا ہر بار کا سامنا سورج سے پھر خورشید پُر انوار کا

وہ سماں، منظر وہ، لفظوں میں سما سکتا نہیں
"آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں"

نورِ ایماں چاند ہے تیری ضیا میرے لیے ہے سبق آموز تیری ہر ادا میرے لیے
سجدہ گاہ ہے تیرا ہر اک نقشِ پا میرے لیے ہے فنا تیری محبت میں بقا میرے لیے

عمر بھر نغمے تمہارے عشق کے گاؤں گا میں
زندگی کو کر حیاتِ جاوداں جاؤں گا میں

قابلِ نفرت ہوں میں ہر شے میری مذموم ہے میں سراپا معصیت تو سر تا پا معصوم ہے
ضو سے تیری چاند دل کی تیرگی معدوم ہے ہے یہ تیرا لطف کہ واصفؔ بھی خوش مقسوم ہے
کر دُعا بڑھتا میرے ایماں کا سرمایہ رہے سایۂ نُورُ الحسنؒ مجھ کو ہما پایہ رہے

سیّد عصمت علی شاہ صاحب مدظلہٗ

آپ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ ہجری مطابق ۹ دسمبر ۱۹۵۱ء، ۲۴ مگھر سمت ۲۰۰۸ بکرمی سوموار کی رات کو گیارہ بجے ہوئی۔ آپ کے چہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے صاحب حوصلہ اور عالی ہمت ہیں۔ حضور قدس سرہٗ کی خدمت میں دن میں ایک مرتبہ حاضر ہوتے اور آپ تین دفعہ ان کے دہن مبارک پر بوسہ دیتے۔ ایک دن حضور نے فرمایا کہ ان کے دہن سے بچپن کی وجہ سے لعاب نکل کر ہمارے منہ پر لگتا ہے اس لیے ہم بوسہ نہیں دیتے۔ چنانچہ اپنی والدہ صاحبہ کے ہمراہ اندر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن جب تشریف لائے تو اپنے داداجان کی طرف اپنا منہ مبارک نہ کرتے اور ناراض معلوم ہوتے حضور قدس سرہٗ نے مسکرا کر فرمایا کہ دیکھو بھئی! یہ تو مجھ سے رُوٹھ گیا ہے چنانچہ آپ نے اپنے سینہ مبارک پر لٹا کر بوسہ دیا تو تب خوش ہوئے۔

اپنے بڑے بھائی سیّد عظمت علی شاہ صاحب کے از حد مؤدب رہتے ہیں اور جس طرح بھی وہ کہیں خواہ وہ بات ان کی مرضی کے خلاف ہو بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں۔

ایک دن بالکل چھوٹی عمر میں ان کو اپنے والد محترم (حضرت سیّد محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی) اُٹھا کر حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ "ابّا جان! یہ تو لُچا سا آدمی ہوگا"۔ حضور نے فرمایا کہ ایسی باتیں نہ کیا کرو"۔ لیکن انہوں نے کسی فائدہ کے پیشِ نظر ایسا ہی کہا، تو حضور نے فرمایا کہ "سیّد عظمت علی شاہ صاحب بادشاہ ہونگے تو یہ شہنشاہ ہوں گے"۔ دراصل ایسا کہنے سے آپ کا مطلب بھی یہی تھا کہ ان کے حق میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے دُعائے خیر کا ظہور ہو۔ تو

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود! گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

کے ماتحت ان شاء اللہ العزیز حضور کے فرمان کے مطابق شہنشاہِ دین ہوں گے چنانچہ ان کے عادات و خصائل اور شکل و صورت سے بھی یہی نظر آتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑی شخصیت کے مالک ہونے والے ہیں۔
اگر کوئی چیز کھا رہے ہوں اور کوئی خادم پاس آجائے تو اپنے دست مبارک سے اس کے منہ میں بھی

ڈال دیتے ہیں تاکہ دونوں مل کر کھائیں ـــــ اللہ اکبر! خدا کے بندوں کی اولاد میں نیک صحبت کی وجہ سے ایسے اوصاف موجود ہوتے ہیں کہ عوام کے اخلاق بڑے مجاہدوں کے بعد کہیں جا کر ایسے ہوتے ہیں۔

ان کی ولادت کی تقریب سعید پر برادرم غلام حسین صاحب واصف کنجاہی نے مندرجہ ذیل سات رُباعیات نظم کر کے حضور کی خدمت میں پیش کیں:

جامِ تبریک

(۱)

ماہِ میلادِ مصطفٰےؐ آیا لے کے مُژدۂ جانفزا آیا
ہے کرامت دُعائے عظمت کی چاند یہ بھی ہے چاند سا آیا

(۲)

عشق کا آفتاب آیا ہے حُسن کا اِنتخاب آیا ہے
جگمگائے گی فقر کی دنیا! دُوسرا ماہتاب آیا ہے

(۳)

رشکِ ماہِ منیر آیا ہے شاہِ روشن ضمیر آیا ہے
جامِ تبریک پیش کرنے کو! آج واصف حقیر آیا ہے

(۴)

اے شہنشاہِ دیں! مبارک ہو قبلۂ عالمیں! مبارک ہو
کیوں کہوں اس کو یوسفِ ثانی! اس کا ثانی نہیں، مبارک ہو

(۵)

ہو مبارک، غلام کہتے ہیں! آج ہو فیضِ عام کہتے ہیں
آقا! تجھ کو اور اہلِ خانہ کو! لیجو عصمت[۱] سلام کہتے ہیں

۱؎ ولادت کے وقت آپ کا دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھا ہوا تھا گویا آپ اہل خانہ کو سلام کر رہے تھے۔

۶

جب تلک شب کو ماہ چمکے گا مہر بھی صبح گاہ چمکے گا
چاند نکلیں گے جس طرف دونو ذرہ ذرہ راہ چمکے گا

۷

بادۂ لالہ فام بخشیں گے زندگی کو دوام بخشیں گے
تو بھی سرشار ہوگا اے واصف آج تم کو بھی جام بخشیں گے

سیّد فراست علی شاہ صاحب مدظلہ

آپ کی ولادت باسعادت حضور کے وصال شریف کے بعد ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۵۳ء یعنی ۹ مگھر سمت ۲۰۱۰ بکرمی بروز منگل بوقت ظہر ہوئی۔ ابھی ایّامِ رضاعت میں ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ساڑھے تین ماہ ہے۔ ان کی ولادت پر برادرم غلام حسین صاحب نے ذیل کی رُباعیاں لکھیں

جشن مبارک

۱

کون رشکِ بہار آیا ہے ہر کلی پر نکھار آیا ہے
ہے خبر گرم باغ عالم میں دین کا تاجدار آیا ہے

۲

ایک شانِ خطیر کا دن ہے لطفِ ربِّ قدیر کا دن ہے
جشن آؤ منائیں سب واصف آج میلادِ پیر کا دن ہے

۳

گوہرِ لاجواب بخشا ہے ایک دُرِّ پرآب بخشا ہے

میرے آقا کو آج مولیٰ نے تیسرا ماہتاب بخشا ہے

۴

صبح بادِ نسیم لائی ہے موتی شبنم لُٹانے آئی ہے
پئے عقیدت شہِ فراست کی بزم پھولوں نے بھی سجائی ہے

۵

لالہ سُرخی لگا کے بیٹھا ہے! سبزہ دامن بچھا کے بیٹھا ہے
کیف پرور ہے آنکھ نرگس کی! آہو گلشن میں آ کے بیٹھا ہے

۶

بُلبلیں شادکام، کہتی ہیں تہنیت کا پیام کہتی ہیں
جھومتے ہیں خوشی سے سب پودے جُھک کے شاخیں سلام کہتی ہیں

۷

کوہ میں، دشت میں ہواؤں میں ظلمتیں گم ہوئیں ضیاؤں میں
چاند پیدا ہوا ہے سُورج سے نور ہی نور ہے فضاؤں میں

۸

ابتدا ہے یہ انتہاؤں کی قطب عالم کی بھی دُعاؤں کی
حد نہیں ہے قسیم ثانی پر حق کی بخشش کی اور عطاؤں کی

۹

آستاں یہ آباد رکھے گا! مولیٰ آقا کو شاد رکھے گا
ان کی چوکھٹ پہ جُھکنے والوں کو سب کو رب بامراد رکھے گا

سیّد محمد جعفر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی

سیّد محمد جعفر علی شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۸ ر رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ ہجری مطابق ۲۲ پوہ سمت ۱۹۹۴ بکرمی یعنی ۵ ر جنوری ۱۹۳۸ء بروز جمعرات کو ہوئی۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بیحد محبت تھی۔ آپ نے بھی اپنے برادرِ اکبر کے ساتھ سات جماعت تک پہلے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد گھر میں مولوی امام الدین صاحب سے گلستاں بوستاں تک فارسی، کچھ عربی کی صرف و نحو، ترجمہ قرآن مجید اور مشکوٰۃ شریف پڑھی، اور اب پھر لاہور ہائی سکول میں تعلیم حاصل فرما رہے ہیں۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بچپن ہی میں فرمایا تھا کہ یہ صاحب منبر ہوں گے۔ چنانچہ تعلیم کا ان کو بیحد شوق ہے اور ہر وقت اسی میں کوشاں رہتے ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز ایک دن آئے گا کہ آپ حضور کے فرمان کے مصداق زیب منبر بنیں گے۔

صوم و صلوٰۃ کے بچپن ہی سے پابند ہیں۔ نیک صورت اور نیک سیرت، باریک بین، دُور اندیش اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔ والدین کے از حد مؤدب اور ہر ایک سے اس کے درجہ کے مطابق بڑے احترام اور خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ حضور نے وصال شریف کی رات بالخصوص ان ہی کو یاد فرما کر منشی عطا محمد صاحب کو شرق پور شریف بھیجنے کا خیال فرمایا تھا۔ لیکن بے فائدہ سمجھ کر ارادہ ترک کر دیا۔

اپنے بڑے بھائی سیّد محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ کا حضور رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ادب کرتے ہیں اور ان کے فرمان کو دل و جان سے قبول فرماتے ہیں۔ تمام متعلقین کو ان کے ساتھ از حد محبت ہے۔ کاشتکاری اور گھر کے تمام کاموں کا نظم و نسق ان کے ذمہ ہے جس کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خود ہی طریقت میں داخل فرمایا اور آپ اپنے ورد و وظائف پر پوری طرح سے کاربند ہیں۔ مذاہب باطلہ کے از حد مخالف ہیں۔

آپ کی طبیعت بیحد غیور واقع ہوئی ہے۔ کئی ایک واقعات سے ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر شریعت غرا کے خلاف ذرا سا نقص بھی کسی میں دیکھا تو خواہ اس سے کس قدر محبت رکھتے ہوں فوراً اس کے

حق میں ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ کا فرمان صادر فرما دیتے ہیں۔ دوست و دشمن کے از حد متمیز ہیں قناعت کے شیدا اور اسراف سے بیزار ہیں۔ آپ کے برادر اکبران کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے برادرم غلام حسین صاحب کنجاہی کو بالخصوص ان سے زیادہ محبت نظر آتی ہے۔ چنانچہ اپنے تخلص کو ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے واصف جعفری لکھتے ہیں۔ دیکھ لیجیے! آپ کی تعریف میں جو غزل لکھی ہے اس میں عقیدت کا رنگ خاص طور پر نمایاں ہے:

شانِ جعفر

منم عندلیبے ز بُستانِ جعفر — نواسنج عشق و ثنا خوانِ جعفر
مرا از ہمہ حادثاتِ دو عالم — چہ غم زیر سایۂ دامانِ جعفر
نگہبانِ من جعفرِ شیر حیدرؑ — علیؑ شیر مولیٰ نگہبانِ جعفر
الٰہی! بہر حال من دار شامل — تو از فضل خود لطف و فیضانِ جعفر
سرِ خویش خم بہر تسلیم دارم — بہ توفیق حق زیر فرمانِ جعفر
سزد مسندِ فقر و دیں چہ بہ باقیؔ! — چہ ممبر دہد زیب با شانِ جعفر
من از پادشاہاں جہاں بے نیازم — کہ دارم نیاز از گدایانِ جعفر
خوشا نوجواں ساقی سئے عرفاں — خوشا بادہ کش ما جوانانِ جعفر
بگو مژدہ ہر تشنۂ معرفت را — کہ شد موجزن بحرِ عرفانِ جعفر
بیاں چہ کند وصفِ آقا زبانم — بلند است از فکرِ من شانِ جعفر

کند شکر واصف کہ از فضل بے حد
مرا کرد حق از غلامانِ جعفر

شاہنامۂ سادات

یعنی

حضور قدس سرہٗ کا شجرۂ نسب مبارک

باعث کائنات حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

الٰہی! یا الٰہی! آسرا مطلوب ہے تیرا
وسیلہ رحمۃ للعالمینؐ محبوب ہے تیرا

گدایانِ جہاں پاتے ہیں اپنا مدعا تجھ سے
میری بھی عاجزانہ سی ہے یا رب یہ دعا تجھ سے

کہ میرا خواہشاتِ نفس سے آزاد دل کر دے
محمد مصطفیٰؐ کے عشق سے آباد دل کر دے

محمد مصطفیٰؐ ہر شے سے جن کی شان بالا ہے
یدِ قدرت نے جن کو نور کے سانچے میں ڈھالا ہے

مجسم نور ہیں وہ، جسمِ اطہر نور ہے اُن کا
لباسِ عبدہٗ اک مظہرِ مستور ہے اُن کا

محمد مصطفیٰؐ محسن یتیموں کے، غریبوں کے
محمد مصطفیٰؐ آقا ہیں ہم سب خوش نصیبوں کے

محمد مصطفیٰؐ حق کی عطائیں بانٹنے والے
سزائیں بخشنے والے، جزائیں بانٹنے والے

محمد مصطفیٰؐ سب کی خطائیں بخشنے والے
مریضوں، لادواؤں کو شفائیں بخشنے والے

محمد مصطفیٰؐ کا در پناہ ہے بے پناہوں کی
فقیروں، بیکسوں کی، بے نواؤں دادخواہوں کی

شہنشاہِ دو عالم پیکرِ یکتا قناعت کے
نہ بخشا جائے گا کوئی بجز اُن کی شفاعت کے

یہ عظمت ہے محمد مصطفیٰؐ کی مصطفائی کی
انہیں بخشی گئی ہے سلطنت ساری خدائی کی

محمد مصطفیٰؐ مختار قدرت کے خزانوں کے
محمد مصطفیٰؐ مختارِ کُل ہر دو جہانوں کے

مثال ان کی نہ پہلے تھی، نہ اب ہے دو جہانوں میں
محمد مصطفیٰؐ بے مثل ہیں سارے زمانوں میں

تصرف دونوں عالم میں ہے حاصل پائدار ان کو
جہاں کے ذرے ذرے پہ ہے پورا اختیار ان کو

جہاں میں جس طرح چاہیں کسی سے کام لیتے ہیں
ضرورت ہو تو گردش وقت کی بھی تھام لیتے ہیں

اشارے سے فلک پر چاند کو وہ توڑ سکتے ہیں
انہیں قدرت ہے سورج ڈوبتے کو موڑ سکتے ہیں

بہاتے انگلیوں سے آبِ شیریں کے ہیں دھارے بھی
انہی کے حکم سے پڑھتے ہیں کلمہ سنگ پارے بھی

کیا ان کو سراجاً حق نے منوّر بھی مُنیراً بھی
ہمیشہ مومنوں کے واسطے فضلاً کبیراً بھی

ہیں انجم، مہر خوشہ چین خورشیدِ رسالت کے
کیے جس نے اندھیرے دُور دنیا سے جہالت کے

جہاں دو توں یہ ان کے سامنے رائی برابر ہیں!
وہ یوں خورشیدِ طیبہ ہر جگہ حاضر ہیں ناظر ہیں

ہمارے ہر عمل کو دیکھتے ہیں جانتے ہیں وہ!
ہمیں ہر ایک کو اچھی طرح پہچانتے ہیں وہ

خدا نے خود کیا ان کو ہمارے حال کے شاہد
ہماری زندگی کے نامۂ اعمال کے شاہد

ہُوا جو، ہو رہا ہے، ہوگا کیا؟ معلوم ہے اُن کو
جہاں کی ابتدا اور انتہا معلوم ہے اُن کو

ہُوا نہ، اور بھی کوئی کبھی ان کا جواب ہوگا
نہ ڈوبا اور نہ غائب یہ کبھی بھی آفتاب ہوگا

ازل سے تا ابد ہے دو جہاں میں فیض عام اُن کا
ہے بخشش کے لیے واصف کو کافی پاک نام اُن کا

الٰہی! ولولہ، ہمت بھی، توفیقِ رقم بھی دے!
نبیؐ کی پاک سیرت لکھ سکے جو وہ قلم بھی دے

بھروسہ تجھ پہ ہے، احساس ہے دشوار کاری کا
ارادہ ہے تیرے محبوب کی سیرت نگاری کا

تجلّی بخش میرے دل کو بھی انوارِ احمدؐ سے
مجھے بھی بخش حصّہ مخزنِ اسرارِ احمدؐ سے

تدبّر بہت ہیں، ادراک بھی فکرِ رسا بھی ہو
عطا حُسنِ بیاں بھی مجھ کو اور حُسنِ ادا بھی ہو!

سخن میں درد بھی ہو، عشق کا سوزِ نہانی ہو
چھپی الفاظ میں میرے میری آتش بیانی ہو

نظر کو بخش وسعت، قلب کو نورِ ایمانی دے!
میری طبعِ رواں کو آبِ دریا کی روانی دے

جو کھینچوں زندگی پاک کے ادوار کا نقشہ
ہو میرا شعر ہر اک سیرت و کردار کا نقشہ

مجھے توفیق دے اس وصف کے شایاں ہو جاؤں
کہ یوں میں بھی شریکِ زمرۂ حسّانؓ ہو جاؤں

میرے جذباتِ دل کو یوں حقیقت آشنا کر دے
میری گفتار کو کردار میں گم اے خدا کر دے

جہاں سے بے عمل یونہی نہ خالی ہاتھ جاؤں میں
یہ تحفہ قبر میں بھی لے کے اپنے ساتھ جاؤں میں!

خزاں ناآشنا ہو اے خدا باغ کلام اپنا
رہے لوحِ جہاں پر نقش یہ نقشِ دوام اپنا

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جنابہ سیدہ زہرا رسولِ پاکؐ کی بیٹی!
علیؓ کی پاک بیوی سیدِ لولاکؐ کی بیٹی!

وہ زہرا فاطمہؓ حسنینؓ کے کردار کا مرکز
جہانِ عشق میں اخلاص کا ایثار کا مرکز

جہاں کی زینتیں جس کے لیے ناچیز چیزیں تھیں
حیائیں لونڈیاں تھیں عصمتیں جس کی کنیزیں تھیں

وہ خونِ لختِ دل سے باغ اُمت سینچنے والی!
خدا کی راہ میں انمول بیٹے بیچنے والی

بتولِ پاکؓ کی اولادِ نیک و پاک کا صدقہ
خطائیں بخش دے آلِ شہِ لولاک کا صدقہ

اولادِ فاطمہؓ کی فاطمہؓ کی ذات کی عظمت!
ہمارے دل پہ یارب نقش کر سادات کی عظمت

حضرت مولیٰ مشکلکشا شیرِ خدا مظہر العجائب والغرائب سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ

میری مولیٰ علیؓ کی بارگاہ تک بھی رسائی کر
بنے مشکل تو صدقہ شاہ کا مشکل کشائی کر!

تھا حصہ ابن ابی طالب کا ہی دربارِ نبویؐ سے
خطاب اَسَدُ اللّٰہِ الْغَالِب ملا سرکارِ نبویؐ سے

شجاعانِ جہاں میں مثل ہے نایاب حیدرؓ کی
نہ میدانِ وغا میں لا سکا کوئی تاب حیدرؓ کی

جفا جو کافروں کو دعوتِ پیکار حیدرؓ کی
اجل تھی، موت کا پیغام تھی للکار حیدرؓ کی

جوانانِ جری جب سامنے حیدرؓ کے آتے تھے
ہزاروں کے نہیں، لاکھوں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے

علیؓ کی تیغ یوں رن میں ادا کردار کرتی تھی
سروں کے پھول برسا کر زمیں گلنار کرتی تھی

سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور قدس سرہٗ کی اولاد پاک تک

ضیا میں بھی علیؓ کے نور کی تنویر سے پاؤں!
رضا بھی، حوصلہ بھی، صبر بھی شبیرؓ سے پاؤں

حسینؓ ابنِ علیؓ کی اے خدا تعلیم دے مجھ کو!
دے نفسِ مطمئن اور شیوۂ تسلیم دے مجھ کو!

مصیبت میں سہارا تو دلِ اندوہ گیں کا ہو! — عمل میں راہنما کردارِ زین العابدین کا ہو!

اگر اولادِ زہرا پر کسی نے جاں نثاری کی — درختِ دین کی خونِ جگر سے آبیاری کی

الٰہی! رزم گاہِ کربلا کی خاک کا صدقہ — شہیدانِ جفا کی سجدہ گاہِ پاک کا صدقہ

مجھے بھی لذتِ سجدۂ حق سے آشنا کر دے — الٰہی! مجھ کو بھی تو بے نیازِ ماسوا کر دے

جنابِ حضرتِ باقرؒ امام و پیشوا میرے — رہیں یارب دو عالم میں ہمیشہ راہنما میرے

شفا ہر مرض سے اس کے پسر حاذق سے پاؤں میں — قناعت اور صداقت جعفرِ صادقؒ سے پاؤں میں

طفیلِ حضرتِ موسیٰ دلِ مسکین دے یارب! — مجھے فیضِ رضا سے دائمی تسکین دے یارب!

تقی کا دے مجھے تقویٰ نقی کی دے طہارت بھی — الٰہی! کر میرا ہر دشمنِ ایمان غارت بھی!

الٰہی! رحم کر مجھ پر طفیلِ جعفرِ ثانیؒ — کریں خود حضرتِ طاہر میری تطہیرِ روحانی

درِ سید محمد کا مجھے یارب گدا کر دے — میرے دل کو توکلِ میر حمزہ کا عطا کر دے

کروں با فیضِ حامد حمد میں بھی بے ریا تیری — بہ لطفِ بوالحسن دل کا وظیفہ ہو ثنا تیری

رکھیں عبدالحبیبؒ اپنی کریمانہ نگاہ مجھ پر! — کرم کرتے رہیں سید جمال الدین شاہ مجھ پر

عطا مجھ کو ابوطاہر گلِ مقصود فرمائیں — ہمیشہ مجھ پہ بخشش حضرت داؤد فرمائیں!

مجھے رکھیں غلامی میں شہِ عبدالعزیز اپنی — نگاہِ لطف رکھیں حضرتِ مودود نیز اپنی

ہو زین العابدین ثانی کا در جائے پناہ مجھ کو — ہو عین الملک کا صدقہ معاف ہر اک گناہ مجھ کو

ادب سید محمد کا بھی احمد کی حیا بھی دے — صلاح الدین کا اخلاق صالح کی ادا بھی دے

عطا ہو فقرِ یونس بھی سلیمان کی غنا بھی ہو! — جمال الدین اور احمد کا عجزِ بے ریا بھی ہو

تو اللہ داد کا صدقہ کرم کر بے حساب اپنا! — مجھے خادم بنا لیں سید عبدالوہاب اپنا

مجھے کردار یوں سید عثمان کا عطا کر دے — مرا ظاہر بھی باطن بھی فنا فی المصطفیٰ کر دے

طفیلِ شاہ نصر اللہ بنا بندہ سعید اپنا — ہو سر کا تاج لطفِ حضرتِ عبدالرشید اپنا

ہو احسانوں کی محسن کے میرے گلشن پہ بارش بھی — کرم بھی مجھ پہ ہو سید محمد کی نوازش بھی

یہی ہے آرزو اپنی، یہی تجھ سے سوال اپنا!
سگِ دربار رکھیں مجھ کو حضرت شاہ جمالؒ[1] اپنا

میرے اجداد بھی، ننہال بھی والد بھی، مادر بھی
طفیلِ شاہ جیؒ سب بخش دے غائب بھی حاضر بھی

محمد ہر کام میں ہو جعفرِ شفیق کی شفقت!
معاون ہر گھڑی ہو سیّدِ عتیق کی شفقت

سکندر شاہ کا صدقہ عطا بختِ سکندر کر
طفیلِ شاہِ عالم دل کو علمِ دیں کا مظہر کر

حیاتِ پیر کا صدقہ حیاتِ جاوداں بھی دے
غلامِ علی کا صدقہ راحتِ ہر دو جہاں بھی دے

منوّر تیرہ دل نورُ الحسنؒ کے نور سے کر دے
رُخِ خورشید پیدا یوں شبِ دیجور سے کر دے

دلوں کو بخش دے نورِ نبیؐ کی روشنائی بھی!
مشرف نسبتِ نبویؐ سے ہیں ہوں میرے بھائی بھی

دمِ آخر بھی ہم پہ اے خدا یہ مہربانی ہو
ہماری ختم ان کے آستاں پر زندگانی ہو

الٰہی! حضرتِ باقر علی قیّوم کا صدقہ
جنابِ سیّدِ جعفر علی معصوم کا صدقہ

میرے آقا کی یارب! دخترانِ پاک کا صدقہ
اولادِ فاطمہؓ آلِ شہِ لولاکؐ کا صدقہ

خطائیں بخش میری۔ زندہ اور فوتیدہ بہنوں کو
حفاظت میں رکھ اپنی ان کے ایمانوں کے گہنوں کو

الٰہی حضرتِ عظمت علی جی شاہ کا صدقہ
شہِ عصمت، فراست کے غبارِ راہ کا صدقہ

مجھے علمِ لدُن سے باطنی تعلیم دے یارب
حدیثِ پاک کی، قرآن کی تفہیم دے یارب

الٰہی! عجز ہو دل میں، ادب ہو، انکساری ہو،
دیانت ہو، تدبّر، راستی ہو، بُردباری ہو!

عمل میں ہو میرے اخلاص، آنکھوں میں حیا بھی ہو
میری گفتار شائستہ، لطافت آشنا بھی ہو

نرالا شوق دے مجھ کو، نرالے ڈھنگ دے مجھ کو
الٰہی! عشق کے رنگِ وفا میں رنگ دے مجھ کو

ہو دل میں درد بھی، لب پہ میرے نغمے حجازی بھی
کروں اس رنگ سے میں اپنے آقا کی ایازی بھی

مجھے تفویض ہو جس طرح کی جس کام کی خدمت
وہی میرے لیے ہو دین کی اسلام کی خدمت

الٰہی! فیض آقا کا میرے یہ جاوداں رکھنا
ہمارا کعبۂ مقصود ان کا آستاں رکھنا

اولادِ باقر و جعفر میں یہ دونوں نشاں بھی ہوں
انہی میں قطبِ عالم حشر تک غوث جہاں بھی ہوں

[1] حضرت شاہ جمال رحمہ اللہ معروف بہ حضرت شاہ جی پیر ہیں، جن کا روضہ مبارک بنا ہوا ہے۔

اِنہی کے فیض سے واصفؔ کی قائم یاد کو رکھنا
غلام ان کا ہماری نسل کو، اولاد کو رکھنا

خاکپائے ساداتِ عظام
احقر واصف جعفری، باقری، نوری کنجاہ ضلع گجرات

فقر و جہاد[1]

اگر رازِ جنونِ عشق کو کچھ ہم عیاں کر دیں
جنوں کی جستجو میں عقل گم اہلِ جہاں کر دیں

نگاہ اکسیر ہے دل کے لیے مردانِ کامل کی
نظر ڈالیں یہ جس ذرّے پہ مہر ضو فشاں کر دیں

بلند عرشِ بریں سے ہے مقامِ فقر و درویشی
انہیں مقدور ہے اک جست میں طے لامکاں کر دیں

سمجھ اہلِ نظر سے یہ قضا و قدر کا نکتہ
فقیہا! ممکن نہیں تجھ کو قضا کا رازداں کر دیں

تلاشِ بوالحسنؓ کر گر ہے عزمِ بُت شکن دل میں
تجھے ممکن ہے پھر یہ غزنوی کا ہم عناں کر دیں

حسینؓ ابنِ علیؓ سے درسِ تسلیم رضا لے کر
رضا و صبر کی آ، آج تازہ داستاں کر دیں

جہادِ ان کا عمل پیہم، اجل ہے زندگی ان کی!
مجاہد موت کو مر کر حیاتِ جاوداں کر دیں

مقامِ بندگی یہ بھی ہے اک اللہ کے بندوں کا
کہ خاکِ سجدہ سے پیدا زمینِ آستاں کر دیں

کمالِ ضبط ہے ہمدم کمالِ شانِ درویشی
لرز جائیں زمین و آسماں جو یہ فغاں کر دیں

سخاوت ان کی بے پایاں کرم ہے بے مثال ان کا
انہیں مشکل ہے کیا قطرے کو بحرِ بےکراں کر دیں

ہے فیضِ فقر سے واصفؔ یہ قدرت اللہ والوں کی
گدائے بے نوا کو بے نیازِ دو جہاں کر دیں

---

[1] تصوف جو کہ عین اسلام بلکہ رُوحِ اسلام ہے، مولوی مودودی صاحب نے اپنی کور باطنی کے سبب سے اپنے ایک ٹریکٹ میں اسے مسلمانوں کے لیے افیون قرار دیا ہے۔ یہ نظم ان کے ایک فریب خوردہ کالجیئٹ کی ایک تقریر کے جواب میں لکھی گئی۔ واصف

اِسْتِغَاثَۃُ اللَّهْفَانْ

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی ناراضگی کی وجہ سے آپ کے وصال شریف سے کافی عرصہ پہلے مولوی محمد نذیر صاحب برجوی کی حاضری بند تھی۔ آخر وصال شریف کے بعد حضور کے جنازہ پر حاضر ہوئے اور اس ہجر و فراق میں یہ اشعار لکھے :۔

حضرت مستمسکا بزرفین بابكؒ ان لا الام ذیما ... هضبت مستغفرا بجاهكؒ الی اللّٰہؐ من ان اذام ریدا

واشکو متر مرما الیك نراقك اشتدّ کیف ابجم ... زقانی نطق وقلبی حزن وعینی فی الانجام هیضا

نباطی صرصن وفقد بالی وما بخیر فی ایّ ارضٍ ... اُولُوِل منشدا علیٰ ما اصاب من انصرام نیطا

اغثنی یا جامع الکمالات فی المهمات انت غوث ... وکنت من فضلہٖ تعالیٰ مغیثنا فی الدهام عیدا

فهبّت الریح هاج بالی مُعَطِعطًا للحضور وجدًا ... وتبت متنصِّلًا منیبًا فلا تبسنی یا شام مَیطا

ورائحة من جنابك تنال یوم تاتی الصبا بأملی ... سَقِهت لوعًا فزع وعد حالی یا طبیب السقام لینا

رأیت بعد الحضور دهرًا حضرت الاٰن فاعف عنی ... نسیت حظا فاعط منہ بجاہ خیر الانام شیئا

الم تلبلب علی العجانین حین استغاثوا الستّ منهم ... مرضت شغفا ومت هجرا اغث فصحن الایام لیلا

مضی زمان وصاب سهم الفراق کبدی کبوت جوحًا ... وعبّ یم البلا وکبّر مانی فی الالتطام حیفا

اجنّ شوقا انوح الما تفیض عینای من دموع ... تعال عندی ادر نفا غا فلا تحن بالدوام عیشا

لموتك اهتز عرش صمد علیك صلوا ملائك اللّٰہ ... وطبت فاللہ عنك راض لك الاناس خدام هیما

خرجت ای سالما سلیما الی دیار لها بقاء ... رضیت فیها ای باللقاء وبالجنانؒ والخیام ریحا

طلبتنی بعدہ حضرت وزرت فنجبتنی بلیر ... حشائی فالت وفظت طفنا وجاء اجل لوام لیها

ولم افہ بكؒ والتقی عصر جباب هجر بذ ذت عضلا ... من الدرخمین لیت کنت ای بالرجینؒ لااملاہ عیتا

خبت سروج دجت لیالی بها وضاقت علی ارض ... فطحت ذوقا ودُخت بُعدًا معاشی بالالتذام کیفا

ولو بفلك ارش فیجی لینتثرن بہٖ مَصَابیح ... جبال ارض بہ لبست ریاضها کالقتام فیحا

وصار نیف بهی هٰذا اذا نسجمت من عینی بحرًا ... وظل غورا حین استغثت فثم من اهتمام فیفا

اغثنی یا مرشدا اغثنی قد انقضت قحفی عنقفیرٌ ... اعن بحال وخذ بعضدی طغت بحور الغرام ریثا

فروضۃ من ریاض خلد تغیلت حولہا نخیل — تمایحت عسلجت وتثمر تقرعا بالکمام صیفا

تھب ریح بہا تھزھز تقلقلا کالغمام ظل — لدا خلیہا الامان امنا لنا کدار السلام بیتا

کعیت روحی ما فات ھجرا منقرا حولہا یروما — رجاوۃ ان یشم نعما فتوم نعم المرام ایضا

فطیبک من حریمک یفوح اریج فوحا بلثم طیبہ — تضوع المسک من ارانک بجونۃ بالمشام طیبا

تراب نعلیک کحل عینی غبار جلیک لی شفاء — فکل منفوثک الدواء لداۂنا والسقام فیضا

یھبنی حین ما ینال الی ھا با نسیم صبح — اھب متململا واجد شمیم سکک الاطام نیلا

وطاف بمزارک الھوام رواہ بعضنا من ثقات — فانت اھل الیک مالوا خواصنا والعوام میلا

فکیف انسی دھور وصل لقیت فیہا جمال نور — وکنت متدللا احظ وصنت عن احترام ریشا

فنورک من ضیاء شمس النبی من نورہ تعالیٰ — کمالک من کمال احمد ظلک فوق الھمام خیما

فمن احبک لہ تعالیٰ فقد احب من اصطفٰہ — ھدوا بارشادک الوف الی صراط السلام خیرا

فتب علی فداک روحی اسرا لجمال یا قطب عالم — مضت سنون وضاق صدری ای من ورود الالام لیتا

متی یعود الزمان فیہ افوز فوزا بلا ھموم — فربنا اللہ لا یرد مرامنا غیر تام ضیعا

اغثنی یا داخل الریاض اجب دعائی وھات ثمرا — مشیت نحوک لتدعو اللہ لی یعفو الاثام منحا

سعیت متفھلا الیک اغث ولا تشمتن عدادی — یمین فی یرید ظلما ھوانی بالاھتضام شینا

یئیم بال النمام حقدا اعوذ من شرہ بوبی — فمھوک من ورائی بیسعی اثاوۃ لاینام غیظا

ھل اضموا اعدائی اضما ونار اضماتھم شوتنی — جناجنی فی اطیمۃ البال قدۃ بالایام جیشا

الھنا اللہ ما اعان مخالفینا علی مراد — جزائھم ان یباسوا بکما ویھلکوا کالھوام حیقا

سلامنا سیدی علیک ورحمۃ اللہ وبرکات — یفوہ فیک لاھرف مد حاطغامنا والکرام ریما

وان دعوت الی جنابک فاننی خادم لبابک — وان الکت بطردی فاقتل غلامک بالحسام سیفا

عصیت آہ یا شر زمانہ بسر فتادم در آستانہ — بیا بلطف وکرم نوازی سواک ملجا مقام لیسا

نذیرا کنوں فغاں مے گوید کجائی قبلہ شنو نفیرم
بدہ زخم وصل مقلقل شدہ بلب جاں ایں رام غیما

شانِ حضورؐ

عجب نورِ ضیاء نورُ الحسنؓ معلوم ہوتا ہے
بہ ہر سو راہنما جلوہ فگن معلوم ہوتا ہے

تصوّر میں اصل تصویر کی تصدیق ملتی ہے
وہ عین افراد میں کُل کے ضمن معلوم ہوتا ہے

ای یورح نور کی کرنیں نبوّت ہے خلافت بھی
کمال اس کا شہادت میں قمن معلوم ہوتا ہے

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ میں مضمر راز ہے بیعت کا
یہ کُنْتُ سَمْعَہٗ کا بس متن معلوم ہوتا ہے

خسانِ فلک مینا کاریوں سے ہیں یَدُ اللّٰہ کی
قمر میں نور سورج سے حسن معلوم ہوتا ہے

جبھی دیکھا بتانِ آشنا کے بتکدوں میں وہ
بہ ضربِ لَآ اِلٰہَ بُت شکن معلوم ہوتا ہے

مساجد میں منابر پہ وہ خورشیدِ ہدایت کا
بہ تابشِ اِلَّا اللّٰہ روئے سخن معلوم ہوتا ہے

ہوئے دشت و دمن گلزار ہیں انوار اس کے سے
ہے اس کے گلستاں دشت و دمن معلوم ہوتا ہے

چمن میں ذکر اس کے سے ہوئی نغمہ سرا بلبل
گلوں میں وہ برنگِ بوسمن معلوم ہوتا ہے

سمن بویانِ عالم مہ وشان وہم پری رویاں!
بہ خوشبوئش فدا مشکِ ختن معلوم ہوتا ہے

حسینوں کی جبینوں پر پڑا اس نور کا پرتو
شعاعِ نور کا عالم لگن معلوم ہوتا ہے

نزاکت میں ادا حرکت میں نور اس نور گر کا یوں
حسینانِ مصر پر خندہ زن معلوم ہوتا ہے

کبھی بازار میں بکتا وہ بردہ کی حیثیت میں
کبھی والیٔ مصر شاہِ یمن معلوم ہوتا ہے

نہیں اس نور کا ہمسر پھرا آفاق ہے جو بھی
وہ بازارِ حسن میں بے ثمن معلوم ہوتا ہے

نگیں انگشتری توحید کا معدن نبوت سے
جذانِ قرب میں دُرِّ عدن معلوم ہوتا ہے

شبِ اسرا میں محفل دیکھ کہتے فلک والے یوں
وطن اپنے وہ صدرِ انجمن معلوم ہوتا ہے

شمّم، طیبہ، معظمہ، طور، فاراں میں ظہور اس کا
یدِ بیضا میں راز اس کا علن معلوم ہوتا ہے

حجر کعبہ میں بوسہ گاہ ہے مشتاقانِ مولیٰ کا
رُخِ محبوبِ قبلہ کا ذقن معلوم ہوتا ہے

نظاروں میں اشاروں میں کمال ہے لازوال اس کا
وہ ہر صنعت میں فن مولائی فن معلوم ہوتا ہے

اثر سے نظر کے وہ خشت میں دیکھے عوالم کو — لدن کا پاس بے جہد و محن معلوم ہوتا ہے
لوٹا سورج کو الٹے پا، اور انگلی کے اشارے سے — فلک پر چاند کو کرتا دو لخت معلوم ہوتا ہے
وہ ضو عظمت میں مسند آرا کے عصمت فراست میں — زہے پیش نظر جعفر جشن معلوم ہوتا ہے
نشیلی آنکھ جعفر میں، لب عظمت پہ وہ تاباں — وہی عصمت، فراست میں یمن معلوم ہوتا ہے
وہ سیرت میں ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ صفدر — تصور میں کبھی وہ پانچ تن معلوم ہوتا ہے
کبھی غزوات میں غازی، کبھی صبار ہو راضی — شہید کربلائی، لا وطن معلوم ہوتا ہے
عمیم اشفاق، خوش اخلاق ہے کنکاش نیک اس کا — محبت سے بھرا دل بے ضغن معلوم ہوتا ہے
اسی سے سالکان راہ کی ہوتی راہ نمائی ہے — وہی مستوں کا بھی مئے سکن معلوم ہوتا ہے
چراغ بزم مستوں کا لب تشنہ کا وہ ساقی — شراب عشق و عرفاں کا وہ دن معلوم ہوتا ہے
زمین و آسماں سب ہیں جمال اس کے سے بارونق — مگر راہ کمتر دانی کٹھن معلوم ہوتا ہے
کیا سجدہ ملائک نے سر تسلیم خم کر کے — جھکا نہ جو وہی بس اہرمن معلوم ہوتا ہے
شجر اسلام کے گلشن کی پر از میوۂ توحید — حقیقت میں صحیح غصن و فنن معلوم ہوتا ہے
کہیں گلچیں نظر آتا ہے وہ باغ ولائت میں — کبھی وہ پھول بلبل کے دہن معلوم ہوتا ہے
کہیں وہ ثمرۂ مقصود سے پر شاخ جھولے ہے — کبھی گلبن، کبھی وہ یاسمن معلوم ہوتا ہے
حریم روضہ والی کے داخل کو ہے اطمیناں — بہار زندگی کا وہ چمن معلوم ہوتا ہے
دلم گشتہ فدا کوئش حریم خاک کعبۂ جاں! — بہ سجدہ سر خم دار الامن معلوم ہوتا ہے
وہی نور خدا تاباں ولائت میں نبوت سے — وہ ہر مظہر میں خود بے ریب ظن معلوم ہوتا ہے

نذیر اس نور کے عالی مراتب کب شماؤں میں
جہاں دیکھا وہیں اعلیٰ رکن معلوم ہوتا ہے

محمد نذیر برجوی

نعت شریف

حضرت حاجی شاہ حسین قدس سرہٗ جب مدینہ منورہ میں حاضر دربارِ رسالت ہوئے تو روضۂ اقدس کے سامنے ذیل کی نعت کے رنگ میں عرض حال کیا اور حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کے ایما سے جب حضور رحمۃ اللہ علیہ نے "مرآۃ المحققین" کی کتابت فرمائی تو اس نعت کا اشعار ہی میں ترجمہ فرما کر مقابل میں تحریر فرمایا - ذیل میں تبرکاً دونوں کو ہدیۂ احباب کیا جاتا ہے:

ہستم سگِ جنابت یا سیّد المدینہ	جانم فدائے خاکت یا سیّد المدینہ
سگ ہوں میں تیرا درباں یا سیّد المدینہ	میری جاں ہو تجھ پہ قرباں یا سیّد المدینہ
مسکین و ستمندم، محزون و دردمندم	سوزندہ چوں سپندم یا سیّد المدینہ
عاجز ہوں بے نوا ہوں دردوں میں مبتلا ہوں	ہرمل مثل ہوں سوزاں یا سیّد المدینہ
غرقم بہ بحرِ غفلت در بند حرص و شہوت	دارم ز جرم کسوت یا سیّد المدینہ
ڈوبا ہوں بحرِ غفلت حرص و ہوا کا قیدی	پُر ہے جرم سے داماں یا سیّد المدینہ
از مارِ نفس ملعوں جان و دلم خورد خوں!	مضطر شدست محزوں یا سیّد المدینہ
نفسِ لعیں سے میرا دل خون ہو رہا ہے	مضطر ہوا ہوں نالاں یا سیّد المدینہ
در مرض حرص جانم شدہ مبتلا چنانم	چارہ از و ندانم یا سیّد المدینہ
مرضِ حرص میں میری جاں مبتلا ہے ایسی	درماں سے ہوں میں ناداں یا سیّد المدینہ
بے حد گناہ گارم جائے اماں ندارم!	شرمندہ شرمسارم یا سیّد المدینہ
مُجرم ہوں سخت عاصی شرمندۂ پر معاصی	بے زاد راہ ساماں یا سیّد المدینہ
بہر دوا دویدم، در حضرتت رسیدم	چارہ دگر ندیدم، یا سیّد المدینہ
دوڑا ہوں میں دوا کو حضرت سے التجا کو!	دارُوئے دردمنداں یا سیّد المدینہ
ایں بے عدد جرائم مرضیست لا دوائم	فریاد مے نمائم یا سیّد المدینہ
بے حد جرم سے میری یہ مرض لا دوا ہے	فریاد ہے یہ ارماں یا سیّد المدینہ

یا ہادیِ ہدایت، یا شاہِ ذوالعنایت دل وجان من فدایت، یا سیّد المدینہ
اے ہادیِ ہدایت لطفِ کمال والے دل وجاں سے تجھ پہ قرباں یا سیّد المدینہ
یا شاہِ کون وامکاں، دستِ کرم بفشاں از قیدِ نفس برہاں یا سیّد المدینہ
اے دو جہاں کے شاہا دستِ کرم سے کیجو قیدِ نفس سے شاداں یا سیّد المدینہ
تو کس بہ بے کسانی، غم خوارِ عاجزانی! سردار انس وجانی یا سیّد المدینہ
اے بیکسوں کے والی، اے عاجزوں کے حامی سردار جن وانساں یا سیّد المدینہ
ایں آہ وہم فغاں ہا بشنو ز حالِ ماہا اے شاہِ دیں پناہا، یا سیّد المدینہ
اے دو جہاں کے شاہا ہیہات حال میرا آہ وفغان ونالاں یا سیّد المدینہ
یا شاہِ ذوالوقارا، ہیں بے کسیؔ مارا! نظرے بکن خدارا یا سیّد المدینہ
اے بادشاہِ عزّت للہ نظر کرم کی برحالِ ماغریباں یا سیّد المدینہ
ہستم سگِ سگانت مشتاق آستانت مسکین ومدح خوانت یا سیّد المدینہ
ہوں چاکروں کا چاکر مشتاق تیرے در کا عاجز ہوں میں ثنا خواں یا سیّد المدینہ
خواہم ز تو ہدایت، ہر دم کنم ثنایت! سرافگنم بپایت یا سیّد المدینہ
صفت وثنا میں تیری ہر دم رہے یہ بندہ قدموں پہ سر ہو قرباں یا سیّد المدینہ
در ذوق وشوقِ مولیٰ کن مست بے سروپا باشم ہوائے دیلا یا سیّد المدینہ
در ذوق وشوقِ مولیٰ بے خود ومست کردو ہر دم ہو آہ ونالاں یا سیّد المدینہ
دیگر سرم فدایت، یابم شرف لقایت! باشم حضورِ پایت یا سیّد المدینہ
قدموں میں ہو حضوری پاؤں شرف لقا سے سر ہو یہ میرا قرباں یا سیّد المدینہ
عرضِ حسینؔ مسکین بہ پذیر یا شہِ دیں! کُن کرم حالِ ماہیں، یا سیّد المدینہ
عرضِ حسینؔ مسکیں، کیجو نظر کرم کی! برحالِ ماغریباں یا سیّد المدینہ

کتبہٗ محمد یوسف خوشنویس کان اللہ لہٗ۔ ساکن حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ۔ ۱۳، مارچ ۱۹۵۵ء

(دار الاشاعت پنجاب آرٹ پریس لاہور)